ماہنامہ آنچل کی جانب سے ایک اور آنچل

ماہنامہ

حجاب

کراچی

ابتدائیہ

امہات المومنین

ذکر اس پری وش کا

رخ سخن

آغوش مادر

سلسلہ وار ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

پبلشر: مشتاق احمد قریشی، پرنٹر: جمیل حسن، ابن حسن پرنٹنگ پریس
ہاکی اسٹیڈیم کراچی۔ دفتر کا پتا: 7 فرید چیمبرز، عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔ 74400

مستقل سلسلے

خط و کتابت کا پتہ: "آنچل" پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون: 021-35620771/2
فیکس: 021-35620773 ایک از مطبوعات نئے افق پبلی کیشنز۔ ای میل Infoohijab@gmail.com

بات چیت

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
فروری ۲۰۱۶ء کا حجاب حاضر مطالعہ ہے۔

اللہ کا شکر ہے اور آپ بہنوں کا شکریہ کہ حجاب کا چوتھا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ آپ کی پسندیدگی اور حوصلہ افزائی ہے، جس کی بدولت ترقی کی منازل ہمارے قدم چوم رہی ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ حجاب نے چوتھے ہی قدم پر اپنے بہت سے ہم عصر جرائد کو پیچھے چھوڑ دیا ہے کیونکہ بہنوں نے ہماری اس کاوش حجاب کو نا صرف پسند کیا بلکہ اب اپنا بھی لیا ہے کسی بھی جریدے کے ابتدائی چار پانچ پرچے بہت اہم ہوتے ہیں ان میں ہی قدم جم جاتے ہیں یا اکھڑ جاتے ہیں اور ادارہ اپنا بوریا بستر سمیٹنے لگتا ہے یا لپیٹ لیتا ہے۔ الحمد اللہ حجاب نے آپ کے قلب ونظر میں فوراً ہی اپنی جگہ بنالی ہے۔ یہ روشنی ہمیں آپ کی آرا، مشوروں اور تجاویز نے ہی دی ہے ہمیں امید ہے کہ آپ میری ساتھیوں کو اپنی آرا تجاویز سے ہر شمارے کے ساتھ نوازتی رہیں گی۔

کچھ بہنوں کی فرمائش مختصر کہانیوں کی ہے جبکہ کچھ کی طویل ناولٹ یا ناولوں کی ہے میری کوشش یہی ہے کہ آپ کی فرمائش کو سرآنکھوں پر رکھوں ان شاء اللہ ہر دو اقسام کی بہنوں کی دلچسپی اور طلب کو مدنظر رکھتے ہوئے آنچل اور حجاب مرتب کرنے کی کوشش کرتی ہوں اس میں کس قدر کامیاب رہتی ہوں یہ آپ کے خطوط ہی مجھے بتاتے اور سکھاتے بھی ہیں۔ جب تک آپ کے خطوط ملنا نہیں شروع ہوتے میرا دل دھڑکتا ہی رہتا ہے۔ اب چلیں اس ماہ کے حجاب کی جانب۔

اس ماہ کے ستارے

☆ سات سہیلیاں — زریں قمر ایک طویل عرصے بعد مکمل ناول کے سنگ شریک محفل ہیں۔
☆ انوکھے رشتے — خلوص واپنائیت کی چاشنی سے محروم رشتے سوائے درد کے کچھ نہیں دیتے، اقبال بانو کے دلفریب انداز بیاں میں۔
☆ لڈو کھٹے ہیں — طنز ومزاح کے پیرائے میں اصلاح کا فریضہ سرانجام دیتی عفیفہ محمد بیگ کی خوب صورت موثر تحریر۔
☆ درد آشنا — زندگی کے سفر میں کوئی درد آشنا میسر آجائے تو سفر نہایت سہل ہو جاتا ہے حمیرا علی کی خوب صورت تحریر۔
☆ روندے نین — محبت کے نام پر ادھوری رہ جانے والی کہانی، جانئے انعم خان کی زبانی۔
☆ کرب کے شہر میں — شہر محبت کے تاراج ہونے کی ایک اور داستان کنیز ماہی کا دلکش انداز بیان، آپ بھی ملاحظہ کیجیے۔
☆ محبت ہمسفر ہوتی — رہبری اصلاح کا فریضہ سرانجام دیتا سمیرا غزل کا مختصر وموثر افسانہ۔
☆ دل اس سے ملا — یاد ماضی عذاب ہے یارب کی عملی تفسیر پیش کرتی سمیہ عثمان کی خوب صورت کاوش۔
☆ ڈیکوریشن پیس — نازک آبگینے سے جذبات رکھنے والی صنف نازک جب ٹوٹ کر بکھری تو ریزہ ریزہ ہوگئی، حمیرا قریشی کی موثر تحریر۔
☆ بدلتے رنگ — فیشن پرستی اور جدیدیت کے منفی پہلو لیے صباخان پہلی بار شریک محفل ہیں۔
☆ تسکین ذات — تسکین ذات کا حصول کیسے ممکن ہوا آپ بھی ملاحظہ کیجیے سحرش فاطمہ کے سنگ۔
☆ اے زندگی — زندگی کے اسرار ورموز سے آشنا کراتا پھول عابد کا خوب صورت مکمل ناول۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعا گو
قیصر آرا

حمد

کر رہے ہیں تری ثنا خوانی
سوچتی دھرتی بولتا پانی
تُو ہے آئینہ ازل یاربّ
اور میں ہوں ابد کی حیرانی
تیرے جلووں کے دم سے لیل ونہار
تیرے سورج کی سب درخشانی
گونجتا ہے ثناء کے نغموں سے
گنبد جاں ہے میرا نورانی
پار ہوتی نہیں مرے مولا
درد کی سرحدیں ہیں طولانی
تجھ سے بخشش کا ہے تمنائی
تیرا بندہ صبیح رحمانی

صبیح رحمانی

نعت

واذا مرضت فھو یشفین
والذی ھو یطعمنی و یسقین
یہی ہے یہیٰ یہی راہ مبین
اسی پہ اسی پہ ہے میرا یقین
میرا اللہ ہے یہی تیرا اللہ
کی ہے کل جہاں کی اسی نے تزئین
اس سے مانگوں اسی کو چاہوں
اسی کے آگے جھکے میری جبین
سیدھا رستہ دکھاتا ہے رحمان
وہی مالک ہے اپنا وہی امین
اسی کو سجدہ کرتا ہے آسمان
اسی کو سجدہ کرتی ہے زمین
وہی دیتا ہے سب کو حمد اور نعت
وہی دیتا ہے زیست کو تسکین
کشف کے راستے دکھاتا ہے
غیب سے دیتا ہے میٹھا نمکین
ذکر جو کوئی اس کا کرتا ہے
سچا رہتا ہے آدمی کا دین
کوثر کسی پل نہ ہونا تُو غافل
تھامے رکھنا وہی ذہین و فطین

کوثر خالد...... جڑانوالہ

امہات المومنین

ندا رضوان

حضرت زینبؓ بنت خزیمہ

آپؓ کا اسم گرامی زینب تھا اور خزیمہ بن حارث (بن عبداللہ بن عمرو بن عبد مناف بن ہلال بن عامر) کی بیٹی تھیں۔

آپؓ نہایت فیاض اور کشادہ دل تھیں فقیروں اور مسکینوں کی امداد کے لیے ہر وقت کمربستہ رہتیں اور بھوکوں کو کھانا کھلاتیں ان صفات کی وجہ سے لوگوں نے انہیں "ام المساکین" کا لقب دے دیا تھا۔

آپ بڑی فراخدلی سے خیرات دیتی تھیں اور اس سے بڑی طمانیت محسوس کرتی تھیں۔ اگر خاندان کے کسی فرد نے روکا بھی تو اس کی پروانہ کی کیونکہ جانتی تھیں کہ اس سے کبھی رزق میں کمی نہیں ہوتی لہٰذا سب لوگ انہیں ام المساکین کے لقب سے یاد کرنے لگے اور یہی نام زبان زد عام و خاص ہوگیا جس طرف سے گزرتیں یا کہیں جاتیں سب یہی کہتے "ام المساکین آ گئی ہیں" اور پھر یہی لقب ان کے نام کا حصہ بن گیا۔

جب محبوب کبریا ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا تو اس وقت سیدہ زینبؓ کی عمر 13 یا 14 سال تھی آپ کا شجرہ نسب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب نامہ معد بن عدنان سے اکیسویں پشت میں جاکر مل جاتا ہے۔ رسول عربی ﷺ اور عدنان کے درمیان 1158 سال کا زمانہ ہے اعلان نبوت نے مکہ معظمہ کی فضا میں ہلچل مچادی تھی۔ پیغام حق رفتہ رفتہ دماغوں اور دلوں کو مسحور کرنے لگا تھا اور لوگ اعلانیہ اور پوشیدہ طور پر دولت اسلام سے مالا مال ہونے لگے تھے۔ سیر و تاریخ کی کتب اس ضمن میں خاموش ہیں کہ سیدہ زینبؓ نے کب اسلام قبول کیا لیکن اس امر کا اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ اعلیٰ اخلاق اوصاف اور رب کریم کی طرف سے خصوصی اعزازات کو دیکھتے ہی کہا جاسکتا ہے کہ ابتدائی دور میں اسلام کی نعمت عظمیٰ سے بہرہ ور ہوگئی ہوں گی۔

طفیل بن حارثؓ بن مطلب سے زینب بنت خزیمہؓ کا پہلا نکاح ہوا۔ اپنے عزیز و اقارب کو مغموم و افسردہ کرکے جدائی کا داغ دے کر سسرال چلی گئیں سب کا خیال تھا کہ اوصاف حمیدہ کی مالک زینب کی زندگی بڑی حسین و خوشگوار گزرے گی لیکن زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ طفیل بن حارثؓ نے انہیں طلاق دے دی۔ بہترین سیرت و صورت کی مالکہ کو کیوں طلاق ہوگئی تاریخ کے اوراق بتانے سے قاصر ہیں۔

طلاق کے بعد سیدہ حضرت زینبؓ کی دوسری شادی پہلے خاوند کے بھائی حضرت عبیدہ بن الحارثؓ سے ہوگئی۔ ان کی کنیت ابومعاویہ تھی ماں کا نام سخیلہ تھا قد میانہ رنگ گندم گوں اور چہرہ بہت خوب صورت تھا لیکن جوانی کی منزلوں سے گزر چکے تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دار ارقم میں تھے تو خلعت اسلام سے سرفراز ہوئے دربار نبوت میں انہیں غیر معمولی رفعت حاصل تھی۔ حبیب کبریا ﷺ نے مکہ معظمہ میں حضرت بلالؓ کو ان کا اسلامی بھائی قرار دیا تھا۔ ایک دن جانثار رسول ﷺ حاضر خدمت تھے کہ آپ ﷺ نے اپنے لب ہائے مبارک وا فرمائے اور ارشاد فرمایا۔

"تم لوگ مدینے کی طرف ہجرت کر جاؤ۔"

"اور یا حبیب اللہ ﷺ آپ؟" ایک عاشق رسول نے عرض کیا۔

"مجھے ابھی ہجرت کا حکم نہیں۔"

شام کا جھٹپٹا تھا جب حضرت عبیدہؓ گھر میں داخل ہوئے سیدہ زینبؓ چشم براہ تھیں۔

"کیا آج کوئی خاص بات ہوئی ہے؟" سیدہ ام المساکین نے دریافت کیا۔

"تمہیں کس طرح معلوم ہوا؟" شوہر نامدار نے پوچھا۔

"چہرے کے تاثرات سے اندازہ لگایا ہے۔"

حضرت زینبؓ نے جواب دیا حضرت عبیدہؓ نے ادھر اُدھر نظریں گھما کر دیکھا اور پھر آہستگی سے بولے۔

"ہجرت کا حکم ہوا ہے۔"

"واقعی؟"

"ہاں۔"

"کس طرف؟" حضرت ام المساکین نے سرگوشیانہ انداز میں پوچھا۔

"مدینہ کی طرف۔"

اب میاں بیوی در پردہ ہجرت کی تیاریاں کرنے لگے اور مناسب وقت کا انتظار تھا کہ کب مکہ کو خیرباد کہا جائے۔ آخر وقت آ گیا حضرت عبیدہ بن الحارث اپنی زوجہ محترمہ حضرت زینب ملقب بہ ام المساکین دونوں بھائیوں حضرت طفیل، حضرت حصین اور ایک ساتھی حضرت مسطح بن اثاثہؓ کے ساتھ اہل مکہ کی نظروں

سے چھپتے چھپاتے مدینہ روانہ ہوئے۔ طویل سفر کے بعد جب جانثاران و عاشقان رسول ﷺ کا یہ مختصر سا قافلہ مدینہ پاک کی پرامن و محبت آمیز فضا میں داخل ہوا تو سب سے پہلے حضرت عبد الرحمٰن بن سلمہ عجلانیؓ نے اسے خوش آمدید کہا اور بڑے لطف و مہربانی سے میزبانی کا حق ادا کیا اور جب ہجرت فرمانے کے بعد رسول عربی ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت عبیدہ بن الحارثؓ کی حضرت عمیر بن حمام انصاریؓ سے مواخات کرادی گئی اور مستقل سکونت کے لیے ایک قطعہ اراضی مرحمت فرمایا جس میں ان کا تمام خاندان آباد ہوا۔

حضرت عبیدہ بن الحارث اور ان کی اہلیہ محترم حضرت اکرم ﷺ کے عشق و محبت اور جانثارانہ انداز میں زندگی کے دن گزارنے لگے۔ ہر لحظہ محبوب کبریا ﷺ کی رضا و اتباع مقصود تھی۔ حضرت زینب بنت خزیمہ حسب معمول غربا و مساکین کو کھانا کھلاتیں۔ کوئی در اقدس سے خالی ہاتھ نہیں لوٹتا تھا۔ خاص لگاؤ اور محبت کی بنا پر رحمت اللعالمین ﷺ کی نگاہ میں حضرت عبیدہؓ کا خاص مقام تھا لہٰذا وہ لوگوں میں شیخ المہاجرین کے لقب سے مشہور ہوگئے۔ محبوب رب العالمین ﷺ کے سایہ رحمت میں حضرت عبیدہؓ اور حضرت زینب بنت خزیمہؓ کا خوش نصیب جوڑا بڑی پرسکون و اطمینان بخش زندگی گزار رہا تھا۔ ایک دن میاں بیوی بیٹھے باتیں کررہے تھے اور اپنے محبوب آقا ﷺ کے ذکر سے مشام جان کو معطر کررہے تھے۔ سن دو ہجری اور رمضان المبارک کا مہینہ تاریخ بارہ اور ہفتے کا دن تھا۔ اطلاع ملی کہ آج حضور اکرم ﷺ مقام بدر کی طرف تشریف لے جائیں گے۔ حضرت عبیدہؓ جلدی جلدی تیاری کرنے لگے اور حضرت ام المساکینؓ اس تیاری میں ہاتھ بٹارہی تھیں، جب تیار ہوگئے تو محبت آمیز لہجے میں بولے۔

"زینب اللہ حافظ!"

"اللہ اور اس کے محبوب ﷺ کو راضی کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھنی۔" حضرت زینبؓ نے کہا۔

"وہی تو دین و ایمان ہیں ان کی خاطر اگر جان قربان ہوجائے تو اس سے بڑھ کر اور کیا سعادت ہوگی۔" حضرت عبیدہ بن الحارثؓ نے وفور محبت سے کہا۔

"میرے لیے بھی تو مایہ ناز ہے کہ شہید کی بیوہ کہلاؤں۔"

حضرت زینبؓ بڑے جذباتی انداز میں بولیں اور پھر حضرت عبیدہؓ گھر سے باہر نکل گئے اور حضرت زینبؓ انہیں جاتے ہوئے دور تک دیکھتی رہیں۔ ایک دن یہ خبر مدینے کے گلی کوچوں میں پھیل گئی کہ حبیب اللہ ﷺ بدر سے واپس تشریف لے آئے ہیں۔ حضرت ام المساکین نے سنا تو خاوند کے انتظار میں آنکھیں فرش راہ کردیں، تھوڑی دیر کے بعد اطلاع ملی۔

"عبیدہ بن الحارثؓ نے حق کی خاطر اپنی جان نثار کردی۔"

سنا تو حضرت زینبؓ کی آنکھیں غم آلود ہوگئیں آسمان کی طرف نظریں اٹھا کر گویا ہوئیں۔

"اے باراللہ! بس تُو راضی ہوجا۔"

غزوہ بدر کے کافی عرصہ بعد عالم عالمیان ﷺ مع اپنے اصحاب کے وادی صفراء سے گزرے تو رات وہیں قیام فرمایا۔ ہوا چلنے لگی تو ہر طرف خوشبوئیں پھیل گئیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے عرض کی۔

"یارسول اللہ ﷺ! یہاں سے اس قدر دل پذیر خوشبو آرہی ہے ساری وادی مہک اٹھی ہے اور مشام جان معطر ہوگیا ہے۔"

ہادی برحق ﷺ نے سنا تو متبسم ارشاد فرمایا۔

"عبیدہ کی قبر کے یہاں ہوتے ہوئے تمہیں اس خوشبو پر تعجب کیوں ہے؟"

زمانہ شب و روز کی کروٹیں بدلتا آگے بڑھ رہا تھا حضرت زینب بنت خزیمہؓ بیوگی کی زندگی بسر کررہی تھیں، ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ حضرت عبداللہ جحشؓ کا رشتہ آیا۔ یہ حضور اکرم ﷺ کے پھوپی زاد بھائی اور قدیم الاسلام تھے۔ بڑے پرجوش مجاہد تھے قد درمیانہ اور سر کے بال بڑے گھنے تھے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت نے ان کو دنیا سے بے نیاز کردیا تھا سب سے بڑی آرزو یہی تھی کہ جان عزیز کسی طرح اللہ کی راہ میں نثار ہوجائے۔

حضرت ام المساکینؓ نے اپنی مرضی کا اظہار فرمادیا اور پھر دونوں رشتہ ازدواج میں منسلک ہوگئے زندگی میں پھر بہاریں مسکرانے لگیں۔

غزوہ احد کا موقع آیا تو حضرت عبداللہ بن جحشؓ بڑے ذوق و شوق سے تیاری میں منہمک تھے ان کی زوجہ محترمہ تیاری کو بڑی محبت و شوق سے دیکھ رہی تھیں اور ہاتھ بھی بٹارہی تھیں جب تیار ہوگئے تو بیوی کی طرف متوجہ ہوئے۔

"اللہ کی راہ میں لڑنے کے لیے جارہا ہوں، تیاری میں کوئی کمی تو نہیں ہے؟"

"نہیں۔" حضرت زینبؓ نے شوہر کا سر سے پاؤں تک جائزہ لینے کے بعد کہا۔

"دعا کرو کہ میں اللہ کی راہ میں کام آجاؤں۔"

"تمہاری دلی مراد پوری کرے" حضرت زینبؓ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ پھر حضرت عبداللہ گھر سے باہر نکل گئے۔

جنگ سے ایک دن قبل انہوں نے بارگاہ الٰہی میں بڑے درد اور محبت سے دعا کی۔

"اے اللہ! مجھے ایسا عطا کر جو نہایت شجاع اور سریع الغضب ہو۔ میں تیری راہ میں اس سے معرکہ آرا ہوں یہاں تک کہ وہ مجھے قتل کرکے ناک' کان کاٹ ڈالے جب میں تجھ سے ملوں اور تو فرمائے۔

"اے عبداللہ! یہ تیرے کان ناک کیوں کاٹے گئے۔"

تو میں عرض کروں۔

"تیرے لیے اور تیرے رسول ﷺ کے لیے۔"

ان کو اپنی یہ تمنا اس قدر متوقع الحصول نظر آتی تھی کہ قسم کھا کھا کر کہتے تھے۔

"اے اللہ! میں تیری قسم کھاتا ہوں کہ غنیم سے جنگ کروں گا یہاں تک کہ وہ مجھے قتل کرکے میرا مثلہ کرے گا۔"

سات شوال 3 ہجری بروز ہفتہ معرکہ کارزار گرم ہوا حضرت عبداللہ بن جحشؓ اس جوش و جذبے سے لڑے کہ تلوار کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے۔ فخر کونین ﷺ نے ان کو کھجور کی چھڑی دے دی جس نے ان کے ہاتھ میں تلوار کا کام کیا۔ دیر تک اس سے لڑتے رہے آخر کار اسی حالت میں ابوالحکم ابن اخنس ثقفی کے وار نے انہیں درجہ شہادت پر فائز کردیا۔ مشرکین نے مثلہ کیا اور ان کے ناک کان کاٹ کر دھاگے میں پروئے اور تاریخ کے اوراق میں المجدع فی اللہ کے معزز لقب سے بہرہ ور ہوئے۔

ادھر جنگ ہو رہی تھی اور ادھر حضرت زینب بنت خزیمہ گھر میں بیٹھی سوچ رہی تھیں۔

"عبداللہ! تو عشق رسول ﷺ میں سچا ہے تیری دعا رب تعالیٰ ضرور پوری کرے گا۔"

اور پھر ان کی آنکھیں آبدیدہ ہوگئیں فضا میں گہری خاموشی محیط تھی اور سوچوں کی کڑیاں دور تک پھیلتی چلی جارہی تھیں۔ کان دروازے پر لگے رہتے تھے کہ ابھی دستک ہوگی اور خبر لانے والا خبر لائے گا کہ عبداللہ شہید کردیئے گئے اور پھر ایک دن یہ خبر مل گئی کہ ان کی دعا کس طرح حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ حضرت زینبؓ نے پھر آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور کہا

"اے اللہ! تیرا ہر حال میں شکریہ تیری رضا میں میری رضا شامل ہے۔"

حضرت زینب ام المساکینؓ کے آنگن میں پھر بیوگی نے ڈیرے جمالیے۔ وقت گزرتا رہا کہ اب ظہور میں کیا آتا ہے اس وقت ان کی عمر تیس سال تھی۔

اللہ تعالیٰ اپنے شکر گزار بندوں اور بندیوں پر نہایت ہی رحیم وکریم ہے۔ حضرت زینب بنت خزیمہؓ کی قسمت میں ایسا اعزاز و اکرام لکھا تھا جس سے بڑا کوئی اور ہو نہیں سکتا تھا۔ ایک دن حضور اکرم ﷺ نے نکاح کا پیغام بھیجا تو کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا کہ اللہ تعالیٰ اتنا بڑا انعام عطا فرمائے گا لہٰذا کہلا بھیجا۔

"میرے معاملے میں آپ خود مختار ہیں۔"

چنانچہ اللہ کے محبوب ﷺ نے ہجرت کے اکتیسویں مہینے کی ابتداء میں ساڑھے بارہ اوقیہ حق مہر پر نکاح کرلیا اور ام المومنین کا تاج ان کے سر اقدس پر رکھ دیا گیا۔ یہ ایسا تاج تھا جس کا کوئی نعم البدل نہیں تھا ایک آن میں ان کے دکھ ہوا میں تحلیل ہوگئے تھے۔ ہر سو خوشبو رنگ حسن رعنائی اور نور پھیلا ہوا تھا۔ حضور ﷺ کے ملنے سے زندگی کی ساری خوشیاں دامن سے وابستہ ہوگئی تھیں۔

ام المومنین حضرت زینب بنت خزیمہ حضور اکرم ﷺ کی پانچویں عربیہ غیر قریشیہ زوجہ محترمہ تھیں اور اس وقت تین امہات المومنین موجود تھیں۔ وہ تین ماہ محبوب کبریا ﷺ کی زوجیت میں رہنے کے بعد ہجرت کے انتالیسویں مہینے کی ابتدا میں ربیع الآخر 4 ہجری کو بعمر تیس سال دار فنا سے دار بقا کی طرف کوچ فرما گئیں۔ ان کا جنازہ اپنی آخری منزل کی طرف رواں دواں تھا جو ہر لحظہ نظروں سے دور ہوتا جارہا تھا اور پھر نظروں سے اوجھل ہوگیا آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

نماز جنازہ رسول اکرم ﷺ نے پڑھائی لحد میں اتارنے کے لیے حضرت زینب بنت خزیمہؓ کے تینوں بھائی قبر میں اترے اور ان کے جسد پر منوں مٹی ڈال دی گئی اس وقت یوں محسوس ہوتا تھا جیسے فضا میں ان کی آواز گردش کررہی ہو اور کہہ رہی ہو "الوداع یارسول عربی ﷺ روز حشر ملاقات ہوگی۔" حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بعد حضرت زینب بنت خزیمہ کو ہی یہ شرف حاصل ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے ہاتھوں رخصت ہوئیں دوسری سب ازواج مطہرات نے حضور کے بعد جام اجل پیا۔

ذکر اس پری وش کا

زینب احمد

سلمیٰ عنایت

سب سے پہلے حجاب اسٹاف' قارئین کو پیار بھرا سلام' میرا نام سلمیٰ عنایت ہے۔ سیکنڈ ائیر کی طالبہ ہوں' الحمدللہ فرسٹ ائیر میں بہت اچھے مارکس لیے ہیں تو جناب اب اپنا تعارف کرواتی ہوں۔ 3 اپریل 1998ء کو پیدا ہوئی اور دنیا میں امن و سلامتی کا پیغام لائی۔ اپنے بھائیوں میں سب سے بڑی ہوں' ہم چار بہن بھائی ہیں۔ پہلے میں' پھر بھائی ذیشان عنایت پھر رومیصہ میری بہن اور سب سے چھوٹا بھائی حنظلہ ہے۔ والد ڈاکٹر ہیں ان کا نام ڈاکٹر عنایت الرحمٰن ہے۔ والدہ کا نام مریم عنایت ہے' میرا تعلق مذہبی گھرانے سے ہے میرے ماموں' نانا' تایا سب مولوی ہیں اور میں اپنے خاندان کی پہلی لڑکی ہوں جو میٹرک کے بعد بھی تعلیم حاصل کررہی ہوں۔ میری کزن وغیرہ سب مدرسہ میں پڑھتی ہیں' ماشاء اللہ سے ہمارا گھر امن وسکون کا گہوارہ ہے کیونکہ گھر میں سب نماز کی پابندی کرتے ہیں میں بھی الحمدللہ شرعی پردہ کرتی ہوں بس آپ سے درخواست ہے کہ میرے لیے استقامت کی دعا کریں۔ اب آپ کو بتاتی ہوں کہ میری مصروفیات کیا ہیں؟ تو سنئے میں جب فارغ ہوتی ہوں تو آنچل اور اسلامی کتب کا مطالعہ کرتی ہوں مگر اب مجھے حجاب کے لیے بھی ٹائم نکالنا پڑتا ہے۔ رائٹر بننے کا بے حد شوق ہے' بلیک اور وائٹ کلر بے حد پسند ہے۔ میں فیشن ایبل نہیں ہوں بلکہ سادگی پسند ہوں کیونکہ میرے خیال میں سادگی میں زیادہ حسن ہے اور سادگی اللہ کو پسند ہے۔ پسندیدہ شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ میری آئیڈیل حضرت عائشہؓ اور حضرت فاطمہؓ ہیں۔ شاعری سے خوب لگاؤ ہے' بے حد حساس لڑکی ہوں۔ اپنے والدین اور بہن بھائیوں کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی' اپنے اساتذہ کے متعلق بھی بہت حساس ہوں اگر وہ بیمار ہوں تو میں ان کے لیے دعائیں کرتی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ کوئی جادو کی چھڑی ہو جس سے اپنے پیاروں کی ساری پریشانیاں اور دکھ درد مٹادوں' کوکنگ کا بھی شوق ہے۔ سردی کا موسم بے حد پسند ہے۔ برسات کے موسم میں بھیگنا اچھا لگتا ہے' مزاج اور طبیعت شاعرانہ ہے کیونکہ بارش ہو تو میں بارش کے دوران اور بعد میں ہر چیز کو بڑے غور سے دیکھتی ہوں' ہر چیز نکھری نکھری ہوتی ہے مجھے یہ منظر بہت پسند ہے۔ سب کہتے ہیں گھر میں سلمیٰ کے دم سے رونق ہے میری امی مجھے چڑیا کہتی ہیں کیونکہ جب میں گھر میں آتی ہوں کالج سے تو امی کے ساتھ باتوں میں مصروف ہوجاتی ہوں' سارے دن کی روداد سناتی ہوں' ہنستی کھیلتی ہوں۔ بیسٹ فرینڈز کی لسٹ بھی طویل ہے تو جی ان میں عائشہ جاوید' ایمن' نائلہ' لائبہ وحید اور کنزہ نوشین شامل ہیں باقی بھی بہت سی دوستیں ہیں جن میں طیبہ مبارک' عماریہ' سندس' شمائلہ' ارم فردوس' ربیعہ اور سارہ' فائزہ فرید' مصباح وغیرہ شامل ہیں۔ امید ہے کہ آپ کو تعارف پسند آئے گا۔ میری دعا ہے اللہ آپ سب کو خوش رکھے' آنچل اور حجاب دونوں کو دن دگنی رات

چوگنی ترقی عطا فرمائے' آمین۔ اللہ حافظ۔

تسلیم شہزادی

تمام آنچل اسٹاف' رائٹرز اینڈ ریڈرز کو میری طرف سے محبت وخلوص سے بھرا السلام علیکم اور سنائیں آپ سب ٹھیک ہیں؟ مجھے تسلیم شہزادی کہتے ہیں' میرا تعلق کمالیہ شہر سے ہے۔ 10 اکتوبر کو اس دنیا میں تشریف لائی' مجھ میں بہت سے خوبیاں اور خامیاں پائی جاتی ہیں۔ غصہ بہت آتا ہے' ہر کسی پر اعتبار کرلیتی ہوں۔ دوست کے ساتھ باوفا ہوں' جب کوئی میرا دل دکھائے تو نفرت کے جذبات جنم لینے لگتے ہیں اور انتقاماً بددعائیں دیتی ہوں۔ بولتی بہت ہوں' روتی بھی بہت ہوں۔ ہم آٹھ بہن بھائی ہیں دو بہنیں اور چھ بھائی۔ مابدولت سب سے بڑی ہیں اس لیے ذمہ دار اور فرض شناس ہوں۔ پہلے پہل تو اپنی اکلوتی بہن سے بہت محبت کرتی تھی مگر اب یہ جذبات کب کے حسد میں تبدیل ہوچکے ہیں۔ تحفے دینا بہت پسند ہے سو دوستوں کو کبھی کبھار ضرور دیتی ہوں۔ ڈائجسٹ وغیرہ میرے گھر والوں کو پسند نہیں سو چھپ چھپ کے پڑھتی ہوں۔ جیولری میں کانچ کی چوڑیاں' ائیر رنگز اور بریسلیٹ بہت پسند ہیں۔ مہندی لگانا بہت اچھا لگتا ہے' کھانے میں ست رنگ چاول اور چکن بہت پسند ہے۔ آم' انگور اور کھجور میرے فیورٹ فروٹس ہیں۔ گرین اینڈ لائٹ اسکائی بلیو کلر بہت پسند ہے' وکیل بننے کا اور آرمی ممبر بننے کا بہت شوق ہے مگر دونوں میں سے ایک خواہش بھی پوری نہیں ہوسکتی۔ بیوٹیشن کا بھی شوق ہے' کالج میں میری بہت سی فرینڈز ہیں سب سے پہلے شگفتہ شفیق' ماہم مرزا' رابعہ علی' ام ایمن' حسنہ' اقصیٰ' اسماء عارف' اقراء خلیل' عظمیٰ نورشاہ' رقیہ خان' ایمن عباس' آصفہ الیاس' نگینہ علی اور ثمینہ حسن...... کزنز میں سے محمد آصف کمالوی' فرزانہ ندیم شکوری' رضوانہ کرن' سلطانہ کرن' رخسانہ کوثر' سلمیٰ علی' ریحانہ محسن (ثوبیہ رحمٰن) بہت پسند ہیں۔ فیورٹ رائٹرز میں نازیہ کنول نازی' عمیرہ احمد' نمرہ احمد' سباس گل اور سمیرا شریف طور ہیں۔ پسندیدہ ناولز میں ملحف' جنت کے پتے' ہمسفر' پیر کامل' اور محبت دل کا سجدہ شامل ہے۔ آج کل ٹوٹا ہوا تارا بہت اچھا چل رہا ہے۔ نازیہ کنول نازی' وصی شاہ اور سباس گل کی شاعری بہت اٹریکٹ کرتی ہے۔ بھتیجیوں اور بھانجوں میں فہد ندیم شکوری' فیضان احمد' تیمور الحسن' صائم علی اور زین العابدین بہت پسند ہیں اور بھانجیاں تو عائشہ عابد اور ماہم فاطمہ دونوں ہی بہت کیوٹ ہیں بالکل میری طرح۔ امانت علی' عاطف اسلم' فریحہ پرویز' علی عباس اور راحت فتح علی خان کو بہت پسند کرتی ہوں۔ بارش بہت پسند ہے' فیورٹ شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم' محمد علی جناح' علامہ اقبال ہیں۔ فیورٹ ایکٹرز احسن خان' سمیع خان' یاسر شورو اور عفان وحید ہیں۔ کرکٹ بہت پسند ہے' حساس بہت ہوں کسی کے ساتھ ظلم وستم بہت دکھی کردیتا ہے۔ ہر کسی سے بہت جلد فرینک ہوجاتی ہوں' دھوکے باز بہت برے لگتے ہیں۔ میڈم نصرت' میم فرخ عاصمہ' میم رابعہ ارشد' میم زاہدہ' میم عائشہ' میم ثوبیہ میری پسندیدہ ٹیچرز ہیں۔ میری فیورٹ ایکٹرز بینش چوہان' صبا قمر اور مہوش حیات ہیں اور فیورٹ ڈائجسٹ میرا پیارا آنچل ہے۔ تعارف کیسا لگا اپنی قیمتی آراء ضرور دیجیے گا پھر ملاقات ہوگی ان شاء اللہ' اللہ حافظ۔

صائمہ عمرین

السلام علیکم! آنچل کے تمام قارئین اور آنچل کے تمام اسٹاف کو میرا پیار بھرا سلام۔ میں آنچل کی خاموش قاری ہوں۔ کہتے ہیں نا کہ آنچل ہمارا ہے تو اس ہمارے میں' میں بھی شامل ہوں۔ اب بات کرتی ہوں اپنے بارے میں تو سب سے پہلے تو آپ کو اپنی دنیا کا احوال سناتے ہیں مابدولت کو صائمہ عمرین کہتے ہیں۔ گھر میں سب صائمہ کہہ کر پکارتے ہیں' تاریخ پیدائش میں تو کیا میری ماں بھی بھول گئی ہیں کہ میں کس سن میں پیدا ہوئی تھی۔ جائے پیدائش ڈیرہ اسماعیل خان کہ ساتھ ایک دیہات داربن کلاں میں رہتی ہوں ویسے تو یہ دیہات ہے لیکن ہمارے لیے کسی شہر سے کم نہیں۔ تعلیمی قابلیت میٹرک کی اسٹوڈنٹ ہوں' فیملی کے لحاظ سے ہم پٹھان ہیں۔ مادری زبان پشتو ہے لیکن ہم زیادہ تر سرائیکی ہی بولتے ہیں۔ فیملی میں امی' ابو سمیت سات بہن بھائی ہیں یعنی تین بھائی اور چار بہنیں اور تین بھائیوں کی بیویوں بچیوں سمیت رہتے ہیں۔ میرا نمبر چھٹا ہے' ڈاکٹر بننے کا بہت شوق ہے لیکن ہائے رے مجبوری کہ تعلق ٹھہرا تو ایسے خاندان سے جہاں پر پردے کی سخت پابندی ہے۔ رشتے داروں کے گھر رکنے نہیں دیا جاتا تو پھر کالج اور ہاسٹل تو کسی خواب سے کم نہیں۔ ویسے تو پڑھائی کے خلاف نہیں پڑھانا تو چاہتے ہیں لیکن گھر بیٹھ کر کہ جتنا پڑھنا ہے پڑھو اگر نہیں تو آرام سے میٹرک کے بعد گھر بیٹھ جائے اور گھر کے کام کاج سے اپنا ٹائم پاس کرو۔ کیوں کہ ہمارے شہر کی ایک بہت بڑی خامی یہ ہے کہ اس میں لڑکیوں کے لیے کوئی کالج ہی نہیں ہے۔ اب آجاتے ہیں اپنی خوب صورت سی دنیا میں تو بتاتی چلوں اپنی خوبیوں کے بارے میں' ایک اچھی اسٹوڈنٹ ہوں اس کے بعد بامروت' بااخلاق' ہر حال میں خوش رہنے والی' غصے اور لڑائی سے دور رہنے والی ہوں۔ اب آتے ہیں خامیوں کی طرف' تنہائی پسند ہوں (جو کبھی کبھی قسمت سے مل جائے تو اچھا ہے) پہلی بار تو یہ کہ غصہ نہیں آتا اور جب آتا ہے تو گلا پھاڑ کر چیختی ہوں اور بھی بہت ساری خامیاں ہوں گی میرے اندر جو کہ شاید مجھے نظر نہیں آتی کیونکہ ہر کوئی اپنی ہر خامی پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔ کھانے میں آلو گوشت' بھنڈی توریاں' چاول' سادہ اور سمپل سا کھانا اور جو بھی اچھا کھانے کو مل جائے وہ کھالیتی ہوں ویسے تو میں کھانے پینے کی زیادہ شوقین نہیں ہوں سارا سارا دن بھوکی بھی رہ سکتی ہوں۔ جیولری میں چوڑیاں پسند ہیں' ڈرامے وغیرہ شوق سے دیکھتی ہوں' کرکٹ بہت شوق سے دیکھتی ہوں پسندیدہ کھلاڑیوں میں شاہد آفریدی' اکمل برادران اور سب سے بیسٹ فواد عالم ہے۔ میری دوستوں میں عطیہ جو میری بیسٹ فرینڈ ہے' آسیہ' ذکیہ' نوشین' ثمرہ تحسین' زینب' کبریٰ اینڈ رامن ہیں۔ رائٹرز میں نازیہ کنول نازی' سمیرا شریف طور اور ام مریم پسند ہیں۔ نازیہ فاطمہ رضوی' عروسہ شہوار' شمع مسکان' شاہ زندگی' ظل ہما' ام ثمامہ آپ سب مجھے اور میری بہن کو بہت پسند ہیں اور ہم آپ سے دوستی کرنا چاہتے ہیں' آپ کو قبول ہے تو آنچل یا حجاب کے توسط سے جواب دے دیجیے گا' انتظار رہے گا۔ قارئین آپ بھی اپنی آراء سے ضرور مطلع کیجیے گا کہ آپ کو میرا تعارف کیسا لگا' اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا اور اپنا ڈھیر سارا خیال رکھیے گا' اللہ حافظ۔

سیدہ علیشہ

سلام آل آف یو کیسے ہیں سب؟ امید ہے اے ون ہوں گے' ارے یہ کیا...... کیا سوچ رہے ہیں آپ کہ یہ کون ہے جو آج حجاب میں گھسی چلی آرہی ہے تو جناب حجاب صرف آپ کا ہی نہیں میرا بھی تو ہے۔ چلیں اب آپ سب مجھ سے ملئے' نام سیدہ علیشاہ ہے' بہاول پور سے تعلق ہے۔ فروری کا مہینہ بہت پسند ہے کیونکہ ایک تو بہار اپنے رنگ دکھاتی اور دوسرا میں بھی اسی ماہ میں پیدا ہوئی۔ اسٹار دلو ہے مگر مجھے اس پر کوئی یقین نہیں۔ تعلیم اتنی ہے کہ بتاتے ہوئے شرم بعد میں آتی ہے ہنسی پہلے' ہی ہی ہی...... ایف اے کیا ہے وہ بھی رو رو کے' فرینڈ شپ کا بہت شوق ہے مگر سوائے بھیا کے اور کوئی فرینڈ نہیں ہے اسی لیے یہ شوق فیس بک کے ذریعے پورا کرتی ہوں۔ ویڈیو گیمز کھیلنا بہت پسند ہے اور فلمیں زیادہ تر انگلش دیکھتی ہوں۔ کارٹون موویز دیکھنا من پسند ہابی ہے۔ سبھی کارٹون کریکٹرز دل کے قریب ہیں' انڈین فلمیں بھی پسند ہیں۔ سنگرز میں عاطف اسلم' راحت فتح علی خان' سونو نگم' شریا گھوشل' شکیرا' رکی مارٹن اینڈ سامی یوسف پسند ہیں۔ ٹی وی سیریل بھی اچھے لگتے ہیں۔ ہسٹری سے جڑی ہر چیز میں دلچسپی ہے' فیورٹ رائٹرز میں عمیرہ' نمرہ احمد' قیصرہ حیات' نازیہ کنول نازی' عشنا کوثر سردار' عفت سحر' انجم انصار اینڈ ہاشم ندیم شامل ہیں۔ شاعروں میں فیض' وصی شاہ' پروین شاکر' محسن نقوی' احمد فراز' امجد اسلام امجد' جون ایلیا اور بشیر بدر صاحب کا کلام بہت پسند ہے۔ کھانے میں چکن سے بنی ہر چیز شوق سے کھالیتی ہوں۔ میٹھے میں چاکلیٹ اور آئس کریم تو جان سے زیادہ پسند ہے۔ پھول سبھی پسند ہیں' پرفیوم مڈنائٹ اینڈ شکیرا فریگنس فیورٹ ہیں اس کے علاوہ ایف اے رومینس کی خوشبو بھی اچھی لگتی ہے۔ فیورٹ کلرز میں بلیک' وائٹ' پرپل اینڈ لائٹ پنک شامل ہیں زیادہ تر سمپل شلوار سوٹ یا پینٹ شرٹ پہنتی ہوں۔ جیولری پہننے کا نہیں بس جمع کرنے کا شوق ہے۔ چوڑیاں اور مہندی مجھے صرف دوسروں کے ہاتھوں میں اچھی لگتی ہے' دنیا کے سارے جانوروں سے محبت ہے۔ موسم خزاں اور سردی کا اثر یکٹ کرتا ہے' خود کے بارے میں کوئی رائے نہیں قائم کرسکتی کہ انسان ہوں جو کے ہے خطا کا پُتلا۔ اب مزید پریشان نہیں کروں گی اور اجازت چاہوں گی سب بہنوں سے اگر کچھ بُرا لگا ہو تو معذرت' آخر میں میری ایک نظم آپ سب کی نذر۔

اجاڑ دل کی ویرانیاں بھی
ہوتی ہیں کتنی عجیب سی
اگر ہوا کا ایک خوشگوار
جھونکا بھی
یہاں سے گزرے تو
یہ ہو جاتی ہیں غم زدہ سی

اللہ حافظ......!

❁

رخِ سخن

سباس گل

☆ السلام علیکم۔

ج: وعلیکم السلام! جیتی رہو' سلامتی رہو' تمام قارئین کو حسب مراتب سلام و دعائیں۔

☆ آپ کا پورا نام اور اگر کوئی تخلص ہے تو وہ کیا ہے؟

ج: مسز نگہت غفار' میرا کوئی تخلص نہیں ہے۔

☆ آپ کی تاریخ پیدائش' آپ کا اسٹاف' جائے پیدائش؟

ج: جائے پیدائش کراچی' اسٹار عقرب ہے۔

☆ آپ کا بچپن کیسے گزرا؟

ج: بہت اچھا' میں بہت ہی سیدھی سادی معصوم سی تھی اپنے سے چھوٹوں کی بھی ہر بات مان لیتی' کبھی کسی بات کی ضد یا خواہش نہیں کی۔ گھر میں' بہن بھائیوں میں سب سے بڑی تھی لیکن کبھی اپنے بڑے پن کی وجہ سے کسی پر رعب نہیں ڈالا۔ مجھ سے چھوٹی بہن عفت چوہدری (مرحومہ) بچپن میں بہت زیادہ بیمار رہتی تھی وہ پانچ سال کی تھی میں سات سال کی ایک روز اس کی طبیعت بہت زیادہ سیریس ہوگئی تھی گھر پر ڈاکٹر کو بلوالیا گیا تب میں رات کو آنگن میں اندھیرے میں اکیلی کھڑی رو رو کر اللہ سے اس کی صحت اور سلامتی کی دعائیں مانگ رہی تھی اور اللہ سے کہہ رہی تھی "پیارے اللہ میاں میری بہن کی ساری بیماریاں مجھے دے دے' میری بہن کو اچھا کردے" لیکن جب میری عزیز ترین بہن کراچی کے ایک ہسپتال میں رات کے تین بجے مدت سے موت سے لڑتے لڑتے شکست کھا گئی اور...... میں اس لمحہ نہ موجود تھی نہ میں نے رب سے یہ دعا مانگی کہ اے مالک مجھے لے لے میری بہن کو بخش دے۔

☆ کیا آپ کے گھر میں ادبی ماحول تھا؟

ج: جی بالکل امی اور تایا تاریخی ناولز پڑھا کرتے تھے۔ اے آر خاتون' نسیم حجازی' شوکت تھانوی وغیرہ وغیرہ۔ میں گھر میں چونکہ سب سے بڑی تھی امی اور بابا باری باری ایک دوسرے کو پڑھ کر سناتے' اکثر رات کو چھوٹے بہن بھائی سو جاتے تب میں بھی بستر پر لیٹے لیٹے جب تک نیند نہیں آتی' سنتی رہتی۔ بس دل نے کہا کہ میں بھی کہانیاں لکھوں' اس کے لیے امی بابا سے اجازت مانگی' بابا نے فوراً اجازت دے دی' میں خوش ہوگئی۔ امی بابا کے آگے کچھ نہ کہہ سکیں پھر میں نے پہلا افسانہ "پاپیلٹ" لکھا جو "آغاز" اخبار میں شائع ہوا میں نے بھیجا اور فوراً شائع ہوگیا بابا نے خود ہی پیک کیا خود ہی پوسٹ کیا۔

☆ ذاتی طور پر آپ کو شاعری کی کون سی صنف پسند ہے' نظم' غزل' ہائیکو؟

ج: مجھے تینوں پسند ہیں ویسے میں نے نثر نگاری سے لکھنے کی پہل کی مگر میں نے جب آغاز میں افسانہ بھیجا تھا تب حمد و نعت بھی لکھی تھی مگر کہیں اشاعت کے لیے نہیں بھیجی تھی مگر اب ماشاء اللہ نظم' غزل اور قلیل تعداد میں ہائیکو میں نے لکھی ہے۔

☆ ایک شاعر کے لیے داد و تحسین اور تعریف کتنی ضروری ہے؟

ج: بہت ضروری ہے تعریف یا داد و تحسین یہ دونوں ہم معنی اور بہت حوصلہ دینے والے جملے ہیں بچہ ہو یا بڑا دونوں کی خواہش ہوتی ہے کہ اگر وہ اچھا کام کرے تو اس کی تعریف کی جائے تعریف کرنے سے بندے کا حوصلہ بڑھتا جوش اور جذبہ پیدا ہوتا ہے اسے خوب سے خوب تر کی جستجو ہوتی اس کی ہمت اور حوصلہ بڑھتا ہے۔

☆ زندگی کو ایک جملے میں بیان کیجیے؟

ج: ناممکن ہے بہر حال کوشش کرتی ہوں ہر شخص نے اپنے پیشے کے اعتبار سے اس کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ "میں سمجھتی ہوں زندگی کمرۂ امتحان ہے۔"

☆ آپ اپنی شاعری میں صرف غم جاناں پر طبع آزمائی کرتی ہیں یا ملکی حالات کو بھی اپنی شاعری کا حصہ بناتی ہیں؟

ج: ویسے تو عموماً غم جاناں ہی کا تصور آتا ہے لیکن میں نے ملک میں ہونے والی آفات وہ حادثات پر شاعری بھی کرتی ہیں۔ موسم پر بھی اور ماں کے لیے بھی نظم لکھی، جسے ریشم رسالے میں 26 اپریل 2014ء کو ایوارڈ کے لیے منتخب کیا آپ بھی پڑھیے۔

تمہاری نرم بانہوں کا لمس
تمہاری محبت پاش نگاہوں کا سحر
تمہاری مہکتی سانسوں کی گرمی
ہمیشہ یاد آتی ہے مجھے
وہ تمہارا میری ذرا سی
تکلیف پر تڑپ اٹھنا
اٹھا کر ہاتھ لبوں سے
دعاؤں کے پنچھی آزاد کرنا
وہ اندھیری سرد راتوں میں
مجھے اپنے سینے سے بھینچ لینا
میرے سکھ پر ہنسنا
میرے دکھ پر رو دینا
میری بھلائی اور بقاء کے لیے
آنچل پھیلا کے رب سے دعا مانگنا
ہمیشہ یاد آتی ہے مجھے
تیری مہربانیاں دو وارفتگی
ہمیشہ یاد آتی ہے مجھے
پلکوں پہ سجا کے یادوں کے جگنو
تصور میں اپنے خوابوں کی تعبیر دیکھنا
میری ماں خدا تجھے تا قیامت رکھے سلامت
ہے میری یہ دعا دنیا کی ساری مائیں لمبی عمر پائیں
آمین۔

ویسے میں نے اپنے شوہر محمد عبدالغفار صاحب کے انتقال کے بعد بہت ہی المیہ نظمیں اور غزلیں لکھیں بیشتر شائع ہو چکی ہیں۔ نثر میں میری کہانی "میں ایک بیٹی ہوں" کو بچی کہانیوں میں دسمبر 2013ء میں ایوارڈ ملا۔

☆ کیا شاعری معاشرے میں اصلاح کا فریضہ سر انجام دے سکتی ہے؟

ج: بالکل کر سکتی ہے اگر کوئی اچھا پیغام ہو تو یہ ممکن ہے کبھی کبھی پورا دیوان وہ کام نہیں کر پاتا۔ جو ایک جملہ کر دیتا ہے ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے جب جس کام کا ہونا...... یا کرنا اللہ کے حکم سے ہونا ہو تو اسے کوئی نہیں روک سکتا ایک جملہ ایک بات بھی تقدیر بدل سکتی ہے۔

☆ کیا یہ سچ ہے کہ جب تک کوئی صاحب کتاب نہ ہو اسے شاعر نہیں مانا جاتا؟

ج: میرا خیال ایسا نہیں ہے میں ابھی تک صاحب کتاب نہیں ہوں، مگر الحمدللہ ماشاء اللہ سے ریشم، پاکیزہ، مسرت اور دیگر رسائل میں کسی میں باقاعدہ انٹرویو اور کسی میں تعارف شائع ہو چکا ہے۔

☆ کیا چاندنی رات آپ کے مزاج پر اثر انداز ہوتی ہے، اس پر کچھ لکھا؟

ج: بالکل اثر انداز ہوتی ہے عشاء کی نماز کے بعد دعا کے لیے ہاتھ اٹھایا، نظر اوپر کی سامنے کھڑکی سے چاند نظر آیا اور میں نے نماز قرآن سے فارغ ہو کر کاغذ پین سنبھالا اور ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں جو کوشش کی وہ آپ کو سناتی ہوں۔

اے رات کے مسافر چندا ذرا سن!
میں بھٹکتی ہوں اکیلی ہر نگر ہر بن
کھو گیا ہے میرا ہمسفر میرا ساجن
تکتی ہوں شب کی تنہائی میں تیرا جوبن
دل میں ہیں اداسیاں اور پاگل میرا من
اے رات کے مسافر چندا ذرا سن!

8 اکتوبر 2005ء میں جو قیامت صغریٰ کا منظر پیش آیا تھا، اس پر میں نے لکھا پھر معصوم خوب صورت سے پھول اور کلیوں کی شہادت پر اپنے دکھ کا اظہار کیا۔ موسموں پر گرمی سردی پر اپنے دکھ اور جذبات کو لفظوں میں ڈھال کر اپنے قارئین تک پہنچایا۔

☆ پہلی نظم، غزل یا شعر کب کہاں اور کس رسالے میگزین یا اخبار میں شائع ہوا؟

ج: پہلے میں نے حمد یا نعت لکھی تھی مگر اشاعت کے لیے نہیں بھیجی پھر اس کے بعد بھی یاد نہیں نظم کبھی وہ کہاں بھیجی ویسے میں نے ماشاء اللہ سے 58 غزلیں، نظمیں اور دو تین ہائیکو لکھی ہیں۔ ماشاء اللہ ایک اندازے کے مطابق 50 تک شائع ہو چکے ہیں (تقریباً)۔

☆ ایک رائٹر نثر کے ذریعے اپنی دلی کیفیات کو بیان کر سکتا ہے پھر آپ کو شاعری کرنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟

ج: بالکل رائٹر نثر کے ذریعے اپنی دلی کیفیات کو بیان کر سکتا ہے لیکن نثر میں وہ بہت تفصیلی طور پر اپنی دلی کیفیات اپنے جذبات، اپنے احساسات کی عکاسی کر سکتا ہے۔ اس کے برعکس شاعری میں کم لفظوں میں مختصراً اظہار خیال ہوتا ہے۔ ہمارے اردگرد بے حساب کہانیاں ہیں، انہیں دیکھنے سمجھنے اور پرکھنے کی ضرورت ہوتی ہے، کبھی کبھی ایک چھوٹی سی بات کہانی بن جاتی ہے ایک دفعہ میرے ساتھی ماسٹر نے مجھ سے کہا، باجی میرا بہت ضروری لیٹر تھا۔ پھوپو نے مجھے وقت پر نہیں دیا جس سے میرا بہت نقصان ہوا اب بتایئے اس میں ایسی کیا بات یا پوائنٹ ہے کہ اس پر کہانی لکھی جائے مگر میں نے کہانی لکھی، رسالے میں فوراً شائع ہوئی اور مجھے دوسرا انعام ملا۔

☆ شاعری خداداد صلاحیت ہے یا شوق؟

ج: میرے خیال میں خداداد صلاحیت ہے، ہر خوبی اور صلاحیت اللہ رب العزت کا کرم اور دین ہے۔ اللہ رب العزت ایسی صلاحیتیں اور خوبیاں ہم کو عطا کرتا ہے ورنہ ہم کیا ہماری اوقات، ہماری بساط کیا ہے یہ سب اس اللہ تعالیٰ کا کرم اس کا انعام ہے۔

☆ کیا شاعری سچ بولتی ہے؟

ج: جی ہاں...... نثر کی طرح نظم یا غزل، جو بھی لکھیں اس میں بھی جذبات اور احساسات کو لفظوں کی صورت، ہم دوسروں تک پہنچاتے ہیں کبھی یہ اس میں سچائی کا رنگ بھی بھرتی ہیں۔

☆ خواتین کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ خواتین اچھی شاعرہ نہیں ہوتیں بلکہ مرد حضرات زیادہ اچھی شاعری کرتے ہیں آپ اس بات سے کس حد تک متفق ہیں؟

ج: میرا خیال ہے ایسا نہیں ہے آج کے اس دور میں خواتین ماشاء اللہ اب ہر فیلڈ میں مرد کے شانہ بشانہ قدم سے قدم ملا کر چل رہی ہیں تو شاعری میں بھی وہ پیچھے نہیں ہیں بقول نزہت کے پہلے مرد حضرات زیادہ اس فیلڈ میں تھے لیکن اب نہیں ہیں، دونوں ہی یہ ذوق رکھتے ہیں۔

☆ مرد اور خواتین کی شاعری میں کیا فرق محسوس ہوتا ہے؟

ج: جی نہیں میرے خیال میں کوئی فرق نہیں ہوتا کیونکہ عشق، محبت، چاہت، وصل، ہجر...... ان لذتوں سے دونوں ہی آشنا ہیں لہٰذا تقریباً ملتی جلتی شاعری ہوتی ہے دونوں کی۔

☆ ایک اپنا شعر جو آپ کو پسند ہے؟ اور ایک کسی دوسرے شاعر کا شعر؟

ج: میرا شعر:۔

ہجوم بہاراں ہے مگر میں تنہا
جشن بہاراں ہے مگر میں تنہا

......

پرندوں میں کبھی فرقہ پرستی نہیں دیکھی اقبال
کبھی مندر پہ جا بیٹھے کبھی مسجد پہ جا بیٹھے

☆ آپ کے مشاغل کیا ہیں اور کوکنگ بھی آپ خود کرتی ہیں؟

ج: میرے کوئی خاص مشاغل نہیں ہیں، صبح اٹھ کر نماز پڑھی قرآن پاک کی تلاوت کی پھر سو گئی پھر ایک سب سے بڑی اور اہم ذمہ داری سب سے چھوٹے بیٹے فہد کو جگانا ہے جن کو جاگتے جگانے میں خاصہ ٹائم درکار ہے پھر ان کے ساتھ ناشتا کرتی ہوں، لکھنا ہو تو لکھتی ہوں ورنہ...... گھر کے کاموں میں لگ جاتی ہوں کیونکہ مجھ سے بے کار نہیں بیٹھا جاتا حتی المقدور یہ ہی کوشش کرتی ہوں کہ نزہت کی بیٹی طیبہ دوسرے نمبر کی بہو میرے ساتھ ہی رہتی ہے تو کوشش یہی کرتی ہوں کہ جو کام کر سکوں کر لیتی ہوں تاکہ اس کی تھوڑی ہیلپ ہو جائے میرے دو کنوارے بیٹے اور میں طیبہ کی فیملی ہم ایک پورشن میں رہتے ہیں۔ گراؤنڈ فلور پر باقی دو اوپر فرسٹ اور سیکنڈ فلور پر رہتی ہیں، کھانا پینا الگ ہے ان دونوں کا۔ الحمدللہ ایک ہی گیٹ سے آتے جاتے اور ایک ہی چھت کے نیچے رہتے ہیں دعا کریں کہ میری زندگی تک اور میرے بعد بھی اسی طرح رہیں۔ کھانا پکا لیتی ہوں، پرفیکٹ تو نہیں ہوں مگر الحمدللہ اب بھی اگر سالن پکا لوں تو رات کو دستر خوان پر سب ساتھ ہوتے ہیں اللہ کے کرم سے پوزیٹو کمنٹس آتے ہیں بچے یہ ہی کہتے ہیں آج سالن امی نے بنایا ہے۔

☆ نئے لکھنے والوں کے لیے کوئی رہنمائی؟

ج: ہر کام سے مخلص اور ایمان دار ہونا چاہیے کوشش یہ ہی کریں کہ آپ کے قلم سے کسی کی دل آزاری نہ ہو بزرگوں کی

عزت و تکریم میں کوئی فرق نہ آئے یوں تو ہمارے اس معاشرے میں بہت ہی زیادہ اصلاح درکار ہے ہر قدم، ہر منزل، ہر مقام پر۔ اللہ جن کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے وہ قوم نہیں سنبھلتی جب تک کہ اسے خود ہی اپنے سنبھلنے کا خیال نہ آئے لیکن...... ہم اگر اپنے چند لفظوں سے کسی کو احساس ذمہ داری کا سبق دیں، سوئے ہوئے ناعاقبت اندیش لوگوں کو جگائیں تو یہ نیکی ہوگی اور اس دور میں نیکی اور نیکی کرنے والوں کا قحط پڑا ہے۔ ہم آسان اور اچھے لفظوں میں اگر اچھی باتیں دوسروں تک پہنچائیں تو ہمیں خود ہی بے حد خوشی اور طمانیت ہوگی، اللہ رب العزت ہمیں یہ توفیق اور سعادت نصیب فرمائے آمین۔

☆شہرت کیسی لگتی ہے؟

ج: بیٹا جانی! شہرت بہت اچھی لگتی ہے، بہت ہی خوشی اور سرور ملتا ہے۔ اکتوبر 1992ء میں میرا ایک افسانہ ماہنامہ آنچل میں شائع ہوا تھا "محبت تو جاوداں ہے" وہ لوگوں نے بہت پسند کیا تھا، نومبر کے آنچل میں جتنے خطوط تھے تقریباً سارے کے سارے میرے افسانے کی پسندیدگی پر تھے، بدقسمتی یہ ہے کہ دونوں رسالے کسی مہربان نے پڑھنے کے لیے لے کر واپس نہیں کیے۔ ایک روز میں اپنے اسکول سے گھر واپس جا رہی تھی، مجھے پیچھے سے قدموں کی چاپ سنائی دی اور ساتھ ہی کوئی مجھ پکار رہا تھا "پتر...... پتر جی...... ذرا بات تو سنیں" میں نے آواز پر گھوم کر دیکھا تو ایک خاتون تھیں، بزرگ سی میں نے سلام کیا وہ مسکرائیں۔ "پتر وہ میری بیٹیاں آ رہی ہیں انہوں نے آپ کو روکنے کو کہا" میں جو کسی اسٹوڈنٹ کی امی یا بہن ہوں گی وہ قریب آئیں، مجھے سلام کیا میں نے جواب دیا وہ پوچھنے لگیں آپ مسز نگہت غفار ہیں، میں مسکرائی "جی میرا نام مسز نگہت غفار ہے" ایک نے کہا "آنٹی آپ نے آنچل میں افسانہ لکھا ہے "محبت تو جاوداں ہے" میں نے مسکراتے ہوئے کہا جی آپ کو اچھا لگا؟" "آنٹی جی بہت اچھا لگا" ہمیں بہت خوشی ہو رہی ہے کہ آج ہماری ملاقات آپ سے ہوگئی، سچ ہمیں بہت خوشی ہو رہی ہے۔" دوسری نے میرا ہاتھ پکڑ لیا "یقین کرو بیٹا جی! آج اتنے برس بیتنے کے بعد بھی مجھے اتنی خوشی اور مسرت ہوتی ہے کہ جس کا کوئی بدل نہیں" اور ایک مرتبہ محترمہ انجم انصار کے ہاں ہم لوگ مدعو تھے وہاں رضوانہ پرنس صاحبہ سے پہلی بار ملاقات ہوئی۔

انجم باجی نے جب میرا تعارف کروایا یہ مسز نگہت غفار ہیں تو رضوانہ جی دور کھڑی تھیں بڑے ہی خلوص اور محبت سے والہانہ انداز میں آگے بڑھیں اور مجھے گلے سے لگا لیا ایک وہ لمحہ میں نہیں بھول سکتی انہوں نے نہ صرف گلے لگایا بلکہ گویا ہوئیں "اوہ تو یہ ہیں مسز نگہت" دعائیں دینے والی ہستی مجھے بہت پسند ہیں، میں تو ان سے ملنا چاہتی تھی بھئی آپ کی دعائیں کمال کی ہوتی ہیں۔"

☆پسندیدہ رنگ، مشروب، کھانا، خوشبو، لباس، موسم، پھول، شاعر؟

ج: چندا تھک گئی ہو اس لیے آٹھ سوالات کو ایک سوال میں ضم کر دیا۔ اچھا بھئی سنو وائٹ کلر اور لائٹ پنک کلر، مشروب جو مل جائے کھانا جو مل جائے تیز مرچ مصالحے نہ ہوں۔ اللہ کے فضل و کرم سے شادی کے بعد جب غفار صاحب دبئی گئے تھے جب ہر طرح کی پرفیوم استعمال کی سب ہی پسند ہیں مگر آج کل الکحل فری استعمال کرتی ہوں۔ لباس، شادی کے بعد ساڑھی ہی پہنی، ساس صاحبہ مرحومہ شلوار قمیص کے لیے منع کرتیں کہ تم لڑکی لگتی ہو نہ پہنا کرو مگر اب گھر میں شلوار قمیص اور تقریبات میں ساڑھی استعمال کرتی ہوں۔ موسم...... بیرونی موسم سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا اندر کا موسم اچھا ہونا چاہیے۔ پھول اپنے نام کا میرا اصلی نگہت یاسمین ہے لہٰذا یاسمین پھول پسند ہے (چنبیلی) شاعر ویسے تو پرانے شاعر سب ہی اپنی اپنی جگہ اچھے تھے مگر اب موجود نہیں۔ عشق و محبت کے حوالے سے پروین شاکر، وصی شاہ کی شاعری اچھی ہے۔ ناصر فراز اور قتیل پسند ہیں۔ رائٹر میں میں نے انجم جی کو "ملکہ مزاح" کا خطاب دیا ہے وہ مجھے پسند ہیں۔ بشریٰ جی، عرفان رامے، کاشی چوہان بھی پسند ہیں۔

☆ قارئین حجاب کے لیے کوئی پیغام؟

ج: ہر ایک پر بھروسہ نہ کریں، دلوں کو یاد الٰہی سے معمور رکھیں۔ خلوص اور سچائی کو قبول کریں، پہلی ملاقات میں کسی کے بارے میں رائے قائم نہ کریں، اپنے قلم کا بے جا مصرف نہ کریں۔ اپنے آنچل اور اپنے حجاب کا خاص خیال رکھیں، اب اجازت اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو پاکستان کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اللہ حافظ۔ اللہ ہم سب کا حامی و ناصر، مالک و مددگار۔

آپ سب کے لیے:۔

دعا سے قبل ملے تجھ کو جو تُو چاہے
کہ دعا کو خود تیرے ہاتھ کی ضرورت ہو

آغوشِ مادر

سبیعہ عثمان

ہر کوئی ایک ہی بات ہمیشہ لکھتا ہے کہ ماں کے بارے میں کیا لکھیں لیکن جب میں نے قلم اٹھایا تو میرے احساسات کچھ الگ تو نہیں مگر تھوڑے مختلف ضرور تھے کیوں کہ میں اس ہستی کے بارے میں لکھنے لگی ہوں جس سے میں نے دنیا میں آنے کے بعد صرف محبت پائی ہے۔ بے لوث و بے غرض محبت، پاکیزہ محبت، انمول محبت، ایسی محبت جس کے لیے الفاظ نہیں یا اگر یوں کہوں کہ قلم کو لگام دے کر لکھ رہی ہوں تو غلط نہیں ہوگا۔ نجانے کون سی بات انہیں ناگوار گزر جائے اور وہ مجھ سے خفا ہو جائیں گو کہ ناراض ہو کر وہ زیادہ کچھ نہیں کہتیں بس خاموشی اختیار کر لیتی ہیں اور ان کی طرف سے ہمارے لیے یہ سزا بہت بڑی ہے۔

ایسی سزا جس میں مما کو منانے کے لیے ہمیں اپنی جان ہتھیلی پر رکھنی پڑتی ہے اور ایسے میں پاپا ہماری مدد کرنے سے صاف انکاری ہو جاتے بلکہ الٹا وہ مما کی سائیڈ لیتے کہ آپ لوگوں کی غلطی ہے آپ سب مل کر انہیں تنگ کرتے ہو۔ میں نے پاپا کو بھی مما سے ناراض ہوتے کم ہی دیکھا کیونکہ مما ضد، بحث یا شور شرابا نہیں کرتی تھیں بلکہ جہاں کوئی بات انہیں ناگوار گزرتی وہ خاموش ہو جاتی تھیں وہ چاہے ہم ہوں یا پاپا۔

میری پیدائش کراچی کی ہے لیکن تعلیم ملتان سے حاصل کی، مما کی شادی ملتان میں ہوئی اور غم روزگار پاپا کو کراچی لے آیا تھا لیکن میری پیدائش پر واپس ملتان شفٹ ہوگئے ہم تین بہنیں اور ایک بھائی ہے۔ بھائی سب سے چھوٹا ہے اور میں دوسرے نمبر پر ہوں یوں تو میں زیادہ اپنے پاپا سے اٹیچ رہی اپنی ہر بات بلا جھجک کہہ دیا کرتی جبکہ مما کے مقابلے میں پاپا زیادہ غصہ ور تھے۔

میں پڑھائی میں کیونکہ اچھی تھی اور شکل و صورت میں بھی پاپا سے ملتی تھی پر گئی اس لیے ان کے قریب آ گئی۔ پاپا کی خواہش تھی کہ میں میڈیکل میں جاؤں اور ان کی خواہش دیکھتے ہوئے میں نے کوشش بھی کی لیکن آگے میری قسمت کہ میتھس میں نمبر اچھے آ گئے گو کہ دلچسپی تھی میری اس لیے مما نے بھی وہی سبجیکٹ لینے کے لیے کہا جس میں میری دلچسپی زیادہ تھی سو پری انجینئرنگ میں ایف ایس سی اور بی ایس سی ڈبل میتھس اور فزکس کے ساتھ مما کی خواہش کے مطابق اپنے تعلیمی مراحل مکمل کیے۔

میں نے اپنی مما کو محنت کرتے دیکھا وہ ایک گھریلو خاتون ہیں لیکن ہر انسان کی زندگی میں کرائسز آتے ہیں تب جہاں مما نے پاپا کا ساتھ دیا وہاں ہمارے تعلیمی اخراجات بھی پورے کرنے لگیں، گھر کے حالات دیکھتے ہوئے مما سے ضد بھی کرتی جبکہ اب آ کر احساس ہوتا ہے کہ میں نے غلط کیا جبکہ میرے باقی تینوں بہن بھائی صبر والے تھے۔ بڑی بہن مجھے سمجھانے کی کوشش بھی کرتیں لیکن نادانی کا وقت تھا اس لیے کبھی توجہ ہی نہیں دی۔ اسی دوران میرے پاپا کو فالج کا اٹیک ہوا اور جیسے میری ضد میری خواہشات میں ٹھہراؤ سا آ گیا کیونکہ کبھی تصور ہی نہیں کیا تھا کہ یہ سب بھی ہو سکتا ہے۔ وہ ہستی جس سے میں سب سے زیادہ محبت کرتی تھی بستر کے ہو کر رہ گئے تھے۔ میں نے خوفزدہ ہو کر اپنی توجہ پڑھائی کی طرف کر لی اور ساتھ ہی اسکول میں جاب کے ساتھ ٹیوشن پڑھانے لگی اور ساتھ ساتھ چھپ کر اپنی کتاب یا کبھی ڈائری میں کچھ لکھنے بھی لگی یوں ہی بے ترتیب...... پھر لکھنے کا شوق ہوا تو اخبار میں کالم لکھے یہاں سے لکھنا شروع

کیا بعد میں مما کو اپنی فرینڈ سے معلوم ہوا تو ناراض ہوئیں جبکہ پاپا خوش ہوئے اس کے بعد لکھنا ہی چھوڑ دیا مما کی ناراضگی کی وجہ سے۔

میں اپنی مما کے بارے میں اور کیا بتاؤں کہ انہوں نے مجھے تعلیم صرف دنیا کو سمجھنے کے لیے نہیں بلکہ حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے دلوائی' میری دونوں بہنوں کی شادی مجھ سے پہلے ہوئی۔ مجھے پڑھانے کا شوق تھا جو کہ مما نے پورا کیا' ہر جگہ مما میرے ساتھ رہیں اور میں ان کی محبت کو کب سمجھی جب خود ماں بننے کے مراحل سے گزری۔ پاپا کی ڈیتھ میری شادی سے چند ماہ پہلے ہی ہوگئی تھی۔ گو کہ ان کی صحت بہتر ہو رہی تھی لیکن اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ میں خود کو اکیلا تصور کر رہی تھی جب ہی مما نے میری فوراً شادی کردی تھی۔ ملتان سے بیاہ کر کراچی آگئی اور مما کی نصیحتیں فون کے ذریعے ملتی رہیں اور میں ان پر عمل کرنے کی کوشش کرتی ہوں لیکن اب آ کر ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے مما کی جو شروع میں مجھ سے محبت تھی اس میں ٹھہراؤ آ گیا ہے۔ میرے ساتھ ساتھ جو مما لگی رہتی تھیں مجھے کچھ بنانے اور کسی مقام تک پہنچانے کے لیے وہ بات اب نہیں رہی یا شاید اولاد اور لکھنے کی مصروفیات کی وجہ سے میں خود ان سے دور ہوگئی یا پھر میں نے بہت بعد میں ان کی محبت کو سمجھا یا شاید اب بھی نہیں سمجھا۔ مائیں ایسی ہی ہوتی ہیں اپنی محبت کا سرا بیٹیوں کے ہاتھ میں نہیں تھماتیں اگر میری ماں مجھ سے اپنی محبت کا اظہار کردیں تو میں تو مغرور ہو جاؤں۔ میں نے بھی ابھی تک انہیں نہیں بتایا کہ میں ان سے بے حساب و بے لوث محبت کرتی ہوں اور اب آپ سب کے سامنے اعتراف بھی کر رہی ہوں۔ مما مجھے بہت محبت ہے آپ سے' آپ کے لیے میرے یہ لفظ بہت چھوٹے ہیں کیونکہ جو قربانی آپ نے میرے لیے دی اس کا بدلہ میں مر کر بھی ادا نہیں کر سکتی۔

کہتے ہیں وقت گزرنے کے ساتھ محبت و رشتوں کا احساس بڑھ جاتا ہے' اسی لیے مجھے ماں بننے کے بعد ہی حقیقت میں معلوم ہوا کہ جو لفظ بولنے میں آسان اور اپنے اندر چاشنی لیے ہوئے ہے اسے کس قدر مشکلات سے گزرنا پڑتا ہے اور ہم ماں کے دکھ درد کو سمجھنے کے بجائے اسے ہی سمجھانے لگتے ہیں۔ مما میں نے آپ کے کہنے کے مطابق پھر سے قلم سے دوستی کرلی ہے اور اب ایک بار پھر لکھنے لگی ہوں مختلف جرائد و رسائل میں میری تحریر لگ رہی ہیں۔ گو کہ ابھی زیادہ تنقید مل رہی ہے لیکن آپ کی دعائیں ہیں ناں میرے ساتھ اس لیے ڈر نہیں ہے بلکہ ہمت و محنت سے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔

میں نے کبھی اپنی مما سے باتیں شیئر نہیں کیں' مما خود سمجھ جاتی تھیں جبکہ پاپا کے ساتھ گھنٹوں کے حساب سے باتیں کرنے کے باوجود کہیں تشنگی رہی پتا نہیں ایسا کیوں مجھے محسوس ہوتا ہے شاید وہ اب ہمارے درمیان نہیں اس لیے یا پھر محبت زیادہ تھی۔ پاپا کے جانے کے بعد مما نے ہمارے ساتھ خود کو جس طرح سنبھالا میں حیران رہی پھر حالات کا مقابلہ تو وہ پہلے ہی کر رہی تھیں لیکن اب ماں کے ساتھ وہ باپ کی طرح ہمارے سامنے آ کھڑی ہوئیں۔ زندگی اب ہمارے سامنے نئے مسائل اور نئے انداز کے ساتھ کھڑی تھی ایسے میں چھوٹے بھائی کی تعلیم بھی مما نے ہی تقریباً مکمل کروائی تھی اب تو دو سال سے ماشاءاللہ وہ جاب کر رہا ہے اور اپنی ذمہ داری نبھا رہا ہے۔ اس میں ہماری مما کا ہی کمال ہے دور رہتے ہوئے ہم سب بہنوں میں آپس میں رابطہ کا ذریعہ مما ہی بنتی ہیں۔ کسی بھی بیٹی کے گھر ہوں اپنے موبائل سے ہم بہنوں کی بات ضرور کرواتی ہیں۔ شادی کے بعد مصروفیات اتنی

بڑھ گئی ہیں کہ ہم بہنیں آپس میں رابطہ نہیں کر پاتی ہیں اس لیے مما یہ کام بخوبی انجام دیتی ہیں۔

بچپن میں' میں بہت شرارتی ہوا کرتی تھی مما کے سوتے ہی ہمسایوں کے گھر کے آم کے درخت سے گرمیوں کی دوپہر میں اپنے کزن کے ساتھ مل کر کچے آم توڑ کر کھاتی اور اگلے دن اسکول کے لیے بھی سنبھال کر رکھتی تھی بس ایک دفعہ اس درخت سے گر کر سر پر چوٹ لگ گئی پھر کیا تھا وہ پہلا موقع تھا جب مما نے بہت پٹائی لگائی' کچے آم توڑنے پر نہیں بلکہ درخت سے گرنے کی وجہ سے۔ شرارت پر کبھی نہ ڈانٹا کیونکہ مما کہتی تھیں شرارت وہی کرتا ہے جو ذہین ہو۔ شرارت پر روک ٹوک کرنے سے ذہانت متاثر ہوگی اور بچہ پڑھائی میں کمزور ہو جائے گا' میں اکثر و بیشتر پاپا کے لائے ہوئے نئے پین اٹھا لیا کرتی تھی کیونکہ مجھے خوب صورت لکھائی کا بہت شوق تھا۔ پاپا کو جب بھی پین کی ضرورت پڑتی اور نہ ملتا تو وہ مما سے یہی کہتے کہ یقیناً سمیہ نے اٹھایا ہوگا۔

مما نے کبھی ظاہر نہیں ہونے دیا کہ ان کی زیادہ تر امیدیں مجھ سے وابستہ ہیں۔ مجھے مما نے کبھی گھر کا کام نہیں کرنے دیا' صرف اس وجہ سے کہ کہیں پڑھائی متاثر نہ ہو جائے اور ویسے بھی مجھے گھر کے کاموں میں کوئی دلچسپی نہیں مگر شادی کے بعد مجبوراً کرنا پڑا یا شاید ضرور تا کیونکہ جوائنٹ فیملی سسٹم ہے لیکن سب کھانا اپنا الگ بناتے ہیں' کھاتے سب ساتھ ہی ہیں تو شروع میں بہت مشکل پیش آئی اور مما کو فون کر کے کھانا بنانے کی ترکیب پوچھتی اور مما بہت آسان سی ترکیب بتاتیں۔ ساتھ یہ بھی کہتیں کہ کرو گی نہیں تو آئے گا کہاں سے۔

پچھلے سال گرمیوں میں ملتان گئی تب مما کو بتایا کہ اب مجھے حلیم' نہاری' بریانی' شامی کباب' پائے یہ سب بھی بنانا آتا ہے تو بڑی بہن کہنے لگی ''جس نے کبھی کچن نہیں دیکھا تھا وہ آج یہ سب بنا رہی ہے۔''

سسرال میں نمبر تو بنانے ہی تھے اس لیے بہت جلد ہی کچن سنبھال لیا تھا گو کہ میں اپنی خالہ کے گھر بیاہ کر آئی ہوں' خالہ میری آپ سب کی ہر دلعزیز مصنفہ ہیں آپ سب جانتے ہی ہیں نگہت عبداللہ۔ لکھنے میں بہت حد تک مدد مل جاتی ہے اور ساتھ نئے موضوعات بھی۔

ویسے تو ماں کے حوالے سے بہت شعرا نے بہت خوب اور بہت کچھ لکھا لیکن مجھے نزہت جبین کی ماں کے حوالے سے لکھی گئی یہ نظم بے حد پسند ہے۔

ماں کے بارے میں کیا لکھوں' یہ کہاں اوقات میری
بڑی مشکل سے قلم آج اٹھایا میں نے
ہم کو تحفہ زمین پر ملا ''ماں'' کی صورت
تحفہ انمول میرے رب سے یہ پایا میں نے
اس کے آگے جو کبھی سر کو جھکایا میں نے
اس کے قدموں ہی میں جنت کو پایا میں نے
گردش ایام سے گھبرا کے کبھی جو بیٹھی
اس کے لفظوں سے نیا حوصلہ پایا میں نے
جب کبھی حوصلہ ٹوٹا' میں پریشان ہوئی
سکون اس کی ہی آغوش میں پایا میں نے
اس کا احسان ہے' ہاتھ جو تھاما میرا
تھام کر ہاتھ وہی' قدم پہلا اٹھایا میں نے
جب کبھی خواب میں گھبرائی' سہم کر جاگی
اس کی بانہوں میں پھر خود کو چھپایا میں نے
شکر ہے رب مجھ کو جو ملی ہے عزت
اس کی دعاؤں کا ثمر آج یہ پایا میں نے
میں ہوں جب تک میرے رب میری ماں کو سلامت رکھنا
مزا جینے کا اس کے ساتھ تو پایا میں نے

سات سہیلیاں

زریں قمر

شدید گرمی کے باوجود حماد پرویز اپنی کار بڑی تیز رفتاری سے دوڑا رہا تھا۔ وہ شہر کی گہما گہمی کو بہت پیچھے چھوڑ آیا تھا اور اب اس کا رخ اس علاقے کے سب سے خوب صورت مقام بیلا پور کی طرف تھا۔ بیلا پور ایک چھوٹی سی خوش نما بستی تھی جہاں چپے چپے پر ہریالی کا راج تھا۔ سورج غروب ہونے والا تھا اور ماحول پر ایک خوش گوار سا سکوت طاری تھا۔ سڑک کے دونوں اطراف بڑے بڑے سائے دار درخت سر اٹھائے کھڑے تھے۔

حماد پرویز کی عمر اٹھائیس سال تھی اس کا قد لمبا' بال سیاہ چمک دار اور آنکھیں نیلاہٹ مائل بھوری تھیں اس کے والدین کا کافی عرصے پہلے انتقال ہوچکا تھا۔ وہ زندگی میں تنہا تھا لیکن اسے اس تنہائی کو محسوس کرنے کا موقع ہی نہیں ملا کیونکہ اسے ایک ایسے تعلیم یافتہ شخص کی سرپرستی حاصل تھی جو اسے بہت پسند کرتا اور اس نے تعلیم کے زیور سے حماد کو اس قابل کیا تھا کہ وہ آج ایک کامیاب بزنس مین تھا۔

دو دن کی جدوجہد کے بعد کاروباری سلسلے میں ایک کنٹریکٹ مکمل کرسکا تھا اور بہت تھکن محسوس کررہا تھا اگر وہ اس برق رفتاری سے سفر کرتا رہتا تب بھی جہان آباد پہنچنے کے لیے اسے ساری رات سفر کرنا پڑتا جس کے لیے وہ بالکل تیار نہیں تھا۔ جب اس نے ایک ندی پر بنا ہوا ایک چھوٹا پل پار کیا تو دور اسے مکانوں کی دو قطاریں نظر آئیں۔ یہ بیلا پور تھا۔ دور سے نظر آنے والے مکانات میں ایک پختہ بنی ہوئی عمارت نمایاں نظر آرہی تھی جس کے دروازے پر بورڈ لگا ہوا تھا۔

''بیلا پور ریسٹ ہاؤس''

حماد نے اپنی کار ریسٹ ہاؤس کے کھلے ہوئے دروازے کے سامنے روکی اور اتر کر اندر داخل ہوگیا اس کا ارادہ تھا کہ رات یہاں بسر کرکے صبح آگے روانہ ہوجائے گا اور پھر اسے وہاں ایک کمرہ بھی مل گیا۔ رات کا کھانا بھی برا نہیں تھا اس نے اپنے کمرے ہی میں کھانا کھایا اور پھر کھڑکی کے قریب جا کھڑا ہوا۔ باہر چاندنی پھیلی ہوئی تھی اس کا دل چاہا کہ اتنی اچھی رات کو یونہی برباد نہیں کرنا چاہیے چنانچہ اس نے بستر پر جانے کا ارادہ ترک کیا اور چہل قدمی کے لیے ریسٹ ہاؤس سے باہر نکل آیا۔ وہ سڑک کے کنارے چل رہا تھا اور سڑک سے گزرنے والی کاروں کی ہیڈ لائٹس کی روشنی کبھی کبھی اس کے چہرے پر پڑرہی تھی اسے اچانک جہان آباد میں اپنا فلیٹ یاد آگیا جہاں وہ سراج ادیب کے ساتھ رہتا تھا وہ اکثر راتوں کو وہاں بھی سڑک کے کنارے ٹہلتا ہوا اپنے فلیٹ کی طرف جاتا' اس کا ارادہ تھا کہ موسم بہار کی چھٹیاں کسی اچھی جگہ گزارے گا اس نے ملک سے باہر جانے کا پروگرام بنایا لیکن اب اسے یہ جگہ بہت خوش نما لگ رہی تھی۔ اچانک اسے موسیقی کی آواز سنائی دی آواز بہت مدھم تھی جو کافی فاصلے سے آرہی تھی وہ آواز کی سمت بڑھتا چلا گیا کچھ دور جانے کے بعد آواز تیز ہوگئی اسے یقین تھا کہ قریب ہی ضرور کوئی گھر ہوگا جہاں سے یہ آواز آرہی ہے۔ موسیقی کی اس آواز میں اب ڈھولک کی آواز بھی شامل ہوگئی تھی۔

پھر سڑک کے ایک کنارے درختوں کے جھنڈ کی دوسری سمت اسے کچھ روشنی سی آتی نظر آئی اور وہ ادھر بڑھ گیا چند ہی لمحوں بعد وہ ایک خوب صورت اور عالی شان عمارت کے سامنے کھڑا تھا۔ جس کے چاروں طرف اونچی اونچی دیواریں تھیں لیکن عمارت میں داخلے کا گیٹ کھلا ہوا تھا۔ عمارت کی کھڑکیوں سے روشنی باہر آرہی تھی اور عمارت میں خاصی گہما گہمی محسوس ہورہی تھی۔ عمارت پر پڑتی پورے چاند کی چاندنی نے عجیب ساسحر انگیز سماں

پیدا کردیا تھا۔ عمارت کے سامنے کئی کاریں کھڑی تھیں۔ کھلی ہوئی کھڑکیوں سے اندر موجود لوگ نظر آرہے تھے۔ جنہوں نے زرق برق لباس پہنے ہوئے تھے وہ اس گہما گہمی کو قریب سے دیکھنے کے لیے عمارت کے احاطے میں داخل ہوگیا۔ اس نے کبھی کسی گاؤں کی پرسکون رات میں ایسی تقریب نہیں دیکھی تھی۔ وہ بغیر کسی جھجک کے ایک کھڑکی کے قریب چلا آیا اور اسی وقت ایک لڑکی دوڑتی ہوئی گھر سے باہر آئی وہ اسے دیکھ کر ایک لمحے کے لیے چونکی اور پھر بڑے باوقار انداز میں اس کی طرف بڑھی۔

لڑکی بہت خوب صورت اور دبلی پتلی تھی۔ اس نے سفید لباس پہنا ہوا تھا' اس کے لمبے سیاہ بال کاندھوں پر بکھرے ہوئے تھے جن میں سلور کلر کے پھول چمک رہے تھے۔ اس کے گلے میں ایک گلوبند تھا جس میں قیمتی ہیرا چمک رہا تھا۔ لیکن اس کے چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی۔ حماد خود کو بالکل احمق سمجھ رہا تھا' اسے اپنی حرکت پر غصہ آیا اور اب وہ اس حرکت کی کوئی وضاحت بھی نہیں کرسکتا تھا۔ کیونکہ عمارت میں داخل ہونے کی اس کے پاس کوئی وجہ نہیں تھی۔ لڑکی اس سے چند قدموں کے فاصلے پر رک گئی۔

"میں مہمان نہیں ہوں۔" حماد نے کہا۔

"میرے خیال میں تم واحد مہمان ہو جس نے اچھا لباس نہیں پہنا ہوا ہے۔" اس نے سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا۔

"جی میں...... مہمان نہیں ہوں۔" حماد نے اپنی بات دہرائی۔

"اوہ......!" اس نے حماد کو دیکھتے ہوئے کہا اور چند قدم آگے بڑھ آئی۔

"کوئی لٹیرے ہو اور یہاں نقب لگانے آئے ہو؟" اس کی صاف اور زندگی سے بھرپور آواز گونجی۔

"میں کوئی لٹیرا یا ڈاکو نہیں ہوں۔" حماد نے خشک لہجے میں کہا تو لڑکی نے سوالیہ انداز میں اسے دیکھا۔

"میں غلطی سے یہاں آگیا ہوں۔ میں نے موسیقی کی آواز سنی تھی پھر مجھے روشنیاں نظر آئیں جب میں یہاں پہنچا تو گیٹ بھی کھلا ہوا تھا۔"

"ویسے اتنی حسین رات میں بڑے بڑے عقل مندوں سے بھی حماقتیں سرزد ہو جاتی ہیں۔" اس کا اشارہ حماد کی طرف تھا حماد خاموش کھڑا رہا۔

"میرا نام روشانہ ہے اور آج میری اکیسویں سال گرہ ہے۔ جو چند دن کی تاخیر سے منائی جارہی ہے۔ کیونکہ یہ میری خواہش تھی کہ میری سال گرہ آج رات ہو۔" روشانہ نے کہا وہ بے تکلفی سے بول رہی تھی اور حماد کی نظریں اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"دراصل آج رات میری منگنی بھی ہے' میری آنٹی کی خواہش تھی کہ پورے چاند کی رات کو میری منگنی ہو' انہیں یہ رات ہمیشہ سے پسند ہے۔"

"کیا تم یہاں رہتی ہو؟" حماد نے پوچھا۔ اسے حیرت تھی کہ پہلی ہی ملاقات میں وہ لڑکی اتنی بے باکی سے اس سے ساری باتیں کہے جارہی تھی۔

"ہاں' یہ عمارت "سات سہیلیاں" کہلاتی ہے' عجیب سا نام ہے نا؟" اس نے حماد سے پوچھا۔

"یہ گھر میرے والد نے میری والدہ سے شادی کے بعد خریدا تھا اور انہیں سات چابیوں کا گچھا دیا تھا جن میں سے ہر چابی ایک خاص تالا کھولنے کے لیے استعمال ہوتی تھی۔ ان چابیوں سے ایک کہانی وابستہ ہے لیکن یہ بہت طویل کہانی ہے تمہارے پاس شاید اسے سننے کے لیے وقت نہ ہو۔ تم مجھے اس علاقے میں اجنبی لگتے ہو...... کیا تم گاؤں ہی میں رکے ہوئے ہو؟"

"ہاں میں صرف آج رات کے لیے یہاں رکا ہوا ہوں۔" حماد نے کہا۔

"دراصل میں جہان آباد جاتے ہوئے یہاں سے گزر رہا تھا سوچا رات یہاں گزار کر آگے روانہ ہو جاؤں گا۔"

"یہ تمہاری خوش قسمتی ہے کیونکہ لوگ اس گھر کو دیکھنے کے لیے دور دور سے آتے ہیں اور تم اتفاق ہی سے یہاں

پہنچ گئے ہو۔ اگر تم چاہو تو میری پارٹی میں شرکت کرسکتے ہو۔" روشانہ نے کہا اور حماد کو یوں لگا جیسے وہ کوئی چھوٹی سی معصوم بچی ہو جو بلا جھجک اسے سب کچھ بتاتی گئی اور اب اپنی پارٹی میں شرکت کی دعوت بھی دے رہی تھی۔

"کیا تم اس طرح اجنبیوں کو اپنے گھر میں آنے کو کہتی ہو؟" حماد کے لہجے میں حیرت تھی۔ "تم میرے متعلق کچھ نہیں جانتی...... آخر تمہارے والدین اور تمہارا منگیتر کیا سوچے گا۔"

"میری امی کا انتقال ہو چکا ہے۔" روشانہ نے اداس لہجے میں کہا۔ "اور میرے والد اور مظفر ان باتوں کا خیال نہیں کرتے۔"

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"حماد پرویز۔" اس نے جواب دیا اور روشانہ اس کا نام دہرانے لگی۔

"تم اگر چاہو تو اندر آسکتے ہو۔" حماد نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وقت ٹھہر گیا ہو اسے اپنے بچپن میں دیکھا ہوا ایک خواب یاد آرہا تھا جس میں اس نے ایک پری کو دیکھا تھا جو ایسا ہی سفید لباس پہنے تھی لیکن اس کی شکل اب حماد کو یاد نہیں رہی تھی اور اب اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ وہ کبھی بھی یہ نہیں جان سکے گا کہ وہ پری کیسی تھی سوائے اس کے سفید لباس کے۔ اس کے علاوہ اسے ایک اور بات یاد تھی اور وہ یہ کہ پری بہت ہنس مکھ تھی جیسے روشانہ بات بات پر ہنس رہی تھی۔

"شاید تم کسی روز پھر آؤ گے۔" روشانہ نے کہا جیسے اسے اندازہ ہو گیا ہو کہ حماد اس کے گھر میں جاتے ہوئے جھجک رہا ہے۔

"شاید......؟" حماد نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"لیکن مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے کچھ ہی دیر میں تم اور تمہارا یہ گھر غائب ہو جائیں گے۔ جیسے یہ سب محض ایک خواب ہو۔"

"لیکن میرا خیال ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ میں اور میرا گھر بہت مضبوط ہیں۔ تم جب بھی آؤ گے ہمیں ایسا ہی پاؤ گے۔" اچانک عمارت کی اوپری منزل کی کھڑکی سے کسی نے جھانکا۔

"روشانہ تم کہاں ہو؟"

"میں آرہی ہوں مظفر۔" روشانہ نے جواب دیا اور واپسی کے لیے مڑ گئی اس نے رک کر ایک بار حماد کی طرف دیکھا تھا۔

"ہم مہمانوں کو یونہی نہیں جانے دیتے۔ تم کم از کم چند لمحوں کے لیے ہی اندر آؤ اور ہمیں خدمت کا موقع دو۔"

"نہیں!" حماد نے جواب دیا۔ "میں امید کرتا ہوں کہ تم اپنی آئندہ زندگی میں بہت خوش رہوگی۔" اس نے سلام کے انداز میں ہاتھ اوپر اٹھاتے ہوئے کہا اسی وقت کسی نے روشانہ کو دوبارہ آواز دی اور وہ عجلت میں آگے بڑھ گئی۔ حماد بھی واپس مڑ گیا۔ اسے افسوس تھا کہ اس نے روشانہ کی دعوت کو کیونکر ٹھکرایا۔

جب وہ جہان آباد واپس آرہا تھا تو اس کے کانوں میں اس لڑکی کی ہنسی گونج رہی تھی جس نے اپنا نام روشانہ بتایا تھا اس کے ذہن میں اس لڑکی کا تصور اور اسے اپنے آس پاس اب بھی وہی خوش بو محسوس ہو رہی تھی جو روشانہ نے لگائی ہوئی تھی وہ روشانہ کے بارے میں اس سے زیادہ اور کچھ بھی نہیں جانتا تھا اس کے ذہن میں صرف روشانہ کا چہرہ نمایاں تھا۔ وہ اس کا پورا سراپا ہزار کوششوں کے باوجود تصور میں نہیں لا سکا تھا۔

☾......☾......☾

"تم نے کمال کر دیا حماد۔" سراج ادیب نے اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

"فردوس ولا پر بہت زیادہ رقم خرچ کرنا پڑے گی' اسے کافی عرصے تک نظر انداز کیا جاتا رہا ہے اس گھر کو کم آمدنی والا شخص سنبھال بھی نہیں سکتا۔" حماد نے سراج ادیب سے کہا جسے وہ اب بھی اپنا سرپرست سمجھتا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ گھر کے مالکوں کو بھی خوشی ہوئی

ہوگی کہ وہ ولا فروخت ہوگیا۔" سراج ادیب نے کہا۔
"ہاں۔" حماد نے کہا اور ٹہلتا ہوا آفس کی کھڑکی کے قریب پہنچ گیا جہاں سے سڑک صاف نظر آرہی تھی۔
"جب ہم اپنا کام مکمل کرلیں گے تو "فردوس ولا" ایک خوب صورت ہوٹل میں تبدیل ہوچکا ہوگا۔ تم اپنی آنکھوں سے خود دیکھ لوگے۔" سراج ادیب نے حماد سے کہا۔
"ہوں...... وہاں سے واپسی پر راستے میں ایک گاؤں بیلا پور بھی آتا ہے۔ وہاں ایک بیلا پور ریسٹ ہاؤس بھی ہے۔"
"اوہ بھئی مجھے یاد آیا تمہاری بھی تو موسم بہار کی چھٹیاں ہونے والی ہیں اور تم شاید اپنی چھٹیاں ملک سے باہر کسی پرفضا مقام پر گزارنا چاہتے ہو؟" سراج ادیب نے اپنی میز پر رکھا کیلنڈر دیکھتے ہوئے کہا۔
"لیکن اگلے تین ہفتوں تک تو تم چھٹی نہیں کرسکتے۔"
"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" حماد نے کہا۔ "میں نے کام کا زیادہ حصہ فردوس ولا میں ہی مکمل کرلیا تھا۔" حماد نے بتایا اور پھر جیب سے کنٹریکٹ نکال کر سراج ادیب کے سامنے رکھ دیا اور اسے مزید تفصیلات سمجھانے لگا۔
"تم آخر شادی کیوں نہیں کرلیتے؟" سراج ادیب نے ہمیشہ کی طرح اسے ٹوکا۔ "تمہیں ایک ساتھی کی ضرورت ہے۔ جو تمہاری خوشیوں میں شریک ہوسکے۔"
"لیکن تم نے بھی تو شادی نہیں کی۔" حماد نے سراج ادیب سے کہا اور وہ منہ لٹکا کر خاموش ہوگیا۔
چند روز بعد سراج ادیب نے حماد کو ایک خط جو اس کے دوست خالد وحید نے لکھا تھا جس میں بیلا پور میں موجود ایک گھر "سات سہیلیاں" کا ذکر تھا جسے اس کا بوڑھا مالک بیچنا چاہتا تھا۔ کیونکہ وہ بہت بیمار تھا اور اس کے پاس جمع شدہ رقم ختم ہوچکی تھی۔ سراج ادیب نے حماد کو بتایا کہ اس گھر کے باقاعدہ فروخت کرنے کا اعلان نہیں کیا گیا لیکن اس کا امکان ہے کہ اس کے مالک اسے بیچنے کے لیے تیار ہوجائیں گے۔ اس کے دوست خالد وحید کے کہنے کے مطابق اس کام پر خاص توجہ دینے کی ضرورت تھی اور سراج ادیب کا خیال تھا کہ حماد کو چند دن چھٹی دے کر اس جگہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہیے تاکہ وہ مقامی طور پر اس جگہ کے متعلق اچھی طرح انکوائری کرلے۔
حماد نے وہاں جانے میں دیر نہیں کی تھی۔ اس بار بھی اس نے بیلا پور ریسٹ ہاؤس میں ہی قیام کیا اور رات وہاں بسر کرنے کے بعد "فردوس ولا" بھی گیا تھا تاکہ وہاں کام شروع کرنے کے انتظامات کا جائزہ بھی لے سکے۔ وہاں سے فارغ ہونے کے بعد وہ سات سہیلیاں کی طرف بھی گیا۔ اسے اس گھر کے مالک کا نام منظور حیات بتایا گیا تھا۔
اس بار جب حماد وہاں پہنچا تو گیٹ بند تھا لیکن اندر لان میں ایک لڑکی کیاریوں میں لگے گلاب کے پودوں سے پھول توڑ رہی تھی۔ لیکن وہ لڑکی روشانہ سے بہت مختلف تھی اس نے سفید لباس کے بجائے ایک پتلون اور جیکٹ پہنی ہوئی تھی اس کے بال پونی ٹیل کی شکل میں بندھے ہوئے تھے۔ اچانک وہ پیچھے مڑی جیسے اسے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا ہو اور پھر اجنبی نظروں سے حماد کی جانب دیکھنے لگی۔
"کیا چاہتے ہو؟" اس نے کرخت لہجے میں پوچھا۔
"میرا خیال ہے کہ پچھلے سال تم نے مجھے بڑی گرم جوشی سے خوش آمدید کہا تھا۔" حماد نے کہا۔
"پچھلے سال؟" لڑکی نے حیرت سے کہا اور اس کی طرف بڑھی وہ اسے پہچاننے کی کوشش کررہی تھی حماد کو اب بھی شک تھا کہ وہ روشانہ نہیں ہے۔
"میں رات کے وقت یہاں آیا تھا۔ یہاں شاید کوئی پارٹی تھی جس میں شرکت کی دعوت تم نے مجھے دی تھی۔" حماد نے اسے یاد دلایا اور اس کے چہرے پر اچانک خوشی کے آثار نظر آنے لگے۔
"اوہ...... مجھے یاد آگیا میں نے تمہیں اپنی پارٹی

میں شرکت کی دعوت دی تھی اور تم نے اس دعوت کو قبول نہیں کیا تھا۔"
"ہاں! اور تم نے کہا تھا کہ شاید میں آئندہ پھر کبھی ضرور آؤں گا۔" حماد نے کہا۔
"ہاں تم ٹھیک کہتے ہو۔" اس نے قریب آتے ہوئے کہا اور حماد نے پہلی بار اس کے چہرے کو دن کی روشنی میں قریب سے دیکھا۔ اس کی نیلی آنکھیں کسی سمندر کی طرح گہری تھیں اور اس کے بائیں گال پر منہ کے دہانے کے قریب ایک زخم کا نشان تھا۔ اس زخم کا رنگ سرخ تھا جو اس کی گوری رنگت پر دور ہی سے نمایاں نظر آرہا تھا روشانہ نے شاید یہ بات محسوس کرلی تھی کہ حماد اس کے زخم کے نشان کو دیکھ رہا ہے۔
"پچھلی بار تم نے شاید میرے چہرے پر یہ زخم کا نشان نہیں دیکھا تھا؟" اس نے پوچھا۔
"ہاں...... کیونکہ میں رات کے وقت آیا تھا اور یہاں لان میں صرف چاند کی روشنی میں کھڑے ہوکر تم سے باتیں کی تھیں۔" حماد نے جواب دیا۔
"لیکن اس وقت یہ نشان میرے گال پر نہیں تھا کیونکہ یہ زخم مجھے اس کے بعد ایک کار کے حادثے میں لگا تھا۔" روشانہ نے کہا حماد کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ زخم کو بہت اہمیت دے رہی ہو۔
"میں سمجھتا ہوں کہ چہرے کے مقابلے میں چہرے کے پیچھے موجود شخصیت زیادہ اہم ہوتی ہے۔" حماد نے کہا اور روشانہ اسے بے یقینی سے دیکھنے لگی۔
"میں ان فلسفیانہ باتوں سے تنگ آگئی ہوں۔" اس نے کہا۔ "میں جب شیشے میں دیکھتی ہوں تو ایسی تمام باتیں اپنی خوب صورتی میرے چہرے کی طرح کھودیتی ہیں۔" اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ حماد خاموش ہی رہا وہ جانتا تھا کہ وہ کچھ بھی کہے گا روشانہ اس کا یقین نہیں کرے گی۔ اسی وقت گھر کے سامنے کا دروازہ کھلا اور ایک عورت باہر آئی جس کا قد لمبا اور رنگ روشانہ ہی کی طرح گلابی تھا وہ مسکرا رہی تھی۔

"میں جانتی تھی یہاں سانولی رنگت والا ایک اجنبی آنے والا ہے کیونکہ میں نے کل یہ بات اپنے ٹی کپ میں دیکھی تھی۔" آنے والی نے کہا۔ "میں نے جب اپنے کمرے کی کھڑکی سے تمہیں دیکھا تو میں سمجھ گئی کہ تم وہی شخص ہو۔" اس نے حماد سے کہا۔

"روشانہ اسے سردی میں اتنی دیر یہاں کھڑا مت رکھو اندر لے آؤ۔" اس نے روشانہ کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

"سردی آنٹی آپ حد کرتی ہیں۔" روشانہ نے کہا اور پھر حماد کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"میری آنٹی ستاروں پر، چائے کی پتیوں پر، کارڈز پر اور کالی بلیوں پر یقین رکھتی ہیں۔" اس کا انداز تمسخرانہ تھا۔

"روشانہ تمہارے ادب کو کیا ہوا؟ تم کس انداز سے بات کررہی ہو؟" انہوں نے روشانہ کو ڈانٹا۔

"اس غریب کو یہاں سردی میں کیوں کھڑا کیا ہوا ہے...... یہ تو سردی سے جم جائے گا۔"

"یہ پہلی بار نہیں آئے ہیں۔" روشانہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "آپ بھی انہیں جانتی ہیں میں نے ان کے بارے میں آپ کو بتایا تھا انہیں میں نے اپنی منگنی کی پارٹی والی رات یہاں لان میں سیب کے درخت کے نیچے کھڑے پایا تھا۔ ان کا نام حماد پرویز ہے اور حماد یہ میری آنٹی یعنی میری پھوپی سرور آراء بیگم ہیں۔" اس نے حماد سے کہا اور اندر جانے کے لیے مڑ گئی۔

"تم اندر آجاؤ حماد۔" آنٹی نے کہا۔ "میرے بھائی آج کل بیمار ہیں اس وجہ سے ہمارے ہاں آج کل زیادہ مہمان نہیں آتے۔ ویسے تم آج کیوں آئے ہو؟"

"میں یہ گھر دوبارہ دیکھنا چاہتا تھا۔" حماد نے جواب دیا اور ان کے ساتھ گھر میں داخل ہوگیا۔

گھر کو اندر سے بہت سجایا گیا تھا اور اندازہ ہوتا تھا کہ اس کے مکین اس سے بہت محبت کرتے ہیں وہ لوگ ہال میں آبیٹھے تھے جہاں آتش دان میں آگ روشن تھی، کمرے میں بہترین قسم کا فرنیچر موجود تھا اور آتشدان کے سامنے کی دیوار پر ایک ہاتھ کی بنی ہوئی تصویر آویزاں تھی جس کے نقوش روشانہ سے بہت میل کھاتے تھے میز پر چائے کی ٹرے رکھی تھی۔

"یہ چائے فاخرہ رکھ گئی ہے۔" سرور آنٹی نے کہا اور کپوں میں چائے نکالنے لگیں۔

"لیکن فاخرہ کو یہ کام کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس کا کام تو صرف ڈیڈی کی دیکھ بھال کرنا ہے۔" روشانہ نے ناگواری سے کہا۔

"صدیقہ کہاں ہے؟"

"وہ جلدی ہی گھر چلی گئی تھی کیونکہ اس کا گھر یہاں سے کافی فاصلے پر ہے اور موسم اچھا نہیں ہے چنانچہ فاخرہ نے اسے جلدی جانے کی اجازت دے دی تھی۔" سرور آنٹی نے کہا پھر ذرا رک کر وہ روشانہ کی طرف دیکھنے لگیں۔

"مجھے تو...... یوں لگتا ہے کہ اب یہ گھر ہی فاخرہ چلا رہی ہے جبکہ میں اب بھی یہ نہیں چاہتی۔"

حماد سامنے بیٹھا ان کی باتیں ضرور سن رہا تھا لیکن وہ اس رات کے بارے میں سوچ رہا تھا جب روشانہ سے اس کی پہلی ملاقات ہوئی تھی اسے یاد آیا کہ روشانہ نے بتایا تھا کہ اس رات اس کی منگنی ہونے والی تھی اس کی نگاہیں فوراً روشانہ کے ہاتھ کی طرف چلی گئیں جس میں ایک خوب صورت ہیرے کی انگوٹھی چمک رہی تھی۔ لیکن روشانہ اور سرور آنٹی کی باتوں سے اب تک اس کا اظہار نہیں ہوا تھا کہ روشانہ کی شادی بھی ہوئی تھی پھر اس نے اس خیال کو اپنے ذہن سے جھٹکا اور سرور آنٹی کی طرف دیکھنے لگا۔

"آپ میرے بارے میں اپنی چائے کی پیالیوں کی مدد سے اور کیا جان سکی ہیں؟" حماد نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"کچھ نہیں...... میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ تمہارا یہاں آنا کسی نہ کسی طرح ایک بڑی رقم سے تعلق رکھتا ہے۔"

"یہ تو اچھی بات ہے۔" روشانہ نے خوش ہوتے

ہوئے کہا۔ "ہوسکتا ہے حماد صاحب ہمیں ہمارے مکان کے سلسلے میں ایک اچھی آفر کرنے آئے ہوں؟" اس نے سوالیہ نظروں سے حماد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اگر ایسا ہے تو تمہارا کیا خیال ہے۔" حماد نے اس سے پوچھا۔

"میں یہ آفر قبول کرلوں گی۔"

"اس سے ہمارے بہت سے مسائل حل ہوجائیں گے لیکن شرط یہ ہے کہ اس جگہ کو کسی ہوٹل میں تبدیل نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس علاقے میں پچھلے دنوں ہی فردوس ولا بھی کسی نے خریدا ہے اور اسے ہوٹل میں تبدیل کردیا گیا ہے میں اپنے گھر کے ساتھ ایسا نہیں ہونے دوں گی۔"

"کیا تم نے فردوس ولا کو فروخت ہونے کے بعد دیکھا ہے؟" حماد نے پوچھا۔

"نہیں...... دیکھنا بھی نہیں چاہتی۔ میں بچپن میں وہاں مختلف پارٹیوں میں جاتی تھی۔"

"کچھ بھی ہو تمہارے والد اس گھر کو کسی حالت میں نہیں بیچیں گے۔" سرور آنٹی نے پرامید لہجے میں کہا۔

"تم یہ جگہ نہیں چھوڑنا چاہتیں؟" حماد نے روشانہ سے پوچھا۔

"میں یہاں پلی بڑھی ہوں...... اس گھر سے محبت کرتی ہوں، لیکن میں جانتی ہوں کہ اب اتنی بڑی جگہ نہ تو ہماری ضرورت ہے اور نہ ہی اس کو سنبھال سکتے ہیں...... یہ نہیں ہے کہ ہمیں پیسوں کی کوئی مجبوری ہے لیکن میرا خیال ہے کہ ہمارے لیے یہ بہتر ہے کہ ایک چھوٹا سا گھر لے کر اس میں رہیں۔" روشانہ نے کہا۔

"تم نے بتایا تھا کہ تمہاری پچھلی سال گرہ کی تقریب میں منگنی ہونے والی تھی؟" حماد نے روشانہ سے پوچھا۔ "پھر کیا ہوا؟"

"مظفر ساؤتھ افریقہ گیا ہوا ہے۔" سرور آنٹی نے کہا۔ "اور وہ وہاں مستقل قیام کرنے کے چکر میں ہے۔"

"اس کے علاوہ کر بھی کیا سکتا ہے۔" روشانہ نے اس کی طرف داری کرنے والے انداز میں کہا۔

"وہ اپنے والد کی غلطیوں کا ذمہ دار نہیں ہے آنٹی وہ ضرور واپس آئے گا۔" حماد نے دیکھا کہ یہ جملہ ادا کرتے ہوئے روشانہ نے گال پر لگے زخم کے نشان کو چھوا تھا۔

"مظفر کے والد جمیل احمد میرے بھائی کے بزنس پارٹنر تھے۔" سرور آنٹی نے حماد کو بتایا۔ "وہ کافی عرصے تک کاروبار کی رقم میں خرد برد کرتے رہے اور اس کا علم ہمیں بہت بعد میں ہوا میرے بھائی کو اس صدمے نے نڈھال کردیا اور جمیل احمد اپنے بیٹے کو لے کر ملک سے فرار ہوکر ساؤتھ افریقہ چلے گئے۔"

"لیکن مظفر بے قصور تھا وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کے والد کیا کررہے ہیں۔" روشانہ نے کہا۔

"تو پھر ان کے ساتھ کیوں چلا گیا؟"

"کیونکہ وہ جانتا تھا کہ وہ یہاں رہ کر مجھ سے شادی نہیں کرسکتا اس کی وجہ میرے گال پر پڑنے والا یہ زخم کا نشان تھا۔" روشانہ نے کہا۔

"مظفر نے مجھے خط لکھا تھا کہ وہ واپس نہیں آئے گا لیکن میں اب بھی خود کو اس سے منسوب سمجھتی ہوں جس وقت کار کا حادثہ پیش آیا میرے ڈیڈی کار چلا رہے تھے اور میرے چہرے پر پڑ جانے والے اس نشان کو وہ اپنا ہی قصور سمجھتے ہیں۔"

"وہ ہر وقت اپنے کمرے میں بند رہتے ہیں۔" سرور آنٹی نے کہا۔ "جبکہ ان کے لیے یہ بہتر نہیں ہے۔ فاخرہ ہر وقت ان کے پاس موجود رہتی ہے اور کسی کا ان کے قریب جانا پسند نہیں کرتی۔" آنٹی نے کہا۔

"شروع میں ہمیں اس کی آمد سے خوشی ہوئی تھی پھر وہ آہستہ آہستہ ہر کام میں دخل دینے لگی پہلے وہ میری آیا تھی پھر اس کی شادی ہوگئی تھی بعد میں اس کے شوہر کا انتقال ہوگیا اور اب وہ میرے ڈیڈی کی دیکھ بھال کرنے کے لیے پھر یہاں آگئی ہے۔"

حماد روشانہ کے بارے میں سوچ رہا تھا جو کچھ عرصے پہلے تک شہزادیوں کی طرح رہتی تھی لیکن اب مظفر بھی

اسے چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ اس کے والد کا بزنس ختم ہو چکا تھا وہ بیمار تھے اور روشانہ اپنے حالات پر کف افسوس ملنے کے بجائے انہیں بہتر کرنے کی کوشش کررہی تھی اس نے قریب کے اسکول میں بچوں کو پڑھانا شروع کردیا تھا جس سے اسے اتنی رقم مل جاتی تھی کہ اس کے اخراجات کسی حد تک پورے ہوجائیں۔ وہ بالکل تنہا رہ گئی تھی اس کی آنٹی کسی بھی کام میں دلچسپی نہیں لیتی تھیں انہیں اپنے توہمات ہی سے فرصت نہیں تھی۔

"کیا تم گاؤں میں ٹھہرے ہوئے ہو؟" سرور آنٹی نے پوچھا۔

"ہاں...... بیلاپور ریسٹ ہاؤس بہت آرام دہ جگہ ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم سے دوبارہ بھی ملاقات ہوگی۔ کیوں نہ کل رات تم ہمارے ساتھ یہاں کھانا کھاؤ؟"

"ضرور۔" حماد نے اٹھتے ہوئے کہا۔

روشانہ اور سرور آنٹی اسے دروازے تک چھوڑنے آئی تھیں اس نے ہال سے باہر آتے ہوئے فاخرہ کو دیکھا جو خالد وحید کے کمرے سے باہر آرہی تھی۔ اور روشانہ نے راستے میں رک کر اس سے بات کی اور حماد سے اس کا تعارف بھی کروایا تھا۔

"تم ہمارے متعلق سب کچھ جان گئے ہو حماد لیکن ہم تمہارے متعلق کچھ بھی نہیں جانتے۔" سرور آنٹی نے کہا۔

"یہ کام کل کے لیے اٹھا رکھتے ہیں۔" حماد نے ہنس کر جواب دیا اور واپسی کے لیے مڑ گیا۔

بیلاپور ریسٹ ہاؤس کی طرف جاتے ہوئے حماد سوچ رہا تھا کہ روشانہ بہت تنہا ہے اور اسے سہارے کی ضرورت ہے وہ اب تک اسے بھلا نہیں سکا تھا۔ اس کی زندگی میں آنے والی وہ واحد لڑکی تھی جس سے وہ ایک سال قبل تھوڑی دیر کے لیے ملا تھا۔ لیکن اب تک گزرنے والا ہر ہر لمحہ اس ہی کی یاد میں گزرا تھا۔

ریسٹ ہاؤس پہنچ کر حماد نے سب سے پہلے سراج ادیب کو فون کیا اور اسے صورت حال کے بارے میں بتایا کہ سات سہیلیاں کے مالک کی بیٹی اس گھر کو بیچنے کے حق میں ہے لیکن اس کی پھوپی اس کی مخالف ہے اور اس کام میں کچھ عرصہ لگے گا۔ سراج ادیب نے صورت حال سے آگاہ ہونے کے بعد حماد کو وہاں زیادہ عرصہ ٹھہرنے کی اجازت دے دی تاکہ وہ یہ کام خوش اسلوبی سے مکمل کرسکے۔ وہ رات حماد نے روشانہ کے بارے میں سوچتے ہوئے گزار دی۔ دوسرے روز وہ بیلاپور کے بازار سے گزر رہا تھا تو اس نے روشانہ کو دیکھا وہ کچھ سامان خریدنے وہاں آئی تھی اور اپنی گاڑی میں خریدا ہوا سامان رکھ رہی تھی حماد ٹہلتا ہوا اس کے قریب چلا آیا۔

"کیا ہورہا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"اوہ......!" اس نے حماد کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔ "میں سرور آنٹی کے ساتھ شاپنگ کرنے آئی تھی۔ وہ آتی ہی ہوں گی میں ان کے آنے کا انتظار کررہی ہوں۔"

"ٹھیک ہے...... ان کے آنے تک یہاں بیٹھتے ہیں۔" حماد نے روشانہ کی کار میں فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا اور روشانہ بھی ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھی۔

"کل سرور آنٹی کہہ رہی تھیں کہ تم لوگ میرے متعلق کچھ نہیں جانتے؟" حماد نے کہا۔

"اور آپ نے کہا تھا کہ آپ کی زندگی کی کہانی زیادہ دلچسپ نہیں ہے۔" روشانہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"میں جب بہت چھوٹا تھا تب ہی میرے والدین فوت ہوگئے تھے میرے والد کے اسکول کے زمانے کے ایک پرانے دوست نے میری سرپرستی قبول کی اور انہوں نے بہت اچھی طرح میری پرورش کی میرا کوئی رشتہ دار نہیں ہے میں اپنے انہی سرپرست کے ساتھ جہان آباد میں رہتا ہوں۔ ہماری ایک بوڑھی ملازمہ ہے جو ہمارا خیال رکھتی ہے میرے سرپرست سراج ادیب نے ابھی تک شادی نہیں کی انہوں نے مجھے اپنے کاروبار میں اپنا شریک بنالیا ہے میرے والد جو رقم چھوڑ کر فوت ہوئے

تھے وہ سب میری تعلیم پر خرچ ہوچکی تھی۔ سراج ادیب کئی ہوٹلوں کا مالک ہے۔ شہر میں اس کا ایک بڑا اسٹور بھی ہے اور دوسرے شہروں میں مختلف چیزوں کی دکانیں ہیں۔"

حماد نے بغور اسے دیکھا روشانہ اس کی بات میں زیادہ دلچسپی نہیں لے رہی تھی وہ اداس ہوگئی تھی۔ شاید اسے اپنے والد کے وہ اچھے دن یاد آ گئے تھے جب ان کے چاروں طرف دولت ہی دولت تھی۔

"میرے والد ایمان دار ہیں اور اس وجہ سے آج ان کے پاس کچھ نہیں ہے۔" اس نے دکھ سے کہا۔ "اور مظفر ساؤتھ افریقہ میں زندگی سے لطف اندوز ہورہا ہے کیا یہی انصاف ہے۔" روشانہ نے دکھ سے کہا۔

"زندگی میں یہ سب ہوتا ہے۔" حماد نے کہا۔

"مظفر اپنے والد کی طرح نہیں ہے اسے علم نہیں ہے کہ انہوں نے کیا کیا میں چاہتی ہوں کہ مظفر نے اپنی جو تعلیم ادھوری چھوڑ دی ہے وہ مکمل کرلے وہ چاہے تو یہاں آ کر ہمارے گھر رہ سکتا ہے جب تک وہ اپنی رہائش کا انتظام نہ کرسکے وہ ہمارے ساتھ رہ سکتا ہے۔" روشانہ کی آواز گلوگیر ہوگئی تھی۔

"تمہارے ڈیڈی اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟"

"میرا خیال ہے کہ وہ مظفر کو اس کے والد کی غلطیوں کی سزا نہیں دیں گے۔" اس نے اپنی منگنی کی انگوٹھی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور پھر اچانک بات کا رخ بدل دیا۔

"آپ کی زندگی بھی تو بہت تنہا سی محسوس ہوتی ہے۔" اس نے حماد سے کہا۔

"میں نے اس بارے میں کبھی غور نہیں کیا۔"

"تم شادی کیوں نہیں کرلیتے؟ اس طرح تمہیں ایک فیملی مل جائے گی۔ ایک نیا گھر مل جائے گا۔"

"لیکن شادی کرنے کے لیے مجھے اس سے زیادہ اہم وجوہات کی ضرورت ہے۔" حماد نے ہنستے ہوئے کہا۔

"سرور آنٹی آپ کو بہت پسند کرتی ہیں۔"

"اور مجھے بھی اچھی لگتی ہیں۔" حماد نے جواب دیا۔

"وہ میرے والد سے سولہ سال بڑی ہیں۔ ان کے شوہر کا انتقال جنگ کے دوران ایک جہاز اڑاتے ہوئے ہوگیا تھا وہ تب سے ہمارے ساتھ ہی رہتی ہیں انہوں نے خود کو اپنی تصوراتی دنیا میں مگن کرلیا ہے اب وہ چاہتی ہیں کہ ہم اپنے گھر کا کچھ حصہ کرائے پر اٹھادیں اس طرح ہماری تنہائی بھی دور ہوجائے گی اور ہمیں کچھ رقم بھی مل جایا کرے گی۔" روشانہ نے کہا۔

"خیال تو برا نہیں ہے۔" حماد نے کہا۔

اسی وقت سرور آنٹی آ گئیں اور حماد روشانہ کی کار سے اتر گیا پھر وہ دونوں چلی گئی تھیں۔ جاتے جاتے سرور آنٹی حماد کو رات کے کھانے کے بارے میں یاد دلا گئی تھیں کہ اسے ان کے گھر آنا ہے۔

گھر پہنچنے کے بعد روشانہ اپنے ڈیڈی کے کمرے میں گئی تھی۔ وہ آتش دان کے قریب بیٹھے تھے۔ فاخرہ کو اس کا ان کے کمرے میں آنا اچھا نہیں لگا تھا یہ بات اس نے خود ہی محسوس کی تھی پھر اس نے اپنے ڈیڈی کو حماد کے بارے میں بتایا تھا انہیں یاد دلایا تھا کہ یہ وہی شخص ہے جو اس کی پچھلی سالگرہ میں گھر کے لان میں اچانک اس سے ملا تھا اس نے انہیں بتایا کہ آج رات کے کھانے پر وہ ان کے گھر آرہا ہے۔ پھر اس نے گھر کو بیچنے کی بات کی تھی جس کے لیے اس کے ڈیڈی تیار نہیں تھے اور فاخرہ ان کی حمایت کررہی تھی۔ اسے گھر کے معاملات میں فاخرہ کا اتنا دخل دینا پسند نہیں آیا لیکن وہ اپنے والد کی دل آزاری کے خیال سے خاموش رہی تھی۔

رات کو جب حماد کھانے پر آیا تو روشانہ نے گلابی رنگ کا خوب صورت لباس پہنا ہوا تھا۔ اس نے کھانا بھی خود تیار کیا تھا وہ بہت دیر تک باتیں کرتے رہے پھر سرور آنٹی نے اپنے ہاتھ سے بنائی ہوئی تصاویر حماد کو دکھائی تھیں جنہیں حماد نے پسند کیا تھا۔ جب حماد واپس جارہا تھا تو روشانہ نے اس کا شکریہ ادا کیا اور دروازے تک اسے چھوڑنے آئی۔

"کبھی کبھی آجایا کرو حماد۔ دراصل میری آنٹی بہت

اکیلی ہیں ان کی زندگی میں کوئی خوشی نہیں جب آپ آتے ہو تو وہ خوش ہو جاتی ہیں اور چیزوں میں دلچسپی لینے لگتی ہیں۔" روشانہ نے جاتے جاتے حماد سے کہا۔

"اور اپنے بارے میں کیا خیال ہے روشانہ تم بھی تو اپنی آنٹی کے نقش قدم پر چل رہی ہو۔" حماد نے کہا تو وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

"تمہارا کیا مطلب ہے؟" اس نے پوچھا۔

"تم نے بھی تو خود کو اس گھر تک محدود کر لیا ہے۔"

"نہیں...... تم جانتے ہو کہ میں ایک مقامی اسکول میں پڑھاتی ہوں۔" روشانہ نے اسے یاد دلایا۔

"میرا مطلب یہ ہے کہ تم لوگوں سے ملنے سے ہچکچاتی ہو۔"

"نہیں ایسا نہیں ہے بلکہ فی الحال میں لوگوں سے ملنے یا انہیں اپنے گھر بلانے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔" روشانہ نے کہا۔

"نہیں روشانہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ محض ایک بہانہ ہے۔" حماد نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم خوفزدہ ہو...... تم سمجھتی ہو کہ ہر کوئی تمہارے چہرے کو دیکھتا ہے اور تم سے ہمدردی محسوس کرتا ہے تمہارے متعلق باتیں کرتا ہے اور تم سمجھتی ہو کہ تمہارے گال کا زخم تمہارا عیب ہے حالانکہ بعض اوقات اس کی موجودگی کا احساس بھی نہیں ہوتا۔"

"تم نہیں سمجھو گے حماد۔" روشانہ نے دکھ سے کہا۔

"میں پھر کہوں گا روشانہ کہ تم خود کو اس خوف سے آزاد رکھنے کی کوشش کرو...... میں پھر آؤں گا۔" حماد نے کہا اور رخصت ہو گیا۔ روشانہ کافی دیر تک گیٹ کے قریب کھڑی اس کے بارے میں سوچتی رہی کہ حماد بالکل ٹھیک کہہ رہا تھا۔

پھر کئی روز بعد حماد سات سہیلیاں آیا اور روشانہ کو یاد دلایا کہ ایک بار روشانہ نے اس سے کہا تھا کہ اس گھر کا سات سہیلیاں نام رکھنے کی کوئی وجہ ہے اس نے وہ وجہ جاننے کی خواہش ظاہر کی اور روشانہ نے اسے وہ سات چابیاں دکھائی جن کی وجہ سے اس خوب صورت گھر کا نام سات سہیلیاں رکھا گیا تھا۔ پھر روشانہ نے ان سات جگہوں کو بھی حماد کو دکھایا جن کی وہ سات چابیاں تھیں یہ اس خوب صورت گھر کے سات حصے تھے جو کسی نہ کسی وجہ سے خاص اہمیت رکھتے تھے ان جگہوں کی باقاعدہ حفاظت اور دیکھ بھال کی جاتی اور پھر انہیں لاک کر دیا جاتا۔ ان حصوں سے اس گھر کے باسیوں کی پرانی یادیں وابستہ تھیں۔

اس روز چھ حصے دکھانے کے بعد روشانہ نے اسے بتایا کہ آج تک ساتویں چابی کا راز وہ بھی نہیں جان سکی ہے کہ وہ کس چیز کی ہے پھر وہ بہت دیر تک فاخرہ کے بارے میں بات کرتی رہی اس کا حد سے زیادہ بڑھا ہوا عمل دخل روشانہ کو ایک آنکھ نہیں بھاتا اور وہ محسوس کرتی تھی کہ فاخرہ اس کے والد کو گھر کے دوسرے افراد سے الگ رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ اس کا خیال تھا کہ فاخرہ اس کے ڈیڈی پر قبضہ جمانا چاہتی ہے۔ اس نے یہ بات حماد سے بھی کہہ دی لیکن حماد نے اس پر یقین نہیں کیا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ حماد کو اپنے ڈیڈی سے ملوانے ان کے کمرے میں لے گئی اور وہاں پر موجود فاخرہ کو یہ بات پسند نہیں آئی تھی۔ روشانہ کے والد خالد وحید اس سے بہت اچھی طرح سے ملے اور اس کو آفر کی کہ وہ چاہے تو ان کے گھر میں ایک گیسٹ کے طور پر رہ سکتا ہے۔ انہوں نے حماد کو پہلی نظر میں ہی پسند کر لیا تھا جب حماد واپس آ رہا تھا تو انہوں نے کہا تھا کہ اگر وہ دوبارہ ان سے ملنے آئے گا تو وہ اسے اپنی خوش قسمتی سمجھیں گے۔ پھر روشانہ اور سرور آنٹی کے بے حد اصرار پر وہ سات سہیلیاں منتقل ہو گیا جہاں روشانہ نے اس کے لیے لان کی طرف والا کمرہ آراستہ کروایا تھا۔ حماد کو سات سہیلیاں آئے ہوئے دوسرا ہی دن تھا جب وہ خالد وحید کے کمرے کے سامنے سے گزر رہا تھا ان کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور اندر سے فاخرہ کی آواز آ رہی تھی۔

"خالد! تم سمجھتے کیوں نہیں...... یہ تمہارے سارے مسائل کا حل ہے۔ کسی کو بھی اس بات کا کبھی پتا نہیں چلے گا۔"

"ہم حقیقت کو کیسے چھپا سکیں گے اور خاص طور پر روشانہ سے۔" خالد وحید نے کہا ان کا انداز ہار جانے والا تھا۔

"ہم ایسا کر سکتے ہیں...... پھر روشانہ کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔" فاخرہ نے کہا۔ "اس کی شادی ہو جائے گی...... اور تم...... تمہارے پاس کیا ہوگا؟ یہ گھر بھی نہیں ہوگا۔ تم کیا کرو گے خالد؟ اس لیے میں کہتی ہوں مجھ سے شادی کر لو۔"

"نہیں۔" خالد وحید کی سخت آواز سنائی دی اور حماد کو روشانہ کی وہ بات یاد آ گئی جب اس نے کہا تھا کہ اس کا خیال ہے کہ فاخرہ اس کے ڈیڈی پر قبضہ جمانا چاہتی ہے۔ حماد فاخرہ کا جواب نہیں سن سکا تھا کیونکہ فوراً ہی خالد وحید کے کمرے کا دروازہ زور سے بند ہوا تھا۔

حماد پرویز کے سات سہیلیاں میں آ جانے سے سرور آنٹی کو بہت خوشی ہوئی تھی اور انہوں نے دوسری شام ہی اسے اپنے اسٹڈی روم میں چائے کی دعوت دی پھر انہوں نے اس سے بہت سی ذاتی باتیں بھی کی تھیں۔ انہوں نے اسے بتایا کہ وہ نہیں چاہتیں کہ روشانہ مظفر کا انتظار کرے۔

"کیا آپ مظفر کو اتنا ناپسند کرتی ہیں؟" حماد نے پوچھا۔

"میں صرف یہ جانتی ہوں کہ وہ بہت کمزور ارادے کا شخص ہے۔ وہ بہت سہل پسند ہے وہ شاید روشانہ کو خوش نہ رکھ سکے۔" سرور آنٹی نے کہا۔

"لیکن سہل پسند ہونے کا یہ مطلب تو نہیں کہ وہ روشانہ کو خوش نہیں رکھ سکے گا۔"

"اس کے ستارے روشانہ کے ستاروں سے نہیں ملتے۔" سرور آنٹی نے کہا۔

"ویسے تمہاری تاریخ پیدائش کیا ہے۔" انہوں نے پوچھا اور حماد کے جواب دینے پر کچھ دیر حساب کتاب لگاتی رہیں۔

"تمہارے ستارے روشانہ کے ستاروں سے ملتے ہیں۔" انہوں نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"لیکن شادی کے لیے اس سے زیادہ اہم وجوہات کی ضرورت ہوتی ہے۔" حماد نے کھوکھلی ہنسی کے ساتھ کہا۔ وہ جانتا تھا کہ روشانہ مظفر کو پسند کرتی ہے اور اس کے واپس آنے کی منتظر ہے۔ دوسری صبح حماد ہی روشانہ کو اس کے اسکول تک اپنی کار میں چھوڑ کر آیا تھا۔

"کیا فاخرہ مستقل طور پر یہیں رہتی ہے؟ میرا مطلب ہے کہ وہ کسی وقت گھر سے باہر بھی جاتی ہے؟" حماد نے راستے میں روشانہ سے پوچھا۔

"وہ صرف چہل قدمی کے لیے لان میں جاتی ہے یا اگر بازار سے کچھ لانا ہو تب باہر جاتی ہے۔" روشانہ نے جواب دیا تو حماد نے اثبات میں سر ہلایا۔ گھر واپس آنے کے بعد اس نے سرور آنٹی سے بھی فاخرہ کے بارے میں پوچھا۔

"میں جانتی ہوں کہ وہ چاہتی ہے کہ میرے بھائی سے شادی کر کے اس گھر کی مالک بن جائے۔" سرور آنٹی نے راز داری سے کہا۔ "وہ ہمیشہ ہی سے اس گھر پر نظر رکھتی ہے۔"

"کیا وہ جانتی ہے کہ خالد وحید یہ جگہ فروخت کر دیں گے؟" حماد نے پوچھا۔

"شاید جانتی ہو لیکن میرا خیال ہے کہ اسے یقین ہے کہ ایسا نہیں ہوگا۔" سرور آنٹی نے کہا ان کے چہرے پر اداسی چھا گئی۔ "اگر وہ خالد وحید سے شادی کر لے گی تو پھر میں کیا کروں گی؟" سرور آنٹی نے کہا۔

"کیا آپ سمجھتی ہیں کہ وہ اس حد تک جا سکتی ہے؟" حماد نے پوچھا۔

"وہ کسی حد تک بھی جا سکتی ہے۔"

"آپ اس طرح یہاں رہیں گی جیسے اب رہتی ہیں۔"

"نہیں ایسا نہیں ہوسکتا...... فاخرہ ہرگز بھی نہیں چاہے گی کہ میں یہاں رہوں۔ وہ کسی کو بھی یہاں برداشت نہیں کرے گی بس وہ خود خالد وحید کے ساتھ یہاں رہے گی...... وہ یہاں میرا رہنا مشکل کردے گی۔"

"لیکن آپ کے بھائی اسے ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔" حماد نے انہیں دلاسہ دینے والے انداز میں کہا۔

"فاخرہ کا خالد وحید پر بہت اثر ہے۔ میں نے اکثر اس کی باتیں سنی ہیں۔ وہ انہیں مجبور کرتی ہے کہ گھر بیچنے کے بارے میں نہ سوچیں۔"

"لیکن کیا وہ موجودہ مسائل کے بارے میں انہیں کوئی اور حل نہیں بتاتی؟" حماد نے پوچھا۔

"میں نہیں جانتی......" سرور آنٹی نے کہا۔ "ہوسکتا ہے کہ اس کے پاس کچھ رقم ہو...... روشانہ کہتی ہے کہ میں تصورات میں گم رہتی ہوں اس کا خیال ہے کہ اس کے ڈیڈی کبھی دوسری شادی نہیں کریں گے لیکن فاخرہ ہر وقت ان کے پاس موجود ہے اور اس کے پاس بہت سے مواقع ہیں کہ وہ جو چاہے وہ بات خالد وحید سے منوالے۔"

"کیا آپ نے یہ بات خالد وحید کو سمجھائی ہے؟" حماد نے پوچھا۔

"نہیں وہ کسی اور کی بات نہیں سنتے۔"

"لیکن انہیں بہت جلد دوسروں کی بات بھی سننا ہوگی۔" حماد نے کہا۔

"فی الحال تو وہ زندگی سے فرار چاہتے ہیں اور روشانہ بھی انہی کے انداز میں زندگی گزار رہی ہے وہ خوامخواہ مظفر کی واپسی کی منتظر ہے اور سمجھتی ہے کہ وہ واپس آکر...... وہ کتنی بھولی ہے...... وہ نہیں جانتی کہ ایسا نہیں ہوگا۔"

"لیکن آپ یہ بات کس طرح کہہ سکتی ہیں؟"

"وہ اپنی زندگی بھرپور طریقے سے گزار رہا ہے۔" سرور آنٹی اتنا کہہ کر خاموش ہوگئیں۔

"ہوسکتا ہے کہ روشانہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوجائے اور وہ مظفر کا انتظار چھوڑ دے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی طرح ایسے حالات پیدا ہوجائیں کہ ہم یہ گھر نہ بیچیں۔" انہوں نے کچھ دیر بعد کہا۔

"کیا فاخرہ کا اپنا گھر ہے؟" حماد نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ نہیں۔" سرور آنٹی نے جواب دیا۔

"آپ نے کہا تھا کہ وہ ہمیشہ سے اس گھر پر نظر رکھتی ہیں۔" حماد نے پوچھا۔

"یہ سچ ہے جب وہ روشانہ کی آیا تھی تو وہ اکثر کہتی تھی کہ وہ اس گھر سے بہت پیار کرتی ہے اور چاہتی ہے کہ وہ اس کا گھر ہوتا اور اس وقت کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ اچانک حالات بدل جائیں گے خالد وحید بیمار پڑجائیں گے اور فاخرہ ان کی تیمارداری کرے گی اور اب یہ صورت حال ہے کہ اگر وہ فاخرہ سے شادی کرلیں تو وہ ہر چیز کی مالک بن جائے گی۔"

"وہ اس گھر کو روشانہ کے لیے چھوڑ سکتے ہیں۔" حماد نے کہا۔

"لیکن فاخرہ انہیں ایسا نہیں کرنے دے گی مجھے یقین ہے۔"

اس روز جب وہ شام کو سرور آنٹی کے ساتھ ڈرائنگ روم میں بیٹھا تھا تو روشانہ ہلکے نیلے رنگ کے لباس میں کمرے میں داخل ہوئی اس نے ہلکا سا میک اپ بھی کیا ہوا تھا اور اس کے گلے میں ایک خوب صورت نیکلس تھا حماد اسے دیکھتا رہ گیا وہ بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔

"تمہارا نیکلس بہت پیارا ہے۔" حماد نے اس کی تعریف کی۔

"یہ نقلی نہیں ہے......" روشانہ نے نیکلس کو چھوتے ہوئے کہا۔ "اس میں لگے ہوئے ہیرے اصلی ہیں۔"

"مجھے یقین ہے۔" حماد نے ہنستے ہوئے کہا۔

"میرے زیورات میں یہ واحد نیکلس ہے جو بہت قیمتی ہے۔ یہ میری امی کا ہے اور میرے ڈیڈی نے میری اکیسویں سالگرہ پر مجھے تحفے میں دیا تھا۔ اگر میں اسے

فروخت کردوں تو ہمارے سارے مسائل حل ہوجائیں گے۔" روشانہ نے کہا۔

"لیکن کیونکہ یہ تمہاری امی کی نشانی ہے اس لیے شاید تم اسے فروخت نہ کرو۔" حماد نے کہا۔

"لیکن ہمیں سات سہیلیاں اور اس نیکلس میں سے کسی ایک کو چننا ہوگا۔" سرور آنٹی نے کہا۔

"مگر یہ اتنا آسان نہیں ہے۔" روشانہ نے ان سے کہا۔ "اگر یہ نیکلس فروخت کردیا جائے تو اس گھر کو بچایا جاسکتا ہے اور اس کے اخراجات بھی کچھ عرصے تک اٹھائے جاسکتے ہیں۔ لیکن جب اس سے حاصل کی ہوئی رقم خرچ ہوجائے گی تو پھر کیا ہوگا؟"

"اس وقت تک کوئی اور صورت پیدا ہوجائے گی۔" سرور آنٹی نے کہا۔

"حالانکہ اب تک کوئی ایسا معجزاتی حادثہ پیش نہیں آیا جس سے ہمیں اپنے مسائل حل کرنے میں مدد ملتی۔" روشانہ نے کہا۔

"فرض کرو کہ تمہیں ان دونوں چیزوں میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے کا حق دیا جائے تو تمہارا فیصلہ کیا ہوگا؟" سرور آنٹی نے اس سے پوچھا۔

"یہ بہت مشکل سوال ہے۔ میں دونوں میں سے کسی بھی چیز کو فروخت کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی۔ ڈیڈی دونوں صورتوں میں مجھ پر برہم ہوں گے۔" روشانہ نے ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا۔

"لیکن یہ نیکلس تمہاری ملکیت ہے چاہے تم اسے فروخت کرو چاہے رکھو۔"

"ہوں لیکن جب تک ایسا کرنے کی شدید ضرورت نہ پڑے اس وقت تک نہیں کروں گی۔" اس رات روشانہ پھر اپنے ڈیڈی کے کمرے میں گئی تھی ان کی حالت پہلے کے مقابلے میں بہتر محسوس ہورہی تھی۔

"تمہارا مہمان بیلاپور میں کس سلسلے میں ٹھہرا ہوا ہے۔" انہوں نے پوچھا اور روشانہ کو ان کے اس سوال سے بہت خوشی ہوئی انہوں نے کافی عرصے بعد کسی اور شخص میں دلچسپی لی تھی ورنہ تو وہ صرف اپنے کمرے اور فاخرہ تک محدود ہوگئے تھے اور گھر کے دوسرے افراد کے بارے میں بھی دلچسپی سے بات نہیں کرتے تھے۔

"وہ فردوس ولا کو ہوٹل میں تبدیل کررہا ہے۔ میرا مطلب ہے کہ وہ اس ہوٹل کی سجاوٹ اور اسے آراستہ کروانے کا ذمہ دار ہے جب یہ ہوٹل تیار ہوجائے گا تو وہاں بہت سے مسافر ٹھہرا کریں گے اور ہوٹل کی آمدنی کے ساتھ ساتھ بیلاپور کی گہما گہمی بھی بڑھ جائے گی۔" روشانہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آئیڈیا تو اچھا ہے۔" کمرے میں موجود فاخرہ نے لقمہ دیا۔

"میں نے حماد سے بھی رات یہی کہا تھا۔" خالد وحید نے کہا۔ "میں نے اسے بتایا تھا کہ میں سات سہیلیاں کو کبھی ہوٹل نہیں بننے دوں گا۔" خالد وحید نے کہا پھر انہوں نے اپنی آنکھیں بند کرلی تھیں اور روشانہ ان کے کمرے سے نکل گئی تھی۔

اس روز حماد کو فاخرہ سے پتہ چلا تھا کہ اس کی شادی ایک دولت مند شخص سے ہوئی تھی جس کے مرنے کے بعد وہ ایک فلیٹ اور کچھ رقم کی مالک بن گئی تھی بعد میں اس نے وہ فلیٹ بھی فروخت کردیا اور سات سہیلیاں چلی آئی اور حماد کو بھی اب سرور آنٹی اور روشانہ کی طرح اس بات کا یقین ہوگیا تھا کہ فاخرہ کی نظر خالد وحید کی بچی کھچی دولت پر ہے۔

اگلے روز جب روشانہ اسکول سے واپس آئی تو سیدھی اپنے ڈیڈی کے اسٹڈی روم میں چلی گئی وہ بہت اداس تھی اور اس کا ارادہ تھا کہ وہ مظفر کو خط لکھے گی وہ اپنے ڈیڈی کی رائٹنگ ٹیبل کے قریب رکھی کرسی پر بیٹھ گئی اور میز پر رکھی ہوئی کتابیں درست کرنے لگی تب ہی اس کا ہاتھ ایک کاغذ پر پڑا یہ ایک چیک تھا جو حماد پرویز نے وہاں رکھا تھا اس نے اپنے کمرے کا کرایہ پیشگی ادا کردیا تھا۔

اس چیک کو دیکھ کر روشانہ کی اداسی اور بڑھ گئی وہ نہیں چاہتی تھی کہ اپنے مہمان سے کرایہ لے لیکن حماد کی ضد تھی

کہ وہ کرایہ دے گا ورنہ واپس بیلا پور ریسٹ ہاؤس چلا جائے گا۔ وہ ایسے حالات میں روشانہ پر بوجھ نہیں بننا چاہتا تھا' روشانہ نے ایک سرد آہ بھری اور کھڑکی کے قریب آ کھڑی ہوئی باہر شام کی سیاہی پھیل گئی تھی اچانک اس کی نظریں آسمان پر دور چمکتے ہوئے باریک سے چاند پر پڑیں ایک لمحے کو اس کے چہرے پر خوشی کے آثار نظر آئے اور پھر معدوم ہوگئے۔ وہ کھڑکی کے قریب سے ہٹ کر میز کے قریب آ بیٹھی اور اس نے رائٹنگ پیڈ اٹھالیا وہ مظفر کو خط لکھنا چاہتی تھی لیکن اس کا ہاتھ جیسے اس کا حکم ماننے کو تیار نہیں تھا وہ خط کے بجائے چند اور الفاظ کاغذ پر بنا رہی تھی۔

"خاموشی!
بکھرے بال!
بھیگی اداس آنکھیں
پھر چاند میں نے دیکھا ہے ہر سال کی طرح!
خاموشی
بکھرے بال
بھیگی اداس آنکھیں
کاجل لگا پر آنکھوں نے خوشبو نہیں کھیلی
مہندی لگی پر ہاتھوں میں لالی نہیں پھیلی
اور دل
اداس دل
جس کی کسی کو چاہ نہ کسی کو خیال ہے
بس یوں ہی اب تو زخموں سے اپنی نباہ ہے
کھل جائیں اگر زخم تو پھر بات کچھ ہے
شاید!
شاید کہ اب کے سال خوشی ہم سے بھی ملے
خاموشی!
بکھرے بال
بھیگی اداس آنکھیں!
آنکھوں میں ستاروں کی چمک کھیل رہی ہے
اور دل' اداس دل
جس میں گئے لمحوں کی چبھن پھیل رہی ہے
شاید!
شاید کہ اب کے سال اور شاید کبھی نہیں"

روشانہ اپنی ہی دھن میں لکھے جارہی تھی وہ اکثر کالج کے زمانے میں شعر کہتی تھی لیکن بہت عرصے سے اس نے اس طرف توجہ نہیں دی تھی آج خود بخود اس کا قلم چل پڑا تھا وہ اپنی کیفیت کاغذ پر منتقل کرتی جارہی تھی اور بالکل بے خبر تھی کہ حماد اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا ہے پھر اس کا ہاتھ چلتے چلتے رکا اس نے اپنا سر میز پر ٹیک دیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

"روشانہ!" حماد نے اسے آواز دی اور وہ چونک کر سیدھی ہوگئی۔

"اوہ..... آپ!" اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"سرور آنٹی بلا رہی ہیں' وہ تمہیں چوڑیاں پہنانے لے جانا چاہتی ہیں۔" حماد نے کہا۔

"میں...... میں نہیں جاؤں گی۔" وہ کہتے ہی کمرے سے نکل گئی۔ حماد بھی اس کے پیچھے باہر آ گیا تھا۔ لیکن میز پر رکھا روشانہ کا لکھا ہوا پرچا اٹھانا نہیں بھولا تھا۔

"کیوں؟ آخر تم کیوں نہیں جاؤ گی۔" حماد اس کے پیچھے پیچھے ہی آ رہا تھا۔

"مجھے بہت سا کام کرنا ہے؟" اس نے جواب دیا۔

"کوئی کام ایسا نہیں ہے جو کل نہ کیا جاسکے۔"

"بس میں باہر نہیں جانا چاہتی۔"

"احمقانہ بات ہے۔" حماد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"چوڑیاں پہننا ہیں نا' پہن لوں گی' کل پہن لوں گی۔" اس نے کہا۔

"لیکن آج کیا حرج ہے؟" حماد نے کہا۔

"آج میرا دل نہیں چاہ رہا۔" روشانہ نے جواب دیا۔

لیکن پھر حماد کے بہت زیادہ اصرار پر وہ جانے کے لیے تیار ہوگئی تھی ان دونوں کے ساتھ سرور آنٹی بھی گئی اور ان لوگوں نے دو گھنٹے تک بیلا پور کے چھوٹے سے بازار

میں شاپنگ کی تھی۔ واپسی پر راستے میں حماد نے روشانہ کو بتایا کہ اسے فرم کے کام سے چند دن کے لیے جہان آباد واپس جانا ہے۔

"کیا واپسی عید سے پہلے ہوگی؟" روشانہ نے پوچھا۔

"کچھ کہہ نہیں سکتا یہ تو کام پر منحصر ہے۔" حماد نے جواب دیا اور روشانہ اداس ہوگئی۔

"بہرحال ہم لوگ عید پر تمہارے منتظر رہیں گے۔" سرور آنٹی نے کہا۔

"میں کوشش کروں گا کہ عید تک واپس آ جاؤں۔" حماد نے کہا اور شاید اس بار میرے ساتھ میرا ایک دوست بھی ہو تمہیں اس پر اعتراض تو نہیں ہوگا۔" حماد نے پوچھا۔

"نہیں۔" روشانہ نے جواب دیا وہ حماد پر اعتماد کرتی اور اس کی بات کو رد نہیں کرسکتی تھی۔

"شاید تم نے اس کا نام سنا ہو وہ کافی جانی پہچانی شخصیت ہے اس کا نام تنویر ملک ہے۔" حماد نے کہا لیکن روشانہ کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔

"میں اس نام کے کسی شخص کو نہیں جانتی۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"ہوسکتا ہے تم نہ جانتی ہو لیکن جب وہ یہاں آئے گا تب تم جان جاؤ گی۔" حماد نے کہا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ روشانہ کا تنویر ملک کو نہ جاننا ہی بہتر ہے کیونکہ وہ بہترین پلاسٹک سرجری کا ماہر ہے اور اس کے یہاں آنے کے بعد بہت ممکن ہے کہ روشانہ اس کی آمد پر کوئی اعتراض نہ کرسکے جبکہ اگر اس کی آمد سے پہلے روشانہ کو اس کی اصلیت کا پتہ چل جاتا تو وہ کبھی حماد کو اسے وہاں لانے کی اجازت نہ دیتی۔ حماد نے فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ روشانہ کے چہرے پر پڑ جانے والے زخم کے نشان کو ضرور ختم کروادے گا کیونکہ وہ نشان روشانہ کو بزدل اور خوفزدہ بنا رہا تھا وہ گھر سے باہر نکلتے اور لوگوں سے ملنے سے جھجکتی وہ چاہتا تھا کہ روشانہ پہلے جیسی وہی لڑکی بن جائے جس سے پہلی بار اس کی ملاقات سات سہیلیاں کے باہر لان میں ایک چاندنی رات میں ہوئی تھی جو بات بات پر ہنس رہی تھی' وہ حماد کے لیے اجنبی ہونے کے باوجود اس سے بے تکلف ہوگئی تھی۔ حماد کبھی کبھی سوچتا کہ وہ روشانہ کو اپنے یہاں آنے کی اصل وجہ بتادے لیکن پھر وہ خاموش ہوجاتا کیونکہ اسے ڈر تھا کہ اس کی بات سے روشانہ کو دکھ ہوگا وہ اس سے ناراض ہوجائے گی وہ کسی قیمت پر بھی سات سہیلیاں کو بیچنے کے لیے تیار نہیں تھی جبکہ حماد کو اس کی فرم نے اسی مقصد کے لیے یہاں بھیجا تھا کہ وہ سات سہیلیاں کے مکینوں سے راہ و رسم پیدا کرے اور کسی نہ کسی طرح انہیں یہ گھر بیچنے کے لیے تیار کرے اب اسے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے وہ ایسا نہیں کرسکے گا یہاں آنے کے بعد وہ یہاں آنے کا مقصد ہی بھول گیا تھا وہ تو بس روشانہ کی تنہائی اور اس کی اداس آنکھوں میں کھوگیا تھا۔

خاموشی
بکھرے بال
بھیگی اداس آنکھیں

اسے پرچے پر لکھے گئے روشانہ کے الفاظ یاد آئے وہ پرچا ابھی اس کی جیب میں تھا اور اس نے پورا نہیں پڑھا تھا۔

"میرے ڈیڈی آپ کے بارے میں پوچھ رہے تھے کہ اب آپ کیا کررہے ہیں؟" بازار سے واپسی پر روشانہ نے اس سے پوچھا وہ اگلی سیٹ پر اس کے برابر ہی بیٹھی تھی جبکہ سرور آنٹی پچھلی سیٹ پر سامان کے ساتھ براجمان تھیں۔

"کیا مطلب؟" حماد نے پوچھا۔

"دراصل میں نے ڈیڈی کو بتایا تھا کہ تم یہاں فردوس ولا کی سجاوٹ وغیرہ کروانے کے سلسلے میں آئے ہوئے ہو...... وہ تمہارے بارے میں پوچھ رہے تھے ویسے کافی عرصے کے بعد انہوں نے کسی چیز میں دلچسپی لی ہے۔" روشانہ نے بتایا۔

”ہاں یہ درست ہے۔ میں فردوس ولا کے کام کے سلسلے ہی میں آیا ہوا ہوں۔“ حماد نے کہا لیکن ایک بار پھر اس کا دل چاہا کہ وہ روشانہ کو اپنے یہاں آنے کی اصل وجہ بتادے لیکن پھر وہ اس کی ناراضگی کے خیال سے خاموش ہوگیا۔

☾......☾......☾

جب حماد جہان آباد پہنچا تو سراج ادیب نے اس سے کوئی سوال نہیں کیا۔ وہ اس کے جہان آباد آنے پر خوش تھے۔

”مجھے خوشی ہوئی ہے کہ تم بیلا پور میں ٹھہرے ہوئے ہو اور وہاں کے معاملات پر تمہاری پوری نظر ہے۔ اب تو تم سات سہیلیاں میں منتقل بھی ہوگئے ہو۔“ سراج ادیب نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

”ہاں مجھے وہاں خالد وحید نے رہنے کی دعوت دی تھی وہ اتنے بیمار ہیں کہ ان سے گھر کی فروخت کے بارے میں بات نہیں کی جاسکتی۔“ حماد نے کہا۔

”لیکن بات تو کرنا ہوگی ورنہ معاملات کیسے طے ہوں گے۔“ سراج ادیب نے کہا۔

”دراصل فردوس ولا کے مالکوں نے تو خود ہم سے بات کی تھی اور اپنی مرضی سے عمارت ہمارے ہاتھ فروخت کی جبکہ سات سہیلیاں کی صورت حال مختلف ہے' خالد وحید اور ان کی بیٹی روشانہ دونوں ہی یہ نہیں چاہتے کہ ان کا گھر ایک ہوٹل میں تبدیل کردیا جائے۔“ حماد نے سراج ادیب کو صورت حال سمجھائی۔

اس بار جہاں آباد آنے پر سراج ادیب نے حماد کی ملاقات عالیہ سے کروائی وہ سراج ادیب کے دوست کی بیٹی اور ماڈرن سوسائٹی کی جان سمجھی جاتی تھی۔ سراج ادیب کا خیال تھا کہ وہ حماد کے لیے بہت موزوں اور ہر لحاظ سے اس کی آئندہ زندگی میں اس کے جیون ساتھی کے طور پر اس کا ساتھ نبھا سکتی تھی۔ عالیہ نے موقع ملتے ہی حماد کو رات کے کھانے کی دعوت پر بلالیا جسے حماد نے نہ چاہتے ہوئے بھی قبول کرلیا' کیونکہ سراج ادیب کے خیال میں اسے اس دعوت پر ضرور جانا چاہیے تھا۔

”تم مجھے پسند آئے ہو۔“ عالیہ نے پہلی ہی ملاقات میں بے تکلفی سے کہا۔ ”کیا تم اس ویران گاؤں میں ابھی کچھ عرصہ اور قیام کرو گے؟“ اس نے پوچھا۔

”وہ ویران گاؤں نہیں ہے۔ بہت پرسکون جگہ ہے۔“ حماد نے جواب دیا۔

”میرا خیال تھا کہ تم شہر کی ماڈرن زندگی کو پسند کرتے ہو۔“ عالیہ نے کہا پھر اس نے حماد کی ملاقات فرقان واسطی سے کروائی جو عالیہ کے نئے دوستوں میں سے تھا اور اس نے عالیہ کو فلم میں کام دلوانے کے سلسلے میں ایک کنٹریکٹ بھی دلوایا تھا۔

حماد دعوت میں موجود تھا۔ لوگوں سے باتیں کررہا تھا لیکن اس کا ذہن سات سہیلیاں میں اٹکا ہوا تھا وہ عالیہ کی ایک ایک حرکت کا موازنہ روشانہ کی عادات سے کررہا تھا' عالیہ بلا کی حسین تھی لیکن روشانہ کی سادگی کا مقابلہ نہیں کرسکتی تھی۔ فرقان واسطی سے باتوں کے دوران حماد کو پتہ چلا کہ وہ فاخرہ کے شوہر کو جانتا ہے اور وہ دونوں ایک زمانے میں اس کے فلیٹ کے سامنے والے فلیٹ میں ہی رہتے تھے اس نے بتایا کہ وہ دونوں زیادہ تر فلیٹ پر نہیں رہتے تھے فاخرہ کا شوہر بہت امیر تھا اور وہ اکثر سیر و سیاحت کے لیے جاتا رہتا تھا وہ فاخرہ سے عمر میں کافی بڑا تھا' پچھلے سال اس کا انتقال ہوگیا اور تب ہی فاخرہ نے فلیٹ چھوڑ دیا۔

”میرا خیال ہے وہ واپس گاؤں چلی گئی ہوگی۔ لیکن میں نہیں جاسکتا کیونکہ گاؤں کی زندگی مجھے پسند نہیں ہے۔“ فرقان واسطی نے بات ختم کرتے ہوئے کہا اس کی باتوں سے ظاہر ہورہا تھا کہ اسے فاخرہ کے کم عمری میں بیوہ ہوجانے پر افسوس ہے اور اس کے لیے فرقان کے دل میں کوئی نرم گوشہ ضرور موجود ہے۔ فرقان واسطی سے باتوں کے دوران حماد کو اندازہ ہوگیا کہ فاخرہ کے پاس اتنی دولت ضرور ہوگی کہ وہ آسانی سے سات سہیلیاں خرید سکتی تھی۔ اسے وہ بات یاد آگئی جب اس

نے فاخرہ کو کہتے سنا تھا۔

”تم سمجھتے کیوں نہیں...... یہ بات تمہارے سارے مسائل کا حل ہے کسی کو کبھی بھی پتہ نہیں چلے گا۔“

حماد جانتا تھا کہ فاخرہ گھر اور خالد وحید دونوں کو حاصل کرسکتی ہے اور اگر ایسا ہوگیا تو ”سات سہیلیاں“ میں روشانہ کی حیثیت میں بہت بڑی تبدیلی آسکتی تھی۔ اسے خیال آیا کہ سروت آنٹی کا مستقبل کے بارے میں پریشان رہنا کس حد تک ٹھیک تھا۔ پھر بیلا پور جانے سے پہلے حماد نے پلاسٹک سرجن تنویر ملک سے ملاقات کی اور اسے روشانہ کے ایکسیڈنٹ اور زخم کے بارے میں بتایا۔

”ٹھیک ہے۔“ تنویر ملک نے اپنی ڈائری کے اوراق پلٹتے ہوئے کہا۔

”میں اگلے ہفتے کی چھٹی پر وہاں آؤں گا' میں خود بھی کچھ دن گاؤں میں گزارنا چاہتا ہوں تم نے یہی کہا ہے نا کہ روشانہ پلاسٹک سرجری کو پسند نہیں کرتی؟“ تنویر ملک نے پوچھا۔

”ہاں میں چاہتا ہوں تم اس کی اہمیت روشانہ کو سمجھاؤ۔“ حماد نے کہا۔

”نہیں حماد...... یہ تو تمہارا کام ہے۔“ تنویر ملک نے جواب دیا۔

☾......☾......☾

پھر جب حماد واپس سات سہیلیاں پہنچا تو سروت آنٹی اور روشانہ نے بڑی گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا اسے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے وہ اپنے گھر واپس آیا ہو۔

”کوئی کام نہیں...... سارا وقت فرم کا کام کیا...... اور ایک بہت ہی بورسی پارٹی میں شرکت کی...... جو میری فرم کی سیکرٹری نے دی تھی وہ اب فلم اسٹار بننے والی ہے۔“ حماد نے جہان آباد میں اپنی مصروفیات کی تفصیل بتائی تو روشانہ چونک پڑی۔

”وہ کون ہے؟“ اس نے سیکرٹری کے بارے میں پوچھا۔

”اس کا نام عالیہ ہے...... وہ ایک ماڈل گرل بھی ہے...... تم نے اکثر اس کی تصاویر مختلف قسم کے رسالوں میں دیکھی ہوں گی۔“

”کیا تمہیں اس سے شادی کررہے ہو؟“ روشانہ نے اپنے فطری بے تکلفانہ انداز میں اس سے پوچھا وہ سوچ رہی تھی کہ وہ حماد کے بارے میں کتنا کم جانتی ہے۔

”کیا تم کو اس سے کوئی فرق پڑتا ہے؟“ حماد نے اسے کریدا۔

”بالکل نہیں۔“ روشانہ نے کہا۔ ”دراصل اب تک تم نے کبھی اس کا ذکر نہیں کیا تھا۔“

”دراصل وہ سراج ادیب کے دوست کی بیٹی ہے اور حال ہی میں انہوں نے اسے سیکرٹری کے طور پر اپائنٹ کیا ہے۔“ حماد نے جواب دیا۔ روشانہ نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ حماد کو اندازہ ہوگیا کہ روشانہ کو عالیہ کا تذکرہ ناگوار گزرا ہے اب وہ سوچ رہا تھا کہ اسے فرقان واسطی اور تنویر ملک کے بارے میں بتائے یا نہ بتائے۔

”میں نے تم سے اپنے دوست تنویر ملک کا ذکر کیا تھا نا وہ اگلے ہفتے یہاں آرہا ہے۔“ اس نے روشانہ سے کہا جس پر اس نے اثبات میں سر ہلایا وہ ابھی تک عالیہ کے بارے میں سوچ رہی تھی کیونکہ ابھی تک حماد نے یہ نہیں کہا تھا کہ وہ عالیہ سے شادی نہیں کررہا اور یہ بات نہ جانے کیوں اسے پریشان کررہی تھی اس نے آگے بڑھ کر لان میں لگے ہوئے پھول توڑنا شروع کردیئے۔

”میرے ڈیڈی کو سفید رنگ کے یہ پھول بہت پسند ہیں۔ کیونکہ یہ میری امی کے پسندیدہ پھول ہیں۔ یہ بہت اچھی تبدیلی ہے کہ ڈیڈی کسی چیز میں دلچسپی لے رہے ہیں۔“ روشانہ نے کہا۔

”اس تبدیلی کے متعلق فاخرہ کا کیا رویہ ہے؟“ حماد نے پوچھا۔

”اس کا کہنا ہے کہ وہ اس تبدیلی سے بہت خوش ہے لیکن سروت آنٹی کا خیال ہے کہ یہ سب کچھ اس کا دکھاوا ہے وہ نہیں چاہتی کہ ڈیڈی اچھے ہوں۔“

"اور تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے؟"

"یقین کرو حماد! میں بالکل نہیں جانتی...... میرا خیال ہے کہ فاخرہ واقعی خوش ہے وہ یہاں خوش ہی رہتی ہے اور کسی اور بارے میں نہیں سوچتی۔"

"کیا تم پسند کروگی کہ فاخرہ آئندہ زندگی میں یہاں تمہاری ماں کی حیثیت سے زندگی گزارے؟"

"نہیں...... ہرگز نہیں۔ میں اپنی ماں کی جگہ کسی کو نہیں دے سکتی۔"

"لیکن تمہاری امی کے انتقال کو تو کافی عرصہ ہوگیا۔" حماد نے اسے یاد دلایا۔ "اور جب تم اس گھر سے چلی جاؤ گی تو تمہارے ڈیڈی تنہا رہ جائیں گے بھلا فاخرہ میں کیا برائی ہے میں جہان آباد میں ایک ایسے شخص سے ملا ہوں جو فاخرہ کو بہت اچھی طرح جانتا ہے۔"

"کون ہے وہ شخص مجھے بتاؤ۔" روشانہ نے کہا۔

"اس کا نام فرقان واسطی ہے اور فاخرہ اپنے شوہر کے ساتھ اس کے فلیٹ کے سامنے والے فلیٹ میں رہتی تھی اس کا شوہر عمر میں اس سے کافی بڑا تھا وہ بہت امیر بھی تھا اور اس کے انتقال کے بعد فاخرہ نے وہ فلیٹ بیچ دیا یہ سب کچھ مجھے فرقان واسطی ہی نے بتایا تھا۔" حماد نے کہا۔

"ہوں......" روشانہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "تمہارا خیال ہے کہ فاخرہ یہ گھر خریدنا چاہتی ہے یا اس گھر اور میرے ڈیڈی پر قبضہ جمانا چاہتی ہے؟" روشانہ نے حماد سے پوچھا۔

"میں یہ نہیں جانتا۔" حماد نے کہا۔ "میرا خیال ہے مجھے تمہیں یہ نہیں بتانا چاہیے تھا۔"

"لیکن مجھے خوشی ہے کہ تم نے مجھے یہ بتادیا میں تمہاری شکر گزار ہوں۔"

"اب تم کیا کروگی؟" حماد نے پوچھا۔

"میں نہیں جانتی لیکن میں چاہتی ہوں کہ وہ یہاں سے چلی جائے کیونکہ اس کے لیے ڈیڈی بھی تیار نہیں ہیں وہ اس پر بہت زیادہ انحصار کرنے لگے ہیں اور میرا خیال ہے کہ وہ بھی یہی چاہتی ہے۔" اسی روز روشانہ کو ایک خط ملا اور روشانہ لفافہ دیکھ کر خوشی سے پاگل ہوگئی وہ دوڑتی ہوئی حماد کے پاس آئی تھی۔

"اوہ حماد دیکھو مظفر کا خط آ گیا۔ میں نا کہتی تھی وہ ضرور واپس آئے گا۔ اس نے لکھا ہے وہ اپریل میں واپس آ رہا ہے۔" روشانہ نے خوشی سے کہا اور حماد اسے دیکھتا رہ گیا اسے ایک بار پھر شکست کا احساس ہو رہا تھا وہ یہ دیکھ کر اداس ہوگیا کہ روشانہ مظفر سے کتنا والہانہ پیار کرتی تھی جبکہ وہ حماد کی دلی کیفیت کے بارے میں بالکل لاعلم تھی پھر اچانک روشانہ اداس ہوگئی۔ حماد نے اس کی طرف مڑ کر دیکھا وہ آئینے میں اپنا چہرہ دیکھ رہی تھی اس کا ہاتھ اپنے گال کے زخم کے نشان پر تھا۔

"میں اسے تو بھول ہی گئی تھی۔" اس نے اداسی سے کہا۔

"اب تم کہو گے کہ اگر مظفر مجھ سے محبت کرتا ہے تو یہ زخم کوئی اہمیت نہیں رکھتا' لیکن میرا خیال ہے کہ یہ غلط ہے میری طرح مظفر بھی ہر وقت اٹھتے بیٹھتے اس زخم کو دیکھے گا اور شاید وہ یہ برداشت نہ کر سکے کہ ساری زندگی اس کی نظروں کے سامنے یہ زخم موجود رہے۔" روشانہ نے روہانسی ہو کر کہا۔

"کچھ عرصے بعد جو شخص یہاں آ رہا ہے وہ پلاسٹک سرجن ہے۔" حماد نے کہا۔ "میں نے اس لیے اسے یہاں بلایا ہے کہ وہ تمہیں دیکھ لے۔"

"تم نے یہ اچھا نہیں کیا حماد۔" روشانہ نے غصہ سے کہا۔

"بچوں جیسی باتیں مت کرو روشانہ' بعض اوقات مجھے ایسا لگتا ہے کہ تم کسی کی مدد لینا نہیں چاہتیں۔"

"مجھے تمہاری یہ بات پسند نہیں آئی کہ تم نے مجھ سے مشورہ نہیں کیا فرض کرو کہ آپریشن ناکام ہوگیا تو......؟"

"پہلے سے یہ سوچ لینا کوئی عقل مندی نہیں ہے سب سے پہلے تنویر ملک زخم دیکھے گا اس کے بعد ہی کوئی فیصلہ کیا جائے گا۔" حماد نے کہا۔

"تنویر نے اس سے بھی زیادہ خراب زخم ٹھیک کیے ہیں اور اگر تم اس کی پلاسٹک سرجری نہیں کراؤ گی تو پھر کیا ساری عمر احساس کمتری میں گزار دو گی کیا تم پسند نہیں کروگی کہ مظفر تمہیں ایسا ہی خوب صورت دیکھے جیسی تم پہلے تھیں کیا تم نہیں چاہو گی کہ تم بھی باہر نکلو اور لوگوں سے ملو بجائے اس کے کہ خود کو سب کی نظروں سے چھپائے پھرو تمہیں حقائق کا سامنا کرنا پڑے گا روشانہ' ایک بات اچھی طرح سے ذہن نشین کرلو کہ جب تک تم نہ چاہو میں بھی تمہاری مدد نہیں کرسکتا۔" روشانہ کی سمجھ میں کسی حد تک حماد کی بات آ گئی تھی لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

"میں جاننا چاہتا ہوں کہ جس چہرے کو میں خوش دیکھنا چاہتا ہوں اس کی مالک خود اپنے لیے کیا چاہتی ہے؟ عمر بھر کی اداسی یا......" حماد نے اپنی بات قصداً ادھوری چھوڑ دی۔

"نہیں میرا عمر بھر اداس رہنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے مجھے یقین ہے کہ مظفر......"

"اوہ......" حماد نے غصے سے کہا لیکن اتنا آہستہ کہ روشانہ اس کی آواز سن نہ سکی وہ چاہتا تھا کہ روشانہ خوش رہے بالکل اس طرح جس طرح وہ اس سے پہلی بار ملتے وقت تھی لیکن روشانہ ہر وقت مظفر اور اپنے گال کے زخم کے خیال میں گم رہتی تھی۔

پھر رات کے کھانے پر کچھ گہما گہمی کا احساس ہوا۔ خالد وحید کے دو دوست ان سے ملنے آئے اور گھر کے سارے افراد نے ان کے ساتھ ہی رات کا کھانا کھایا تھا پھر مہمانوں کے جانے کے بعد سب اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے تھے سرور آنٹی کافی دیر تک حماد کے پاس بیٹھی باتیں کرتی رہی تھیں۔

انہیں فاخرہ ہی کا غم تھا وہ چاہتی تھیں کسی نہ کسی طرح فاخرہ کا اختیار اس گھر سے کم ہو جائے۔ حماد نے انہیں ہمیشہ کی طرح تسلیاں دے کر خاموش کرایا تھا اور وہ بھی سونے کے لیے اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں پھر حماد جب اپنے کمرے میں گیا تو وہ کافی دیر تک جاگتا رہا تھا اسے سات سہیلیاں میں اپنا قیام بالکل بے مقصد لگ رہا تھا اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ روشانہ کے آپریشن کے بعد واپس جہان آباد چلا جائے گا وہ روشانہ اور مظفر کے درمیان نہیں آنا چاہتا تھا دوسرے روز روشانہ خود ہی اس کے کمرے میں آ گئی تھی۔

"میں معافی چاہتی ہوں حماد۔" روشانہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم ٹھیک کہتے ہو مجھے ایسی چیز سے خوفزدہ نہیں ہونا چاہیے جو میری موجودہ زندگی میں کوئی بہتر تبدیلی لاسکتی ہو۔"

"تنویر ملک سے ملنے کے بعد تمہیں پتا چلے گا کہ یہ کام اتنا مشکل نہیں ہے۔" حماد نے اس کی بات کا مطلب سمجھتے ہوئے کہا۔

"میں تمہاری شکر گزار ہوں حماد لیکن میں حیران ہوں کہ تم میرا اتنا خیال کیوں کرتے ہو؟" روشانہ نے پوچھا لیکن حماد اس کا کوئی جواب نہیں دے سکا اور روشانہ سوچ رہی تھی کہ کبھی بھی مظفر نے اس کا اس طرح خیال نہیں کیا جبکہ حماد کا رویہ بالکل مختلف تھا۔ پھر ایک لمحے کو اسے عالیہ کا خیال آیا اور اس نے سوچا کہ اگر عالیہ کی شادی حماد سے ہوگئی تو وہ بہت خوش قسمت ہوگی۔ دوسرے ہی لمحے اس نے اس خیال کو جھٹکا۔

"ٹھیک ہے حماد میں تنویر ملک سے ملوں گی۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اور مجھے یقین ہے کہ تم اس تجربے کو اپنے حق میں برا نہیں پاؤ گی۔" حماد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جب تک تم میرے ساتھ ہو کوئی بات میرے حق میں بری نہیں ہوسکتی۔" روشانہ نے کہا اور پھر خود ہی اپنی بات پر مسکرادی۔

دوسرے روز فاخرہ کو کچھ خریداری کے سلسلے میں بیلاپور کے بازار جانا تھا' چنانچہ اس نے حماد کی خدمات حاصل کیں۔ راستے میں حماد نے اس سے بہت سی باتیں کیں اسے پتہ چلا کہ روشانہ نے فاخرہ کو بتادیا تھا کہ جمعہ

کو ایک پلاسٹک سرجن وہاں آ رہا ہے جو روشانہ کے زخم کی پلاسٹک سرجری کرے گا۔ فاخرہ کا خیال تھا کہ روشانہ کے والد بھی اس بات کو پسند کریں گے کیونکہ اس کا یہ زخم بار بار اسے یہ احساس دلاتا ہے کہ وہی اس کے ذمہ دار ہیں۔ اسی دوران حماد کو پتہ چلا کہ فاخرہ سات سال کے عرصے تک سات سہیلیاں سے الگ رہی اور یہ وہی عرصہ تھا جب وہ اپنے شوہر کے ساتھ جہان آباد میں فرقان واسطی کے فلیٹ کے سامنے رہتی تھی۔ حماد حیران تھا کہ سات سال کے بعد وہ پھر وہاں کیوں واپس آ گئی تھی۔

تنویر ملک کے سات سہیلیاں آنے سے گھر میں زندگی آ گئی تھی روشانہ بہت خوش نظر آ رہی تھی۔ اس نے بڑی گرم جوشی سے تنویر ملک کا استقبال کیا تھا۔ اس نے بہت توجہ سے روشانہ کے گال کے زخم کا معائنہ کیا۔

"یہ بہت سادہ سا زخم ہے اس سے خوفزدہ ہونا عقل مندی نہیں، تمہیں کچھ عرصے اسپتال میں رہنا ہوگا۔" اس نے روشانہ سے کہا۔

"اور جب تمہارے چہرے پر کام مکمل ہو جائے گا تو ایک باریک سی لائن رہ جائے گی جو میک اپ سے آسانی سے چھپ سکتی ہے۔" روشانہ کو یہ بات سن کر بہت خوشی ہوئی تھی۔

"اپریل کے آخر میں میرا منگیتر واپس آ رہا ہے اور میں چاہتی ہوں کہ وہ مجھے ویسا ہی پائے جیسا چھوڑ کر گیا تھا۔" روشانہ نے کہا۔

"مجھے حماد نے بتایا تھا۔" تنویر ملک نے کہا۔ "ابھی مارچ کا مہینہ ہے...... ایک ہفتے میں تمہیں اسپتال میں داخل کر دیا جائے گا۔"

"ایک ہفتے میں؟"

"ہاں اور تمہیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔" تنویر ملک نے کہا، وہ سوچ رہا تھا کہ اگر روشانہ کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس کے آپریشن پر جو رقم خرچ ہوگی وہ حماد نے فراہم کی ہے تو اس کے کیا تاثرات ہوں گے لیکن حماد نے اسے ایسا کرنے سے منع کر دیا تھا اور وہ حیران تھا کہ حماد روشانہ کو کتنا چاہتا ہے۔ وہ یہ بات نہیں سمجھ سکا کہ جو لڑکی کسی اور سے منسوب تھی اس کی چاہت میں اتنی دیوانگی سے حماد کو کیا حاصل ہو سکتا تھا۔

تنویر سے بات کرنے کے بعد روشانہ حماد کی تلاش میں نکلی وہ لان میں حوض کے قریب ملا تو اسے بہت تنہا سا محسوس ہوا لیکن اس نے جیسے ہی روشانہ کو دیکھا، اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی پھر روشانہ نے تنویر ملک کی بتائی ہوئی خوش خبری حماد کو بتائی وہ بہت خوش تھی اس نے فرداً فرداً گھر کے ہر فرد کو یہ خوش خبری سنائی اور اس کے بعد حماد ہی کے ساتھ جہان آباد گئی جہاں حماد نے اسے تنویر ملک کے اسپتال میں داخل کروایا پھر جب تک روشانہ کا آپریشن نہیں ہوا وہ روزانہ اس سے ملنے اسپتال جاتا رہا۔ عالیہ پریشان تھی کہ اس بار جہان آباد آنے کے بعد حماد اس سے نہیں ملا تھا اس نے حماد سے ملنے کی بہت کوشش کی مگر نہ تو اس سے ملاقات ہوئی اور نہ ہی اس کی مصروفیت کا پتہ چل سکا اتنا وہ جان گئی کہ کوئی لڑکی ہے جو سات سہیلیاں نامی گھر میں رہتی ہے۔

جس روز روشانہ کے گال کی پٹی کھلی حماد اس کے لیے ایک خوب صورت اور ایرانی طرز کا آئینہ خرید کر لایا، جسے دیکھ کر روشانہ بہت خوش ہوئی وہ بار بار مظفر کا ذکر کر رہی تھی اور حماد خوش تھا کہ اس کی بدولت روشانہ کی کھوئی ہوئی خوب صورتی اسے واپس مل گئی ہے اس کے گال پر اب زخم کا نشان نہیں تھا بلکہ اس کی جگہ ایک غیر واضح سی لکیر رہ گئی تھی جو بہت باریک تھی اور پاؤڈر کی ایک تہہ ہی اسے چھپانے کے لیے کافی تھی لیکن اس خوشی کے ساتھ روشانہ کو ایک دکھ بھی تھا۔ سات سہیلیاں سے روانگی سے پہلے اس کا ہیروں کا خوب صورت نیکلس کھو گیا تھا۔

یہ بات اس نے ڈیڈی کو بھی بتائی تھی اور وہ اس پر بہت برہم ہوئے تھے پھر پولیس میں رپورٹ بھی درج کرائی تھی اور کافی تحقیقات کے باوجود وہ نیکلس نہیں ملا تھا گھر میں ہر کوئی ایک دوسرے پر شک کر رہا تھا۔ روشانہ آپریشن کی کامیابی کے بعد جب سات سہیلیاں پہنچی تو

اس نے سرور آنٹی سے سب سے پہلے اس نیکلس کے بارے میں ہی پوچھا تھا پھر اسے ایک اور روح فرسا خبر سننے کو ملی وہ یہ کہ اس کی اور حماد کی غیر موجودگی میں اس کے ڈیڈی نے اپنے وکیل جواد حسین کو وہاں بلایا تھا اور ان سے تنہائی میں ملاقات کی تھی سرور آنٹی کا خیال تھا کہ انہوں نے سات سہیلیاں کو فروخت کر دیا تھا۔

روشانہ یہ بات برداشت نہ کر سکی اور اپنے ڈیڈی سے پہلی ہی ملاقات میں اس بارے میں پوچھ بیٹھی۔ اس کے ڈیڈی جو اس کے گال سے زخم کا نشان ختم ہو جانے پر خوش ہو رہے تھے اس کے سوال سے اچانک برہم ہو گئے۔

"میں اپنے ذاتی معاملات میں کسی کی مداخلت پسند نہیں کرتا۔" انہوں نے غصے سے کہا۔

"لیکن ان معاملات کا تعلق مجھ سے بھی ہے۔" روشانہ نے جواب دیا۔

"لیکن اتنا زیادہ بھی نہیں مظفر کے آنے کے بعد تمہاری شادی ہو جائے گی اور تم یہاں سے چلی جاؤ گی میں نے جواد حسین کو اس لیے بلایا تھا کہ میں فاخرہ کی خدمت کا صلہ دینا چاہتا تھا، اس نے میری بہت خدمت کی ہے، میں نے اس کے لیے کچھ رقم مخصوص کی ہے تم یہ اطمینان رکھو کہ یہ گھر تمہارا ہے، فاخرہ کو تو میں نے تھوڑی سی رقم دی ہے اور یہ آئیڈیا بھی میرا ہی تھا فاخرہ کو اس بارے میں کچھ پتہ نہیں...... اب کیا تم مطمئن ہو؟" انہوں نے روشانہ سے پوچھا لیکن روشانہ کے چہرے پر اطمینان کی جھلک نہیں تھی۔

"میں معافی چاہتی ہوں ڈیڈی۔" اس نے کہا۔

"تم کبھی بھی فاخرہ کو اچھا نہیں سمجھو گی۔" انہوں نے کہا۔

"میں اسے سمجھ ہی نہیں سکی اور نہ ہی اس پر اعتماد کرتی ہوں۔" روشانہ نے کہا اور کمرے سے نکل گئی۔ اس نے اپنے ڈیڈی سے ہونے والی اپنی اس گفتگو کے بارے میں حماد کو بھی بتایا۔

"لیکن یہ تو بڑی عجیب سی بات ہے کہ وہ فاخرہ کی خدمات کے صلے میں اس کے لیے ایک رقم مخصوص کر بیٹھے ہیں۔" حماد نے کہا۔

"میں جانتی ہوں، لیکن یہ بھی جانتی ہوں کہ وہ مجھ سے کبھی جھوٹ نہیں بول سکتے اگر وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ مکان میرا ہوگا تو وہ اس بات پر ہمیشہ قائم رہیں گے۔" روشانہ نے کہا۔

"میں "سات سہیلیاں" سے پیار کرتی ہوں، اور میں کبھی پسند نہیں کروں گی کہ یہ فاخرہ کے پاس جائے کیونکہ اس طرح ممکن ہے کہ میرے ڈیڈی کے بعد وہ کسی اور سے شادی کر لے اور اس اجنبی کو بھی اس گھر میں لے آئے یہ میری امی کا گھر ہے اور وہ اس سے محبت کرتی تھیں اس کے علاوہ سرور آنٹی بھی یہاں رہتی ہیں وہ برسوں سے ہمارے ساتھ ہیں۔ اگر یہ گھر ہم نے فروخت کر دیا تو انہیں بہت دکھ ہوگا لیکن اگر ہمارے پاس کوئی اور چارہ نہ ہوا تو یہ بھی کرنا پڑے گا، ڈیڈی فاخرہ کو پسند کرتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم لوگ اس بات سے بے خبر ہیں۔"

"تمہارا کیا خیال ہے کیا اس گھر کے سلسلے میں فاخرہ ان سے اپنی بات منوا سکتی ہے؟" حماد نے اس سے کہا۔

"میں نہیں جانتی۔"

"بہرحال اگر ضرورت پڑی تو میں "سات سہیلیاں" کو تمہارے لیے بچانے کی کوشش کروں گا۔" حماد نے جواب دیا اور روشانہ پراعتماد انداز میں اسے دیکھ کر مسکرانے لگی۔

پھر حماد، روشانہ کو اس روز فردوس ولا دکھانے بھی لے گیا تھا جو ہوٹل میں تبدیل ہو گیا تھا۔ روشانہ نے اسے پسند کیا لیکن اس کے باوجود وہ "سات سہیلیاں" کو فروخت کرنا نہیں چاہتی تھی۔ اسی شام سرور آنٹی نے اپنی عادت کے مطابق پھر اسے گھیرا اور وہ دونوں کے سوالات کے جواب دے رہی تھی۔

"مجھے بھی تمہاری پروا نہیں ہے اگر تم مظفر سے شادی کی حماقت کرنا ہی چاہتی ہو۔" سرور آنٹی نے کہا۔

"آنٹی مظفر کو اس کے والد کی غلطیوں کا ذمہ دار ٹھہرانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔"

"میں اسے ذمہ دار نہیں ٹھہرا رہی بلکہ میں سمجھتی ہوں کہ وہ خود غرض ہے اور وہ ذمہ داری اٹھانے والا شخص نہیں۔" آنٹی نے کہا۔ "وہ تمہیں کبھی خوش نہیں رکھ سکے گا۔"

"میں اسے پسند کرتی ہوں اور ہمیشہ کرتی رہوں گی اور میرا یہ بھی خیال نہیں ہے کہ وہ خود غرض یا غیر ذمہ دار ہے آپ تو خوامخواہ فضول سوچنے میں وقت ضائع کرتی ہیں اگر آپ کو یہ فکر ہے کہ میرے بعد فاخرہ آپ کو اس گھر سے نکال سکتی ہے تو یقین کریں ڈیڈی اسے ہرگز ایسا نہیں کرنے دیں گے میں نے یہ بات پہلے بھی کئی بار آپ کو بتائی ہے۔"

"میں نہیں سمجھتی کیونکہ فاخرہ جیسی عورت کسی بھی مرد سے کوئی بھی بات منوا سکتی ہے۔" سرو آنٹی نے کہا وہ کسی صورت بھی فاخرہ پر اعتماد کرنے کے لیے تیار نہیں تھیں۔

◐......◐......◐

دوسرے روز روشانہ کو مظفر کی طرف سے ٹیلی گرام موصول ہوا اس نے اپنے آنے کی اطلاع دی اور وہ دو روز بعد وہاں پہنچ رہا تھا لیکن اس نے اپنے رہنے کے لیے روشانہ کے گھر کے بجائے بیلا پور میں بننے والے نئے ہوٹل "فردوس ولا" کا انتخاب کیا تھا وہ سات سہیلیاں شاید اپنے والد کی وجہ سے بھی نہیں آنا چاہتا تھا کیونکہ اس کے والد نے خالد وحید کے ساتھ دھوکا کیا تھا اور وہ شاید خالد وحید کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے روشانہ سے درخواست کی تھی کہ وہ اس سے فردوس ولا آ کر مل لے اور روشانہ نے حماد کو مجبور کیا کہ وہ اس کے ساتھ فردوس ولا جائے گا وہ تنہا نہیں جانا چاہتی تھی لیکن مظفر سے ملنے کے لیے بھی بے قرار تھی۔ مقررہ دن پر حماد اسے لے کر فردوس ولا آ گیا اور خود نیچے ہال میں بیٹھ کر اس نے روشانہ کو ہوٹل کے ملازم کے ساتھ مظفر کا کمرہ دکھانے کے لیے بھیج دیا۔

روشانہ نے جب مظفر کو دیکھا تو اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا وہ پہلے جیسا دبلا پتلا مظفر نہیں تھا وہ بالکل بدل گیا تھا۔ اس کے سامنے تندرست و توانا اور بہترین لباس میں ملبوس مظفر کھڑا تھا۔

"ایسا لگتا ہے کہ جیسے میں تم سے کئی صدیوں بعد مل رہی ہوں۔" روشانہ نے سرگوشی کی۔

"کیا تم مجھے یاد کرتی تھیں؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں بالکل میں تمہیں یاد کرتی تھی۔" اس نے جواب دیا۔

"یہ بات تمہیں میرے خطوط سے معلوم ہوگئی ہوگی۔ میرا خیال تھا کہ تم کبھی واپس نہیں آؤ گے؟"

"جو کچھ بھی ہوا اس کے بعد مجھے واپس تو نہیں آنا چاہیے تھا۔"

"میں نے تمہیں کتنی بار سمجھایا ہے جو کچھ ہوا اس پر تم خود کو الزام مت دیا کرو۔" روشانہ نے ناراض ہوتے ہوئے کہا۔

"میرے والد بھی تمہیں قصوروار نہیں سمجھتے۔ جو کچھ ماضی میں ہوگیا اس کو بھول جاؤ مظفر۔" روشانہ نے کہا لیکن مظفر کا رویہ اس کے لیے عجیب سا تھا وہ پہلے جیسے انداز میں اس سے نہیں ملا تھا۔ نہ ہی روشانہ کو یہ احساس ہو رہا تھا کہ اتنے عرصے اس سے جدا رہنے کے بعد وہ اس سے ملنے کے لیے بے چین تھا اس نے روشانہ کی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔

"کیا بات ہے مظفر یوں لگتا ہے جیسے تم یہاں موجود نہیں ہو۔" اس نے مظفر کو کچھ سوچتے دیکھ کر کہا۔

"مجھے افسوس ہے روشانہ میں تم سے شادی نہیں کر سکتا۔" مظفر نے اس کے ہاتھ میں پہنی ہوئی منگنی کی انگوٹھی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم مذاق کر رہے ہو۔" روشانہ نے کہا۔

"نہیں...... ہماری منگنی ایک غلطی تھی۔" مظفر نے کہا۔ "ہم دونوں ایک ساتھ پلے بڑھے تھے چنانچہ لوگوں نے سوچ لیا کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ضرور خوش رہیں گے اور ہماری منگنی کرادی۔"

"کیا تمہیں اب مجھ سے محبت نہیں ہے؟" روشانہ نے اس سے پوچھا۔

"لوگوں کے احساسات بدل سکتے ہیں۔" مظفر نے جواب دیا۔

"میں نے پوچھا ہے کہ کیا تم اب بھی مجھ سے محبت کرتے ہو؟" روشانہ نے اپنا سوال دہرایا۔

"تم میرے لیے مشکل پیدا مت کرو میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں تم سے شادی نہیں کر سکتا روشانہ۔" مظفر نے کہا اور روشانہ کو یوں لگا جیسے اس کی ٹانگیں کانپ رہی ہوں وہ خود کو بہت کمزور محسوس کر رہی تھی وہ سوچ رہی تھی کہ یہ مظفر اس مظفر سے کتنا مختلف ہے جسے وہ جانتی تھی وہ اب بھی یہی سمجھ رہی تھی کہ وہ اپنے والد کی غلطی کی شرمندگی کی وجہ سے ایسا کہہ رہا ہے پھر اس کی نظریں سامنے رکھی میز پر جم کر رہ گئیں۔ جہاں ایک اخبار رکھا تھا جس پر مظفر کے ساتھ ایک خوب صورت لڑکی کی تصویر چھپی تھی اور نیچے ان دونوں کی منگنی کی خبر تھی۔ وہ ایک بہت امیر شخص کی بیٹی تھی۔

"کیا تم نے یہ اخبار یہاں اس لیے ہی رکھا ہے کہ میں اسے دیکھ لوں؟" روشانہ نے کہا۔

"ہرگز نہیں...... میں یہ خبر تمہیں خود ہی بتاتا لیکن یہ شام کے اخبارات میں پہلے ہی چھپ گئی۔" مظفر نے جواب دیا۔

"تم اسے کب سے جانتے ہو؟" اس نے پوچھا۔

"میں چند ماہ پہلے اس سے ملا تھا۔" مظفر نے جواب دیا۔

"اور تم اس سے محبت کرتے ہو؟"

"تم آخر یہ سب کیوں پوچھ رہی ہو روشانہ؟"

"تم نے یہ بات مجھے پہلے کیوں نہیں بتائی؟"

"میں تمہیں دکھی کرنے کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا لیکن بہرحال بتانا تو تھا ہی ویسے مجھے اپنی زندگی کے بارے میں فیصلہ کرنے کا حق ہے میں نے فارینہ خان کو اپنے لیے پسند کرلیا۔"

"کیونکہ فارینہ خان بہت امیر لڑکی ہے۔" روشانہ نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"ظاہر ہے وہ میری زندگی سنوار سکتی ہے۔" اگر اس کے پاس دولت نہ ہوتی تو میں اس سے شادی نہ کرتا میں ایک اچھی زندگی گزارنا چاہتا ہوں میں ایسے گھر میں خود کو قید نہیں کر سکتا جو ایک گاؤں میں ہو اور آہستہ آہستہ اس کے ٹکڑے ہو رہے ہوں۔"

"لیکن سات سہیلیاں کے ٹکڑے تو نہیں ہوں گے۔" روشانہ نے غصے سے کہا۔

"میں تم سے جھوٹ نہیں بولنا چاہتا تھا چنانچہ حقیقت تمہیں بتادی۔" مظفر نے کہا اور روشانہ نے اپنی انگلی سے منگنی کی انگوٹھی اتار کر میز پر اخبار کے قریب رکھ دی جس پر مظفر اور اس کی منگیتر فارینہ کی تصویر چھپی ہوئی تھی۔

"تم چاہو تو اسے نشانی کے طور پر رکھ سکتی ہو۔" مظفر نے کہا۔

"کس چیز کی نشانی کے طور پر؟" روشانہ نے حقارت سے کہا۔

"اچھے دنوں کی یاد کے طور پر۔" مظفر نے کہا۔

لیکن روشانہ نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا اور واپسی کے لیے دروازے کی طرف بڑھ گئی پھر دروازے کے قریب پہنچ کر وہ رکی۔

"تم نے اچھا نہیں کیا مظفر اگر تم چاہتے تو خط لکھ کر بھی یہ بات مجھے بتا سکتے تھے۔" روشانہ نے کہا۔

"لیکن جب فارینہ کو پتہ چلا کہ میری تم سے منگنی ہو چکی ہے تو اس کا خیال تھا کہ میرا تم سے مل کر وضاحت کرنا زیادہ ضروری ہے۔" مظفر نے کہا۔

"بے چاری فارینہ......" روشانہ نے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ اس کا واسطہ ایک ایسے شخص سے پڑا ہے جو اس کے بجائے اس کی دولت سے شادی کر رہا ہے۔" اس نے کہا اور کمرے سے باہر آ گئی۔

وہ خوش تھی کہ مظفر کے سامنے اس نے خود کو بہت باہمت ثابت کیا اور آنکھوں میں آنسو نہیں آنے دیے

تھے۔ وہ تیزی سے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ جب وہ ہال میں پہنچی تو حماد اس کی طرف بڑھا اس کے ہاتھ میں اخبار تھا۔

''تو تمہیں بھی یہ خبر معلوم ہوگئی۔ کاش میں اوپر جانے سے پہلے اخبار دیکھ لیتی۔'' اس نے کہا اور حماد نے اسے سہارا دے کر ایک کرسی پر بٹھا دیا۔

''میں فون کردوں کہ ہم گھر واپس آرہے ہیں۔'' حماد نے کہا اور کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا۔

جب وہ فون کرکے واپس آیا تو روشانہ کسی بچے کی طرح بیٹھی اس کا انتظار کررہی تھی۔ وہ فوراً ہی اسے لے کر وہاں سے روانہ ہوگیا۔ راستے میں روشانہ برداشت نہ کرسکی اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ پھر اس نے حماد کے اصرار پر مظفر سے ہونے والی ملاقات کا احوال سنادیا۔ جب وہ لوگ سات سہیلیاں پہنچے تو سرور آنٹی ان کی منتظر تھیں۔ وہ بہت برہم تھیں۔

''میں نے کہا تھا کہ وہ شخص تمہارے لیے مناسب نہیں۔'' سرور آنٹی نے کہا۔ ''شکر کرو کہ اس نے خود ہی اس بات کا اقرار کرلیا۔''

''آنٹی آپ ہر وقت......''

''تم احمق ہو۔'' سرور آنٹی نے روشانہ کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ''تم نے پہلے نیکلس گنوایا اور اب مظفر بھی...... ویسے میرا خیال ہے کہ مظفر کے مقابلے میں نیکلس زیادہ قیمتی تھا۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا اور روشانہ پاؤں پٹختی ہوئی ڈیڈی کے کمرے کی طرف چلی گئی۔ خالد وحید اس وقت جاگ رہے تھے اور اپنی کرسی پر بیٹھے تھے۔

''میرے خیال میں تم تو فردوس ولا گئی تھیں مظفر سے ملنے؟'' انہوں نے پوچھا۔

''ہاں لیکن میں واپس آگئی ہوں...... مظفر نے ایک امیر زادی سے منگنی کرلی ہے اور جلد ہی اس کی شادی ہونے والی ہے۔'' روشانہ نے کہا۔

''یہ بات وہ تمہیں خط لکھ کر بھی بتا سکتا تھا۔''

''اس کی منگیتر کی ضد تھی کہ وہ ذاتی طور پر مجھ سے ملے...... میرا خیال ہے وہ طبیعت کی بہت اچھی لڑکی ہے۔''

''مجھے تمہارے اور اس لڑکی کے لیے افسوس ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ اس لڑکی کے لیے بھی اچھا شوہر ثابت نہیں ہوگا' وہ اپنے باپ کی طرح ہے وہ بھی دولت کو پوجتا ہے۔'' کچھ دیر ڈیڈی کے پاس بیٹھنے کے بعد روشانہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔ جہاں وہ بہت رات تک بستر پر لیٹی جاگتی رہی تھی۔ دن کی روشنی میں اس نے خود کو بہت بہادر اور مضبوط ثابت کیا لیکن رات کی تنہائی میں وہ سسک پڑی تھی۔

دوسرے روز وہ جلدی اٹھی اور تیار ہوکر اسکول چلی گئی جب وہ اسکول سے واپس آئی تو حماد گھر پر موجود نہیں تھا' سرور آنٹی اسٹڈی روم میں تصویریں بنانے میں مصروف تھیں اور فاخرہ اور اس کے والد اپنے کمرے میں موجود تھے۔ اسے یوں لگا جیسے وہ بہت تنہا ہو اور کسی کو نہ اس کا انتظار ہو اور نہ اس کی ضرورت۔ وہ کپڑے تبدیل کرکے لان میں چلی آئی اور کیاریوں کی صفائی شروع کردی۔ اسی وقت کار کا ہارن سنائی دیا' اس نے نظر اٹھا کر دیکھا ایک کار گیٹ کے باہر کھڑی تھی اور اس میں سے ایک لڑکی اتر کر اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔

''میں عالیہ ہوں اور مسٹر حماد کی تلاش میں آئی ہوں۔'' اس نے روشانہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''حماد......! وہ آج یہاں نہیں ہیں۔'' روشانہ نے جواب دیا۔

''کیا وہ واپس جہان آباد چلے گئے ہیں۔'' عالیہ نے پوچھا۔

روشانہ یہ تو جان ہی گئی تھی کہ عالیہ وہی لڑکی ہے جس سے حماد کی ملاقات جہان آباد میں ہوئی ہے لیکن جب اس نے عالیہ اور اپنا موازنہ کیا تو اس نے خود کو عالیہ سے ہر لحاظ سے بہتر پایا' جس پر اسے مسرت کا احساس ہوا۔

''اوہ نہیں وہ فردوس ولا گئے ہیں وہ صبح جلدی چلے

گئے تھے اور میرا خیال ہے کہ شام سے پہلے واپس نہیں آئیں گے۔''

''میں حماد کی فرم میں سیکرٹری ہوں۔'' عالیہ نے اپنا تعارف کروایا۔

''میں روشانہ ہوں۔'' اس نے کہا اور مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

''میں جانتی ہوں حماد نے کئی بار آپ کا ذکر کیا ہے۔'' عالیہ نے کہا۔ ''انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ فردوس ولا میں ابھی کچھ کام باقی ہے' جس کی وجہ سے وہ مصروف ہیں' ان کا خیال ہے کہ وہ سراج ادیب سے زیادہ بہتر طور پر کام کرسکتے ہیں۔'' عالیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''وہ بیلا پور میں بہت خوش ہیں۔'' روشانہ نے کہا۔

''مجھے سات سہیلیاں کے بارے میں حماد نے بتایا تھا۔'' عالیہ نے عمارت کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ خالد وحید کی ملکیت ہے نا۔'' عالیہ نے پوچھا۔

''ہاں! وہ میرے والد ہیں کیا آپ کو ان سے کوئی کام ہے؟'' روشانہ نے پوچھا۔

''نہیں...... میں تو بس اتنا جانتی ہوں کہ سراج ادیب اور حماد اس گھر کے بارے میں کافی منصوبہ بندی کرچکے ہیں۔'' عالیہ نے کہا۔

''مجھے افسوس ہے میں تمہاری بات نہیں سمجھی۔'' روشانہ نے کہا۔

''حماد کے یہاں آنے کا مقصد خالد وحید سے اس مکان کے سلسلے میں خریداری کا معاہدہ کرنا تھا۔''

''لیکن انہوں نے تو کبھی اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کی۔'' روشانہ نے آہستگی سے کہا۔

''اوہ تب تو مجھے تم سے یہ بات نہیں کرنا چاہیے تھی۔ اگر حماد کو معلوم ہوگیا کہ میں نے تم سے یہ بات کی ہے تو وہ بہت ناراض ہوگا۔''

''ناراض! کیوں؟'' روشانہ نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا۔

''بس' اس کی اپنی وجوہات ہوں گی جو اس نے اب تک اس سلسلے میں بات نہیں کی۔''

''میرا تو خیال ہے کہ حماد یہاں فردوس ولا کے سلسلے میں آئے ہوئے ہیں۔'' روشانہ نے کہا۔

''ہاں یہ بھی درست ہے۔'' عالیہ نے کہا۔ ''لیکن سراج ادیب اور اس کے درمیان کئی ایسے گھر خریدنے کے بارے میں بات ہوئی تھی جو گاؤں میں ہیں اور جن کی عمارت پرانی اور بہت بڑی ہیں وہ انہیں ہوٹل میں تبدیل کرکے روپیہ کمانا چاہتے ہیں' میرا خیال تھا کہ تم یہ سب جانتی ہوگی۔'' عالیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''نہیں...... میں نہیں جانتی۔'' روشانہ نے جواب دیا۔

''اچھا میں کل حماد کو فون کرلوں گی۔'' عالیہ نے جاتے ہوئے کہا اور روشانہ نے مسکراتے ہوئے اسے خدا حافظ کہا وہ دیر تک دور جاتی ہوئی کار کو دیکھتی رہی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اسے عالیہ کو گھر میں بلا کر اس کی کچھ خاطر مدارت کرنا چاہیے تھی لیکن اب دیر ہوچکی تھی اسے حماد پر غصہ آرہا تھا کہ اس نے اصل بات چھپائی ہوئی تھی وہ بھی فاخرہ کی طرح صرف سات سہیلیاں میں دلچسپی رکھتا اور روشانہ اس گھر کو صرف اس لیے برقرار رکھنا چاہتی تھی کہ وہ اس کے ڈیڈی کا گھر تھا جس سے اس کی امی بہت محبت کرتی تھیں اسے ظفر نے دھوکا دیا تھا تو اس کا اعتماد حماد پر بڑھ گیا تھا لیکن اب حماد کے خلوص کی وجہ بھی اس کے سامنے آگئی تھی وہ بھی روشانہ سے پرخلوص نہیں تھا بلکہ اس کے گھر کا طالب تھا اور موقع کی تلاش میں۔

''کیا کوئی مہمان آیا تھا میں نے کار کی آواز سنی تھی۔'' فاخرہ نے چائے پیتے ہوئے روشانہ سے پوچھا۔

''ہاں! حماد کی ایک دوست تھی' تمہیں پتہ ہے فاخرہ حماد ''سات سہیلیاں'' خرید کر اسے ہوٹل میں تبدیل کرنا چاہتا ہے۔ جیسے کہ فردوس ولا کو کیا۔'' روشانہ نے کہا۔

''نہیں مجھے نہیں معلوم۔'' فاخرہ نے جواب دیا۔

''میں بھی لاعلم تھی' ہوسکتا ہے اس کا خیال ہو کہ ابھی بہت وقت ہے وہ آرام سے اس سلسلے میں کوئی بات

کرے گا۔ شاید وہ فردوس ولا سے فارغ ہونے کے بعد بات کرنا چاہتا ہو لیکن مجھے افسوس ہے کہ اس کی یہ خواہش پوری نہیں ہوسکے گی۔"

"تم اب بھی یہی سمجھتی ہو کہ میں یہ گھر تم سے چھین لینا چاہتی ہوں۔" فاخرہ نے کہا۔

"لیکن تم ایسا کیسے کرسکتی ہو؟ جب تک کہ ڈیڈی یہ گھر تمہارے ہاتھ فروخت نہ کردیں جو کہ ناممکن ہے انہوں نے مجھے یہ بتایا ہے کہ ان کی شادی کا بھی کوئی ارادہ نہیں۔" روشانہ نے کہا اور اس نے محسوس کیا کہ فاخرہ کا رنگ سفید پڑ گیا۔

"تمہیں خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ سات سہیلیاں تمہارا ہی ہے۔" فاخرہ نے کہا۔

"میں جانتی ہوں۔" روشانہ نے کہا اور اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

حماد بہت دیر سے سات سہیلیاں واپس آیا تھا' روشانہ ہال میں آتشدان کے قریب بیٹھی اس کا انتظار کررہی تھی۔ اسے مظفر اور حماد میں کوئی فرق محسوس نہیں ہورہا تھا۔ دونوں نے اسے دھوکا دیا تھا۔

"دن کیسا گزرا؟" حماد نے اسے خاموش دیکھ کر پوچھا۔

"ویسا ہی جیسا روز گزرتا ہے۔" روشانہ نے جواب دیا۔

"مجھ سے تمہاری ایک دوست ملنے آئی تھی۔ اپنا نام عالیہ بتارہی تھی۔ تم بتاؤ تمہارا دن کیسا گزرا۔ تمہاری فرم کے لیے کوئی نیا گھر ملا جسے ہوٹل میں تبدیل کرسکو۔" روشانہ نے پوچھا۔ اس کے لہجے کی کاٹ کو محسوس کرکے حماد کو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ کیا ہوا ہوگا۔

"مجھے صفائی پیش کرنے کا موقع نہیں دوگی۔" اس نے اپنائیت سے کہا۔

"اب اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ تمہارا یہاں واپس آنا محض اتفاقیہ نہیں ہے بلکہ تم منصوبے کے تحت آئے ہو...... تم اس گھر کو خریدنے کی نیت سے آئے تھے...... مجھے امید ہے کہ تم نے ہماری مالی پریشانی کے بارے میں ضرور سنا ہوگا اور کسی دوسرے کی پریشانی سے فائدہ اٹھانے کا موقع تم گنوانا نہیں چاہتے ہوں گے۔"

"اوہ...... روشانہ کبھی کبھی تم بچوں کی طرح بالکل ناسمجھی کی باتیں کرنے لگتی ہو۔" حماد نے کہا۔ "تم غلط سمجھ رہی ہو ایسا ہرگز نہیں ہے۔"

"میں سب جانتی ہوں...... تم نے صرف اس گھر کو حاصل کرنے کے لیے مجھ سے دوستی بڑھائی تھی۔"

"میں تمہاری یہ بات کبھی فراموش نہیں کروں گا۔" حماد نے اداس لہجے میں کہا اور روشانہ اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"بہرحال اب اس سے کیا فرق پڑتا ہے تم بھی مظفر سے مختلف نہیں ہو۔" روشانہ نے کہہ کر منہ دوسری طرف پھیرلیا' حماد نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی طرف موڑا۔

"میری بات سنو' تم نے مظفر پر اعتماد کیا کیونکہ تمہیں شخصیت کی پہچان نہیں تھی تم نے اس کے خطوط سے بھی اندازہ نہیں لگایا کہ وہ تم سے دلچسپی نہیں رکھتا لیکن ہر کسی کو مظفر جیسا سمجھنا تمہاری ایک اور غلطی ہے جو تم اب کررہی ہو۔"

"جو کچھ مجھے عالیہ نے بتایا ہے اس کے مطابق میں ایسا سوچنے پر حق بجانب ہوں۔" روشانہ نے خود کو حماد کی گرفت سے آزاد کرتے ہوئے کہا۔

"اور میں یہ کہتا ہوں کہ عالیہ نے محض تمہیں ورغلانے کے لیے اس انداز میں بات کی ہے۔ میں نے بہت عرصہ پہلے تمہیں بتایا تھا کہ میرے یہاں آنے کا مقصد کیا تھا میں وہ چاندنی رات کبھی نہیں بھلا سکا جب میں اتفاقیہ اس طرف آ نکلا تھا۔ اور میں نے پہلی بار تمہیں دیکھا تھا۔ میری دوستی کا سات سہیلیاں سے کوئی تعلق نہیں۔"

"تمہارا کیا مطلب ہے؟" روشانہ نے حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"یاد کرو جب میں جہان آباد سے آیا تھا اور میں نے

تمہیں اسٹڈی روم میں پایا جہاں تم چاندنی رات پر ایک نظم لکھ رہی تھیں اس وقت میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ میں تمہارے والد سے اب کبھی بھی گھر کی بات نہیں کروں گا' میں نے سراج ادیب کو بھی یہ بات بتادی تھی اور وہ بھی میری اس بات سے متفق ہوگئے تھے کہ سات سہیلیاں کبھی ہوٹل نہیں بنے گا تم مجھے کیا سمجھتی ہو؟" حماد نے غصے سے کہا۔

"ایک شہری آدمی جو دوسروں کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھانا اپنا حق سمجھتا ہو۔" روشانہ نے ترخ کر کہا۔

"مجھے مظفر کے گناہوں کی سزا مت دو روشانہ۔"

"جب تم پہلی بار آئے تھے تب ہی تمہیں اصل بات بتادینی چاہیے تھی۔" روشانہ نے ناراض ہوتے ہوئے کہا۔ "اور اس کے بعد بھی اگر تم چاہتے تو بتاسکتے تھے۔"

"کیا تم یقین کرو گی کہ میں ایسا کرنے سے خوفزدہ تھا' میں وہ سب کچھ نہیں کھونا چاہتا تھا جو میری زندگی ہے میں چاہتا تھا کہ مناسب وقت آنے پر تم سے بات کروں۔"

"اور وہ وقت کب آئے گا؟"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن ایک بات غور سے سنو مظفر نے تم سے بے وفائی کی ہے اور اس کے نتیجے میں تم ہر شخص کو ایسا ہی سمجھنے لگی ہو' لیکن یاد رکھنا بہت سے لوگ زندگی میں صرف ایک بار پیار کرتے ہیں تمہیں بھی ایسا ایک شخص ضرور ملے گا۔" حماد نے کہا۔

"میں خود اب کسی سے محبت نہیں کرسکتی' میں شاید ان لوگوں میں سے ہوں جو زندگی میں ایک بار کسی کو چاہتے ہیں۔" روشانہ نے دکھ سے کہا۔ "میں اب بھی مظفر کو چاہتی ہوں۔"

"تم اس کی یادوں سے محبت کرتی ہو' اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔" حماد اسے سمجھانے کی کوشش کرنے لگا وہ نہیں چاہتا تھا کہ روشانہ ایک بار پھر ٹوٹ کر بکھر جائے۔

"تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو؟ تم نہیں جانتے کہ میں کیا محسوس کرتی ہوں' میں ان فلسفیانہ خیالات کو پسند نہیں کرتی۔"

"تم چاہو تو کسی اور پے ان گیسٹ کے لیے اشتہار دے سکتی ہو' میں جلد ہی جہان آباد واپس جارہا ہوں۔" حماد نے اٹھتے ہوئے کہا' اسے روشانہ کی باتوں سے دکھ پہنچا تھا۔

"میں جانتی ہوں کیونکہ تمہارا یہاں ٹھہرنا تمہارے حق میں بہتر ثابت نہیں ہوا اور تم سات سہیلیاں خرید نہیں سکے۔"

"تم احمق ہو۔" حماد نے کہا لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا روشانہ کو شرمندگی محسوس ہورہی تھی وہ جانتی تھی کہ اس نے حماد کو دکھ پہنچایا ہے لیکن وہ بھی مجبور تھی کہ اسے عالیہ کی بات پر بہت غصہ تھا اور وہ سمجھتی تھی کہ حماد نے اسے دھوکہ دیا ہے حماد کمرے سے نکل گیا۔

جب حماد نے سرور آنٹی کو بتایا کہ وہ جہان آباد واپس جارہا ہے تو ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔

"آپ جانتی تھیں کہ مجھے بہرحال ایک دن واپس جانا ہے۔"

"لیکن میرا خیال تھا کہ تم اتنی جلد واپس نہیں جاؤ گے؟" انہوں نے کہا۔

"فردوس ولا میں میرا کام ختم ہوگیا ہے۔"

"میں نے سنا تھا کہ تم سات سہیلیاں بھی خریدنا چاہتے تھے اور فاخرہ کو بھی یہ بات پسند نہیں آئی تھی۔"

"ہوں یہی وجہ تھی کہ اس کا رویہ میرے ساتھ سرد مہری کا تھا۔" حماد نے کہا۔

"حماد! کیا یہ درست ہے کہ تم سات سہیلیاں کو ہوٹل میں تبدیل کرنا چاہتے تھے؟" سرور آنٹی نجانے کیا جاننا چارہی تھیں حماد انہیں دیکھنے لگا۔ "جیسے کہ تم نے فردوس ولا کو کیا ہے۔"

حماد نے پھر پوری بات انہیں بھی سمجھائی جس پر وہ اثبات میں سر ہلانے لگیں۔

"کل دوپہر کو میں خالد وحید کے کمرے میں کتاب لینے گئی تھی وہ اور فاخرہ اس وقت لان میں تھے اور چائے پی رہے تھے۔ ان کی میز پر ایک فارم رکھا ہوا تھا جو کسی

تعمیراتی فرم کا تھا جس کی رو سے سات سہیلیاں کو فروخت کے لیے پیش کیا گیا تھا اس فارم کی چار کاپیاں تھیں۔ اور وہ فارم فاخرہ کے نام تھا اس پر پڑی ہوئی تاریخ کئی ہفتے پرانی تھی۔" سرور آنٹی نے کہا۔

"کیا آپ نے یہ بات خالد وحید صاحب سے کی؟"

"نہیں...... وہ شاید یہ کہتے کہ میں ان کے کمرے میں ان کی جاسوسی کرنے گئی تھی اس کے علاوہ وہ پسند نہیں کرتے کہ ان سے بہت زیادہ سوالات کیے جائیں یا کوئی ان کے معاملات میں دخل اندازی کرے۔"

"ہوسکتا ہے کہ انہوں نے فاخرہ سے کہا ہو کہ وہ ان کے لیے فارم منگوالے۔" حماد نے سوچتے ہوئے انداز میں کہا۔ "لیکن وہ فارم خالد وحید کے نام ہی ہونا چاہیے تھا۔"

"مجھے یاد ہے کچھ عرصہ پہلے ایک آرکیٹیکٹ بھی اس فرم کی طرف سے یہاں آیا تھا وہ گھر کو دیکھنے آیا تھا۔ روشانہ نے اس بارے میں اپنے ڈیڈی سے بات کی تھی تو انہوں نے کہا تھا کہ وہ جاننا چاہتے ہیں کہ ان کا گھر مارکیٹ میں کیا قدر رکھتا ہے۔ اس کی کتنی قیمت مل سکتی ہے۔" سرور آنٹی نے کہا اور حماد کو ان کا چہرہ دیکھ کر اندازہ ہوا کہ وہ خود بھی کتنی پریشان ہیں۔

روشانہ کا رویہ حماد کی طرف سے کئی روز سے اکھڑا اکھڑا سا تھا اس کی ملاقات حماد سے صرف رات کے کھانے پر سب کی موجودگی میں ہوتی تھی وہ اسکول سے آنے کے بعد اپنے کمرے ہی میں رہتی تھی اور کھانے کے بعد جلد ہی سونے کے لیے چلی جاتی تھی۔ حالانکہ وہ کافی رات تک جاگتی رہتی تھی اور اندھیرے کمرے میں اپنے بستر پر لیٹی نہ جانے کیا کیا سوچتی رہتی تھی۔ وہاں اسے دیکھنے والا کوئی نہیں ہوتا تھا وہ تنہا پڑی گھنٹوں روتی رہتی تھی۔

"تم بہت مصروف رہنے لگی ہو۔" ایک شام حماد نے اسے ٹوکا۔ "اس طرح تمہاری صحت خراب ہوجائے گی۔"

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔" روشانہ نے رکھائی سے کہا۔

"نہیں تم ٹھیک نہیں ہو۔"

"جب میں میڈیکل ایڈوائزر کی ضرورت محسوس کروں گی تو کسی ڈاکٹر سے رجوع کروں گی۔" اس نے طنز کیا۔ قریب بیٹھی سرور آنٹی چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگیں انہیں روشانہ سے حماد کے لیے ایسے رویے کی توقع نہیں تھی وہاں فاخرہ بھی موجود تھی جو ان کی باتوں پر توجہ نہیں دے رہی تھی۔

"حیرت ہے تمہارا نیکلس ابھی تک نہیں ملا روشانہ۔" فاخرہ نے بات کا رخ بدلتے ہوئے کہا۔

"اگر یہ کسی باہر والے کی حرکت ہے تو ایسا ناممکن بھی نہیں ہے اس کے علاوہ انشورنس کمپنی والوں نے اپنی کارروائی مکمل کرلی ہے میرا خیال ہے کہ اس کی جو رقم مجھے ملے گی وہ اس نیکلس کا خسارہ پورا کردے گی۔" روشانہ نے جواب دیا۔ حماد خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا روشانہ کا ہاتھ کئی بار غیر ارادی طور پر اپنی گردن کی طرف جاتا تھا جیسے وہ نیکلس کو چھو رہی ہو۔ ایسا وہ عادتاً کرتی تھی کچھ دیر بعد فاخرہ کمرے سے چلی گئی تھی۔

"آج میں ڈیڈی کے ڈاکٹر سے ملی تھی ان کا کہنا ہے کہ ڈیڈی کی حالت پہلے سے بہت بہتر ہے۔" روشانہ نے سرور آنٹی کو بتایا۔ "انہوں نے ساری عمر بہت مشقت کی ہے اور اب انہیں باقی دن آرام سے گزارنے کی ہدایت کی گئی ہے اور وہ خود بھی یہی چاہتے ہیں۔"

"اس کی وجہ ان کی تنہائی ہے جسے فاخرہ نے کسی حد تک دور کردیا ہے۔" حماد نے کہا اور روشانہ اسے غصے سے دیکھنے لگی۔

"بعض اوقات یوں لگتا ہے جیسے تم فاخرہ کی طرف داری کررہے ہو۔"

"ایسا نہیں ہے۔ میں صرف حقائق بیان کرتا ہوں۔" حماد نے جواب دیا۔ "اس کے علاوہ میں شکی مزاج لڑکیوں کو بھی پسند نہیں کرتا۔"

"ہوں! اور عالیہ یقیناً شکی مزاج نہیں ہے۔" روشانہ

نے غصے سے کہا سرور آنٹی حیرت سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"ہاں تمہارا خیال درست ہے لیکن تم نے یہ بات کیوں کہی؟" حماد نے پوچھا۔

"اس لیے کہ شاید وہ تمہاری زندگی میں کوئی مقام رکھتی ہے۔" روشانہ نے نہ چاہتے ہوئے بھی کہہ دیا۔ وہ جانتی تھی کہ حماد کو شاید یہ بات پسند نہ آئے لیکن حماد اس کی بات سن کر مسکرایا۔

"تمہارا خیال غلط ہے روشانہ۔" اس نے بڑی نرمی سے جواب دیا۔

"لیکن میں سمجھتی تھی......" اس نے جملہ ادھورا چھوڑا۔

"اگر اس نے تمہیں ایسا تاثر دیا ہے تو یہ غلط ہے۔" سرور آنٹی ان دونوں کو دیکھ کر مسکرا رہی تھیں۔ بات کچھ کچھ ان کی سمجھ میں آرہی تھی وہ جان گئی تھیں کہ روشانہ کی ناراضگی کی اصل وجہ کیا ہے حماد اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھ گیا وہ روشانہ سے ناراضگی مول لینا نہیں چاہتا تھا پھر روشانہ بھی اس کے پیچھے تیزی سے کمرے سے باہر آگئی تھی۔

"میں معافی چاہتی ہوں حماد کہ میری بات سے تمہیں تکلیف پہنچی۔" اس نے حماد کے قریب جاتے ہوئے کہا۔

"میری تو خیر کوئی بات نہیں لیکن اگر اس طرح ذرا ذرا سی بات پر بدگمان ہونے کی عادت رہی تو مستقبل میں تمہیں ہی پریشانی ہوگی۔" حماد نے شرارت سے کہا۔

"لیکن میرا تو کوئی مستقبل نہیں ہے۔" روشانہ نے اداسی سے کہا۔

"یہ کیسی ناامیدی کی باتیں کررہی ہو تم جیسا چاہو اپنا مستقبل بناسکتی ہو۔"

"لیکن میں نہیں جانتی میرا مستقبل کیا ہے حماد؟ میں نہیں جانتی کہ آئندہ میرے گھر اور میرے والد کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ ہم لوگوں کے ساتھ کیا ہونے والا ہے چنانچہ میں کسی بھی بات کے لیے منصوبہ بندی نہیں کرسکتی۔"

"بعض اوقات کوئی منصوبہ نہ بنانا بھی اچھا ہوتا ہے۔" حماد نے جواب دیا اور روشانہ اس کی جانب دیکھنے لگی وہ جاننا چاہتی تھی کہ حماد کیا سوچ رہا ہے۔

"میں جب بھی تمہارے دیئے ہوئے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھتی ہوں تو تمہارے بارے میں سوچنے لگتی ہوں اور مجھے یاد آجاتا ہے کہ تم نے ہی کوشش کرکے مجھے اس بات پر آمادہ کیا تھا جب ہی میں اس زخم کو اپنے گال پر سے ختم کروانے میں کامیاب ہوئی۔"

"چنانچہ اس کا یہ مطلب ہوا کہ مظفر نے اس چیز کو محسوس نہیں کیا تب بھی میری محبت کارآمد رہی ہے۔" حماد نے دل میں سوچا۔

"میں خوش ہوں کہ اس زخم کا نشان مٹ گیا اور یہ

سونیا سرور

السلام علیکم! میرا نام سونیا سرور ہے ہم چار بہن بھائی ہیں میں سب سے چھوٹی ہوں اور شرارتی بھی بہت ہوں ہر وقت کوئی نہ کوئی ہنگامہ کرتی رہتی ہوں۔ مجھے کھانے میں بھنڈی اور چاول بہت پسند ہیں کلرز میں مجھے سفید اور کالا رنگ اچھا لگتا ہے۔ پہننے میں پینٹ فراک اور لہنگا بہت پسند ہے فلمسٹار میں مجھے گوندہ اور مدھو بالا پسند ہیں پاکستانی ایکٹرز میں صبا قمر اور احسن خان اچھے لگتے ہیں۔ اور سائرہ خان بھی۔ ٹی وی چینل میں مجھے زی ٹی وی اور سونی پسند ہیں میں سیون کلاس میں پڑھتی ہوں گھومنے پھرنے کا شوق بہت ہے اور پارک تو مجھے بہت اٹریکٹ کرتے ہیں۔ چاہے وہ کسی بھی شہر کا پارک ہو۔ میری دو دوستیں ہیں۔ مجھے ہائی ہیل اچھی لگتی ہے۔ میں میاں چنوں کے ایک گاؤں میں رہتی ہوں جو کہ بالکل شہر جیسا دکھتا ہے سکول مدرسے کلینک بھی کچھ ہے اور دکانیں بھی جہاں سے ہر چیز باآسانی خریدی جاسکتی ہے۔ اللہ حافظ۔

تمہاری مدد سے ہوا' حماد تم نے اس وقت میری مدد کی جب مجھے کسی سہارے کی ضرورت تھی۔ میں معافی چاہتی ہوں کہ میں نے تم پر خود غرضی کا الزام لگایا میں جانتی تھی کہ یہ درست نہیں ہے لیکن پھر بھی میں نے ایسی بات کہہ دی' تمہارے جانے کے بعد میں تمہاری کمی شدت سے محسوس کروں گی۔"

"جہان آباد بہت دور نہیں ہے اگر تمہیں کبھی میری مدد کی ضرورت ہو تو میں حاضر ہوں۔" حماد نے کہا روشانہ کی آنکھیں شکریہ کے طور پر جھکی اور وہ مسکرا رہی تھی۔

"میں یہ بات یاد رکھوں گی۔" اس نے وعدہ کیا۔

اس رات روشانہ بہت دیر تک جاگتی رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ سرور آنٹی اپنے اسٹڈی روم میں ایک تصویر بنا رہی ہیں جو وہ تحفتاً خالد وحید کو ان کی سالگرہ کے موقع پر دینا چاہتی تھیں پھر رات گئے اس نے ان کے اسٹڈی روم سے نکلنے اور اپنے کمرے میں جانے کی آواز سنی تھی اس کے بعد وہ بھی سونے کے لیے لیٹ گئی تھی۔

رات کا پچھلا پہر تھا کہ آہٹ سے روشانہ کی آنکھ کھل گئی اسے ڈیڈی کے کمرے کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی تھی روشانہ آہستگی سے اپنے بستر سے اٹھی اور کمرے سے باہر آ گئی' اس کے ڈیڈی کے کمرے کا دروازہ ادھ کھلا تھا اور فاخرہ سلیپنگ گاؤن پہنے وہاں کھڑی تھی۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" اس نے پوچھا اور فاخرہ اس کی طرف مڑی پھر وہ کمرے سے باہر آ گئی اور دروازہ اندر سے بند کر دیا تھا۔

"کیا تم چاہتی ہو کہ تمہارے ڈیڈی اٹھ جائیں۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "کیا بات ہے؟"

"کچھ نہیں' میں نے تمہاری آہٹ سنی تو دیکھنے آئی تھی کہ اس وقت تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" روشانہ نے کہا۔

"میں اکثر رات کو یہ دیکھنے آتی ہوں کہ تمہارے ڈیڈی آرام سے سو رہے ہیں؟ تم میرے ساتھ مجرموں جیسا سلوک کرتی ہو روشانہ۔" اس نے شکایتی لہجے میں کہا۔

"اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ تم سرور آنٹی کی باتوں پر زیادہ توجہ دیتی ہو۔" اس کی آواز سے غصہ عیاں تھا اسی وقت اسٹڈی روم کی طرف سے لکڑی کے جلنے جیسی بو آئی اور کوئی چیز گرنے کا شور بھی ہوا پھر اسٹڈی روم کی طرف سے دھواں آتا نظر آیا۔

"اوہ اسٹڈی روم میں کیا ہوا؟" روشانہ نے کہا اسے یاد آیا کہ سرور آنٹی دیر تک وہاں کام کرتی رہی تھیں کہیں وہ تو کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑ آئیں جس سے وہاں آگ لگ گئی ہو۔

"شاید اسٹڈی روم میں آگ لگ گئی ہے۔" اس نے تیزی سے کہا اور حماد کے کمرے کی طرف بھاگی۔

"اسٹڈی روم میں آگ لگ گئی ہے۔" اس نے حماد کے کمرے کا دروازہ پیٹتے ہوئے کہا اور پھر اس کا انتظار کیے بغیر اسٹڈی روم کی طرف بڑھ گئی۔

"احتیاط سے روشانہ۔" اسے اپنے پیچھے فاخرہ کی آواز سنائی دی۔

"سرور آنٹی اپنے کمرے میں بے خبر سو رہی ہیں' میں نے ابھی دیکھا تھا میں نے فائر بریگیڈ کو بھی فون کر دیا ہے۔"

روشانہ نے اسٹڈی روم کا دروازہ کھولا تو دھوئیں کا گہرا بادل باہر آیا اور روشانہ بری طرح کھانسنے لگی کمرے میں شعلے ناچ رہے تھے۔ وہاں رکھی ہوئی سرور آنٹی کی تصاویر جل رہی تھیں' اچانک کسی کے مضبوط بازوؤں نے روشانہ کو کاندھوں سے پکڑ کر پیچھے ہٹا دیا۔

"تم باہر رہو۔" اسے حماد کی آواز سنائی دی اس نے دیکھا کہ حماد وہی کپڑے پہنے ہوئے تھا' جو رات کے کھانے پر پہنے تھے روشانہ کو حیرت ہوئی یوں لگ رہا تھا جیسے وہ سونے کے لیے لیٹا ہی نہیں تھا۔

حماد' روشانہ کو ہٹا کر خود کمرے میں داخل ہو گیا اور اسے اندر نہ آنے کی ہدایت کی تھی پھر وہ کمرے کی آگ کو بجھانے کی کوشش کرنے لگا کہ اچانک ایک تصویر کے نیچے اسے روشانہ کا ہیروں کا نیکلس پڑا ہوا نظر آیا روشانہ نے بھی اس کی جھلک دیکھی تھی پھر حماد نے اسے اٹھا کر اپنے کوٹ کی جیب میں رکھ لیا۔ روشانہ کچھ ہی دیر بعد خود بھی اسٹڈی روم میں آ گئی تھی وہ بھی سرور آنٹی کی تصاویر کو جلنے سے بچانے کی کوشش کر رہی تھی دھوئیں سے سانس لینا مشکل ہو رہا تھا پھر اس کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کا سر بھاری ہوتا جا رہا ہے اور جب فائر بریگیڈ کی گاڑی کی گھنٹی کی آواز سنائی دی اس وقت وہ جھومتی ہوئی فرش پر ڈھیر ہو گئی تھی۔ حماد ہی اسے اٹھا کر کمرے سے باہر لایا تھا۔

جب روشانہ کی آنکھ کھلی تو ہال میں کافی لوگ جمع ہو چکے تھے اس کے ڈیڈی بھی وہیں آ گئے تھے اور سرور آنٹی پر برہم ہو رہے تھے سرور آنٹی ایک صوفے میں دھنسی ہوئی تھیں پھر جب حماد نے ہیروں کا نیکلس کوٹ کی جیب سے نکال کر روشانہ کے حوالے کیا اور بتایا کہ وہ اسے اسٹڈی روم سے سرور آنٹی کی تصویر کے نیچے سے ملا ہے تو ان کی اور شامت آ گئی اور خالد وحید کا غصہ حد سے گزر گیا۔

جب خالد وحید وہاں سے چلے گئے تو روشانہ نے سرور آنٹی کو تسلی دی ان کا کہنا یہ تھا کہ انہوں نے اس ڈر سے کہ کہیں فاخرہ وہ نیکلس روشانہ سے نہ ہتھیا لے اسے اپنے پاس چھپا لیا تھا روشانہ نے انہیں یقین دلایا کہ انہیں اس گھر سے کوئی نہیں نکالے گا اور نہ ہی کوئی ان کی نیت پر شبہ کر سکتا ہے۔ ان کی اس غفلت کو بھی نظر انداز کر دیا گیا تھا کہ وہ آتش دان میں آگ جلتی چھوڑ گئی تھیں جس میں سے کوئی چنگاری اڑ کر ان کی تصویروں پر پڑی اور کمرے میں آگ لگ گئی تھی۔ اس رات خالد وحید نے روشانہ کو بتایا کہ فاخرہ صرف ان کی خاطر سات سہیلیاں کو بچانا چاہتی تھی اور اس مقصد کے لیے اس نے اپنی ساری رقم دینے کا فیصلہ کیا تھا لیکن اس وعدے کے مطابق روشانہ ہی گھر کی مالک رہے گی۔

روشانہ اور حماد کو اس بات پر حیرت تھی اور خالد وحید کے اپنے کمرے میں جانے کے بعد روشانہ نے فاخرہ کو بلایا اور اس کو اس بارے میں بتایا تھا اسے یہ بھی بتایا تھا کہ اس کا نیکلس مل گیا ہے لیکن فاخرہ کو اس بات پر حیرت نہیں ہوئی تھی' کہ نیکلس سرور آنٹی نے چھپایا تھا اور اس کے ڈر سے چھپایا تھا وہ جانتی تھی کہ سرور آنٹی اسے ہمیشہ سے ہی ناپسند کرتی تھیں لیکن سات سہیلیاں کے بارے میں جب روشانہ نے وہ بات بتائی جو اس کے ڈیڈی نے فاخرہ کے بارے میں بتائی تھی تو فاخرہ نے حیرت کا اظہار کیا۔ روشانہ کو فاخرہ میں عجیب سی تبدیلی محسوس ہوئی تھی وہ بہت مختلف لگ رہی تھی وہ اس فاخرہ سے مختلف تھی جسے روشانہ بچپن سے جانتی تھی اس کے والد کی دیکھ بھال کرتی تھی جو گھر کی دیکھ بھال کرتی تھی۔

"اگر حقائق کا علم ہمیں پہلے ہو جاتا تو ہم سب کے لیے بہتر ہوتا۔" روشانہ نے کہا۔

"واقعی۔" فاخرہ نے کہا۔ "شاید تم اور سرور آنٹی مجھے

شمائلہ رانی

آپ سب کو شمائلہ کی طرف سے پیار بھرا اسلام قبول ہو۔ حیران نہ ہوں' مابدولت کو شمائلہ رانی کہتے ہیں' آپ مجھے رانی بھی کہہ سکتے ہیں۔ جی تو جناب میں ضلع گجرات کے ایک چھوٹے سے گاؤں لنگڑیال میں 17 دسمبر کی رات کو اس دنیا میں رونق افروز ہوئی۔ میرا اسٹار میزان ہے مگر میں اسٹار پر یقین نہیں رکھتی۔ F.A کی طالبہ ہوں (میرے لیے دعا کیجیے گا کہ اچھے نمبروں سے پاس ہو جاؤں) میرا پسندیدہ کلر وائٹ اینڈ بلیک ہے مجھے سادہ لباس پسند ہے' جیولری خریدنا بہت پسند ہے' مگر استعمال کرنا نہیں۔ کھانے میں جو ملے کھا لیتی ہوں (تھوڑے نخرے کر کے) میری دوستیں بہت ہیں جیسے کہ ماریہ' عطیہ' مبین' مریم' مہوش' رمشہ' نبیلہ' صائمہ' فرح' صبا' فاکیہ' (چشمہ بتول) شمسہ' آنسہ' مدیحہ' کائنات' نور فاطمہ' سمیرا ان سب کو سلام' میری دعا ہے سب خوش رہیں' اور تمام قارئین جو کوئی بھی مجھ سے دوستی کرنا چاہے موسٹ ویلکم۔ بہت بہت شکریہ آپ نے مجھے برداشت کیا دعا میں یاد رکھیے۔ اللہ حافظ!

اور زیادہ برا سمجھتی؟ شاید تم یہ سمجھتیں کہ چونکہ میرے پاس دولت ہے اس لئے میں نے تم پر برتری حاصل کرلی ہے تم ہمیشہ یہ سمجھتی رہیں کہ میں سات سہیلیاں کو اپنے لیے حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ میں نے کبھی سرور آنٹی کو یہاں سے جانے کے لیے نہیں کہا لیکن مجھ پر الزام تھا کہ میں انہیں دیکھنا نہیں چاہتی۔ نہ ہی میں نے کبھی تم سے کوئی برا سلوک کیا لیکن تم کبھی مجھ پر اعتماد نہیں کرتیں۔"

"تم میرے ڈیڈی سے شادی کیوں کرنا چاہتی ہو؟" روشانہ نے پوچھا۔

"میں یہاں رہنا چاہتی ہوں کہ اس گھر کی ذمہ داریاں سنبھالوں اور تمہارے ڈیڈی کو جلد ہی نرس کی ضرورت نہیں رہے گی انہوں نے میری خدمات کا معاوضہ ادا کردیا ہے اور میرے پاس جو دولت تھی میرے پاس اس کا کوئی مصرف نہیں تھا۔"

"میرا خیال ہے یہ بات پورے طور پر سچ نہیں ہے۔" روشانہ نے کہا۔ "تم میرے ڈیڈی سے بہت مانوس ہو اور ان کے لیے فکرمند رہتی ہو۔"

"ہاں میں انہیں چاہتی ہوں۔" فاخرہ نے ہار مانتے ہوئے کہا۔

"مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تمہاری امی سے وہ اپنی زندگی سے زیادہ محبت کرتے ہیں' میں ان کی جگہ بھی حاصل کرنا نہیں چاہتی' میرے لیے یہ کافی ہے کہ وہ مجھے پسند کرتے ہیں اور انہیں ایک ساتھی کی ضرورت ہے تم یہ بات نہیں سمجھوگی۔" فاخرہ نے روتے ہوئے کہا۔

"تمہیں نہیں معلوم کہ زندگی میں کسی کے سہارے کی ضرورت کیا ہوتی ہے میں نے ہمیشہ دوسروں کے بچوں کی دیکھ بھال کی ہے' ہمیشہ دوسرے لوگوں کے گھروں میں رہی ہوں۔" فاخرہ نے کہا۔

"لیکن تمہاری شادی ہوئی تھی۔" روشانہ نے کہا۔

"ہاں میں پانچ سال تک اپنے شوہر کے ساتھ رہی۔ وہ بظاہر بہت اچھا نظر آتا تھا لیکن شادی کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ اسے بیوی کی نہیں ایک نوکرانی کی ضرورت تھی جو اس کے کام کرسکے میری حیثیت محض اس کی سیکرٹری جیسی تھی مجھے کوئی آزادی نہیں تھی۔ میری کوئی اہمیت نہیں تھی مجھے خرچ کے لیے پیسے گن کر ملتے تھے' میری تمام باتوں پر نظر رکھی جاتی اور وہ سمجھتا کہ وہ میرا بہت خیال رکھتا ہے اس نے مجھ سے شادی کرکے مجھ پر احسان کیا تھا جب وہ اپنی ساری دولت میرے لیے چھوڑ گیا تو مجھے حیرت ہوئی تھی۔"

"میں معافی چاہتی ہوں...... تم نے کبھی اس بارے میں کوئی بات ہی نہیں کی تھی۔" روشانہ نے کہا۔

"میں کبھی اپنے معاملات پر کسی سے بات نہیں کرتی کیونکہ بہت سی باتیں ہیں روشانہ جو تمہاری سمجھ میں نہیں آئیں گی۔ تمہارا ایک خاندان ہے جس کا پس منظر ہے' لیکن میرے ساتھ ایسا نہیں ہے میں تم سے حسد نہیں کرتی میرے لیے بس اتنا کافی ہے کہ یہاں رہ کر تمہارے والد کی دیکھ بھال کروں میرے لیے یہی بات بہت اہمیت رکھتی ہے کہ وہ مجھے اپنے قریب دیکھنا چاہتے ہیں اور انہیں میری ضرورت ہے میں جانتی ہوں کہ بہت جلد وہ وقت آئے گا جب انہیں میری ضرورت نہیں رہے گی۔" فاخرہ نے کہا اور پھر کمرے سے چلی گئی روشانہ خاموشی سے اسے جاتا دیکھ رہی تھی۔

"میں نے کبھی نہیں سوچا کہ فاخرہ کے کیا احساسات ہیں۔" روشانہ نے قریب کھڑے حماد سے کہا۔

"ہاں...... مجھے بھی اندازہ نہیں ہوا کہ فاخرہ کس قسم کی عورت ہے میرا خیال ہے کہ وہ تمہارے ڈیڈی کو خوش رکھ سکتی ہے۔"

"اگر ڈیڈی خوش ہیں تو وہ فاخرہ کی بات مان سکتے ہیں لیکن وہ یہ کہتے ہیں کہ وہ کبھی شادی نہیں کریں گے۔" روشانہ نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ فاخرہ ان کا فیصلہ بدلوانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔" حماد نے جواب دیا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے۔ میں اپنے کمرے میں جارہی ہوں' اب سونا چاہتی ہوں۔" روشانہ نے اٹھتے ہوئے کہا ویسے بھی نہ جانے کیوں آج کل اسے اپنے کمرے کی تنہائی اور اندھیرا اچھا لگ رہا تھا وہ وہاں لیٹ کر اپنے معاملات پر غور کرنا چاہتی تھی۔

"شب بخیر روشانہ۔" حماد نے کہا۔

"تم واپس جارہے ہو یہ بات تو میں بھول ہی گئی تھی۔ کیا کبھی واپس یہاں آؤ گے؟" روشانہ نے جاتے جاتے حماد سے کہا۔

"ہاں!" حماد نے مختصر سا جواب دیا اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

اس رات روشانہ بہت دیر میں سوئی اور صبح اس کی آنکھ نو بجے کے قریب کھلی تو وہ ہڑبڑا کر بستر سے اٹھی اور واش روم میں گھس گئی۔ پھر جب وہ تیار ہوکر کچن میں گئی تو فاخرہ وہاں موجود تھی اور اس کے ڈیڈی کے لیے ناشتہ تیار کررہی تھی وہ معمول کے مطابق لگ رہی تھی۔ رات کے واقعے کا اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔

"صبح بخیر۔" روشانہ نے کہا۔

"صبح بخیر۔" فاخرہ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "حماد نے مجھ سے کہا تھا کہ تمہیں جلدی نہ اٹھاؤں۔"

"وہ کہاں ہے؟" روشانہ نے پوچھا۔

"وہ ایک گھنٹے پہلے جہان آباد کے لیے روانہ ہوگیا ہے۔" فاخرہ نے جواب دیا۔

"وہ چلا گیا؟" روشانہ نے حیرت سے کہا۔ "اس نے مجھے خدا حافظ بھی نہیں کہا؟"

"وہ ایک پیغام چھوڑ گیا ہے اور کہہ گیا ہے کہ وہ جلد ہی واپس آئے گا۔"

"لیکن اسے جانے سے پہلے مجھ سے ملنا چاہیے تھا۔" روشانہ نے قدرے غصے سے کہا۔ "اسے اس طرح چپکے سے جانا زیب نہیں دیتا وہ میرے اٹھنے کا انتظار تو کرسکتا تھا۔"

"وہ چپکے سے نہیں گیا' میرا خیال ہے کہ وہ یہ سمجھتا تھا کہ تمہارے اور اس کے درمیان کوئی ایسا تعلق نہیں ہے جو وہ تمہیں الوداع کہہ کر جاتا۔"

روشانہ نے فاخرہ کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا' وہ سوچ رہی تھی کہ اگر حماد ایک بار جہان آباد پہنچ گیا تو وہ دوبارہ واپس نہیں آئے گا' وہ اپنی فرم کے کام اور وہاں کی گہما گہمی میں کھو جائے گا' وہ سات سہیلیاں کو بھول جائے گا اور اس میں رہنے والے لوگوں کو بھی اور جہان آباد میں عالیہ بھی تھی جو اسے یہ سب بھلانے میں مدد دے سکتی تھی۔

"تم احمق ہو روشانہ...... حماد تم سے محبت کرتا تھا' میرا خیال ہے یہ بات کسی اور کے بجائے تمہیں محسوس کرنا چاہیے تھی لیکن تم نے کبھی اس پر غور ہی نہیں کیا۔ تم تو ہر وقت مظفر کے خیالات میں کھوئی رہتی تھیں۔ جبکہ حماد پر ایسے ہزاروں مظفر قربان کیے جاسکتے ہیں۔" فاخرہ نے

دیا شاہ

السلام علیکم! پیاری پیاری دوستوں کیسی ہو سب امید کرتی ہوں خیریت سے ہوگی' آپ سوچ رہی ہوں گی کہ کون ہے یہ تو دوستوں میں ہوں دیا' ہمیشہ دیئے کی طرح روشن ہوکر دوسروں کا خیال کرنا اپریل کے مہینے میں ماہ بدولت نے اس دنیا میں انٹری دی' ہم تین بہنیں ہیں میں سب سے چھوٹی ہوں اور B.com کررہی ہوں۔ پھول میں گلاب کا پھول پسند ہے' پسندیدہ رنگ گلابی ہے' مجھے شاعری بہت پسند ہے خود بھی کرتی ہوں' دوستیں بہت ساری ہیں اور آنچل کے ذریعے سے بھی بہت دوست ملیں۔ خوبی یہ ہے کہ کسی کو پریشانی میں نہیں دیکھ سکتی' تو خامی اعتبار جلد کرلینے کی ہے' آنچل بہت پسند ہے پسندیدہ رائٹرز میں سمیرا شریف طور' نازی' نبیلہ جی' عمیرا احمد' بہت پسند ہیں۔ میری جو ذاتی ملکیت ہے وہ میرے خواب ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر میں سپنے نہ سجاؤں' خواب نہ دیکھوں تو میں اس دنیا میں پاگل ہوچکی ہوتی۔ خواب میری زندگی ہیں' خوابوں کے سہارے زندگی گزار رہی ہوں۔ اجازت دیں۔ خدا حافظ!!

کہا۔
"حماد مجھ سے محبت کرتا تھا؟" روشانہ نے حیرت سے کہا۔ "میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم ایسی بات بھی کرسکتی ہو فاخرہ؟" روشانہ نے اس سے برہم لہجے میں کہا۔
"یہ میرا اپنا خیال نہیں ہے وہ جب سے یہاں آیا تھا تب سے تمہیں چاہتا تھا لیکن اس نے کبھی اس کا اظہار نہیں کیا میں نے یہ بات کئی بار اس کی آنکھوں میں نمایاں دیکھی تھی جب وہ تمہارے ساتھ ہوتا اور اسے یقین ہوتا کہ کوئی اور اسے نہیں دیکھ رہا ہے۔" فاخرہ نے کہا روشانہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی اسے فاخرہ کی بات پر یقین نہیں آرہا تھا۔
پھر وہ سارا دن اس نے اپنے کمرے میں ہی گزارا۔ وہ حماد کے ساتھ گزرے ہوئے ایک ایک پل پر غور کررہی تھی اور اس کے ذہن پر گرے پردے ایک ایک کرکے اٹھتے جارہے تھے۔ وہ سوچ رہی تھی کہ حماد کو سمجھنا مشکل کام نہیں تھا اس کی شخصیت کے مظفر کی طرح کئی پہلو نہیں تھے وہ ایک سادہ انسان تھا' حماد ہی کی خواہش تھی کہ روشانہ اپنے چہرے پر موجود بدنما زخم کے نشان سے نجات پاچکی تھی۔ پھر جب وہ ٹھیک ہوگئی تھی تو حماد نے ایک خوب صورت آئینہ اسے تحفے میں دیا تھا کہ وہ خود کو اس میں دیکھ کر خوش ہوسکے پھر وہ روشانہ کو مظفر سے ملوانے بھی لے گیا تھا اور جب مظفر نے اس کا دل توڑا تو اسے ڈھارس بھی حماد ہی نے دی تھی اسے فاخرہ کی کہی ہوئی بات میں حقیقت نظر آنے لگی لیکن اس کا خیال تھا کہ وہ حماد کو نہیں چاہتی وہ اسے یاد ضرور کرتی ہے اس کے جانے سے اس گھر کی خوشیاں بھی رخصت ہوگئی تھیں وہ اپنے کمرے میں رکھی حماد کی تصویر کی طرف دیکھنے لگی وہ اس کے سامنے تنہا کھڑا تھا اس کے چہرے پر اداسی کا سایہ تھا۔

◐......◐......◐

جہان آباد آئے ہوئے حماد کو ایک سال ہوگیا تھا۔ اس تمام عرصے میں وہ روشانہ کو نہیں بھلاسکا تھا اور اس نے فرم کے کام میں حصہ لینا شروع کردیا تھا لیکن ذہنی طور پر وہ سات سہیلیاں ہی میں موجود تھا۔ سراج ادیب کو اس کی کیفیت کا اندازہ تھا حماد نے انہیں اپنے بارے میں بہت کچھ بتایا تھا۔
"میں تیئس جون کو سات سہیلیاں واپس جاؤں گا۔" حماد نے سراج ادیب سے کہا۔
"روشانہ کی سال گرہ والے روز۔" سراج ادیب نے پوچھا اسے وہ رات یاد آگئی تھی اسی تاریخ کو وہ اچانک روشانہ سے ملا تھا اور وہ اس کی سال گرہ کا دن تھا' وہ رات اس نے بیلا پور میں گزاری تھی۔
"ہاں۔" حماد نے جواب دیا' اس کی نظریں اپنی میز پر رکھے کلینڈر پر تھیں تیئس جون میں ابھی تین ہفتے باقی تھے۔
حماد کے جہان آباد آنے کے بعد روشانہ نے چاہنے کے باوجود بھی اس سے کوئی رابطہ قائم نہیں کیا تھا نہ ہی حماد نے اسے کوئی خط لکھا' آفس میں عالیہ کی دلچسپی حماد میں بڑھتی جارہی تھی۔
"میرا خیال ہے کہ تم مجھ سے خفا ہو؟" ایک روز عالیہ نے حماد سے پوچھا۔
"کیوں؟" حماد نے انجان بنتے ہوئے کہا اور عالیہ مسکرانے لگی۔
"میں نے روشانہ کے آگے تمہارا راز فاش کردیا تھا نا۔" اس نے یاد دلایا' اس کے بات کرنے کے انداز میں شرارت تھی۔
"میں جب سات سہیلیاں گئی تھی تو مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم وہاں مہمان ٹھہرے ہوئے ہو پھر میں نے روشانہ کو جو کچھ بتایا وہ میں نے کسی برائی سے نہیں بتایا تھا۔ کیا وہ تم سے بہت ناراض ہوئی تھی؟" عالیہ نے پوچھا لیکن حماد نے کوئی جواب نہیں دیا۔ "میں واقعی بہت شرمندہ ہوں' پتہ ہے میں نے سوچا تھا کہ اگلے روز تمہیں فون کردوں گی لیکن میری ہمت نہیں ہوئی میرا خیال تھا کہ تم مجھ سے ناراض ہوگے۔"
"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا جیسا کہ تم نے ابھی کہا کہ تمہیں پتہ نہیں تھا کہ وہ لوگ حقیقت سے آگاہ نہیں ہیں۔"
"بہرحال اب تو تم واپس آگئے ہو۔" عالیہ نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "اور مجھے تمہیں یہاں دیکھ کر خوشی ہورہی ہے۔ میں نے تمہیں پہلے ہی کہا تھا کہ دیہات کی خوب صورتی محدود ہوتی ہے۔"
"لیکن میں نے اس خوب صورتی کو محدود نہیں پایا۔" حماد نے جواب دیا۔
"یہ مت کہنا کہ تمہارا ارادہ پھر وہاں جانے کا ہے۔" عالیہ نے کہا۔
"ہاں میں وہاں دوبارہ جارہا ہوں۔" حماد نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"کتنے عرصے کے لیے؟"
"یہ میرا ذاتی معاملہ ہے عالیہ۔" حماد نے ناگواری سے کہا۔
"اوہ حماد! وہ لڑکی تمہارے لیے بالکل مناسب نہیں ہے۔" عالیہ نے کہا۔
"اور تمہاری رائے میں میرے لیے کیسی لڑکی مناسب رہے گی؟"
"مجھ جیسی۔" عالیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "جو تمہاری دیکھ بھال کرسکے جو تمہارے انداز زندگی کو سمجھ سکے اور تمہاری کاروباری مصروفیات میں تمہارا ساتھ دے سکے۔"
"تمہارے خیال میں یہ ساری خصوصیات ایک بیوی میں ہونا ضروری ہیں؟"
"اور اس سے زیادہ تم کیا چاہتے ہو؟"
"سب سے اہم چیز ہے محبت' جسے تم نے بھلادیا۔" حماد نے کہا۔
"اوہ حماد...... خدا کے لیے تم تو بالکل بچوں جیسی باتیں کررہے ہو...... چلو دوپہر کے کھانے پر اس موضوع

بختاور افتخار...... عارف والا

میرا نام بختاور افتخار ہے۔ اور میں 25 مارچ 2000ء کو اس دنیا میں آئی۔ میں دسویں جماعت کی طالب علم ہوں۔ ہم پانچ بہن بھائی ہیں۔ میں سب سے چھوٹی ہوں۔
جی تو چلتے ہیں عادات کی طرف تو غصہ بہت کرتی ہوں۔ یہ میری بری عادت ہے۔ اچھی عادت میں دوسروں کی تعریف بہت کرتی ہوں۔ کیونکہ وہ اچھے جو ہوتے ہیں۔ بعض اوقات لوگ جب اپنی تعریف سنتے ہیں تو ان کو میری تعریف لڑ جاتی ہے۔ یعنی وہ برے بن کر سامنے آتے ہیں لیکن میں انہیں برا نہیں کہتی ہوں۔ جی تو اب رخصت چاہتی ہوں' دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔ اللہ حافظ!!

پر بات کریں گے۔" اس نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔
"میرا خیال ہے اب اس سلسلے میں مزید کوئی بات نہیں ہوگی۔ ویسے میں آج دوپہر کا کھانا سراج ادیب کے ساتھ کھارہا ہوں۔" حماد نے کہا۔ "اس کے علاوہ ایک بات اور بھی واضح کردوں کہ تمہاری اور میری راہیں جدا جدا ہیں' ہم دونوں ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں۔"
حماد کی اس بات پر عالیہ کھڑی ہوگئی وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی تھی پھر اپنا بیگ اٹھا کر آفس سے نکل گئی۔

◐......◐......◐

"سات سہیلیاں" میں فون کی گھنٹی بج رہی تھی' فون گھر کی ملازمہ نے اٹھایا اور پھر لان کی طرف بڑھ گئی۔
"روشانہ جہان آباد سے تمہارے لیے کال ہے۔" اس نے لان میں بیٹھی ہوئی روشانہ سے کہا اور روشانہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔
"مسٹر حماد کا فون ہے۔" ملازمہ نے وضاحت کی۔
"مجھے پتہ تھا وہ ضرور آئے گا۔" قریب بیٹھی سرور آنٹی نے خوش ہوتے ہوئے کہا لیکن روشانہ نے ان کی بات کا جواب نہیں دیا اور بھاگتی ہوئی ہال کی طرف چلی آئی پھر

بہت جلدی سے ریسیور اٹھایا۔
"ہیلو......" اس نے بکھری ہوئی سانسوں پر قابو پاتے ہوئے کہا۔
"روشانہ!" اسے دوسری طرف سے حماد کی آواز سنائی دی اور اسے یوں لگا جیسے وہ پھر سے کسی مضبوط سہارے کی پناہ میں آ گئی ہو۔
"حماد تمہاری آواز سن کر کتنا اچھا لگ رہا ہے۔" اس نے گلوگیر آواز میں کہا۔ حماد نے اس کی آواز میں خوشی کے تاثر کو محسوس کرلیا تھا۔
"میں آج رات سات سہیلیاں آرہا ہوں۔ شاید مجھے دیر ہوجائے میں رات دس بجے تک آؤں گا کیا تم ایک مہمان کے رکنے کا انتظام کرسکتی ہو؟" اس نے کہا۔
"کیوں نہیں، بالکل...... بالکل۔" روشانہ نے خوش ہوکر کہا۔ "حماد یوں لگتا ہے جیسے تمہیں گئے ہوئے برسوں ہوگئے ہیں۔"
"کیا تمہیں تاریخ یاد ہے؟" حماد نے پوچھا۔
"آج کی؟ ہاں آج چھبیس جون ہے! اوہ آج میری سالگرہ کا دن تھا اور تم سب سے پہلے اسی تاریخ کو یہاں آئے تھے۔" روشانہ نے کہا۔
"میں آج رات پھر آرہا ہوں۔" حماد نے کہا۔ "سرور آنٹی کیسی ہیں؟" اس نے پوچھا۔
"بہت خوش ہیں۔ وہ ہر وقت تصاویر بناتی رہتی ہیں اور اب تو کئی کمرے ان کی تصاویر سے بھر گئے ہیں، کل وہ فاخرہ کے ساتھ بیلا پور کے بازار بھی گئی تھیں...... ڈیڈی بھی گھر کے کاموں میں دلچسپی لینے لگے ہیں۔"
"مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی۔" حماد نے کہا۔ "تم بھی خوش معلوم ہورہی ہو۔ اچھا باقی باتیں ملاقات پر۔" اس نے کہا اور فون بند کردیا اور روشانہ سوچ رہی تھی کہ وہ خوش ہے جب کہ حماد کا فون آنے سے پہلے وہ خود کو بالکل خوش محسوس نہیں کررہی تھی۔ فون رکھ کر وہ بھاگتی ہوئی لان میں واپس آئی اور اس کے والد اور فاخرہ بھی سرور آنٹی کے پاس لان میں آ بیٹھے تھے۔
"حماد آج رات واپس آرہا ہے۔" اس نے خوشی سے کہا اور خالد وحید اس کی طرف دیکھنے لگے۔
"مجھے اس سے مل کر خوشی ہوگی حالانکہ وہ میرا گھر خریدنا چاہتا تھا۔" خالد وحید نے کہا۔
"فاخرہ بھی تو یہ گھر خریدنا چاہتی تھی۔" روشانہ نے انہیں یاد دلایا اور فاخرہ اس کی بات پر مسکرانے لگی۔
"سرور آنٹی آپ اس سے دوبارہ مل کر خوش ہوں گی۔" اس نے سرور آنٹی سے کہا۔
"اور تم؟" انہوں نے ذومعنی انداز میں کہا۔
"میں بھی یقیناً اس سے مل کر خوش ہوں گی۔" روشانہ نے جواب دیا اور واپس کمرے میں چلی گئی اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ رات تک کا وقت وہ کیسے گزارے گی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ حماد نے اس تاریخ کا انتخاب کچھ سوچ کر ہی کیا ہوگا۔
سہ پہر تک آسمان بادلوں سے بھر گیا تھا۔ اور ایسا محسوس ہونے لگا تھا کہ جلد ہی بارش شروع ہوجائے گی۔ رات کے کھانے کی تیاری کرتے ہوئے روشانہ سوچ رہی تھی کہ پچھلے سال اس دن آسمان پر چاند نکلا ہوا تھا لیکن آج ایسا نہیں تھا۔ اس نے گہری سی سانس لی اور سیڑھیاں اترتی ہوئی ہال میں پہنچ گئی جہاں سرور آنٹی اس کی منتظر تھیں۔
"میں نے پہلے ہی اندازہ لگالیا تھا کہ حماد ضرور واپس آئے گا۔" انہوں نے کہا۔
"یہ بات میں نے ہی آپ کو بتائی تھی۔" روشانہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اس کے علاوہ آپ اور کیا جانتی ہیں؟" اس نے پوچھنا ضروری سمجھا۔
"اس کے علاوہ میں یہ جانتی ہوں کہ آج رات تمہاری زندگی میں بہت اہم مقام رکھتی ہے۔" انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔
"اوہ...... لیکن میرا خیال ہے کہ حماد ہم لوگوں سے صرف ملنے کے لیے آرہا ہے۔" روشانہ نے کہا۔
"تم نے اس موقع پر مناسب لباس نہیں پہنا۔" سرور

آنٹی نے کہا۔ "آج تمہیں اپنا وہی لباس پہننا چاہیے تھا جو تم نے اس سال پہنا تھا جب حماد تم سے پہلی بار ملا تھا۔" سرور آنٹی نے کہا۔
"واقعی آنٹی! اور موسیقی کا انتظام بھی ہونا چاہیے جب وہ آئے تو یہاں وہی رونق بھی ہونا چاہیے۔ جیسی پہلے تھی لیکن ہم گزرے ہوئے وقت کو واپس نہیں لاسکتے۔ میں دوبارہ سے اکیس سال کی نہیں ہوسکتی۔" پھر اس نے سوچا کہ حماد یقیناً اسے اس لباس میں دیکھ کر خوش ہوگا جو اس نے پہلی ملاقات کے وقت پہنا تھا۔
نو بجے کے قریب وہ اوپر اپنے کمرے میں چلی گئی اور اپنی الماری سے سفید لباس نکالا پھر جب وہ تیار ہورہی تھی تو اس نے فاخرہ کے کمرے سے موسیقی کی آوازیں آتی ہوئی سنی تھیں وہ آج ہی بازار سے چند نئے گیتوں کی کیسٹ لائی تھیں جو بجا رہی تھیں۔ روشانہ نے اپنے گلے میں ہیروں کا وہی نیکلس پہنا جو پہلے روز پہنا تھا اور بالوں میں چاندی کے وہی پھول لگائے پھر آئینے میں وہ اپنا چہرہ دیکھ کر حیران رہ گئی اس کی آنکھوں میں ستاروں جیسی چمک تھی۔ پھر وہ نیچے ہال میں آ گئی تھی سارے گھر کی لائٹس آن تھیں اور گھر روشنیوں سے چمک رہا تھا اس نے لان میں کھلنے والی کھڑکیاں کھول دی جن سے ٹھنڈی ہوا اندر آرہی تھی اسے حماد کی آمد کا شدت سے انتظار تھا اسے امید تھی کہ حماد بتائے ہوئے وقت پر پہنچ جائے گا۔
کچھ دیر بعد ہی اسے کار کا ہارن سنائی دیا اور تیز ہیڈ لائٹس نظر آئیں اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا اس کا دل چاہا کہ بھاگتی ہوئی حماد کے قریب پہنچ جائے۔
کار گھر کے باہر رکی پھر اس کار کا دروازہ بند ہونے کی آواز آئی تھی اس کے بعد اسے حماد کے قدموں کی آہٹ سنائی دی پھر اس نے حماد کو لان عبور کرتے دیکھا باہر بارش شروع ہوگئی تھی اسے اچانک احساس ہوا کہ اسے تو اس لمحے کا ہمیشہ سے انتظار تھا وہ خود سے جھوٹ بولتی رہی تھی کہ اسے حماد سے محبت نہیں ہے حالانکہ اس وقت حماد کو دیکھ کر اس کے دل کی جو کیفیت ہوئی تھی وہ کسی سے بیان

نہیں کرسکتی تھی۔ اسے احساس ہوا کہ حماد صرف اس کے لیے واپس آیا ہے اور وہ خود بھی اس وقت دنیا میں صرف اور صرف حماد کو دیکھنا چاہتی تھی۔

"حماد!" اس نے حماد کو پکارا اپنی آواز کی تڑپ اس نے خود محسوس کی تھی۔ حماد چلتے چلتے لان میں لگے ایک درخت کے نیچے رک گیا تھا۔ اتفاق سے یہ وہی جگہ تھی جہاں پہلی رات وہ اس سے ملا تھا وہ دوڑتی ہوئی اس کی طرف بڑھی اور اس کے بالوں میں لگے ہوئے چاندی کے پھول پھسل کر نیچے آ گئے اس کے چہرے پر بارش کے قطرے پڑ رہے تھے۔

"میں نے ایسا نہیں سوچا تھا کہ اچانک ہی بارش شروع ہو جائے گی اور چاند بھی نہیں نکلا۔" روشانہ نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" حماد نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ پکڑ کر اسے سہارا دیا اور اسے درخت کے سائے میں کھینچ لیا۔

"میرے لیے یہی کافی ہے کہ تم میری منتظر ہو۔"

"میں تمہاری کمی شدت سے محسوس کر رہی تھی۔" روشانہ نے کہا۔

"میرے لیے یہاں سے جانا ضروری تھا کیونکہ میں تم سے دور رہ کر یہ چاہتا تھا کہ تم ایک فیصلہ کرلو کہ تمہارے لیے مظفر اور مجھ میں سے کون اہم ہے۔" حماد نے کہا۔

"کیا تم سمجھتی ہو کہ تم کو میں خوش رکھ سکوں گا؟" حماد نے ایک ہی جملے میں سب کچھ کہہ دیا اور روشانہ مسکرانے لگی۔

"مجھے یوں لگتا ہے حماد جیسے مجھے ہمیشہ سے تمہارا ہی انتظار تھا لیکن تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں آج شدت سے تمہارا انتظار کر رہی تھی۔"

"مجھے یقین نہیں تھا روشانہ بس ہلکی سی امید تھی کہ شاید تمہیں میرا انتظار ہو شاید تمہیں بھی آج رات جیسی ملاقات یاد ہو۔"

"میرا خیال ہے اندر نہ چلیں بارش تیز ہوگئی ہے۔" روشانہ نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے کہا تو حماد اس کا ہاتھ تھامے ہوئے تیزی سے گھر کے دروازے کی طرف بڑھا' روشانہ کے بالوں میں اٹکا ہوا چاندی کے پھولوں کا رنگ نیچے گر گیا لیکن اسے اس کا احساس ہی نہیں ہوا وہ آگے نکل گئی تھی لیکن حماد نے نیچے جھک کر رنگ کو اٹھایا اور اپنے کوٹ کی جیب میں رکھ لیا۔ جیسے وہ اس کے لیے بڑی اہمیت رکھتا ہو۔

◐......◐......◐

خاموشی
بکھرے بال
بھیگی اداس آنکھیں
پھر چاند ہم نے دیکھا ہے
ہر سال کی طرح!!

حماد نے روشانہ کا گھونگھٹ اٹھاتے ہوئے کہا اور وہ شرم سے دہری ہوگئی۔

ان کی شادی کی رسم خالد وحید کی خواہش کے مطابق سات سہیلیاں میں ہی ادا کی گئی تھی۔ سرور آنٹی بہت خوش تھیں کیونکہ ان کے بھائی کے کہنے کے مطابق سات سہیلیاں روشانہ کی ملکیت تھا اور روشانہ کبھی بھی سرور آنٹی کو خود سے جدا نہیں کرسکتی تھی انہیں بڑا اطمینان تھا کہ حماد اور روشانہ اس گھر میں رہیں گے فاخرہ کچھ اداس تھی کیونکہ خالد وحید کی صحت یابی کے بعد اس کے سات سہیلیاں میں رہنے کا کوئی مقصد نہیں تھا اور وہ جلد ہی وہاں سے جانے کا پروگرام بنا رہی تھی۔ روشانہ کے سمجھانے کے باوجود خالد وحید نے شادی نہ کرنے کا فیصلہ دے دیا۔ وہ روشانہ کی والدہ کے بعد کسی اور کو اپنی زندگی میں شامل نہیں کرنا چاہتے تھے۔

شادی کے بعد روشانہ نے پہلے کی طرح گھر کے معاملات میں دلچسپی لینا شروع کردی تھی' اس نے اور حماد نے فاخرہ کو مجبور کردیا تھا کہ وہ ان کے ساتھ مستقل طور پر اس گھر میں رہے وہ نہیں چاہتے تھے کہ عمر کا ایک بڑا حصہ ان کے ساتھ گزارنے کے بعد اسے تنہا بھٹکنے کے لیے

چھوڑ دیں۔

"اس بار عید بہت شاندار طریقے سے منائی جائے گی۔" حماد نے گھر میں اعلان کیا تھا اور اس کے ساتھ ہی اس نے سراج ادیب اور عالیہ کو سات سہیلیاں آنے کا دعوت نامہ بھی ارسال کردیا تھا حماد کے بے حد اصرار پر اس نے عالیہ سے شادی کرلی تھی اور اب اس کی ایک خوب صورت سی چار ماہ کی بچی بھی تھی وہ لوگ چاند رات کو وہاں پہنچ گئے تھے۔

"میں تمہارے انتخاب کی داد دیتی ہوں۔" عالیہ نے مسکراتے ہوئے کہا اس کی بات پر روشانہ ہنس کر حماد کی طرف دیکھنے لگی۔

"انتخاب روشانہ کا نہیں بلکہ میرا تھا۔" حماد نے جواب دیا۔

"جس کا بھی تھا خوب تھا۔" سراج ادیب نے درمیان میں لقمہ دیا۔ ان کی بیوی عالیہ ان کے قریب ہی بیٹھی تھی جس کی گود میں ان کی بچی تھی۔ روشانہ نے بڑھ کر بچی کو گود میں لے لیا اور اسے پیار کرنے لگی۔ وہ سب ہال میں بیٹھے ہوئے تھے۔ روشانہ کو وہ بچی بہت اچھی لگ رہی تھی۔ وہ اسے گود میں لیے لیے کسی کام سے اسٹڈی روم میں چلی گئی جہاں سرور آنٹی بیٹھی ہوئی تھیں۔

"مجھے ستاروں کی چال سے اندازہ ہو گیا ہے کہ بہت جلد......" انہوں نے بچی کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے روشانہ کی طرف شرارت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"آنٹی......!" روشانہ نے کہا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

سب لوگ چاند دیکھنے کے لیے لان میں جمع ہو رہے تھے۔ روشانہ بھی وہیں پہنچ گئی۔

"بھئی میں سارے گھر میں تمہیں ڈھونڈتا پھر رہا ہوں۔" حماد نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟" اس نے پوچھا۔

"اس لیے کہ میں نہیں چاہتا کہ اس بار بھی چاند دیکھ کر تم وہی نظم دہرانے لگو۔" حماد نے "وہی" پر زور دے کر کہا اور سراج ادیب اس کی طرف دیکھنے لگے۔ روشانہ نے اسے آنکھیں دکھائی تھیں اور وہ اس کے قریب چلا آیا تھا۔

"ویسے یہ بھی...... میرا مطلب ہے۔" حماد نے کچھ کہنا چاہا۔

"حماد! وہ دیکھو عید کا چاند وہ دیکھو چاند نظر آ گیا۔" روشانہ نے خوش ہوتے ہوئے کہا اور حماد نے بچی کو اس کے ہاتھوں سے لے لیا۔

"تم چاند دیکھ لو میں اتنی دیر میں اس بچی کو پیار کرتا ہوں۔" حماد نے بچی کے گال پر پیار کرتے ہوئے روشانہ کی طرف شرارت سے دیکھا۔ وہ روشانہ کے بہت قریب کھڑا تھا۔ دوسرے لوگ ان سے کچھ فاصلے پر تھے وہ بھی چاند دیکھ رہے تھے۔

"روشی......" حماد نے پیار بھری سرگوشی میں اسے پکارا۔

"ہوں۔" روشانہ نے کہا۔

"وہ کیا نظم تھی تمہاری؟" اس نے انجان بنتے ہوئے کہا۔ حالانکہ اسے وہ نظم ازبر ہوچکی تھی۔

"کیا کریں گے؟" روشانہ نے جھینپتے ہوئے کہا۔

"شاید کہ اب کے سال......" حماد نے کہا اور بچی کے گال پر پیار کرلیا۔ وہ شرارت سے روشانہ کو دیکھ رہا تھا۔

"روشی! شاید کہ اب کے سال۔" اس نے بچی کی طرف شرارت سے اشارہ کرتے ہوئے کہا اور روشانہ اس کا مطلب سمجھ کر شرم سے سرخ ہوگئی۔

"حماد کیا ہے؟" اس نے چڑ کر کہا اور بھاگ کر کمرے میں چلی گئی اپنے پیچھے اسے حماد کے قہقہوں کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی اور وہ حماد کی اس شرارت پر شرم سے جھکی جا رہی تھی۔

◐

اٹوکھٹے میں

عتیقہ محمد بیگ

"ماہم ڈیئر اب تجھے بھی شادی کرلینی چاہیے۔" رابعہ اپنے ڈھائی سال کے بیٹے کی انگلی پکڑے میرے قریب آئی۔

رابعہ مجھے جب بھی ملتی ہے مفت کا یہ مشورہ ضرور دیتی ہے اصل میں ہم دونوں اسکول سے کلاس فیلو رہے پھر کالج میں بھی ساتھ رہے۔ اس کے بعد بی اے کرتے ہی رابعہ کی شادی ہوگئی اب محترمہ تین بچوں کی امی جان ہیں۔

ایک شہر میں رہتے ہوئے کبھی کبھار آمنا سامنا ہو ہی جاتا ہے جیسے کہ آج...... میری کولیگ فوزیہ کی شادی ہے حالانکہ میں شادی بیاہ میں بہت کم شرکت کرتی ہوں۔

فوزیہ تو پھر میری کولیگ ہے روز کا سامنا ہوگا اور میں شرمندہ ہونا نہیں چاہتی کیا خبر وہ دل میں سوچے کہ میں نے تحفہ دینے کی خاطر اس کی شادی اٹینڈ نہیں کی کسی کی سوچ پر تو ہم پابندی نہیں لگا سکتے نا؟ سامنے اسٹیج پر دلہن دلہا بیٹھے ہیں دھڑا دھڑ تصاویر اتاری جارہی ہیں۔ ایک گروپ ہٹتا ہے تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا یوں لگتا ہے سب کو شوق ہے دلہن دلہا کے ساتھ تصاویر بنوانے کا۔

میں نے اپنے لیے ایک الگ تھلگ کونہ چنا ہے اور سب کچھ دیکھ رہی ہوں مگر رابعہ کی نظریں بہت تیز ہیں اس نے آخر کار مجھے ڈھونڈ ہی لیا اور ہمیشہ کا مشورہ دے ڈالا جو وہ کئی سالوں سے دیتی آئی ہے۔

"ماہم ڈیئر اب تجھے شادی کرلینی چاہیے۔"

"وہ کیوں؟" میں نے ہمیشہ کی طرح پوچھا۔

"دیکھ نا تو اپنے اتنے بڑے گھر میں تنہا رہتی ہے۔" رابعہ میرے قریب ہی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"رہتی ہوں تو کیا ہوا میرا اپنا گھر ہے اور بس چند سالوں کی تو بات ہے انور اور اس کی دلہن مڈل ایسٹ سے آجائیں گے جاوید بھی یہیں پوسٹنگ کروانے کی کوشش کررہا ہے تھوڑے دنوں میں شاید ہوجائے پھر کہاں تنہائی ہوگی۔"

"لوگ باتیں تو بناتے ہوں گے نا؟"

"مجھے لوگوں کی پروا نہیں۔" میں نے کہا۔

"وہ کیوں؟"

"کیونکہ لوگوں کا تو کام ہی باتیں بنانا ہے۔"

"ماہم ایک بات سچ سچ بتاؤ آج تم سے میں پہلی بار پوچھ رہی ہوں۔" رابعہ نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"پوچھو۔" میں نے اپنی آنکھیں رابعہ کی ذہین آنکھوں پر مرکوز کردیں۔

"شادی نہ کرنے کی کوئی تو وجہ ہوگی؟" وہ جھجکتے ہوئے بولی۔

"تمہارا بیٹا بہت پیارا ہے۔" میں نے جانتے بوجھتے اس کا سوال ان سنا کردیا۔

"جبھی تو کہتی ہوں تو بھی شادی کرلے ایسے ہی پیارے پیارے بیٹے اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے بھی رکھ چھوڑے ہیں۔"

"بھئی یہ تمہیں ہی مبارک ہوں۔" میں ہنس دی۔

"تم مجھے اپنا نہیں سمجھتیں ماہم!" رابعہ کے لہجے میں دکھ سمٹ آیا۔

"تم میری اپنی ہو رابی جان! تم تو میری بچپن کی ساتھی ہو بہن ہو۔" میں نے اس کا ہاتھ تھام کر محبت سے کہا۔

"پھر مجھے بتاؤ تو نے اب تک شادی کیوں نہیں کی کیا وجہ ہے...... کوئی وجہ تو ہوگی؟"

"وجہ......؟"

"ہاں...... ہاں۔" رابعہ نے کہا۔

"ہاں وجہ ہے مگر وہ نہیں جو تم سمجھ رہی ہو۔"

"اچھا بھلا میں کیا سمجھ رہی ہوں؟" رابعہ ہنسی۔

"مجھے پتا ہے جو تم سمجھتی ہو مگر وہ الفاظ تم زبان سے ادا نہیں کرتیں لیکن تمہارا لہجہ تمہاری آنکھوں کی معنی خیز چمک مجھے سب کچھ بتا دیتی ہے۔"

"واقعی۔" رابعہ نے حیرت سے پوچھا۔

"تمہارا یہی خیال ہے نا کہ گئے دنوں میں میرا کہیں زبردست افیئر چلا ہوگا پھر روایتی انداز میں جدائی اور میں نے جوگ لے لیا ہے نا یہی بات۔"

"بالکل درست ہے اس کا مطلب تم میرے اندر تک پہنچ گئی ہو۔"

"شاید۔" میں نے ہولے سے جواب دیا۔

"تو مجھے بھی اتنا اختیار دے دو کہ میں تمہیں دل کی تہوں تک پہنچ کر تمام راز پالوں۔" رابعہ نے نپے تلے لہجے میں کہا۔

"میرے دل کی تہوں میں تو کچھ نہیں صرف دکھ ہیں اندھیارے اور سناٹے ہیں وہاں۔" میں نے اسے اطلاع دی۔

"تو تم مجھے اپنے سارے دکھ دے دو نا۔"

"ارے نہیں رابی جان! دوستوں کو خوشیاں اور محبتیں دی جاتی ہیں نہ کہ دکھ۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"میں ہمیشہ لوگوں کے خلوص کے سامنے پگھل جاتی ہوں۔"

"مما میں پاپا کے پاس چلا جاؤں۔" رابعہ کے بیٹے نے ضد کی۔

"اچھا جاؤ۔" رابعہ نے کہا اور اس کا بیٹا تین مچل چھوڑ کر اپنے پاپا کے پاس چلا گیا جو کہ شاید اپنے دوستوں سے باتوں میں مشغول تھے۔

"ہاں تو ماہم تم مجھے وجہ نہیں بتاؤ گی؟" رابعہ پھر میری جانب متوجہ ہوئی۔

"کیا کرو گی وجہ جان کر؟" میں نے ہولے سے کہا پھر بھی رابعہ پوچھ کر رہنا چاہتی تھی۔

"بس یوں سمجھو کہ مجھے مرد ذات سے نفرت ہے۔" میں نے کہا۔

"آخر کوئی وجہ تو ہوگی؟" رابعہ کو تو بس جاننے کی پڑی ہوئی ہے اب بھلا دلوں کے راز یوں تو افشاں نہیں کیے جاتے نا۔ اس کی نظریں مجھے اپنے آر پار ہوتی محسوس ہورہی ہیں۔

"ماہم کبھی کبھی نہ جانے کیوں مجھے احساس ہوتا ہے کہ تم بہت ٹوٹی ہوئی اور منتشر ہو۔"

"وہ کیسے؟" میں نے ہنس کر پوچھا۔

"تمہارے لہجے کی تھکن چہرے کا کھردرا پن جیسے تم اس کرختگی میں بہت کچھ چھپانے کی کوشش کررہی ہو۔ تمہاری آنکھوں کے بھیگے بھیگے گوشے ان سب باتوں سے یوں لگتا ہے جیسے تم تمام عمر انجانی آگ میں جلتی رہی ہو حالانکہ مجھے یہ بھی پتا ہے کہ تمہیں ہر آسائش مہیا ہے

جس گھر میں رہتی ہو وہ بھی تمہارا ہے' تمہارے نام ہے۔ عزت ہے' دولت ہے پھر وہ کیا چیز ہے' جس کے حصول کے لیے تم الاؤ میں سلگ رہی ہو۔ پلیز ماہم مجھے سب کچھ بتادو میں جب بھی تنہا ہوتی ہوں تمہارا خیال میرے ذہن سے چپک جاتا ہے' مجھے بتادو آخر ایسا کیوں ہے؟" رابعہ الجھی لہجہ میں پوچھ رہی تھی۔

"کیا بتاؤں؟" میں نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔

"مردوں سے نفرت کی وجہ بتاؤ۔" رابعہ نے جھک کر سرگوشی کی۔

"کیا کروگی جان کر؟" میرے لب کپکپا کر رہ گئے۔

"مجھے تسلی تو ہوگی' کوئی معقول وجہ تو ہے تمہارے پاس تاکہ آئندہ میں تمہیں شادی کے بارے میں نہ کہوں۔" رابعہ بولی۔

"میرے اندر اندھیرا ہی اندھیرا ہے' اداسیاں ہی اداسیاں ہیں۔" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"میں کسی چیز سے نہیں ڈرتی۔" رابعہ نے کہا۔

"تم یوں جان نہیں چھوڑو گی۔" اس نے اثبات میں سرہلایا۔ میں نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر پلکیں موند لیں اور اپنے اندر اتر گئی۔

جہاں گھور اندھیارے ہیں مگر ان اندھیاروں سے میری پرانی شناسائی ہے میں اپنے اندر سے بکھرے ہوئے واقعات کو اٹھا کر اکٹھا کر رہی ہوں تاکہ میں وہ معقول وجہ رابعہ کو بتا سکوں کہ میں شادی کیوں نہیں کرنا چاہتی۔

❀......❀......❀

رابعہ ہم چھ بہن بھائی ہیں' سب سے بڑی میں پھر آمنہ' زویا' انور اور جاوید...... سب سے آخری بہن سعدیہ ہے۔ ہم سب بہن بھائیوں میں صرف دو دو سال کا فرق تھا جبکہ سعدیہ جاوید سے چھ برس چھوٹی تھی۔

ہمارے ابا ایک سرکاری ادارے میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھے' سرکاری بنگلہ ملا ہوا تھا۔ ہم اچھے اسکولز میں پڑھتے تھے' بہت خوش حال گھرانہ تھا ہمارا پھر اچانک ہی ہمارے ہنستے بستے گھر کو کسی کی نظر لگ گئی۔ سعدیہ پیدا ہوئی تو ماں کو نمونیہ ہوگیا اور وہ ایک ہفتہ کی سعدیہ کو میری گود میں ڈال کر ہمیشہ کے لیے ہم سے جدا ہوگئیں۔ معصوم بچوں کی چیخیں بھی انہیں نہ جگا سکیں' میں نے ان دنوں نویں کلاس کا امتحان دیا تھا اور رزلٹ کی منتظر تھی۔ اچانک یہ افتاد آن پڑی گھر میں سب بہن بھائیوں سے بڑی تھی' بہنوں کو تیار کرنا' انہیں ناشتا کروانا اور پھر ڈرائیور کے ساتھ جاکر انہیں اسکول چھوڑ کر آنا پھر واپسی میں لانا' گھر کی صفائی اور کھانا وغیرہ پکانے کے لیے ملازم تھے۔ اس لیے مجھے کوئی پریشانی نہ ہوئی مگر وہ جو ماں کی محبت ہے اس کی قطرہ قطرہ محبت کی شیرینی اس سے میں محروم تھی۔ سعدیہ بہت روتی اور مجھے بچے پالنے کا بھلا کہاں سلیقہ تھا؟ وہ رات کو روتی رہتی اور میں سوتی رہتی' نیند چیز ہی ایسی ہے۔

ابا سعدیہ کے رونے کی آواز سنتے تو میرے کمرے میں آجاتے' مجھے اٹھاتے اور کہتے سعدیہ کو چپ کراؤ۔ مجھے غصہ تو بہت آتا کہ خود ہی کرادیتے مجھے اٹھانا ضروری تھا مگر میں نہ کہہ پاتی کیونکہ ابا کا رعب دبدبہ تھا اور ہم سب بہن بھائی ان سے بہت ڈرتے تھے۔ پھر یوں ہوا کہ سعدیہ دو ماہ کی تھی جب ابا نے ایک آیا کا انتظام کردیا' یوں میں رات کو اس کو سنبھالنے سے بچ گئی۔

رزلٹ آگیا تھا' میں اسکول جانے لگی' گھر میں صرف سعدیہ اور جاوید رہ جاتے تھے یوں ہی وقت دبے پاؤں گزرنے لگا۔ امی کو فوت ہوئے چھ ماہ ہوئے تھے جب اڑتے اڑتے میں نے یہ خبر سنی کہ ابا دوسری شادی کرنا چاہ رہے ہیں اور زندگی میں مجھے پہلی بار اتنا دکھ ہوا جتنا امی کے مرنے پر بھی نہیں ہوا تھا یوں لگا جیسے ہمارا سائبان مخالف ہوائیں اڑا کر لیے جارہی ہیں۔

رات کو سوتی تو ڈراؤنے خواب دکھائی دیتے یوں لگتا' ابا ایک پہاڑ پر چڑھ رہے ہیں اور ہم بچے ان کے پیچھے پہاڑ پر چڑھنے کی کوشش کرتے ہیں اور نیچے آرہے ہیں۔ تب اوپر نظریں اٹھا کر دیکھتے ہیں تو ابا چوٹی پر کھڑے بے

تحاشا ہنس رہے ہوتے ہیں' اپنی کامیابی پر یا شاید ہماری شکست پر۔ اس قسم کے خواب مجھے کئی کئی روز تک پریشان کیے رکھتے پھر میں لگن سے اپنی پڑھائی کی طرف متوجہ ہوجاتی' سوچتی۔

اگر ابا شادی کرلیں گے تو میرے بھائی بہنوں کا کیا ہوگا' اچھا ہے میں پڑھ لکھ کر اپنے پاؤں پر کھڑی ہوجاؤں تاکہ میرے بھائی بہنوں کو کوئی پریشانی نہ ہو۔ میرے میٹرک کے امتحان ہورہے تھے انہیں دنوں راولپنڈی سے میرے بڑے ماموں آگئے' ان کا ٹرانسفر کراچی ہوگیا تھا۔ ماموں کے سینے سے لگ کر مجھے اتنی خوشی حاصل ہوئی کہ بیان سے باہر ہے۔ صادق ماموں کے وجود سے مجھے امی کی خوشبو آرہی تھی اور میں کتنی دیر تک اس خوشبو سے اپنی روح کو سرشار اور معطر کرتی رہی اور اپنے اشکوں سے ماموں جی کا دامن بھگوتی رہی۔

"ارے ماہم بیٹے رونے کی کیا بات ہے؟" صادق ماموں نے نہایت محبت سے پوچھا۔

"بس ماموں جی آپ کو دیکھ کر اتنی خوشی ہوئی کہ آنسو نکل آئے ہیں۔"

"خوشی اور آنسو۔" ماموں جی زور سے ہنس دیے۔

"بس ماموں جی پتا نہیں یہ کم بخت آنسو ہر خوشی اور غمی کے موقع پر بے محل ہی نکل آتے ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے پلکوں پر ہی اٹکے ہوئے ہوں۔" میں بھی ہنس دی۔

"بیٹے تم بہادر ہو اور بہادر لوگ رویا نہیں کرتے۔" انہوں نے انگلی کی پور سے میرے آنسو صاف کیے۔

"اچھا۔"

"وعدہ کرو آئندہ نہیں روؤں گی' تم ہیبہ (امی) کی بیٹی نہیں بیٹا ہو۔ پانچ بچوں کی ذمہ داری ہے تم پر چاند۔"

"ہاں ماموں جی! امی جی بہت بڑا کام مجھے سونپ گئی ہیں' خدا کرے میں اس امتحان میں پوری اتروں ایسا نہ ہو کہ روز محشر امی سے شرمندہ ہوں۔" میں نے ایک طویل سانس لی۔

"تمہیں شرمندگی نہیں ہوگی ان شاء اللہ تم سرخرو

ہوگی۔" صادق ماموں نے میرا سر تھپتھپایا۔
"آمین۔" میں نے صدق دل سے دعا کے جواب میں آمین کہا۔
"سنا ہے ابا جان دوسری شادی کررہے ہیں؟" میں نے ماموں کو اطلاع دی۔
"مرد کی فطرت ہے بیٹا! عورت صرف ایک کی ہوکر رہتی ہے مگر مرد...... اس کی تو گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ پسند بھی بدلتی جاتی ہے حالانکہ انیسہ اس کی پسند تھی۔"
"اچھا۔" میں نے حیرت سے کہا۔ "آپ لوگوں نے اعتراض کے بغیر شادی کردی۔"
"ظاہر ہے اعتراض کی کیا بات ہے' اچھے تھے تمہارے ابا۔" معقول تنخواہ تھی سب سے بڑی بات کہ ہمارے چچازاد تھے۔
"اچھا اب اٹھو بھی چائے نہیں دوگی۔" صادق ماموں نے ایک دم بات پلٹ دی۔
"اوہ ضرور ماموں جی باتوں میں یاد نہ رہا۔" میں شرمندہ ہوگئی اور ماموں جی ہنس دیے۔ میں ایگزام سے فارغ ہوئی تو ماموں جی کے ذریعے ہی پتا چلا کہ ابا کی شادی کی دو تین جگہ بات چلی ہے سب یہی کہتے ہیں کہ جوان بیٹی ہے' پتا نہیں کیسی ہو ہماری بیٹی کو ٹکنے بھی دے گی یا نہیں۔"
"بس اسی لیے شادی نہیں ہورہی۔" نہ جانے مجھے کیوں یہ سن کر بہت خوشی ہوئی۔
"ہاں یہی وجہ ہے حالانکہ اشرف نے کہا بھی کہ وہ شادی کرکے بیوی کو الگ رکھیں گے پر لڑکی والے مانتے ہی نہیں۔" صادق ماموں نے مزید معلومات مہیا کیں۔ پھر اسی شام ابا گھر آئے تو نہایت غصے میں تھے اتنے غصے میں' میں نے انہیں کبھی نہ دیکھا تھا۔ کھڑکی سے جھانک کر میں نے ایک دو بار دیکھا تو وہ کمرے میں ٹہل رہے تھے اور ان کے ہاتھوں میں سگریٹ سلگ رہا تھا' بالکل ان کے دل میں سلگنے والے الاؤ کی طرح۔

دوسرے روز میری سہیلی عاصمہ کے ہاں میلاد تھا اور اس نے تاکید کی تھی کہ میں ضرور آؤں گی اب ابا سے اجازت بھی لینی تھی۔ میں بار بار دروازے تک جاکر واپس آجاتی تھی کیونکہ ابا بہت غصے میں تھے اگر جھڑک ہی دیتے تو...... رات کو کھانے کی میز پر میں نے ڈرتے ڈرتے ابا جی سے عاصمہ کے ہاں جانے کی اجازت مانگی جو انہوں نے بغیر کسی حیل وحجت کے دے دی۔
صادق ماموں آمنہ' زویا اور جاوید کو اپنے گھر لے جانا چاہ رہے تھے ابا نے پہلے تو منع کیا مگر صادق ماموں کی ضد کے آگے مجبور ہوگئے اور ماموں جی تینوں کو رات کو لے کر چلے گئے۔
آسمان پر گھنگھور گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں یوں لگتا تھا جیسے ابھی برس پڑیں گی۔ عاصمہ کے والد مجھے میلاد کے بعد گھر چھوڑ آئے تھے اور پتا نہیں کیوں میرا دل گھبرائے جارہا تھا۔ جی چاہ رہا تھا گھر نہ جاؤں مگر پھر سعدیہ کا خیال آیا' انور بھی گھر پر ہی موجود تھا اگر بارش ہوگئی تو دونوں گھبرائیں گے۔ اس لیے میں گھر آگئی حالانکہ پانچ ہی بجے تھے مگر بادلوں کی وجہ سے آکاش پر چمکنے والا سورج چھپ گیا تھا اور اندھیرا چھا گیا تھا۔
پورچ میں گاڑی کھڑی تھی جس کا مطلب تھا کہ ابا جی آگئے ہیں' میں دبے پاؤں اپنے کمرے میں آگئی۔ انور اور سعدیہ سوئے ہوئے تھے' قریب ہی کرسی پر نصیبن (آیا) بھی آنکھیں موندے پڑی تھیں۔ پتا نہیں سو رہی تھیں کہ جاگ رہی تھیں میں الماری کی طرف بڑھی تاکہ کپڑے نکال لوں کیونکہ اتنا بھاری غرارہ سوٹ پہنے تو گھر میں نہیں پھرا جاسکتا تھا۔ ابھی میں نے کپڑے نکالے ہی تھے کہ رمضان آگیا۔
"بی بی جی! صاحب بلا رہے ہیں۔"
"کیوں؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔
"پتا نہیں۔" وہ بے پروائی سے بولا۔
"موڈ کیسا ہے ان کا؟" میں نے پوچھا۔
"غصے میں لگتے ہیں جی آپ جلدی چلیں۔"

"اچھا۔" میں نے کپڑے بیڈ پر رکھے اور غرارہ سنبھالتی ہوئی ابا جی کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ وہ آج بھی بڑی بے قراری سے کمرے میں ٹہل رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر رک گئے اور غور سے مجھے اس طرح دیکھنے لگے جیسے کہ پہلی بار دیکھ رہے ہوں' میں سٹپٹا کر رہ گئی۔ اس خنک موسم میں بھی میری پیشانی پر بے شمار پسینے کے قطرے چمکنے لگے' میری ٹانگیں لرزنے لگیں کمرے پر ایک سکوت طاری تھا۔
"ماہم۔" آخر ابا جی نے ہی اس سکوت کو توڑا۔
"جی۔"
"اوپر کا حصہ کل بالکل خالی کروا کر صفائی کروادو۔"
"کیا کرائے دار آرہے ہیں؟"
"نہیں' نیا فرنیچر وغیرہ آئے گا۔"
"کیوں؟"
"میں شادی کررہا ہوں' پندرہ روز بعد شاہدہ تمہاری نئی امی بن کر آجائے گی۔"
"جی......!" میں نے حیرانگی سے انہیں دیکھا اڑتی اڑتی خبریں تو سن رہی تھی کہ ابا جی شادی کرنا چاہتے ہیں مگر آج وہ خبر حقیقت بن گئی تھی پھر نہ جانے مجھ میں کیسے اتنی ہمت آگئی اور میں بول پڑی۔
"ابا جی! آپ شادی مت کیجیے۔"
"کیوں؟" وہ غرائے۔
"ابا جی! لوگ کیا کہیں گے اس عمر میں۔"
"کون سی میری عمر زیادہ ہے' اس عمر میں تو لوگ پہلی شادی کرتے ہیں اور تم مجھے روکنے والی کون ہوتی ہو۔" ابا جی کے جبڑے بھنچ گئے۔
"میں...... میں آپ کی بیٹی ہوں۔" میں نے سینے پر ہاتھ رکھ کر بڑے وثوق سے کہا۔
"تم میری بیٹی نہیں ہو۔" ابا جی کے منہ سے یہ جملہ کیا نکلا مجھے وہ جملہ شعلے کی طرح اپنی جانب لپکتے ہوا محسوس ہوا اور چند لمحے بعد ہی میرا وجود بھربھر جلنے لگا۔
"کیا کہہ رہے ہیں آپ؟" میری گھٹی گھٹی سی چیخ نکل گئی مگر میں نے اپنے حواس قائم رکھے۔
"سچ کہہ رہا ہوں۔" ابا جی نہایت سفاکی سے بولے تھے۔
"نہیں...... نہیں یہ جھوٹ ہے آپ کہہ دیں یہ جھوٹ ہے۔ اتنا بڑا الزام میری مری ہوئی ماں پر مت لگائیں۔" میں نے ابا جی کو گریبان سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا۔

معظمہ منور

میرا نام معظمہ منور ہے' نک نیم لکی ہے۔ ہم پانچ بہنیں اور دو بھائی ہیں' بہنیں میری پوری افلاطون ہیں' بھائی بلال' اجمل اینڈ عثمان علی دونوں معصوم ہیں۔ کھانے میں چکن بریانی اور حلیم پسند ہے' سویٹ ڈش میں کھیر بہت پسند ہے۔ فیورٹ کلرز وائٹ' بلیک اینڈ میرون ہیں۔ پسندیدہ خوشبو شی اینڈ شلیز ہے' ڈریسز میں فراک اور لہنگا اچھا لگتا ہے۔ گھومنے پھرنے کا بہت شوق ہے' بہت کم کہیں جاتی ہوں۔ بہنوں میں میری فیورٹ سسٹر عظمٰی اور مریم ہیں ان کی کمپنی میں کبھی کوئی بور نہیں ہوتا۔ ہمیشہ ہنستی اور ہنساتی ہیں اور مجھے بہت سمجھتی بھی ہیں۔ میری بُری عادت ہے میں نیند میں بولنے لگتی ہوں' جب میں سو کے اٹھوں تو یہ دونوں کہتی ہیں معظمہ پاکستان کب بنا؟ پہلا کلمہ سناؤ؟ اور ہنستی ہیں اگر میں بتادوں تو کہتی ہیں ہم چیک کررہی تھیں کہ تم نیند میں تو نہیں ہو۔ میری اچھی فرینڈ' صائقہ عماریہ' نفیسہ' عالیہ' عتیقہ' مبرا' انعم' زنیرا' سلیمہ' مسرت صبا' مدیحہ' قیصرہ' طیبہ اینڈ تہمینہ ہیں اور میری بہت اچھی فرینڈز سارہ اینڈ سائرہ ہیں۔ میری نیچر نہیں ہے شو آف کرنے کی لیکن سائرہ میں تم سے بہت بہت پیار کرتی ہوں' تم ہمیشہ میرے ساتھ رہنا' تمہارا ساتھ مجھے بہت اسٹرونگ بناتا ہے۔ اجازت چاہتی ہوں اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ سب کو ڈھیروں خوشیاں دے اور صحت وتندرستی دے آمین۔

”یہ تو شکر کرو کہ میں شادی کے فوراً بعد عیشہ کو کراچی لے آیا اور خاندان میں یہ بات نہ پھیلی ورنہ آج جو ننھیال وددھیال والے تم پر واری صدقے ہوتے ہیں۔ تمہیں بغیر ٹہنی کا پھول جان کر تمہاری طرف دیکھنا بھی پسند نہ کرتے۔“ ابا جی نہ جانے کیا کیا کہتے رہے مگر میں کانوں پر ہاتھ رکھے وہاں سے واپس پلٹی اور بھاگتے ہوئے غرارہ ایک جگہ اٹک گیا اور میں گر پڑی پھر مجھے ہوش نہ رہا اور پھر جب ہوش آیا تو میں اپنے ہی کمرے میں تھی میرے سر پر پٹی باندھی ہوئی تھی اور سر میں ٹیسیں اٹھ رہی تھیں مگر یہ ٹیسیں ان ٹیسوں سے زیادہ شدید نہیں تھیں جو میرے دل سے اٹھ رہی تھی۔

میرا دل درد کا سمندر بنا ہوا تھا' دکھتا ہوا پھوڑا بن گیا تھا جو کچھ میں جانتی تھی اور اب تک جس شخص کو باپ جان کر محبت کرتی رہی جس کا نام میری پہچان تھا۔ اسکول میں سب مجھے اشرف خان کی بیٹی کی حیثیت سے جانتے تھے۔ میری اسکول میں ولدیت اشرف خان تھی مگر آج انہوں نے ہی کہہ دیا تھا کہ وہ میرے باپ نہیں ہیں' کتنی بڑی مجھے گالی دی تھی۔ کاش امی ہوتیں تو انہیں سے پوچھ لیتی کہ میری شریانوں میں کس شخص کا خون دوڑ رہا ہے۔ اتنی بڑی بات ہونے کے باوجود میری آنکھ سے ایک آنسو نہ نکلا مگر میرا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔

پھر یوں ہوا کہ میں چلتی پھرتی لاش بن گئی' ابا جی نہایت سادگی سے شاہدہ کو بیاہ لائے میں ان کے سامنے نہ جاتی اگر سامنا ہو بھی جاتا تو آنکھیں جھکا کر رستہ بدل دیتی' بہت شرمندہ تھی میں ان سے ساتھ ہی احسان مند بھی۔

میرا سب چلبلا پن دھرا رہ گیا تھا وقت کو تو پنکھ لگے ہوئے ہیں اور جلدی جلدی اڑتا چلا جاتا ہے۔ جب نو سال بعد وقت نے کروٹ بدلی تو میں ایک کالج میں لیکچرار تھی آمنہ کی بی اے کے بعد ابا جی نے شادی کر دی تھی۔ زویا میڈیکل کے فرسٹ پروفیشنل میں تھی جبکہ انور انٹر میں جاوید میٹرک میں اور سعدیہ پانچویں میں تھی۔

اشرف خان کی دوسری بیوی یعنی شاہدہ سے کوئی اولاد نہ تھی مگر اس کے باوجود بھی دونوں بہت خوش تھے۔ ابا جی ہر ماہ مجھے معقول رقم بھجوا دیا کرتے تھے۔ میں بعض مرتبہ سوچتی کہ وہ خود میرے پاس کیوں نہیں آتے' شرمندہ تو میں ہوں شکست خوردہ تو میں ہوں وہ تو فاتح ہیں۔ پھر کیوں نہیں آتے وہ بعض مرتبہ جی چاہتا کہ وہ پہلے کی طرح مجھے پیار کریں کچھ بھی تھا میرا بچپن انہی کی گود میں گزرا تھا اور میں انہیں بہت چاہتی تھی۔ انہی دنوں میرے لیے رشتہ آیا ابا جی راضی تھے مگر میں نے انکار کر دیا کیونکہ میں اپنے آپ کو ذہنی طور پر شادی کے لیے تیار نہ کر سکی تھی۔ ابھی تو مجھے اپنے باپ کا بھی علم نہیں تھا ویسے بھی مجھے مردوں سے سخت نفرت سی محسوس ہوتی تھی۔ ہمارے گھر کا ماحول عجیب گھٹا گھٹا سا رہتا تھا اور پھر ایک روز جب میں کالج سے گھر آئی تو عجیب طرح کا سناٹا گھر کے درو دیوار سے چپکا ہوا تھا اور پھر مجھے نصیبن بوا نے اس سناٹے کی وجہ بھی بتا دی آفس سے آتے ہوئے ابا جی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا اور وہ اسپتال میں تھے۔

”آج اتنی جلدی دفتر سے آرہے تھے؟“ میں نے حیرت سے نصیبن بوا کی طرف دیکھا۔

”پتا نہیں جی۔“ وہ بولی اور پھر میں باوجود خواہش کے ابا جی کو دیکھنے نہ جا سکی۔

ابا جی کو ہسپتال میں پورا ایک ہفتہ ہو گیا تھا' ان کی ٹانگ کی ہڈی بری طرح ٹوٹ گئی تھی اور پلاسٹر چڑھا دیا گیا تھا ہڈی جڑنے کی امید بہت کم تھی ایک روز آمنہ آئی ہوئی تھی تو کہنے لگی۔

”آپا آپ ابا جی کو دیکھنے نہیں گئیں؟“ مجھے امید تھی کہ یہ سوال گھر کا کوئی نہ کوئی فرد ضرور کرے گا مجھ سے اور میں نے اس سوال کے لیے خود کو تیار کیا ہوا تھا۔

”میں گئی تھی۔“ میں نے کہا۔

”کب؟“ آمنہ نے حیرت سے پوچھا۔

”جب ابا جی سوئے ہوئے تھے اور آمنہ جان اتفاق دیکھو کہ میں تین چار بار جا چکی ہوں اور وہ

سوئے ہوئے ملتے ہیں میں واپس آ جاتی ہوں دیکھ کر۔" میں نے ہنس کر کہا۔
"اچھا۔" آمنہ خاموش ہوگئی۔
"مگر ابا جی پوچھتے ہیں کہ ماہم کیوں نہیں آئی؟"
"کیا؟" میں نے حیرانی سے آمنہ کی طرف دیکھا۔
"تو کیا وہ نہیں پوچھ سکتے آخر آپ ان کی بیٹی ہیں۔"
آمنہ نے میرے گلے میں بازو حمائل کر دیے اور تب میرا جی چاہا کہ چیخ چیخ کر کہوں میں اشرف خان کی بیٹی نہیں ہوں مگر جو دل چاہتا ہے وہ ہم کبھی نہیں کر سکتے۔
وقت کے سمندر میں کچھ اور پتھر پڑے ابا جی اب ٹھیک ہو کر گھر آ گئے تھے سب خوش تھے۔ ابا جی کا غسل صحت بڑے شاندار طریقے سے منایا گیا اور پورے نو سال بعد میں نے ان سے صرف اتنا کہا۔
"صحت مبارک ہو اشرف صاحب!" اور آگے بڑھ گئی میں نے یہ تک نہیں دیکھا کہ ان کے دل پر کیا گزر گئی۔

❁......❁......❁

زویا اپنے گھر کی ہوگئی انور کی بھی شادی کر دی گئی اور وہ اپنی بیوی کے ساتھ مڈل ایسٹ چلا گیا۔ جاوید حسن ابدال چلا گیا پورے گھر میں صرف میں اور سعدیہ رہ گئے اوپری حصے میں ابا جی اور شاہدہ رہتے تھے۔ ان کا ہونا نہ ہونا میرے لیے برابر تھا اور پھر ایک روز شاہدہ کی چیخوں سے پورا گھر گونج اٹھا۔ میں کالج جانے کی تیاری کر رہی تھی چیخ سن کر کچھ سوچے سمجھے بغیر میں اوپر آ گئی ایک لمحے کے لیے تو میں اس کمرے میں جاتے ہوئے جھجکی جس سے شاہدہ کے رونے کی آواز آ رہی تھی مگر ہمت کر کے آگے بڑھی واقعی وہ منظر دل دہلا دینے کے لیے کافی تھا آج میری پہچان بھی دم توڑ گئی تھی۔
وہ باپ جس کے نام کا لیبل میں اپنی پیشانی پر چسپاں کیے ہوئے تھی وہ ملک عدم سدھار گیا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر ان کی کھلی آنکھیں بند کیں اور شاہدہ سے لپٹ کر رونے کی کوشش کرنے لگی مگر نہ جانے کیا بات تھی کہ آنسو آنکھوں سے نہ نکل رہے تھے جیسے کہ آنکھوں کا پانی خشک ہو گیا ہو۔ کچھ دن بعد ہی وکیل صاحب ان کا وصیت نامہ لیے آن پہنچے۔
"آپ یہ سب کچھ شاہدہ کے پاس لے جائیں۔"
"مگر ان کی وصیت کے مطابق ان کا سب کچھ آپ ہی کا ہے صرف انشورنس کی رقم شاہدہ بیگم کو ملے گی۔ یہ مکان راولپنڈی والا دو کنال کا گھر شہر میں پانچ دکانوں کی آمدنی یہ آپ ہی کی ہے۔ یہ وصیت انہوں نے جب لکھوائی جب ان کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔"
"جی......!" میں حیرت سے گنگ وکیل صاحب کی باتیں سن رہی تھی۔
"اور یہ لیٹر بھی ہے۔" انہوں نے میرے ہاتھ میں ایک بھاری لفافے کے ساتھ خط بھی تھما دیا۔ میں نے جلدی سے لفافہ چاک کیا اور پھر جوں جوں میں پڑھتی گئی میری آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے چلے گئے لکھا تھا۔
"میری جان ماہم!
میں تم سے سخت شرمندہ ہوں اگر ہو سکے تو اپنے باپ کو معاف کر دو۔ میں نے اپنے اندرونی جذبات کی خاطر تمہاری پروا نہیں کی تمہارے شیشۂ دل کو توڑ دیا۔ میں تمہارا مجرم ہوں ماہم! جبھی تو میں تمہارے پاس تمہارے سامنے آنے سے جھجکتا تھا۔ اگر تم خود میرے پاس آتی تو میں تم سے معافی مانگ لیتا۔ میں نے جھوٹ کہا تھا تم ہی میری بیٹی ہو میری اپنی ہو۔ اس روز پتا نہیں مجھے کیا ہو گیا کہ میں نے تمہیں کسی اور کے نام سے منسوب کر دیا۔ مجھے علم تھا کہ تم میری شادی کی راہ میں رکاوٹ ڈالو گی اور میں جنون کی حد تک شادی کرنے کا خواہاں تھا اور پھر جب میں نے تمہیں اتنے گھٹیا القاب سے نوازا تو تم یقین کرو بعد میں میری کیا حالت ہوئی۔ میرے ضمیر نے مجھے کتنے کچوکے دیئے میں تمہیں بتا نہیں سکتا۔ میرا جی چاہا کہ میں شادی سے انکار کر دوں مگر شاہدہ کے والدین سے بات پکی ہو چکی تھی اور شاہدہ کے باپ کو میں پانچ لاکھ دے چکا تھا۔ پھر میں نے خود کو ایک سزا دی کہ اب مزید

بچے نہیں ہونے چاہئیں سو میں نے اپنا آپریشن کرا لیا تھا۔ تم میری ہر شے کی وارث ہو میں تمہیں دکھی کرنے پر بہت شرمندہ ہوں۔ پتا نہیں خدا مجھے معاف کرے گا یا نہیں کرے گا اور وہ مرنے والی ایسہ وہ تو مجھے کبھی معاف نہیں کرے گی مگر بیٹے تم مجھے ضرور معاف کر دینا تم میری بیٹی ہو تمہارا بدنصیب باپ۔"
"بدنصیب!" میرے لب کپکپا گئے آپ نے اپنے جذبات میں آ کر کتنا غلط فیصلہ کیا تھا۔ ابا جی مجھے میری ہی نظروں میں گرا دیا تھا میں اس کاغذ کے پرزے کو سینے سے بھینچ کر رو دی۔
یہ تو وہ سند تھی ثبوت تھا کہ میرا باپ وہی ہے جس سے میری پہچان ہے۔ شاہدہ بیگم کو میں نے روکنے کی بہت کوشش کی مگر وہ واپس اپنے میکے چلی گئی کتنی بدنصیب عورت تھی وہ جسے کچھ بھی حاصل نہ ہوا تھا اور کتنی بدنصیب تھی کہ سب کچھ حاصل ہونے کے باوجود بھی تہی داماں ہوں۔ ایک دکھ ہے کہ ابا جی جیتے جی مجھے سب کچھ بتا دیتے تو میں ان سے پوچھتی کہ کن گناہوں کی سزا دی ہے مجھے...... مجھے کیوں اتنے سال بے قرار رکھا؟ میں خود سے بھی چھپتی رہی پھر مجھے ایک دم مردوں سے نفرت ہو گئی۔ میری بہنوں اور بھائیوں نے بہت چاہا کہ میری شادی ہو جائے مگر میں نے سختی سے انکار کر دیا جب میرا باپ ہی اپنا نہ ہوا تو دوسرے کسی مرد پر میں کس طرح بھروسہ کرتی سعدیہ کی بھی گزشتہ سال شادی کر دی ہے۔
اور اب سکون سے میں اپنے گھر میں رہتی ہوں بس رابی یہ وجہ ہے شادی نہ کرنے کی۔ تم کچھ اور نہ سمجھنا میں نے رابعہ کی طرف دیکھا جو کہ آنکھوں میں آنسو لیے مجھے ہی دیکھ رہی تھی۔
"ماہم یقین نہیں آتا کہ اپنے اتنے دکھ بھی دیتے ہیں۔"
"رابی جان! آج کل تو جتنے دکھ اپنے دیتے ہیں اتنے اور کوئی نہیں دیتا زخم بھی لگاتے ہیں مگر آہ کرنے کی بھی اجازت نہیں دیتے۔" میں نے کہا۔
"تم نے کبھی بھی اپنے اس دکھ کے بارے میں نہیں بتایا بہت گہری ہو تم۔" رابعہ نے کہا۔
"اگر بتا دیتی تو بدنامی کس کی ہوتی میری نا؟" میں نے مسکرا کر کہا۔
تب ہی بارات رخصت ہونے لگی میں اور رابعہ بھی اپنی کرسیوں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ جانے کا وقت آ گیا تھا پھر میں نے فوزیہ کی امی سے اجازت چاہی اور رابعہ اور اس کے شوہر کے ساتھ میرج ہال سے باہر آ گئی۔
"آپ کو ہم ڈراپ کر دیں گے۔" شکیل بولے۔
"نہیں میں چلی جاؤں گی۔" میں نے دھیرے سے کہا۔
"تم آؤ نا کبھی میرے گھر۔"
"ضرور آؤں گی۔" میں نے حسب معمول وعدہ کیا۔
"دیکھو وعدہ کر کے نبھانا ضرور۔" رابعہ نے ہنس کر چوٹ کی اور پھر گاڑی میں بیٹھ گئی میں نے بھی رکشہ لیا اور اپنے اس گھر کی طرف چل دی جہاں میرے دل کی طرح سناٹے گونجتے ہیں اور میں نے انہیں سناٹوں سے ناتا جوڑا ہوا ہے یہی میرے دکھ سکھ کے ساتھی ہیں اور اب تمام عمر میں نے انہیں سناٹوں کے درمیان وقت گزارنا ہے شاید یہی میری قسمت کا لکھا ہے۔

❁

قسط نمبر 4

میرے خواب زندہ ہیں

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

خاور صاف الفاظ میں حورین سے اپنی محبت کا اظہار کرکے اسے شدید حیرت میں مبتلا کردیتا ہے۔ یہ جان کر اسے بے حد رنج ہوتا ہے کہ اسے فون کالز کرنے والا شخص بھی خاور ہی تھا۔ دوسری طرف احتشام کی بے رخی اپنے عروج پر ہوتی ہے۔ اس کے باہر جانے کے تمام راستے مسدود ہوجاتے ہیں اور تمام رقم بھی ڈوب جاتی ہے۔ ایسے میں سمیر اس کی اس گھٹیا حرکت پر اسے لعن طعن کرتا ہے۔ دوسری طرف خاور اس کے باہر جانے کے تمام انتظامات مکمل کرکے اپنی راہ میں حائل احتشام کو ہٹانا چاہتا ہے تاکہ وہ حورین کو اپنا سکے جبکہ سمیر یہ سب جان کر دنگ رہ جاتا ہے کہ خاور صرف اپنے مطلب کے لیے یہ سب کررہا ہے۔ جلد ہی احتشام اپنے والدین اور حورین کو تنہا چھوڑ کر انگلینڈ چلا جاتا ہے جہاں ایک سخت اور اذیت بھری زندگی اس کی منتظر تھی۔ دوسری طرف خاور اپنی سرگرمیاں مزید تیز کرتے ہوئے حورین کو احتشام کی خودغرضی اور چند روپوں کے عوض حاصل کرنے کی تمام داستان سنا کر اسے اپنی طرف مائل کرنا چاہتا ہے لیکن حورین احتشام کی ہونے والی اولاد کا بتا کر اسے حیران کردیتی ہے۔ ننھی لالہ رخ کی آمد ان سب کی زندگی میں خوشی کی لہر لے کر آتی ہے لیکن احتشام اب بھی اس سے لاتعلق رہتا ہے اور کچھ عرصہ بعد ہی وہ حورین کو طلاق نامہ بھیج دیتا ہے یہ صدمہ حورین کے لیے بے حد تکلیف دہ ہوتا ہے جب ہی حاکم دین اس صدمے سے نڈھال داغ مفارقت دے جاتے ہیں ایسے میں حورین اور کبریٰ بیگم ایک بار پھر تنہا اور بے بس رہ جاتے ہیں۔ گزرتے وقت کے سنگ خاور یہ بات جان لیتا ہے کہ حورین کو اپنانے کے لیے اسے اپنے رویے میں تبدیلی لانا ہوگی جب ہی وہ حورین سے اپنے گزشتہ رویوں پر معافی مانگ لیتا ہے ایسے میں کبریٰ بیگم اس کے سامنے حورین کا پروپوزل رکھتی ہیں۔ جس پر خاور بے حد خوش ہوتا ہے حورین بھی کبریٰ بیگم کے خاموش احتجاج پر ہار مان کر اقرار کرلیتی ہے اور یوں وہ حورین احتشام سے حورین خاور بن جاتی ہے لیکن شادی کے کچھ عرصے بعد ہی خاور کا مکروہ چہرہ حورین کے سامنے آجاتا ہے جب وہ احتشام سے اپنی نفرت کا واضح اظہار کرکے اس کی بیٹی لالہ رخ کو اپنانے سے صاف انکار کردیتا ہے ایسے میں حورین اپنی بیٹی کو فیروزہ بی بی کے حوالے کردیتی ہے اور یوں لالہ رخ مری میں اپنی زندگی کا آغاز کرتی ہے۔ گزرے ماہ و سال میں بائیس سال کا طویل عرصہ گزر جاتا ہے۔ لیکن خاور کی محبت حورین سے برقرار رہتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

......☆☆☆......

"اتنے قیمتی تحفے کی بھلا کیا ضرورت تھی خاور!" حورین آئینے پر ابھرتے خاور کے عکس کو دیکھتے ہوئے انتہائی دلنشیں مسکراہٹ لبوں پر بکھیرتے ہوئے نزاکت سے بولی۔ بے حد خوب صورت اور نفیس ہار سے اٹھتی روشنیاں حورین کے چہرے پر منعکس ہوکر اسے مزید حسین و دلربا بنا گئیں۔ خاور نے اسے اپنی نگاہوں میں جذب کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"جو بیش قیمت اور انمول تحفہ تم نے مجھے آج کے دن دیا تھا اس کے عوض اگر میں تمہارے قدموں میں دنیا بھر کی دولت

ڈھیر کردوں تب بھی اس کا خراج ادا نہ کرسکوں۔"

"آپ تو مجھے مغرور بنا رہے ہیں۔" وہ شرارتی انداز میں بولی تو خاور نے بے ساختہ قہقہہ لگایا۔

"مغرور تو تمہیں ہونا چاہیے مسز خاور! چاند کو شرما دینے والے حسن کی مالک ہو پھر ایک جوان ہینڈسم بیٹے کی ماں ہو اور تمہارا جو شوہر ہے وہ تمہارا دیوانہ ہے۔ جو تمہاری ایک نگاہ التفات پر تمہارے قدموں میں بیٹھا رہتا ہے غرور تو تم پر جچتا ہے میری جان۔"

"اُف خاور! حد ہوگئی مبالغہ آرائی کی بھلا آپ کب میرے قدموں میں بیٹھے رہتے ہیں۔ بزنس اور آفس کے کاموں سے بھلا آپ کو وقت ہی کہاں ملتا ہے اور پھر ورلڈ ٹورز الگ۔" حورین اپنے چمک دار بالوں کو ایک جھٹکا دے کر بولی تو خاور مسکین سی صورت بنا کر گویا ہوا۔

"غم روزگار بیگم صاحبہ! اب پیٹ کا ایندھن بھی تو بھرنا ہوتا ہے۔"

"ہائے یہ مجبوری یہ بے چارگی! بہت ڈرامے باز ہوگئے ہیں آپ۔" وہ ہنستے ہوئے بولی تو اچانک خاور کو وقت گزرنے کا احساس ہوا۔

"میرے خیال میں اب ہمیں باہر چلنا چاہیے سب ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے۔" وہ اپنی کلائی پر بندھی بیش قیمت رسٹ واچ پر نگاہ دوڑا کر گویا ہوا۔

"واقعی باتوں باتوں میں ہم نے دیر لگادی' چلیے باہر چلتے ہیں۔" حورین جلدی سے اٹھ کر بولی پھر دونوں نے باہر کی جانب قدم بڑھادیے۔

❁……❁……❁

ماریہ کلاس لے کر باہر نکلی تو موسم یک لخت بدل چکا تھا ہلکی ہلکی پھوار کے ساتھ سردی کی شدت میں بھی اضافہ ہوگیا تھا اس نے اپنے گرم فر کے اوور کوٹ کے بٹن بند کیے اور اسکارف کو اچھی طرح سیٹ کر کے اپنے دونوں ہاتھ کوٹ کی جیبوں میں ٹھونس لیے اس پل اس نے سیدھا گھر جانے کا ارادہ کیا وہ تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے یونیورسٹی کے گیٹ سے باہر نکلی معاً اسے احساس ہوا کہ کوئی اسے پکار رہا ہے اس نے پلٹ کر دیکھا تو سامنے سے جیسکا بھاگتی ہوئی اسے اپنی طرف آتی دکھائی دی۔

"اوہ ماریہ تھینک گاڈ کے تم مجھے مل گئیں۔" جیسکا اپنی پھولی پھولی سانسوں سمیت تشکر آمیز لہجے میں شستہ انگریزی میں بولی تو ماریہ نے اسے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے دیکھا ڈیپ ریڈ رنگ کی جیکٹ اور بلیک جینز پر وہ بہت کیوٹ لگ رہی تھی ماریہ کو اس کی آنکھیں بے حد پسند تھیں جو نیلگوں مائل اور انتہائی خمار آلود تھیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے یہ آنکھیں ابھی ابھی نیند سے جاگی ہوں۔

"کیوں مجھ سے کوئی خاص کام تھا ڈیئر!" ماریہ مسکراتی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے گویا ہوئی تو جیسکا نے کچھ خفا ہوکر دیکھا۔

"بننے کی ضرورت نہیں ہے ماریہ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ مجھے کیا کام ہے۔"

"اگر تمہارا اشارہ اس کام کی طرف ہے تو وہ کام تم چھوڑ ہی دو تو اچھا ہے۔ میرا بھائی اس دنیا کا سب سے منفرد اور الگ انسان ہے فضول میں اپنا ٹائم اور انرجی ویسٹ کر رہی ہو میری جان!" ماریہ انگریزی میں اسے سمجھانے والے انداز میں بولی تو جیسکا بے پروائی سے کندھے اچکا کر گویا ہوئی۔

"مجھے کون سا ماؤنٹ ایورسٹ فتح کرنا ہے یا کوئی ملک دریافت کرنا ہے میرے پاس ٹائم ہی ٹائم ہے ڈیئر!"

"او کے ڈیئر لگی رہو جیسے تمہاری مرضی۔" یہ کہہ کر ماریہ جانے کو پلٹی تو پیچھے سے جیسکا کی تیز آواز ابھری۔

"پلیز ماریہ تم اپنے بھائی کو میرے لیے کنوینس کرنا اس سے کہنا کہ خوب صورت لڑکیوں کی بددعائیں لے گا تو کہیں چین نہیں ملے گا۔" ماریہ کے ہونٹوں پر جیسکا کی بات پر مسکراہٹ دوڑ گئی وہ مڑے بنا اونچی آواز میں بولی۔

"او کے ڈیئر! کہہ دوں گی۔" پھر ماریہ نے اپنے قدموں کی رفتار تیز کرلی تاکہ جلد از جلد وہ گھر پہنچ سکے۔

❁……❁……❁
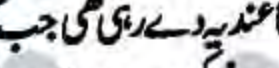
اس کا کام تقریباً ختم ہوچکا تھا آج اسے بے حد تھکن محسوس ہو رہی تھی۔ سامنے دیوار پر لگے قدآور وال کلاک کی جانب اس نے دیکھا جو اس پل شام چھ بجے کا عندیہ دے رہی تھی جب کہ اس لمحے ماحول پر چھایا گمبھیر اور جامد اندھیرا رات بارہ بجے کا سماں پیش کر رہا تھا۔ سیزن نہ ہونے کی وجہ سے ریسٹ ہاؤس میں زیادہ چہل پہل بھی نہیں تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سردی کی شدت میں بھی اضافہ ہو رہا تھا۔ لالہ رخ اپنی سیٹ سے اٹھنے کا قصد کر رہی تھی کہ داخلی دروازے سے انتہائی تیز رفتاری سے مہرینہ کی انٹری ہوئی لالہ رخ اس وقت اسے یہاں دیکھ کر حیران ہونے کے ساتھ ساتھ قدرے برہم بھی ہوئی۔

"مہرینہ کی بچی کچھ تو عقل کے ناخن لو یہ تم اس وقت شتر بے مہار کی طرح کہاں منہ اٹھائے گھومتی پھر رہی ہو۔" وہ اس کی اچھی خاصی کلاس لیتے ہوئے بولی تو مہرینہ حسب معمول فوراً سے پیشتر گویا ہوئی۔

"یار لالہ! ناخن تو میں نے آج ہی کاٹ لیے وہ بھی اماں کی ڈانٹ سے مجبور ہوکر دراصل ان کا سر دباتے ہوئے ان کی ناک پر لگ گیا تھا نا اور تم سے میں نے کتنی بار کہا ہے کہ مہرینہ کی بچی مت بولا کرو مجھے پہلا بیٹا چاہیے۔" وہ شرمانے کی اداکاری کرتے ہوئے دوپٹے کا کونہ دانتوں میں دباتے ہوئے بولی تو لالہ رخ اسے تادیبی نگاہوں سے گھورتے ہوئے گویا ہوئی۔

"شرم تو تمہارے پاس سے چھو کر بھی نہیں گزری۔"

"لو پھر یہ میں اس وقت کتھک ڈانس کر رہی ہوں شرما ہی تو رہی ہوں۔" وہ باقاعدہ آنکھیں ٹپٹپاتے ہوئے بولی تو لالہ رخ نے خاموش رہنے میں عافیت جانی وگرنہ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ مہرینہ کی طرف سے ایسے ہی اوٹ پٹانگ جواب آنے ہیں وہ اپنا بیگ کندھے پر ڈال کر داخلی دروازے کی جانب بڑھ گئی۔ ساتھ ساتھ مہرینہ بھی تھی قدموں کے ساتھ ساتھ زبان بھی نان اسٹاپ چل رہی تھی۔

"بھلائی کا تو زمانہ ہی نہیں ہے ایک تو میں اتنی رات کو سخت سردی میں اپنی قلفی جمانے اور اپنی عزیز جان سہیلی کو لینے یہاں چلی آئی اور یہاں دیکھو لوگوں کے تو مزاج ہی نہیں مل رہے۔"

"تو تمہیں کس عقل مند نے مشورہ دیا تھا کہ اتنی شدید سردی میں ٹارزن بن کر مجھے لینے پہنچ جاؤ وہ بھی اکیلی…… حد کرتی ہو مہرینہ تم بھی اتنی بے پروائی اور دلیری اچھی نہیں ہوتی۔"

"تو تم بھی تو اکیلی ہی گھر آتیں یا پوری بارات کے ساتھ آرہی تھیں؟" وہ طنزاً بولی تو اچانک لالہ رخ کو اپنی اس دوست پر بے پناہ پیار آگیا۔

"بالکل پاگل تو تم ماں ٹھیک کہتی ہیں کہ یقیناً بچپن پر لگی چوٹ نے تمہارا دماغ کھسکا دیا ہے۔ آج چوکیدار نہیں آیا ورنہ وہی مجھے گھر تک چھوڑتا ہے۔"

"ہاں معلوم ہوگیا تھا مجھے بستر پر پڑا پیٹ پکڑے ہائے اوئی کر رہا تھا۔" دونوں اس پل پگڈنڈی سے گزرتے ہوئے زور و شور سے باتوں میں مصروف تھیں جبکہ اطراف میں ہو کا عالم تھا۔

"تمہیں کیسے معلوم ہوا۔" لالہ رخ اسے اندھیرے میں گھورتے ہوئے استفہامیہ لہجے میں بولی تو وہ اپنے مخصوص انداز میں گویا ہوئی۔

"بھئی میں اس کی بیوی سے ملنے گئی تھی بلکہ اس نے مجھے خود بلایا تھا میری پکی مرید ہوگئی ہے وہ۔"

"مہرینہ تم باز نہیں آؤ گی نا۔"

"جاؤ تمہارا گھر آ گیا میں یہیں کھڑی ہوں تم اندر جاؤ شاباش۔" لالہ رخ کا گھر آ چکا تھا مہرینہ رعب دار لہجے میں بولی تو لالہ رخ تپ گئی۔

"میں چھوٹی بچی نہیں ہوں چلی جاؤں گی اندر۔"

"نہیں فوراً میری آنکھوں کے سامنے اندر جاؤ۔" مہرینہ نے اسے آگے کی جانب دھکیلا اور پھر جب لالہ رخ گھر میں داخل ہوگئی تو مہرینہ بھی اپنے گھر کے جانب چل دی جو چند فرلانگ پر تھا۔

❁......❁......❁

باسل پیلس میں اس وقت جشن کا سماں تھا انتہائی پرشکوہ و بلند و بالا عمارت کے وسیع و عریض لان میں گویا دن نکلا تھا رنگ و بو کا گویا سیلاب سا امڈ آیا تھا۔ شہر کی معروف شخصیات اور خوب صورت لڑکیوں کے قہقہوں سے سجی محفل گزرتی رات کے ساتھ ساتھ مزید جم رہی تھی آرکسٹرا پر انتہائی دلکش دھن اور بیش قیمت گلاسوں کے ردھم نے عجیب سا سماں باندھ دیا تھا آج ملک کے معروف بزنس ٹائیکون خاور حیات کے اکلوتے بیٹے باسل حیات کی سال گرہ تھی خاور نے شہر کے انتہائی پوش علاقے میں یہ جدید اور منفرد طرز کا پیلس اپنے بیٹے کے لیے بنوایا تھا جو اس کی زندگی کا محور و مرکز تھا جس سے وہ بے پناہ محبت کرتا تھا اس کے ایک اشارے پر پوری کائنات اس پر لٹانے کو تیار باسل اپنے باپ کے برعکس انتہائی پرکشش شخصیت کا مالک تھا۔ قد و قامت اس نے اپنے دادا کا لیا تھا جب کہ رنگت و خوب صورتی اس نے اپنی ماں حورین سے چرائی تھی وہ محض بائیس سال کا تھا مگر اپنی اٹھان کے سبب وہ ستائیس اٹھائیس سال کا بھرپور مرد لگتا تھا۔ خاور حیات کو اپنے بیٹے پر بے حد ناز تھا وہ اس کا فخر اس کا غرور تھا۔

"مبارک ہو مسز خاور! آپ کو اپنے بیٹے کا جنم دن۔" مسز فیروز حورین کے سراپا کا بھرپور جائزہ لیتے ہوئے مصنوعی خوش اخلاقی سے بولیں آنکھوں میں حسد و جلن کے رنگ لیے مگر چہرے پر مسکراہٹ سجائے وہ مزید گویا ہوئیں۔

"لگتا نہیں ہے مسز خاور کہ آپ ایک جوان بیٹے کی ماں ہیں۔" جواباً خاور حیات جو ایش گرے بیش قیمت ڈنر سوٹ میں ڈارک گرے ٹائی لگائے حورین کے پاس ہی کھڑا تھا قہقہہ لگا کر بولا۔

"مسز فیروز میری سوئٹ وائف کو نظر مت لگا دیجیے گا۔"

"آہ اگر ہمیں بھی آپ جیسا لونگ ہزبینڈ ملتا تو میں آپ سے دعوے سے کہہ سکتی ہوں مسٹر خاور آپ کی وائف کو ہم پیچھے چھوڑ دیتے۔"

"اس دنیا میں کوئی ایسا ہے ہی نہیں جو میری بیوی کے آگے ٹھہر سکے۔" سانولی رنگت اور عام سے نین و نقوش کی مالک مسز فیروز جو قدرے فربہی مائل تھیں ان کی بات پر خاور نے انتہائی تیقن آمیز لہجے میں کہا تو وہ انتہائی بدمزہ سی ہوگئیں۔

"ارے حورین! سمیر اور ساحرہ بھابی آ گئیں' آؤ میرے ساتھ۔" خاور سمیر اور ساحرہ کو داخل ہوتے دیکھ کر مسز فیروز سے ایکسکیوز کر کے وہاں سے ہٹ گئے۔

"اونہہ نجانے موصوفہ اپنے آپ کو کیا سمجھتی ہیں' قلوپطرہ یا ملکہ الزبتھ۔" مسز فیروز انتہائی جل کر خود سے بولیں پھر چہرے پر بناوٹی مسکراہٹ سجا کر دوسری جانب مڑ گئیں۔

شگفتہ برکت علی

السلام علیکم! آل ریڈرز اینڈ رائٹرز' آنچل اسٹاف کو خلوص دل سے سلام آپ سب ہمیشہ خوش رہو۔ ماہ بدولت کا نام شگفتہ ہے۔ 13 مارچ 1996ء کو اپنے گھر کو رونق بخشی' اپنے ابو کی اور ایک بھائی کی بہت لاڈلی ہوں۔ آنچل 2005ء میں میرے ہاتھ میں آیا اور ابھی تک اس کا اور میرا ساتھ نہیں چھوٹا اور ان شاء اللہ نہ کبھی چھوٹے گا۔ رائٹرز میں راحت وفا اور سمیرا شریف طور حد سے زیادہ پسند ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہر خوشی نصیب فرمائے اور انہیں اسی طرح آنچل کی رونق بنائے رکھے' آمین۔ میرا فیورٹ ہیرو کرکٹر احمد شہزاد ہے جو مجھے بہت زیادہ پسند ہے' سنگر میں مجھے جینیفر لوپس اور ارمینڈر گل بہت پسند ہیں۔ پسندیدہ کلر بلیک ہے' کھانے میں الحمدللہ تمام چیزیں ہی شوق سے کھاتی ہوں لیکن سب سے زیادہ ٹنڈے پسند ہیں۔ دوست میرا صرف آنچل ہی ہے جو میرے ہنسنے کی بھی وجہ ہے اور رونے کی بھی۔ اور بھی دوستیں ہیں لیکن آنچل سے زیادہ قریب کوئی نہیں' فائزہ حلیم خان' عائشہ رفیق' فاطمہ (مرحوم)' نصرت فاطمہ میری بہت ہی اچھی مجھ سے محبت کرنے والی دوست ہیں۔ زوہا' اقن (ارفع)' پری (شہوار) میری کیوٹ کیوٹ سی بھتیجیاں ہیں اور زانو (زین) کوکو (توصیف) میرے بہت ہی گھلو گھلو سے بھتیجے ہیں' کسی بھی ڈائجسٹ میں میری پہلی انٹری ہے' آخر میں دعا گو ہوں آنچل دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے آمین۔

"یہ وقت ہے تمہارے آنے کا' ارے تم تو گھر کے لوگ ہو اتنی دیر کیوں لگائی؟"

"بس یار تم تو جانتے ہو وہ کورین پروجیکٹ میری جان عذاب کیے ہوئے ہے کچھ کام میں الجھ گیا تھا۔" سمیر خاور کو وضاحت دیتے ہوئے بولا پھر حورین کی جانب متوجہ ہو کر گویا ہوا۔

"بھابی ہمیشہ کی طرح آج بھی آپ ہی پوری محفل پر چھائی ہوئی ہیں۔" سمیر کے توصیفی الفاظ ساحرہ کو بری طرح جھلسا گئے ساحرہ بھی کچھ کم حسین اور وضع دار نہیں تھی مگر حورین کے سامنے اس کی دلکشی ہمیشہ ماند پڑ جاتی تھی جس طرح سونے کے سامنے پیتل اور ہیرے کے آگے کانچ کی وہ ہمیشہ ہی حورین کے بے داغ اور معصوم حسن سے خائف اور کمپلیکس کا شکار رہتی تھی اور خوامخواہ میں اس کے سامنے اپنی بڑائی اور قابلیت جھاڑنے کی کوشش کرتی تھی جب وہ بلیک بیش قیمت ساڑھی پر بلیک ہی اسٹون والا سیٹ پہن کر انتہائی دلکش میک اپ سے اپنے تیکھے نین و نقوش کو مزید خوب صورت بنا کر بڑی تمکنت سے سمیر کے سنگ نکلی تو اسے اس بات کا بھرپور یقین تھا کہ اس کے قاتل حسن کا مقابلہ آج کوئی نہیں کر سکے گا مگر حورین کے حسن کی مشعل کے آگے اس کی خوب صورتی تو محض دیا سلائی کی لو ثابت ہوئی تھی۔

"سمیر بھائی! ساحرہ بھابی بھی کچھ کم نہیں لگ رہیں' لگتا ہے کہ آپ کی قریب کی نظر کچھ کمزور ہوگئی ہے۔" حورین سمیر کے ریمارکس پر ہنستے ہوئے بولی تو ساحرہ کے چہرے کے نقوش تن گئے۔ حورین نے محض ایسے ہی بات کی تھی مگر ساحرہ کو لگا جیسے وہ اسے نیچا دکھانے کی کوشش کر رہی ہے۔

"اونہہ صرف خوب صورتی اور حسن کس کام کا یہ تو چوک پر بھیک مانگنے والیوں اور گھروں پر کام کرنے والی ماسیوں کے پاس بھی ہوتا ہے اصل چیز تو ذہانت اور قابلیت ہے۔" شکر تھا کہ خاور اس وقت کسی کے متوجہ کرنے پر وہاں سے چلا گیا تھا ورنہ ساحرہ کو کرارا سا جواب دے دیتا جب کہ ساحرہ یہ کہہ کر وہاں رکی نہیں دوسری جانب مڑ گئی مگر سمیر اچھا خاصا شرمندہ ہو گیا ابھی وہ کچھ کہتا کہ یک دم حورین نے ماحول کی کثافت اور سمیر کی شرمندگی کو ختم کرنے کی غرض سے استفسار کیا۔

"سمیر بھائی فراز اور کامیش کو تو کبھی ہمارے گھر لائیے نا' ماشاء اللہ بہت اچھے اور فرماں بردار بچے ہیں آپ کے۔" اپنے بیٹوں کا نام سن کر سمیر کے ہونٹوں پر بڑی دلکش مسکراہٹ دوڑ گئی۔ فراز اور کامیش شاہ دونوں سمیر کے بازو تھے۔

"بھابی آپ کو تو پتا ہے نا آج کل کے بچوں کی اپنی ہی الگ دنیا ہوتی ہے۔ فراز کے دوست کی آج شادی ہے لہٰذا وہ وہاں گیا ہوا ہے اور کامیش اپنے کام میں مصروف تھا۔" سمیر نے اپنے بیٹوں کی بابت بتایا تو حورین مسکرانے لگی۔
"مما پلیز کم ہیئر۔" یک دم باسل نے اسے دور سے پکارا تو حورین سمیر سے ایکسکیوز کر کے وہاں سے چل دی جب کہ سمیر شاہ بھی آگے بڑھ گیا۔

❁......❁......❁

لالہ رخ جب گھر میں داخل ہوئی تو زرتاشہ کو منہ پھلائے اِدھر اُدھر کاموں میں مصروف پایا وہ سمجھ گئی کہ آج پھر امی سے اس کی بحث و تکرار ہوئی ہے وہ محض ایک گہری سانس بھر کر رہ گئی۔
"تم آ گئیں بیٹا! جلدی سے ہاتھ منہ دھولو میں کھانا لگا رہی ہوں۔" امی نے اسے دیکھ کر اطمینان کا سانس لیتے ہوئے عجلت میں کہا وہ جب تک گھر میں داخل نہیں ہو جاتی تھی انہیں پریشانی لاحق رہتی تھی۔ لالہ رخ اثبات میں سر ہلا کر اپنے اور زرتاشہ کے مشترکہ کمرے کی جانب بڑھ گئی تھوڑی دیر میں جب واپس آئی تو امی دسترخواں پر کھانا لگا چکی تھیں۔
"امی ابا نے کھانا کھا لیا کیا؟"
"ہاں آج انہوں نے جلدی کھانا کھا لیا' دن میں ٹھیک سے کھایا نہیں تھا۔"
"ابا کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں۔" وہ فکرمندی سے گویا ہوئی۔
"اللہ کا شکر ہے ٹھیک ہے بس ذرا دن میں کھانے کی خواہش نہیں ہو رہی تھی تم کھانا تو شروع کرو۔"
"اور زرتاشہ......؟"
"چھوڑو اس کو پتا نہیں کیا الٹا سیدھا شام کو کھا لیتی ہے رات کو پھر بھوک ہی نہیں لگتی اسے۔" امی خاصے تپے ہوئے لہجے میں بولیں تو لالہ رخ نے مسکرا کر کھانا شروع کر دیا تھوڑی دیر بعد زرتاشہ گرما گرم بھاپ اڑاتی چائے کے تین کپ ٹرے میں سجائے چلی آئی۔ ڈارک پرپل رنگ کے گرم شلوار سوٹ میں روٹھی روٹھی سی زرتاشہ لالہ رخ کو اس پل بہت پیاری لگی۔
"تاشو تم رات کا کھانا کیوں نہیں کھاتیں۔"
"چھوڑو لالہ کھانے پینے کو اور بھی غم ہیں زمانے میں کھانے کے سوا۔" زرتاشہ چڑے ہوئے لہجے میں بولی تو امی نے اسے فہمائشی نگاہوں سے گھورا۔
"اچھا یہ بات تجھے اس وقت یاد نہیں آتی جب تُو پکوڑے سموسے اور چپس وغیرہ سے پیٹ بھر رہی ہوتی ہے۔"
"اُفوہ امی اب ایسا بھی کیا ہو گیا۔" زرتاشہ جز بز ہو کر بولی پھر لالہ رخ کی جانب دیکھتے ہوئے منہ بسور کر گویا ہوئی۔
"لالہ تم امی کو سمجھاؤ نا کہ کراچی کوئی سات سمندر پار نہیں ہے صرف چند گھنٹوں کا سفر ہے جہاز میں اور ٹرین کا سفر بھی بس ایک دن کا ہے۔"
"معلوم ہے مجھے اتنی جاہل اور کم عقل نہیں ہوں میں۔"
"تو پھر امی مجھے اجازت دے دو نا۔" وہ یک دم ان کا گھٹنا تھام کر بولی تو امی نے بے بسی سے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا پھر اچانک لالہ رخ کو دیکھتے ہوئے بولیں۔
"دیکھ رہی ہو اس کی ضد ارے اس باؤلی کو یہ سمجھاؤ کہ یہ لڑکی ذات ہے میں بھلا اتنی دور کراچی وہ بھی تن تنہا اسے کیسے پڑھائی کے لیے بھیج دوں۔"
"امی کراچی یونیورسٹی شہر کی بہت معروف اور اچھی یونیورسٹی ہے وہاں لڑکیوں کے رہنے کے لیے گرلز ہاسٹل بھی موجود

نازیہ کنول نازی کی اداسیوں کے نام

باغ ارم میں کنول نازی مہکے
مثل عندلیب سدا ہی یہ چہکے
ماں کو ملیں سندیسے خوشی کے
سچ کی وکالت کرے دل میں رہ کے
ہزاروں دلوں پر یہ جھومر سجائے
سادگی والی ڈولی کی لہروں میں بہہ کے
گزرے جدھر سے یہ مہکیں فضائیں
آسماں چومنے آئے بادل بھی مہکے
کوثر کی میٹھی دعاؤں کے صدقے
اتارے پرت یہ ہر چھپی تہہ کے

کوثر خالد...... جڑانوالہ

ہے۔ دور دراز علاقوں سے لڑکیاں وہاں پڑھنے آتی ہیں۔" لالہ رخ کھانے سے فارغ ہو کر چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے سہولت سے بولی تو اس بات پر زرتاشہ کی باچھیں کھل گئیں جب کہ امی نے اسے تادیبی نظروں سے دیکھا۔
"تم بھی اس کی ہمنوا ہو گئیں لالہ!"
"امی میں تو صرف آپ کو بتا رہی ہوں کہ وہاں اور بھی بہت سی لڑکیاں اکیلی پڑھنے کے لیے آتی ہیں وہاں ان کی حفاظت اور تحفظ کا بہت اچھا انتظام ہوتا ہے اور اسی حوالے سے یونیورسٹی کی ریپوٹیشن بھی بہت اچھی ہے۔" زرتاشہ نے مری کے کالج سے ہی انٹر پاس کیا تھا اسے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا بے حد شوق تھا اور کراچی یونیورسٹی میں داخلہ اس کی زندگی کا دیرینہ خواب تھا۔ لالہ رخ زرتاشہ کی اس خواہش بلکہ اس کے جنون سے بخوبی واقف تھی وہ بھی یہی چاہتی تھی کہ زرتاشہ اپنے خوابوں کو پورا کرے اعلیٰ تعلیم حاصل کرے وہ اسے عزیز بھی تو بے حد تھی مگر امی اسے اتنی دور وہ بھی اکیلے بھیجنے پر قطعاً راضی نہیں تھیں۔
"لو بھلا بتاؤ یک نہ شد دو شد۔" امی لالہ رخ کی بات سن کر قدرے غصے سے بولیں تو لالہ رخ ان کے قریب کھسک آئی اور ان کے دونوں ہاتھوں کو تھام کر محبت سے بولی۔
"اچھا آپ اس بات کی ٹینشن مت لیں میں زرتاشہ کو سمجھاؤں گی۔" لالہ رخ کی بات پر زرتاشہ نے اسے شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھا پھر تیزی سے اٹھ کر وہاں سے چلی گئی۔
"دیکھا تم نے...... دیکھا اس لڑکی کے انداز کو بھلا یہ ماننے والی ہے؟" امی زرتاشہ کے اس طرح وہاں سے چلے جانے پر لالہ رخ سے طنزاً بولیں تو اس نے ایک گہری سانس کھینچی پھر انتہائی نرمی سے گویا ہوئی۔
"امی اس نے اپنی زندگی میں صرف ایک ہی خواب دیکھا ہے اور وہ یہ کہ شہر کی بڑی یونیورسٹی سے اعلیٰ ڈگری حاصل کرے۔"
"جانتی ہوں بیٹا! میں اسے کتنا شوق ہے آگے پڑھنے کا اور شہر کی یونیورسٹی میں جانے کا مگر میں بھی کیا کروں ماں ہوں اس کی آخر کیسے اتنا دور اسے اکیلے پڑھنے کے لیے بھیج دوں اگر خدانخواستہ کل کلاں کو کوئی اونچ نیچ ہو گئی تو۔"

"امی آپ منفی باتیں مت سوچیں ان شاءاللہ ایسا کچھ نہیں ہوگا۔"

"اپنے دل کو میں کیسے سمجھاؤں میرا دل نہیں مان رہا بس۔" لالہ رخ کی بات پر وہ قطعیت سے بولیں تو لالہ رخ نے بھی فی الحال اس موضوع پر مزید بات کرنا مناسب نہیں جانا سو فوراً بولی۔

"اچھا چھوڑیں اس بات کو اب آپ آرام کریں‘ سردی بھی کافی بڑھ گئی ہے اور پھر آپ بھی صبح سویرے اٹھ کر کاموں میں لگ جاتی ہیں۔" امی نے لالہ رخ کو پیار بھری نگاہوں سے دیکھا جو بلیک کھدر کے شلوار سوٹ میں بادامی شال اوڑھے بہت پیاری لگ رہی تھی۔

"اللہ ہر والدین کو تمہاری جیسی نیک اور احساس رکھنے والی بیٹی عطا کرے نجانے میں نے ایسی کون سی نیکی کی تھی جو قدرت نے تمہیں میری جھولی میں ڈال دیا۔" امی نے بے ساختہ اسے اپنے سینے سے لگا کر حلاوت آمیز لہجے میں کہا تو ان کے وجود سے اٹھتی ممتا کی خوشبو اور گرمی محسوس کرکے لالہ رخ مسرور سی ہوگئی۔

"میں بھی تو کتنی خوش نصیب بیٹی ہوں جسے آپ جیسی ماں ملی ہیں جو چراغ لے کر تو کیا سورج لے کر بھی ڈھونڈنے سے نہ ملے۔" وہ ان سے لپٹے لپٹے فخر سے بولی تو امی دھیرے سے مسکرادیں۔

❁......❁......❁

سونیا کا ہنس ہنس کر برا حال تھا ہنستے ہنستے اس کی خوب صورت بادامی آنکھوں میں پانی آ گیا تھا۔

"او مائی گاڈ فراز! روحیل کی آنٹی نے تو ہمیں ہنسا ہنسا کر لوٹ پوٹ کردیا‘ ان کی باتیں ہی اتنی فنی تھیں کہ میں تمہیں کیا بتاؤں اور بے چارہ روحیل کتنا جھینپ رہا تھا۔"

"ہوں ویسے اس طرح کا پیس ہر خاندان میں ایک نہ ایک تو ضرور موجود ہوتا ہے۔" فراز شاہ نے سہولت سے ڈرائیونگ کرتے ہوئے اپنے ہمراہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی سونیا کو دیکھتے ہوئے کہا جو آف وائٹ فینسی میکسی پر نازک سی جیولری پہنے چہرے پر سوفٹ سا میک اپ کیے انتہائی دلکش لگ رہی تھی۔

"تم بالکل صحیح کہہ رہے ہو فراز وہ شہناز آنٹی وہ بھی تو اسی طرح کی باتیں کرتی ہیں نا۔" سونیا ایک ادا سے اپنے شہد آگیں بالوں کو جھٹکتے ہوئے بولی فراز شاہ اور سونیا خان اس وقت اپنے فرینڈ اور کلاس فیلو کی شادی کی تقریب اٹینڈ کرکے آرہے تھے۔ فراز شاہ سمیر شاہ کا بیٹا اور سونیا ساحرہ کی بھانجی تھی دونوں شہر کی معروف یونیورسٹی میں ایک ساتھ پڑھتے تھے دونوں کزن ہونے کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے کے بہت اچھے دوست بھی تھے۔

"ویسے شادی کا ارینجمنٹ بہت اچھا تھا اور روحیل بھی بہت ہینڈسم لگ رہا تھا۔" فراز نے گاڑی کا موڑ احتیاط سے کاٹتے ہوئے اپنی رائے دی۔

"ہاں نو ڈاؤٹ‘ فنکشن بہت فنٹاسٹک تھا مگر مجھے روحیل کی برائیڈ نے کچھ خاص اپیل نہیں کیا۔"

"کیوں مجھے تو وہ کافی ڈیسنٹ اور گریس فل سی لگی۔"

"او کم آن فراز! وہ تو بالکل پینڈو اور بے وقوف سی لگ رہی تھی‘ ماتھے تک تو اس کا دوپٹہ آرہا تھا بس گھونگھٹ نکالنے کی دیر تھی اور زمین پر نگاہیں ایسے گاڑھے ہوئے تھی جیسے دیکھنے کی صلاحیت سے ہی محروم ہو۔" فراز کی بات پر وہ منہ بنا کر بولی تو فراز ہنستے ہوئے گویا ہوا۔

"مائی ڈیئر سونیا! وہ ٹریڈیشنل دلہن تھی جب کہ آج کل کی دلہنیں کافی ماڈرن ہوگئی ہیں سر پر تو دور وہ گلے میں بھی دوپٹہ نہیں ڈالتیں اور مہمانوں سے زیادہ وہ باتیں کرتیں اور قہقہے لگاتیں دکھائی دیتی ہیں۔"

"اونہہ مگر وہ ڈپلومیٹ تو نہیں ہوتیں یہ بھی ایسے ہی پوز کررہی تھی۔ تم اسے دیکھنا اگلے دن تمہیں یہ کتنی بولڈ نظر

آئے گی۔"

"تمہیں گھر چھوڑنا ہے نا؟" فراز نے سونیا کی بات پر دھیان دیے بنا استفسار کیا۔

"کیوں کہیں اور لے جانے کا موڈ ہے کیا؟" سونیا شرارت سے بولی‘ فراز نے یونہی پوچھ لیا تھا۔ سونیا کے جملے پر چونکا۔

"جی نہیں میڈم کہیں لے جانے کا موڈ نہیں ہے‘ صبح کیمپس لازمی جانا ہے اور اس وقت رات کے دو بجنے والے ہیں۔" موسم سرما کی آمد ہوچکی تھی لہٰذا سڑک پر اس وقت ٹریفک بھی برائے نام تھا۔ فراز شاہ تیزی سے گاڑی دوڑا رہا تھا۔

"او کے باس جیسے آپ کی مرضی۔" سونیا فرماں برداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کندھے اچکا کر بولی تو بلیک رنگ کے ڈنر سوٹ میں بلو ٹائی لگائے فراز شاہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

❁......❁......❁

بارش کے بعد ٹھنڈ کی شدت میں خاطر خواہ اضافہ ہوگیا تھا مگر فل ہیٹڈ اپارٹمنٹ میں اس پل بہت خوش گوار ماحول تھا ماریہ بھاپ اڑاتی کافی کے گھونٹ بھرتے ہوئے چینل سرچنگ میں مصروف تھی جب ہی ابرام نے لاؤنج میں قدم رکھا۔ ماریہ نے اپنے بڑے بھائی کو مسکراتی نگاہوں سے دیکھا جو اس سلیپنگ گاؤن میں ملبوس شاید ابھی ابھی نیند سے بیدار ہوا تھا۔ ابرام نے سرخ ڈوروں والی آنکھوں سے ماریہ کو صوفے پر براجمان پایا تو سست روی سے چلتا ہوا اس کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔

"لگتا ہے ابھی بھی آپ کی نیند پوری نہیں ہوئی۔"

"ہوں تم ٹھیک کہہ رہی ہو ڈیئر! مجھے ابھی بھی نیند آرہی ہے۔" ابرام جمائی لیتے ہوئے بولا۔

"تو آپ اٹھ کیوں گئے آرام سے سوتے رہتے نا۔"

"اس سیل فون کی بپ نے مجھے جگا دیا مائی سسٹر! جسے میں سائلنٹ پر کرنا بھول گیا تھا۔" ابرام سائمن کرسچن والدین کا بیٹا تھا مگر اس گھر میں رہنے والے لوگ زیادہ تر اردو ہی بولتے تھے۔ مغربی ناک نقشے والا ابرام روانی سے اردو بول کر لوگوں کو حیران کردیتا تھا۔ ماریہ کو اس کا انداز گفتگو بے حد پسند تھا۔

"اوہ ویری سیڈ۔" ماریہ بخوبی جانتی تھی کہ ایک بار ابرام کی نیند خراب ہوجاتی تھی تو پھر بہت مشکل سے اسے دوبارہ نیند آتی تھی۔ ابرام صوفے کی بیک پر سر رکھ کر آنکھیں بند کرکے بیٹھا تو ماریہ نے فوراً ریموٹ اٹھا کر ٹی وی کا والیوم بالکل کم کردیا۔

"اٹس او کے ماریہ! میں سو نہیں رہا تم والیوم بڑھا سکتی ہو۔" وہ یونہی آنکھیں بند کیے بولا تو ماریہ یک دم مسکرادی پھر استفہامیہ انداز میں بولی۔

"آپ کے لیے مزے دار سی کافی بنا کر لاؤں؟" جواباً ابرام نے نفی میں سر ہلایا تو ماریہ خاموش ہوگئی پھر معاً کچھ یاد آنے پر شرارتاً گویا ہوئی۔

"ابرام برو! آپ کے لیے ایک خوب صورت سے لڑکی کا میسج ہے۔"

"کیا میسج ہے؟" وہ ہنوز اسی پوزیشن میں بیٹھا گویا ہوا۔

"اس خوب صورت سی لڑکی نے کہا ہے کہ خوب صورت لڑکیوں کی بددعا مت لو۔"

"ہوں مجھے تو بددعا لینے کا بھی ٹائم نہیں ہے۔"

"اُفوہ برادر! ٹائم نکالنے سے ملتا ہے آپ پلیز تھوڑا سا ٹائم جیسکا کے لیے بھی نکالیں وہ بہت اچھی ہے۔"

”آئی نوشی از......“

”تو آپ اسے ہرٹ کیوں کرتے ہیں؟“

”میں اسے ہرٹ نہیں کرتا ڈیئر! دراصل میرے پاس ٹائم نہیں ہے جیسکا کو دینے کے لیے۔“ اس بار ابرام آنکھیں کھول کر سیدھے ہوکر بیٹھتے ہوئے بولا ماریہ کا منہ لٹک گیا۔

”وہ روز آپ کے بارے میں مجھ سے پوچھتی ہے آپ کو بہت لائک کرتی ہے۔ آپ کے ساتھ ٹائم گزارنا چاہتی ہے آپ پلیز تھوڑا ٹائم اس کو دیجیے نا۔“ بلو جینز پر میرون لانگ کرتی پہنے سیاہ بالوں کی اونچی سی پونی ٹیل بنائے ماریہ کو ابرام نے محبت بھری نگاہوں سے دیکھا جو اسے پوری دنیا میں سب سے زیادہ عزیز تھی اور اس وقت ملتجی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی ابرام یک دم مسکرا دیا۔

”اوکے مائی لونگ سسٹر! صرف تمہاری خاطر میں جیسکا کے لیے ٹائم مینج کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔“

”اوہ یو آر گریٹ برادر! آئی لو یو۔“ ماریہ انتہائی خوش ہوکر اس کے بازو سے لپٹتے ہوئے بولی تو ابرام نے اس کی سر پر ہلکی سی چپت رسید کی۔

”اب جلدی سے اٹھو اور میرے لیے بلیک کافی بنا کر لاؤ۔“

”میں بس ابھی لائی۔“ ماریہ فوراً اٹھی اور کچن کی جانب چل دی جب کہ ابرام پاس دھرے ریموٹ کو اٹھا کر چینل سرچنگ کرنے لگا۔

❁......❁......❁

حورین نے خانساماں کی مدد سے ناشتا تیار کیا وہ خاور اور باسل کے لیے ہمیشہ خود اپنے ہاتھوں سے ہی ناشتا بناتی تھی خانساماں نے جب میز سجادی تو حورین نے ایک طائرانہ نگاہ میز پر ڈالی اور پھر مطمئن ہوکر مڑی ہی تھی کہ سامنے سے خاور حیات آتا دکھائی دیا۔

”ارے آج آپ خود ہی آگئے میں آپ کو بلانے ہی آرہی تھی۔“ حورین خاور کو دیکھ کر فریش انداز میں مسکراتے ہوئے بولی۔

”ہم نے سوچا کہ آج ہم خود ہی چلے جائیں اپنی وائف کو زحمت نہ دیں۔“

”خیال رکھنے کا شکریہ۔“ وہ سر تسلیم خم کرتے ہوئے بولی تو خاور مسکرا دیا پھر ناشتے کی میز کی جانب بڑھتے ہوئے گویا ہوا۔

”آپ کے صاحب زادے ابھی تک نہیں آئے‘ کیا یونیورسٹی جانے کا پروگرام نہیں ہے موصوف کا؟“

”جی جناب کچھ ایسا ہی پروگرام ہے ان کا‘ مجھ سے رات ہی کہہ دیا تھا کہ صبح انہیں نہ جگایا جائے کل رات کی پارٹی میں کافی تھک گیا تھا۔“ ڈارک گرین رنگ کے اسٹائلش سے شلوار سوٹ میں حورین کافی نکھری نکھری سی لگ رہی تھی۔ خاور حیات نے اسے خاص نظروں سے دیکھا۔

”ہوں کل کا فنکشن کافی لیٹ ہوگیا تھا‘ باسل کا برتھ ڈے ورکنگ ڈیز میں جو آگیا ورنہ ہفتہ کی رات میں بے فکری ہوتی ہے۔“

”آپ بھی تو رات کافی تھک گئے تھے مگر آپ آفس کا آف نہیں کرسکتے نا۔“ حورین ٹی پاٹ میں سے خاور کے لیے کپ میں چائے نکالتے ہوئے مصروف سے انداز میں بولی۔

”ارے اگر آپ کہیں تو ہم بھی آج چھٹی کرلیتے ہیں۔“ وہ اس کے قریب جھکتے ہوئے بولا تو حورین جھینپ سی گئی۔

”مجھے معلوم ہے کہ آپ کا آفس جانا کتنا ضروری ہے طبیعت کی خرابی میں بھی آپ آف نہیں کرتے۔“

”بس ذرا باسل تھوڑا میچور ہوجائے اور اس کی پڑھائی مکمل ہوجائے تو میں اسے اپنے بزنس میں شامل کرلوں گا پھر مجھے بھی کچھ ریلیف مل جائے گا۔“ وہ چائے کا کپ اٹھا کر ایک سپ لیتے ہوئے بولا پھر قدرے توقف کے بعد گویا ہوا۔

”میں چاہتا ہوں باسل ابروڈ جا کر مزید اسٹڈی کرے۔“ خاور کی بات پر حورین نے کافی چونک کر اسے دیکھا۔

”مگر خاور وہ یہاں بھی تو شہر کی مشہور یونیورسٹی میں پڑھ رہا ہے جو ایروڈ سے ہی ملحق ہے۔“

”آئی نو حورین! مگر باہر جا کر اسٹڈیز کرنے کی بات ہی دوسری ہوتی ہے۔“

”آپ جانتے ہیں خاور کہ وہ ہم دونوں سے کتنا اٹیچڈ ہے میرا خیال ہے وہ کبھی اس بات کے لیے راضی نہیں ہوگا۔“

”ہوں اٹیچڈ تو ہم دونوں بھی اس سے بہت ہیں مگر اس کے برائٹ فیوچر کا سوال ہے۔“ حورین کی بات پر خاور پُرسوچ انداز میں بولا تو حورین پریشان سی ہوکر گویا ہوئی۔

”خاور میں باسل کے بغیر رہنے کا تصور بھی نہیں کرسکتی‘ وہ ایک آدھ مہینہ اپنے دوستوں کے ساتھ گھومنے پھرنے چلا جاتا ہے تو مجھ سے ایک ایک دن کاٹنا مشکل ہوجاتا ہے نہ کہ ملک سے باہر بھجوانا۔“

”تمہاری طرح میں بھی باسل سے دور نہیں رہ سکتا مگر......“ وہ بولتے بولتے رکا پھر سر جھٹک کر بولا۔

”چلو اس بارے میں ہم بعد میں ڈسکس کریں گے ابھی تو مجھے آفس کے لیے دیر ہورہی ہے پلیز مجھے بریڈ پاس کرو۔“ حورین نے خاور کی بات پر اپنی توجہ ناشتے کی جانب مبذول کرلی۔ لیکن اپنی سوچوں کو نہیں جھٹک سکی تھی۔

❁......❁......❁
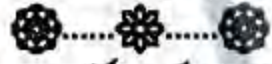
یخ بستہ صبح نے لالہ رخ کو لحاف کے اندر دبکنے پر مجبور کردیا‘ کل رات ہونے والی برف باری نے سردی کی شدت میں مزید اضافہ کردیا تھا اس وقت اس کا گرم گرم بستر سے نکلنے کو دل ہی نہیں چاہ رہا تھا وہ بلی کی طرح سکڑی سمٹی لحاف میں دبکی ہوئی تھی جب ہی کسی نے انتہائی بے دردی سے لحاف اس کے اوپر سے کھینچا تھا یک دم سردی کی تیز ترین لہر نے اسے چیخنے پر مجبور کردیا تھا۔

”کیا مصیبت ہے یہ؟“ لالہ رخ نے اپنے مقابل مہرینہ کو ایستادہ پایا تو منہ بنا کر بولی یہ کارستانی اسی کی تھی جواب دانت نکوس رہی تھی۔

”مہرینہ کی بچی اندر کروا اپنے یہ خوفناک دانت سخت زہر لگ رہی ہو اس وقت مجھے لاؤ دو میرا لحاف۔“ لالہ رخ نے تلملا کر بولتے ہوئے بستر سے اٹھ کر مہرینہ کے ہاتھوں سے لحاف جھپٹا۔

”اور تم مجھے اس وقت شہد لگ رہی ہو بلکہ میٹھا گڑ‘ دل چاہ رہا ہے کھا جاؤں۔“ لالہ رخ ہنوز منہ بنائے یونہی لیٹی رہی جب کہ اسی پل مہرینہ نے دوبارہ لحاف اس کے وجود سے کھینچ لیا۔

”مہرینہ میں تمہارا قتل کردوں گی اگر اب میرے لحاف کو تم نے ہاتھ بھی لگایا تو۔“ وہ تو جیسے مرنے مارنے پر اتر آئی تھی مگر مہرینہ اس کے تیوروں سے متاثر ہوئے بناء کمر پر ہاتھ ٹکا کر بولی۔

”تمہیں کام پر نہیں جانا کیا یا سارا دن پلنگ توڑتی رہوگی؟“

”تم میری بیوی بننے کی کوشش مت کرو سمجھی! ابھی صرف آٹھ بجے ہیں میں ساڑھے نو بجے تک آفس جاتی ہوں اب مزید کچھ کہنا ہے۔“ وہ دانت کچکچا کر بولی۔

”ارے باؤلی اتنا سہانا موسم ہے تم یوں بستر میں گھس کر برباد کررہی ہو چلو ہوا خوری کے لیے باہر چلتے ہیں۔“ مہرینہ بولتے بولتے کمرے کی کھڑکی کی جانب آئی اور تیزی سے پردے ہٹا کر اس کی جانب مڑی لالہ رخ کو اس کی دماغی

حالت پر اس پل شبہ سا ہوا اس نے انتہائی اچنبھے سا سے دیکھا۔
"تم پاگل تو نہیں ہوگئی اتنی سخت سردی میں ہم باہر ہوا خوری کے لیے جائیں گے تو سیدھا اللہ کو پیارے ہوجائیں گے مہرینہ کبھی تو عقل سے کام لیا کرو۔"
"ایویں اللہ کو پیارے ہوجائیں گے پہلے تو ہم اپنے میاں کو پیارے ہوں گے۔" وہ لجاتے ہوئے بولی تو لالہ رخ کو ہنسی آ گئی۔
"اُف کتنا شوق ہے تمہیں شادی کا۔" لالہ رخ گرم اونی سوئٹر جلدی جلدی پہنتے ہوئے بولی وہ جانتی تھی کہ مہرینہ اب اسے مزید سونے نہیں دے گی۔
"میرے شوق سے زیادہ میری ماں کو شوق ہے میرے بیاہ کا اور انہوں نے بول بول کر میرے اندر بھی شادی کا ارمان جگا دیا ہے۔" مہرینہ تھوڑا بے مزہ ہوکر بولی لالہ رخ نے اس پل اسے بغور دیکھا۔ مسٹرڈ رنگ کے گرم شال والے سوٹ میں بلیک سوئٹر پہنے اپنے خوب صورت لمبے بالوں کو سلیقے سے چوٹی میں قید کیے وہ کچھا بجھی ا بجھی لگی۔ مہرینہ لالہ رخ کی ماموں زاد بہن ہونے کے ساتھ ساتھ بچپن کی ساتھی بھی تھی۔ معصوم سادہ سے ذہن کی مالک مخلص وہم درد مہرینہ بھی زرتاشہ کی طرح پڑھنے کی بے حد شوقین تھی مگر اس کے والد لڑکیوں کی تعلیم کے سخت خلاف تھے لہٰذا بمشکل وہ میٹرک ہی کر سکی تھی وہ خود تو پڑھ نہیں سکی مگر چاہتی تھی کہ اس کی شادی پڑھے لکھے نوجوان سے ہو۔
"اور تم تو جانتی ہو نا کہ میں کسی پائلٹ یا ڈاکٹر سے ہی شادی کروں گی۔" وہ لہک کر بولی تو لالہ رخ بے اختیار مسکرانے لگی۔
"مگر مہرینہ باجی آپ کو یہ ڈاکٹر یا پائلٹ مری جیسے چھوٹے سے علاقے میں ملے گا کہاں؟" زرتاشہ کمرے میں داخل ہوتے ہوئے ہنس کر بولی۔
"بھئی میری شرط پائلٹ اور ڈاکٹر کی ہے مری والے کی نہیں وہ کہیں سے بھی آ سکتا ہے کراچی لاہور سری لنکا افریقہ وغیرہ وغیرہ۔"
"اچھا تو پھر لگے ہاتھوں یہ بھی بتا دو کہ پائلٹ کس چیز کا ہو۔"
"کیا مطلب؟" لالہ رخ کی بات پر مہرینہ بھنویں اچکا کر بولی۔
"مطلب یہ کہ بس اور ٹرک چلانے والا بھی تو پائلٹ کہلاتا ہے میرا مطلب ہے زمینی پائلٹ۔"
"اور ڈاکٹر کون سا والا ہونا چاہیے جانوروں والا یا انسانوں والا۔" لالہ رخ کی بات پر زرتاشہ نے مزید ٹکڑا لگایا۔
"اُف تم دونوں بہنیں کتنی کند ذہن کی مالک ہو میرا مطلب ہوائی جہاز کے پائلٹ سے ہے اور ڈاکٹر بھی انسانوں والا ہو ویسے دانتوں والا بھی چلے گا۔"
"تو پھر ڈاکٹر اسرار کے بارے میں کیا خیال ہے تمہارا۔" لالہ رخ فوراً بولی تو مہرینہ نے جواباً اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا جب کہ زرتاشہ سے اپنی ہنسی ضبط کرنا مشکل ہوگئی۔
"وہ...... وہ ڈاکٹر اسرار بھینگا ٹھرکی بڈھا دانت کے بجائے داڑھ نکال دیتا ہے۔ تکلیف سائیڈ کے دانت میں ہو وہ بائیں دانت پر ہتھوڑے برسانے لگتا ہے اور تو اور ابھی پچھلے عرصے اس نے تیسری شادی بھی رچالی ہے۔"
"چوتھی کی گنجائش ہے ابھی مہرینہ باجی ہمارے مذہب میں چار شادیوں کی اجازت......" مہرینہ کو انتہائی خطرناک تیوروں سمیت ڈریسنگ ٹیبل سے پنسل کا گل دان اٹھاتے دیکھ کر زرتاشہ نے فوراً باہر کی جانب دوڑ لگائی جب کہ لالہ رخ اچھی خاصی گھبرا گئی۔

"ہم...... میں تو مذاق کر رہی تھی مہرینہ جانو اتم دیکھنا میں خود اپنی سہیلی کے لیے بہت اسپیشل دلہا تلاش کروں گی۔" مہرینہ کو اپنی جانب بڑھتا دیکھ کر لالہ رخ جلدی جلدی بولی وہ تو شکر ہوا کہ اسی وقت امی نے کمرے میں قدم رکھا تو مہرینہ ان سے سلام دعا میں لگ گئی اور لالہ رخ موقع پاتے ہی جھپاک سے باتھ روم میں گھس گئی۔

❁......❁......❁

کافی شاپ کے گرم ورومانوی ماحول میں اس وقت خاطر خواہ رش تھا مختلف کپلز مدھم روشنی میں آپس میں خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ ابرام اور جیسکا نے کھڑکی کے ساتھ موجود کونے کی میز کا انتخاب کیا تھا۔ جیسکا ابرام کی قربت میں بہت خوش و پُر جوش دکھائی دے رہی تھی۔ ابرام نے ماریہ کے کہنے پر آج جیسکا کے لیے ٹائم نکالا تھا اس کی تیاری آج خصوصی تھی وہ اپنے مقابل بیٹھے ابرام کو انتہائی نشیلی نگاہوں سے تکے جا رہی تھی۔
"ابرام تم ماریہ کو بہت زیادہ چاہتے ہو نا۔" جیسکا نے اس سے استفسار کیا ابرام نے اس سوال پر جیسکا کو مسکرا کر دیکھا پھر اثبات میں سر ہلا کر جواب دیا۔
"ہاں میں ماریہ کو اس دنیا میں ہر چیز سے زیادہ پیار کرتا ہوں۔"
"وہ تمہاری اکلوتی سسٹر ہے نا۔"
"ہاں وہ میری اکلوتی سسٹر ہے اور واحد دوست بھی اور مجھے اس دنیا میں سب سے زیادہ عزیز بھی۔"
"اوہ ماریہ تو بہت لکی ہے۔"
"نہیں لکی تو میں ہوں جسے ماریہ جیسی بہن ملی۔" جیسکا کی بات پر ابرام دلکشی سے بولا تو جیسکا نے تائیدی انداز میں سر ہلایا پھر کافی کا بڑا سا گھونٹ بھر کر کہا۔
"میرے خیال میں ماریہ اس دنیا کی پہلی لڑکی ہے جسے تم چاہتے ہو۔"
"ہاں یہ تم کہہ سکتی ہو۔"
"ابرام میں...... دراصل میں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔" جیسکا مناسب لفظوں کو ترتیب دیتے ہوئے ابرام کو دیکھتے ہوئے آہستگی سے بولی جب کہ ابرام نے پوری توجہ سے جیسکا کی طرف دیکھا۔
"ابرام آئی لائک یو...... ان فیکٹ آئی لو یو......" اس کی بات پر ابرام دھیرے سے مسکرا اٹھا جیسکا نے اس کی سبز مائل آنکھوں میں دیکھا جہاں کسی بھی قسم کا جذبہ مفقود تھا وہ کچھ مایوس سی ہوگئی۔
"جیسکا اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تم بہت اچھی لڑکی ہو اور کسی بھی انسان کے لیے تم بہت اچھی لائف پارٹنر ثابت ہو سکتی ہو مگر...... ایم سوری وہ انسان میں نہیں ہو سکتا۔" وہ سہولت سے بولا تو جیسکا نے اسے استفہامیہ نگاہوں سے دیکھا۔
"جب میں اچھی لڑکی ہوں اور اچھی لائف پارٹنر بھی ثابت ہو سکتی ہوں تو وہ انسان تم کیوں نہیں ہو سکتے ابرام۔" اس نے ابرام کے میز پر دھرے ہاتھ پر اپنا نازک موی رکھتے ہوئے کہا۔
"میری فیوچر پلاننگ میں شادی جیسی کوئی چیز فی الحال شامل نہیں۔" وہ کندھے اچکا کر بے پروائی سے بولا۔
"شادی کا تو میرا بھی فی الحال کوئی پروگرام نہیں مگر میں تمہاری فرینڈ تو بن سکتی ہوں آئی مین تمہاری گرل فرینڈ۔" وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بے باکی سے بولی مغربی معاشرے میں گرل فرینڈ اور بوائے فرینڈ کے رشتے میں کوئی حدود و قیود نہیں ہوتیں نہ ہی کسی قسم کی روک ٹوک ہوتی ہے اور نہ ہی ان کے تعلق کو معیوب سمجھا جاتا ہے اگر دو لڑکا لڑکی کچھ عرصہ ایک دوسرے کے ہمراہ وقت گزارنا چاہیں تو فرینڈ کے طور پر گزار سکتے ہیں۔ جیسکا کی پیش کش پر ابرام انتہائی دلنشیں انداز میں مسکراتے ہوئے اس کی پیاری سی ناک کھینچتے ہوئے بولا۔

"مائی ڈیئر میں تمہارا اچھا فرینڈ بھی نہیں بن سکوں گا مجھ سے بور ہو جاؤ گی تم۔"

"ایسا نہیں ہوگا ابرام میں بالکل تم سے بور نہیں ہوں گی۔" وہ جلدی سے بولی۔

"پلیز جیسکا ضد مت کرو میرے پاس اپنی ذات کے لیے وقت نہیں ہے تو تمہارے لیے ٹائم کیسے نکالوں گا۔"

"میں تم سے کسی بھی بات کا شکوہ نہیں کروں گی آئی پرامس۔" وہ اپنی گلابی ہتھیلی اس کے سامنے پھیلاتے ہوئے پُرجوش لہجے میں بولی تو ابرام نے چند ثانیے اس کی آنکھوں میں دیکھا پھر اپنے مخصوص انداز میں بولا۔

"اوکے میں تمہارا فرینڈ بننے کو تیار ہوں مگر صرف فرینڈ نہیں۔"

"مجھے منظور ہے۔" وہ تیزی سے بولی پھر اپنا ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولی۔

"فرینڈز......" ابرام نے ایک پل کو جیسکا کے بڑھے ہاتھ کو دیکھا پھر ہنس کر بولا۔

"فرینڈز۔" پھر دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنس دیئے۔

❁......❁......❁

باسل کیمپس کے لان میں نیم دراز اپنے دوستوں کے ساتھ سردی کی دھوپ کے مزے لے رہا تھا اس وقت اسٹوڈنٹس زیادہ تر دھوپ میں بیٹھے خوش گپیوں میں مگن تھے۔ کراچی میں بھی آج کل سردیاں اپنے پورے جوبن پر تھیں اور یہاں کے باسی اس موسم کی رعنائیوں سے بھرپور طور پر لطف اندوز ہو رہے تھے۔

"یار! میڈم رابیل کی کلاس کا ٹائم ہو گیا ہے چل اب اٹھ جا تُو نے تو نیستی پھیلا دی ہے۔" باسل کا دوست احمر سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"ابے چھوڑ یار میرا اس موٹی ناک والی میڈم کی کلاس لینے کا فی الحال کوئی ارادہ نہیں ہے۔" باسل بے مزہ ہو کر ہنوز پوزیشن میں بیٹھے ہوئے گویا ہوا۔

"یااللہ میں یہ کیا سن رہا ہوں میڈم رابیل! جن کے حسن میں کل تک تُو زمین و آسمان کے قلابے ملا رہا تھا وہ آج موٹی ناک والی کیسی ہو گئیں۔"

"باسل نے ناک اب غور سے دیکھی ہو گی نا۔" انس ہنستے ہوئے بولا اس وقت باسل حیات کا پورا گروپ لان میں براجمان تھا۔

"باسل یہ وہی میڈم رابیل ہے جس کے خاطر تُو نے سیکنڈ اسٹینڈرڈ کے حمزہ زمان سے جھگڑا کیا تھا۔"

"تو...... تُو کیا چاہ رہا ہے میں اپنے سے آٹھ سال بڑی میڈم رابیل سے شادی کر لوں کیا؟" باسل نے احمر کو لتاڑا۔

"احمر تُو کیوں میڈم رابیل کے پیچھے پڑ گیا وہ ماڈل اب پرانا ہو چکا ہے۔ مارکیٹ میں اب نیا ماڈل آ گیا ہے یا آنے والا ہے۔" عدیل آنکھ مارتے ہوئے لوفرانہ انداز میں بولا تو احمر کے ہونٹ سیٹی کے انداز میں وا ہوئے۔

"یہ ماڈل اگر پچھلے ہفتے وارد ہو جاتا تو باسل نے کچھ دن پہلے جو میڈم رابیل کو شاپنگ کروائی تھی اس کا خرچ بچ جاتا۔"

"اونہہ مجھے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" احمر کی بات پر باسل حیات بے پناہ بے پروائی سے گویا ہوا۔

"ہاں ہاں میرے چاند جب تیرے باپ کو تیری اس طرح کی شاہ خرچیوں کا پتا چلے گا نا تو وہ تیری طبیعت ہری کر دیں گے سمجھے۔" انس طنزیہ لہجے میں بولا۔

"میں اپنے ماں باپ کا اکلوتا اور لاڈلا بیٹا ہوں ان کی ساری جائیداد کا اکیلا وارث بھی ہوں۔ ڈیڈ میرے لیے ہی تو سب جمع کر رہے ہیں مجھے کسی چیز کی کوئی کمی نہیں ہے میرے یارو۔" باسل نے مغرورانہ لہجے میں کہا ابھی وہ مزید کچھ بات ہی کرتے کہ اسی دم رطابہ ایک لڑکی کے ہمراہ آ دھمکی۔

"گائز تم سب یہاں بیٹھے ہو خیریت ہے میڈم رابیل کی کلاس آج بنک کر دی۔"

"یہ تو تمہارے ہیرو سے پوچھو انہوں نے کلاس نہیں لی تو ہم نے بھی نہیں لی۔" عدیل کی بات پر رطابہ نے باسل کو بغور دیکھا پھر سر جھٹک کر بولی۔

"چھوڑو میڈم رابیل کو باسل ان سے ملو یہ ہے میری کزن نیلم فرمان دبئی سے آئی ہے اور اس نے اسی یونیورسٹی میں ایڈمیشن لیا ہے۔" رطابہ باسل کی سابقہ گرل فرینڈ تھی دونوں نے باہمی رضامندی اور خواہش پر دو ماہ پہلے اپنا تعلق بڑی خوش دلی سے ختم کیا تھا اب وہ دونوں صرف دوست تھے کیوں کہ رطابہ کو دوسرے ڈیپارٹمنٹ کا رامش فاروقی پسند آ گیا تھا اور باسل حیات کو میڈم رابیل بھا گئی تھیں۔ باسل نے نو وارد کو انتہائی گہری نظروں سے دیکھا پنک اور آف وائٹ امتزاج کے پاجامہ قمیص میں بڑا سا دوپٹہ سلیقے سے اوڑھے میک اپ کے نام پر آنکھوں میں باریک سا کاجل لگائے اور نیچرل لپ اسٹک ہونٹوں پر جمائے نگاہیں نیچی کیے وہ کافی خاص لگی باسل کو۔ رنگت اور گھنیری پلکوں والی یہ لڑکی پہلی ہی نگاہ میں متوجہ کر گئی تھی۔

"ہوں نیلم فرمان آپ کا نام تو بہت اچھا ہے۔" باسل حیات بڑی دلکشی سے گمبھیر لہجے میں بولا تو نیلم نے چند پل کے لیے اپنی پلکیں اٹھا کر باسل کو دیکھا پھر شرمگیں مسکراہٹ اپنے ہونٹوں پر بکھیر کر محض "تھینک یو" کہنے پر اکتفا کیا۔

"گائز میرے خیال میں کینٹین چلنا چاہیے مجھے تو بہت سخت بھوک لگ رہی ہے۔" رطابہ نے جلدی سے کہا تو پورے گروپ نے اس کی تائید کی اور پھر اپنی کتابیں سمیٹ کر کینٹین کی جانب چل دیئے۔

❁......❁......❁

سونیا آج یونیورسٹی لیٹ پہنچی تھی سر ابراہیم کی کلاس شروع ہوئے تقریباً دس منٹ ہو چکے تھے اس نے کلاس میں جانے کا ارادہ ترک کیا اور لائبریری کی جانب چلی آئی وہ وہاں بیٹھ کر میگزین بینی کرنے لگی اسی اثناء میں اس کی کلاس فیلو عائزہ وہاں آ دھمکی۔

"اوہ سونیا تم آج اکیلے خیریت تو ہے نا فراز کہاں ہے تم تو فراز کے بغیر نظر ہی نہیں آتیں۔" عائزہ کی بات پر سونیا کے خوب صورت لب مسکرا اٹھے۔ عائزہ بالکل ٹھیک کہہ رہی تھی وہ ہمہ وقت فراز کے ہمراہ رہتی تھی۔

"دراصل آج میں کچھ لیٹ ہو گئی تو کلاس میں جانے کے بجائے یہاں چلی آئی۔"

"ویسے ایک بات تو بتاؤ تم دونوں میں سے پہلے کس نے پرپوز کیا تھا۔" عائزہ اس کے پاس ہی کرسی پر براجمان ہوتے ہوئے گویا ہوئی۔ عائزہ کی بات پر سونیا نے قدرے چونک کر اسے دیکھا پھر بے ساختہ ہنسنے لگی عائزہ نے اسے ہنستے ہوئے تعجب سے دیکھا۔

"تم ہنس کس بات پر رہی ہو؟"

"بس ایسے ہی ہنسی آ گئی۔" وہ میگزین ایک جانب رکھتے ہوئے سہولت سے بولی۔

"تم نے بتایا نہیں کہ فراز نے تمہیں پرپوز کیا تھا یا تم نے اسے؟"

"ہم نے ابھی تک ایک دوسرے کو پرپوز کیا ہی نہیں۔"

"کیا...... مجھے یقین نہیں آ رہا۔" سونیا کے بے پروائی سے کندھے اچکا کر جواب دینے پر عائزہ آنکھیں پھاڑ کر بے یقین لہجے میں بولی۔

"یہ سچ ہے عائزہ ان فیکٹ ہمیں ایک دوسرے کو پرپوز کرنے کی کبھی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی۔"

"اوہ تو اتنا رومانٹک مومنٹ تم دونوں کی زندگی میں ابھی تک آیا ہی نہیں، کم آن یار تم لوگوں کو پرپوز تو کرنا چاہیے تھا۔"

"ہاں تو فراز کون سا کہیں بھاگا جارہا ہے یا میں کہیں غائب ہورہی ہوں پرپوز بھی کرلیں گے۔" عائزہ کی بات پر سونیا بظاہر بے پروا انداز میں بولی مگر عائزہ کی بات اس کے دل کے کسی کونے میں چبھ سی گئی یہ حقیقت تھی کہ فراز نے اسے ابھی تک پرپوز نہیں کیا تھا۔

"میں اب چلتی ہوں کلاس آف ہوچکی ہوگی فراز میرا انتظار کررہا ہوگا۔" یہ کہہ کر سونیا نے اپنا ہینڈ بیگ اٹھایا اور لائبریری سے باہر نکل آئی۔

❀......❀......❀

سمیر شاہ اپنے لیپ ٹاپ میں آفس کا ضروری کام کررہا تھا جب ہی تھکی تھکی سی ساحرہ کمرے میں داخل ہوئی سمیر نے ایک نگاہ اٹھا کر ساحرہ کو اندر آتے دیکھا پھر دوسرے ہی پل وہ لیپ ٹاپ کی اسکرین پر مصروف ہوگیا۔

"اومائی گاڈ...... بہت زیادہ تھک گئی ہوں میں اور سمیر مت پوچھو اتنی گندی اور بدبودار جگہ سے آج میں آرہی ہوں۔"

"میں پوچھ ہی کب رہا ہوں۔" اپنی انگلیوں سے اپنی آنکھوں کو دباتے ہوئے سمیر منہ ہی منہ میں بڑبڑایا تھا ساحرہ چونک کر گویا ہوئی۔

"کچھ کہا تم نے......"

"نہیں میں نے تو کچھ نہیں کہا۔" سمیر ہنوز لیپ ٹاپ میں مگن ہوکر بولا سمیر اور ساحرہ ندی کے دو کناروں کی طرح ساتھ ساتھ زندگی گزار رہے تھے مگر اپنی اپنی ذات کی دلچسپیوں میں مگن و مصروف رہ کر شادی کے کچھ ہی عرصے میں سمیر کو اس بات کا بخوبی اندازہ ہوگیا تھا کہ زندگی اسے شریک سفر کے معاملے میں دغا دے گئی ہے وہ بہت جلد یہ جان گیا تھا کہ ساحرہ اس کے لیے کبھی بھی ایک اچھی لائف پارٹنر ثابت نہیں ہوسکتی ہے اسے صرف اپنی ذات سے پیار تھا اپنی زندگی اپنا لائف اسٹائل اپنی روٹین اور اس معاملے میں وہ کسی کی بھی دخل اندازی برداشت نہیں کرسکتی تھی۔

فراز کی پیدائش پر جب ساحرہ نے خوب واویلا مچایا تھا تو سمیر شاہ بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہوگیا تھا۔ فراز محض سال بھر کا تھا جب قدرت نے ساحرہ کو دوسری بار ماں بننے کا عندیہ دیا تھا حالانکہ ساحرہ نے بھرپور کوشش کی تھی کہ اگلی بار وہ بے خبری میں نہ پھنس جائے مگر جب کسی روح کو اللہ کے حکم سے دنیا میں آنا ہوتا ہے تو وہ آکر ہی رہتی ہے۔ ساحرہ غصے سے آگ بگولہ ہورہی تھی وہ کسی بھی صورت دوسرے بچے کو جنم دینے کے لیے تیار نہیں تھی مگر سمیر تو جیسے اس کے قدموں میں بیٹھ گیا تھا۔

"پلیز ساحرہ میرے بچے کے ساتھ کچھ غلط کرنے کی کوشش مت کرنا میں...... میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ آگے تم جیسا چاہوگی جیسی زندگی گزارنا چاہوگی میں کبھی بھی تمہارے معاملات میں مداخلت نہیں کروں گا۔" وہ لجاجت سے بولتا چلا گیا جب کہ ساحرہ بھی کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی اور پھر کامیش کی پیدائش کے بعد واقعی سمیر شاہ نے اسے ہر طرح کی آزادی دے دی تھی وہ جب چاہے گھر آتی جو دل چاہتا وہ کرتی سمیر بالکل روک ٹوک نہیں کرتا۔ وہ تو اپنے بچوں میں مگن تھا جو اس کا قیمتی اثاثہ تھے پاکستان آکر بھی ساحرہ کے معاملات ویسے ہی تھے بچوں سے اسے کسی بھی قسم کی کوئی دلچسپی نہیں تھی اور اب پچھلے سال اس نے ملک کی ایک نامور این جی او کو جوائن کرلیا تھا جب کہ سمیر کی اپنی الگ دنیا تھی۔ دونوں ایک دوسرے سے منہ پھیرے زندگی کی شاہراہ پر ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔

"اُف میرے خدایا۔ اس ملک میں کتنی غربت اور مفلسی ہے ننگ دھڑنگ بچے خوراک کی کمی کا شکار نحیف و لاغر عورتیں دھوپ اور گرمی کی شدت سے جھلسے مردوں کے سیاہ چہرے ہم جب وہاں خوراک اور گرم کپڑے لے کر گئے تو وہ لوگ اتنی بری طرح اس پر جھپٹے کہ ہمیں تو اپنی جان بچانا مشکل ہوگئی۔" ساحرہ فوراً ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے کے سامنے

بیٹھی اپنے چہرے پر لگے میک اپ کو لوشن کی مدد سے صاف کرتے ہوئے بولی۔

"ہوں مگر فوٹو سیشن تو ہوگیا تھا نا۔" سمیر اپنے کام میں مصروف انداز میں بولا جب کہ اپنے آپ میں مگن ساحرہ سمیر کے لہجے میں چھپے طنز کو سمجھ نہیں سکی وہ ہنوز لہجے میں گویا ہوئی۔

"ہاں بھئی ہم ہمیشہ فوٹو سیشن پہلے ہی کرواتے ہیں ورنہ اس چھینا جھپٹی میں تصویریں کھچوانا کس کو یاد رہتا ہے اور پھر ان تصویروں کے بغیر ہمیں فنڈز کیسے ملیں گے۔"

"ہوں یہ بات تو ہے۔" سمیر نے ہنکارا بھر کر کہا تو ساحرہ فریش ہونے کی غرض سے واش روم کی جانب چلی گئی جب کہ سمیر پوری توجہ سے اپنے کام میں محو ہوگیا۔

❀......❀......❀

گیسٹ ہاؤس کے کمرے میں نئے پردے لگوائے جارہے تھے لالہ رخ اپنی زیر نگرانی تمام کام کروا رہی تھی۔ وہ مری کے ایک گیسٹ ہاؤس میں بطور منیجر کے فرائض انجام دے رہی تھی اپنا کام وہ انتہائی جانفشانی اور لگن سے کرتی تھی۔ گیسٹ ہاؤس کا مالک لالہ رخ کے کام سے بہت خوش تھا اس لیے اس نے لالہ رخ کی تنخواہ میں بھی اضافہ کردیا تھا۔

"میڈم وہ روم نمبر 42 کی کھڑکی کے پردے چھوٹے پڑرہے ہیں آپ پلیز ایک بار آکر دیکھ لیں۔" ایک ملازم لالہ رخ کے پاس آکر بولی وہ ابھی اپنی سیٹ سے اٹھنے کا ارادہ ہی کررہی تھی کہ زرتاشہ گیسٹ روم کے داخلی دروازے سے اندر آتی دکھائی دی وہ کچھ پریشان سی ہوگئی۔

"سب خیریت تو ہے نا تاشو تم اس وقت یہاں کیوں آئیں بابا کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔" زرتاشہ کے قریب آتے ہی وہ عجلت میں گویا ہوئی۔

"افوہ لالہ! تمہیں تو پریشان ہونے کا بس بہانہ چاہیے گھر میں سب ٹھیک ہے مجھے تم سے کچھ بات کرنی تھی۔" زرتاشہ لالہ رخ سے پانچ سال چھوٹی تھی مگر اسے صرف لالہ ہی کہتی تھی لالہ رخ سمجھ گئی کہ وہ اس وقت یہاں کیا بات کرنے آئی ہے اس نے اسے بغور دیکھا پھر سنجیدگی سے بولی۔

"کیا وہ بات گھر پر نہیں ہوسکتی تھی میں کچھ گھنٹوں بعد گھر ہی آنے والی تھی۔"

"نہیں لالہ وہ بات گھر پر نہیں ہوگی بلکہ یہیں ہوگی اور ابھی اور اسی وقت ہوگی۔" زرتاشہ میز پر مکا مار کر ضدی لہجے میں اپنے نتھنے پھلا کر بولی تو بے ساختہ لالہ رخ کو ہنسی آگئی۔

"اچھا بابا زیادہ سلطان راہی بننے کی ضرورت نہیں ہے بولو کیا بات ہے۔"

"تم اچھی طرح جانتی ہو کہ مجھے تم سے کیا بات کرنی ہے۔" وہ چڑ کر بولی تو بے اختیار لالہ رخ نے اپنا سر ہاتھوں میں گرالیا۔

"میں تم دونوں کو ہی سمجھانے کی کوشش کررہی ہوں تاشو! مگر ایک تم ہو جو اپنی ضد سے پیچھے نہیں ہٹ رہی ہو اور امی ہیں جو اپنے دل و دماغ سے وابستہ خدشات سے چھٹکارا حاصل نہیں کرپارہیں۔ تاشو امی ایک ماں ہیں وہ تمہارے لیے فکرمند ہیں تمہیں خدانخواستہ کوئی نقصان نہ پہنچ جائے اسی خوف کے پیش نظر تمہیں کراچی میں داخلے کی اجازت نہیں دے پارہیں تم امی کے جذبات و احساسات کو سمجھنے کی کوشش تو کرو۔" لالہ نے ایک بار پھر اسے سمجھانے کی بھرپور کوشش کی۔

"میں کون سا بارڈر پر جاکر جنگ کرنے کی اجازت مانگ رہی ہوں صرف پڑھنا ہی چاہتی ہوں اور جسے تم میری ضد کہہ رہی ہو لالہ! وہ میرا خواب و جنون ہے۔" بولتے بولتے اس کی آواز میں نمی اتر آئی جسے محسوس کرکے لالہ رخ تڑپ

اٹھی۔ لالہ رخ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر پاس رکھے صوفے پر بٹھایا اور خود بھی اس کے پاس بیٹھ گئی جس کی آنکھوں میں اب آنسو لڈ آئے تھے۔

"اچھا ادھر دیکھو میری طرف۔" لالہ رخ کے کہنے پر زرتاشہ نے روٹھے ہوئے انداز میں منہ دوسری جانب پھیرا تو وہ بے ساختہ مسکرا دی پھر اس کی تھوڑی پکڑ کر رخ اپنی جانب کر کے بولی۔

"اچھا اب رونے کی ضرورت نہیں میں امی سے بات کروں گی اور انہیں راضی کرنے کے لیے پوری کوشش کروں گی اب خوش۔"

"تم سچ کہہ رہی ہو لالہ!"

"سو فیصد سچ صرف...... سچ سچ......" زرتاشہ کے غیر یقینی لہجے کو محسوس کر کے لالہ رخ لفظوں کو جما جما کر بولی تو وہ یک دم بے پناہ خوش ہو گئی۔

"اوہ لالہ یو آر گریٹ، مجھے پتا تھا کہ میری بہن میرا ساتھ ضرور دے گی لالہ! تم اس دنیا کی سب سے اچھی بہن ہو۔" زرتاشہ فرط جذبات سے اس سے لپٹتے ہوئے بولی تو لالہ ہنس کر گویا ہوئی۔

"اچھا اب زیادہ مکھن لگانے کی ضرورت نہیں۔"

"میری بہن تو خود ہی مکھن جیسی نرم اور میٹھی ہے پھر مجھے لگانے کی کیا ضرورت۔" وہ کھلکھلا کر بولی پھر دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنس دیں۔

❁......❁......❁
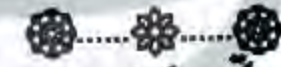
جیسکا ابرام سے دوستی کر کے ہواؤں میں اڑ رہی تھی وہ پچھلے دو سال سے اس سے دوستی کرنے کی کوشش میں مصروف تھی مگر ابرام اس کے ہاتھ ہی نہیں آ رہا تھا یہ تو ماریہ کا احسان تھا جس نے اپنے بھائی کو جیسکا سے ملنے پر تیار کیا تھا۔

"تھینکس ماریہ ڈیئر...... تھینکس آلاٹ صرف تمہاری وجہ سے آج میں اور ابرام دوست ہیں۔"

"اٹس او کے جیسکا! ان فیکٹ تم بہت اچھی ہو میرا بھائی تم سے دوستی کر کے فائدہ میں رہے گا۔" ماریہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"پتا ہے وہ کہہ رہا تھا کہ میں تمہیں ٹائم نہیں دے سکوں گا مگر میں نے کہا نو پرابلم مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے تم مجھ سے دوستی تو کر لو۔" اس وقت وہ دونوں کلاس روم میں بیٹھی تھیں جیسکا ماریہ کی کلاس فیلو ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی اچھی دوست بھی تھی۔

"چلو وہ دوستی پر آمادہ ہوئے آہستہ آہستہ لائن پر آ ہی جائیں گے مگر تمہیں محنت کافی کرنی پڑے گی۔"

"ہوں تم صحیح کہہ رہی ہو یہ بات تو ہے۔" وہ دونوں ابھی باتیں ہی کر رہی تھیں کہ بیل بجنے پر مزید اسٹوڈنٹس کلاس روم میں داخل ہونے لگے ابھی تھوڑی ہی دیر میں سر پال آنے والے تھے وہ دونوں بھی الرٹ ہو کر بیٹھ گئیں۔ سر پال نے آتے ہی حاضری لی اور اپنے اسٹوڈنٹس سے اسائنمنٹ کی بابت دریافت کیا جو گزشتہ دنوں انہوں نے دیا تھا۔

❁......❁......❁

سونیا بظاہر ٹی وی اسکرین پر نگاہیں مرکوز کیے بیٹھی تھی مگر اس پل اس کی سوچ کی پروازیں کہیں اور ہی اڑان بھر رہی تھیں گاہے بگاہے ڈرائی فروٹ اپنے منہ میں ڈالتے ہوئے وہ مسلسل فراز شاہ کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ فراز شاہ اس کی پھوپو ساحرہ کا بڑا بیٹا تھا جسے وہ بے حد پسند کرتی تھی فراز کی سحر انگیز پرسنلٹی سے وہ بے حد متاثر تھی اسے فراز کی باتیں اس کی شرارتیں غرض کہ ہر ادا پسند تھی۔ وہ میڈیکل لائن جوائن کرنا چاہتی تھی مگر صرف فراز کی خاطر اس نے بزنس لائن

جوائن کی تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ وقت فراز شاہ کے ہمراہ گزار سکے آج کل وہ ایک معروف پرائیوٹ یونیورسٹی سے بزنس ایڈمنسٹریشن میں ماسٹرز کر رہے تھے۔ سونیا خان کو اس بات کا پورا یقین تھا کہ فراز شاہ اسے پسند کرتا ہے اس کے ساتھ وقت گزارنا اسے اچھا لگتا ہے اس کی قربت اسے سکون دیتی ہے مگر یہ بھی سچ تھا کہ اب تک فراز نے اسے پرپوز نہیں کیا تھا۔ عائزہ کی باتوں نے اسے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"فراز کو اب تک مجھے پرپوز کر لینا چاہیے تھا، ہو سکتا ہے اسے اس بات کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی ہو مگر اسے پرپوز تو کرنا چاہیے تھا نا۔" وہ اندر ہی اندر خود سے سوال و جواب میں مصروف تھی جب ہی مما لاؤنج میں اس کی جانب چلی آئیں اور برابر میں بیٹھ گئیں جب کہ سونیا ہنوز پوزیشن میں بیٹھی رہی۔

"سونیا آر یو فائن بیٹا!" ان کے مخاطب کرنے پر سونیا اپنے دھیان سے چونکی پھر انہیں دیکھ کر ایک گہری سانس فضا میں خارج کرتے ہوئے بولی۔

"یس مما آئی ایم فائن! بس کچھ سوچ رہی تھی۔"

"کوئی خاص بات ہے کیا مجھ سے شیئر کرو، ہو سکتا ہے میں تمہاری مدد کر سکوں۔" ممی اسے بغور دیکھتے ہوئے نرمی سے بولیں۔

"کوئی خاص بات تو نہیں ہے ممی اچھا ایک بات مجھے بتائیں۔" وہ صوفے پر سے کشن اٹھا کر اپنی گود میں رکھتے ہوئے گویا ہوئی۔

"بولو مائی ڈارلنگ۔"

"ممی آپ کو لگتا ہے کہ فراز مجھے لائک کرتا ہے۔"

"آف کورس ڈیئر! مجھے شیور ہے کہ وہ تمہیں لائک کرتا ہے۔" ممی کے جواب پر سونیا نے اپنے دل میں اطمینان اترتا محسوس کیا۔

"مگر تم یہ سب کچھ کیوں پوچھ رہی ہو؟" وہ قدرے حیرت سے بولیں۔

"وہ ممی فراز نے مجھے ابھی تک پرپوز نہیں کیا آئی نو وہ مجھے لائک کرتا ہے مگر......" بولتے بولتے وہ خود ہی جملہ ادھورا چھوڑ گئی جب کہ فاریہ بیگم ہنسنے لگیں۔

"تمہاری ساحرہ آنٹی بتاتی ہیں کہ اس کا باپ بھی ایسا ہے اظہار کرنے میں بالکل کورا ہے۔"

"اوہ ممی آپ ساحرہ آنٹی کی تو بات ہی مت کریں انہوں نے کب اپنے ہزبینڈ کو لفٹ دی ہے انہیں اپنے چونچلوں سے فرصت کہاں۔" وہ ناک سکیڑتے ہوئے بولی۔

"یہ بات تو ٹھیک کہہ رہی ہو خیر چھوڑو اس موضوع کو۔" وہ سر جھٹک کر پھر قدرے سوچ کر گویا ہوئیں۔

"اگر فراز نے تمہیں پرپوز نہیں کیا تو تم پرپوز کر دو۔"

"ہوں میں بھی یہی بات سوچ رہی تھی ممی!" سونیا نے فاریہ بیگم کو ایک نگاہ دیکھ کر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"او کے تو پھر بیسٹ آف لک بیٹا۔" یہ کہہ کر وہ صوفے سے اٹھ کر کچن کی جانب چل دیں جب کہ سونیا اپنے سیل فون پر آتی کال کی جانب متوجہ ہو گئی۔

❁......❁......❁

فراز شاہ گھر میں داخل ہوا تو ڈنر میز پر لگ چکا تھا امیر شاہ کا اپنے دونوں بیٹوں کے لیے آرڈر تھا وہ سارا دن کہیں بھی مصروف ہوں مگر ڈنر کے وقت وہ تینوں لازمی اکٹھے ہونے چاہیے البتہ ساحرہ اکثر اوقات غائب ہوتی مگر ان تینوں کو اس

بات کی ہمیشہ سے عادت تھی بلکہ ساحرہ کی موجودگی انہیں کسی اچنبھے سے کم نہیں لگتی تھی۔ فراز آج اپنے دوست کے ہمراہ اپنے پروفیسر کے گھر چلا گیا تھا لہٰذا آج گھر آتے آتے لیٹ ہو گیا تھا۔

"اوہ آئی ایم سوسوری پاپا اینڈ کامیش پلیز مجھے پانچ منٹ دیجیے میں ابھی فریش ہو کر آپ لوگوں کو جوائن کرتا ہوں۔" فراز ان کے قریب آ کر تیزی سے بولتا ہوا اپنے کمرے کی جانب بڑھا' سمیر شاہ اور کامیش شاہ دونوں کے چہروں پر مسکراہٹ در آئی حسب معمول ساحرہ ڈنر پر موجود نہیں تھی وہ اپنی این جی او کی ایک ضروری میٹنگ میں گئی تھی جہاں ڈنر کا بھی اہتمام تھا ان کی این جی او کی میٹنگز ہمیشہ فائیو اسٹار ہوٹل میں ہی منعقد ہوا کرتی تھیں تھوڑی ہی دیر میں فراز آف وائٹ ڈھیلے ڈھالے شلوار کرتے پر مسٹرڈ رنگ کی جیکٹ پہنے وہاں چلا آیا اس کے آتے ہی انہوں نے ڈنر اسٹارٹ کر دیا۔

"کامیش تمہارا آگے کا کیا پروگرام ہے مزید اسٹڈیز یہیں کرو گے یا پھر باہر جانا چاہو گے۔" سمیر شاہ چکن کا پیس منہ میں رکھتے ہوئے کامیش کی جانب متوجہ ہو کر بولے فراز بھی کامیش کی طرف دیکھنے لگا۔

"پاپا فی الحال میرا باہر جانے کا کوئی پروگرام نہیں ہے آپ کو تو معلوم ہے کہ مجھے بزنس لائن میں کوئی انٹرسٹ نہیں ہے میں سی ایس ایس کا امتحان دینے کا سوچ رہا ہوں۔"

"اوہ دیٹس گریٹ کامیش تمہارا خیال تو بہت اچھا ہے۔" فراز خوش ہو کر بولا۔

"مگر تم سی ایس ایس کر کے کیا کرنا چاہ رہے ہو بیٹا! کون سی لائن تمہارے ذہن میں ہے جسے تم جوائن کرنا چاہو گے۔" سمیر شاہ نے استفسار کیا۔

"پاپا میں پولیس لائن جوائن کرنا چاہوں گا۔"

"باپ رے باپ میرے بھائی یہ پولیس لائن تمہارے دماغ میں کہاں سے آ گئی پھر تو سارا وقت تم چور مجرموں کے چکر میں گھرے رہو گے۔" پانی پیتے ہوئے کامیش کی بات پر فراز نے چونک کر کچھ الجھے ہوئے لہجے میں کہا جس پر سمیر شاہ نے بھی تائیدی انداز میں سر ہلایا۔

"فراز ٹھیک کہہ رہا ہے کامیش بیٹا! یہ لائن تو کافی مشکل اور پُر خطر ہے اور پھر اس کی ریپوٹیشن بھی کچھ خاص اچھی نہیں۔"

"پاپا ریپوٹیشن بنانے والے ہم ہی لوگ ہوتے ہیں اور پھر ہر ڈیپارٹمنٹ میں اچھے برے لوگ تو ہوتے ہی ہیں' ادارے خراب نہیں ہوتے اسے لوگ برا بنا دیتے ہیں۔"

"یہ تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو کامیش' مگر ہمارے یہاں کا پولیس ڈیپارٹمنٹ کچھ اچھی شہرت نہیں رکھتا' شراب خانے میں تم دودھ کا گلاس لے کر بھی بیٹھو گے تو لوگ تمہیں بھی شرابی ہی سمجھیں گے۔" فراز اسے سمجھانے والے انداز میں بولا۔

"فراز اگر ہم سب اسی طرح سوچنے لگیں تو پھر بے بس مجبور اور ظلم کا شکار لوگوں کی مدد کون کرے گا' انہیں انصاف کون دلائے گا' اصل مجرم اور گناہ گار کی ناک میں نکیل کون ڈالے گا۔" کامیش سنجیدگی سے اپنا نقطہ نظر بیان کرتے ہوئے بولا۔

"مگر کامیش یہ جان جوکھم میں ڈالنے والی ذمہ داری اٹھانے سے بہتر ہے کہ تم کوئی اور شعبہ اختیار کر لو اور بھی بہت سے صاف ستھرے راستے ہیں جنہیں اپنا کر تم مجبور اور لاچار لوگوں کی مدد کر سکتے ہو۔"

"بھلائی اور سچائی کا راستہ ہمیشہ کٹھن اور پُر خار ہوتا ہے میں اپنے ملک کے کام آنا چاہتا ہوں' اپنے لوگوں کی مدد کرنا چاہتا ہوں اور یہ راستہ مجھے بالکل مناسب اور درست لگتا ہے۔" فراز اور کامیش دونوں بھائیوں کی باتیں سمیر شاہ خاموشی سے سن رہے تھے۔

"تمہاری سوچ بہت اچھی ہے کامیش تمہارے ارادے بھی بہت مضبوط اور عزم بے مثال ہے مگر......"

"کامیش بیٹا تم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ تم پولیس ڈیپارٹمنٹ ہی جوائن کرو گے؟" سمیر شاہ جواب تک چپ چاپ دونوں کی گفتگو سن رہے تھے فراز کی بات درمیان میں قطع کرتے ہوئے کامیش سے مخاطب ہو کر گویا ہوئے۔

"یس پاپا! یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔" کامیش قطعیت بھرے لہجے میں بولا۔

"مجھے تم پر فخر ہے شاباش میرے بیٹے میں تمہاری سوچ اور باتوں سے واقعی بہت متاثر ہوا ہوں۔"

"پاپا یہ فاؤل ہے اب مجھے کامیش سے جلن ہو رہی ہے آپ اس کی اتنی ڈھیر ساری تعریفیں کر رہے ہیں' کچھ لفظ اپنے بڑے بیٹے کے لیے بھی ادا کر دیں۔" فراز مصنوعی طور پر برا ماننے والے انداز میں بولا تو سمیر شاہ زور سے ہنس دیئے۔

"اچھا جب پاپا تمہاری تعریف کرتے ہیں تو میں تو جیلس نہیں ہوتا۔" کامیش نے مسکرا کر کہا تو فراز اور سمیر شاہ دونوں زور سے ہنس دیئے۔

❁......❁......❁
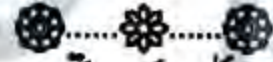
ساحرہ اپنے لگژری آفس کے روم میں بیٹھی کچھ فائلیں دیکھ رہی تھی جب ہی سونیا ہلکا سا ناک کر کے اندر چلی آئی۔

"ہیلو آنٹی!" ڈیپ ریڈ کلر کے اسٹائلش سے شلوار سوٹ میں وہ اس پل بہت فریش لگ رہی تھی شولڈر کٹ بالوں کی اونچی سی پونی بنائے وہ ساحرہ کو بہت کیوٹ لگی۔

"اوہ کیا حیران کن سرپرائز ہے۔" ساحرہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ "کم کم مائی بے بی۔"

"کیسی ہیں آپ آنٹی اور سب کیسا چل رہا ہے؟" سونیا ساحرہ کے گال پر نزاکت سے پیار کر کے اس کے مقابل کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"ایک دم فرسٹ کلاس۔"

"ویسے یہ کام ہے کافی انٹرسٹنگ۔"

"ہوں انٹرسٹنگ تو ہے مگر کچھ رسکی بھی ہے۔" وہ کرسی کی پشت سے سر لگا کر بولی۔

"وہ کیسے؟"

"وہ ایسے ڈیئر!" وہ بولتے بولتے یک دم رکی پھر ٹالنے والے لہجے میں بولی۔ "اس ٹاپک پر ہم پھر کسی اور وقت بات کریں گے تم سناؤ اسٹڈیز کیسی چل رہی ہے اور بھائی بھابی کیسے ہیں؟"

"ممی ڈیڈی بھی سیٹ ہیں اور اسٹڈیز چل نہیں بلکہ دوڑ رہی ہے' دراصل سمسٹرز ہونے والے ہیں۔"

"اوکے گڈ۔ آگے تم اور فراز نے کیا پلان کیا ہے غالباً یہ لاسٹ ائیر ہے تمہاری اسٹڈیز کا پھر تو تم دونوں پریکٹیکل لائف میں آ جاؤ گے۔" ساحرہ نزاکت سے بولی سونیا خود ہی اس موضوع پر بات کرنا چاہتی تھی وہ اپنے اور فراز کے رشتے کو مضبوط کرنے اور دوستی سے آگے بڑھانے میں ساحرہ کی سپورٹ حاصل کرنا چاہتی تھی اور اسی مقصد کے تحت آج وہ یہاں آئی تھی وہ یہ بات بخوبی جانتی تھی کہ ساحرہ اسے بہت لائک کرتی ہے وہ اسے اپنی بہو بنانے میں کوئی اعتراض نہیں کرے گی بلکہ اس معاملے میں وہ اس کی بہترین معاون و مددگار ثابت ہو گی۔

"آنٹی فراز کا تو مجھے معلوم نہیں کہ اس نے آگے کے لیے کیا سوچ رکھا ہے مگر میں تو فی الحال آرام کرنا چاہوں گی اور لائف کو بھرپور طریقے سے گزاروں گی ایم بی اے کی اتنی ٹف پڑھائی نے مجھے کافی بور کر دیا ہے۔"

"ہوں یہ بات تو ہے مگر مائی ڈارلنگ کچھ عرصہ آرام کرنے کے بعد تم تو بور ہو جاؤ گی' لائف میں بزی رہنے کے لیے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑتا ہے نا۔" ساحرہ بولتے ہوئے انٹرکام کی جانب متوجہ ہوئی اور پھر سونیا سے پوچھ کر دو ہاٹ کافی کا آرڈر دیا۔

"آپ کی بات بھی ٹھیک ہے آنٹی! امی تو یہ چاہتی ہیں کہ میں اسٹڈیز کمپلیٹ کرنے کے بعد شادی کرلوں۔" سونیا کی زبانی فاریہ کے خیالات جان کر ساحرہ کو کافی حیرت ہوئی اس کے نقطہ نظر سے تو شادی پیروں کی زنجیر تھی آزادی سلب ہوجانے کا موجب تھی لہٰذا وہ اس بندھن کے حق میں نہیں تھی۔

"مجھے تھوڑا شاکڈ لگا بیٹا! فاریہ کی سوچ تو عام مڈل کلاس ماؤں جیسی ہے بھلا اتنی جلدی شادی کی کیا تک بنتی ہے۔ شادی تو ایک ایسا جنجال ہے جس میں پھنس کر عورت کی تمام آزادی اور زندگی ذمہ داریوں میں گھر کر ختم ہوجاتی ہے۔ شوہر کی جی حضوری کرنے میں اپنی ذات اپنی ہستی مٹ جاتی ہے۔" ساحرہ ایسے بڑھ چڑھ کر بول رہی تھی جیسے اس نے ازدواجی زندگی کی تمام ذمہ داریاں بڑی خوبی سے نبھائی تھیں اور سمیر شاہ نے جیسے اس کی آزادی وخودمختاری کو معطل کردیا تھا۔

"مگر آنٹی آپ نے بھی تو شادی کے بعد اپنی مرضی کی لائف گزاری اور گزار رہی ہیں' سمیر انکل نے تو آپ کو ہر معاملے میں فریڈم دیا ہے۔"

"میں نے یہ سب حاصل کرنے کے لیے سمیر سے کافی فائٹ کی ہے ورنہ وہ بھی عام مردوں جیسی سوچ رکھنے والا روایتی مرد ہے۔" سونیا کی بات پر ساحرہ کا لہجہ جواب دیتے ہوئے آخر میں نخوت آمیز ہوگیا ابھی وہ مزید کچھ کہتی کہ اسی دم ناک کرکے چپراسی بھاپ اڑاتی کافی کے دو مگ ٹرے میں سجائے اندر داخل ہوا اور میز پر رکھ کر واپس چلا گیا۔

"آنٹی اب پہلے والا دور نہیں رہا جب شوہر حضرات بیویوں کو چاردیواری میں مقید رکھنا چاہتے تھے اب تو وہ خود چاہتے ہیں کہ بیویاں ان کے شانے سے شانہ ملا کر چلیں' سوسائٹی میں بولڈلی بی ہیو کریں۔ خاص طور پر ہماری کلاس کے مردوں کو تو میں نے ایسے ہی دیکھا ہے۔" سونیا کافی کا مگ ہاتھ میں اٹھاتے ہوئے بولی تو ساحرہ مسکرا اٹھی۔

"ایک حد تک تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو ہماری کلاس کے مرد تھینک گاڈ تنگ نظر اور دقیانوسی نہیں ہیں تو تم اپنی ممی کے خیال سے متفق ہو ڈیئر؟"

"اب آنٹی میں نے ایسا بھی نہیں کہا۔" وہ خفیف سی ہوکر بولی تو ساحرہ نے بے اختیار قہقہہ لگایا۔

"اوکے مائی ڈارلنگ بے بی! تم مجھے اپنی آنٹی نہیں بلکہ فرینڈ سمجھ کر بتادینا کہ کب تم شادی کے موڈ میں ہو اور کس سے شادی کرنے کی خواہش مند ہو آئی پرامس وہ کوئی بھی ہوگا میں تمہاری شادی اس سے کرواؤں گی۔"

"پرامس کررہی ہیں ناں آپ؟" وہ اسے یاددہانی کراتے ہوئے بولی۔

"آف کورس ڈیئر۔"

"اوکے ڈن۔" سونیا ساحرہ کے جواب پر کھلکھلا کر بولی اور ابھی وہ فراز کا نام لینے ہی والی تھی کہ اسی دم چپراسی حواس باختہ سا دروازہ ناک کرکے جھپاک سے اندر داخل ہوا۔

"وہ میڈم صاحبہ جی پچھلے ہفتے جو رضیہ بی بی آئی تھیں نا اس کی طبیعت بہت خراب ہورہی ہے۔" چپراسی کرم الٰہی کی بات پر ساحرہ کے خوب صورت چہرے پر ناگواری اور بےزاری کے رنگ بکھر گئے۔

"تم دیکھ نہیں رہے اس وقت میرے گیسٹ آئے ہوئے ہیں تم مسز لطیف سے کہو۔"

"وہ جی بیگم صاحبہ تو آدھے گھنٹے پہلے باہر چلی گئی تھیں اور باہر وہ اخبار والی مریم بی بی بھی آئی ہوئی ہیں۔" مریم کا نام سنتے ہی ساحرہ اپنی سیٹ سے اچھل کر یوں کھڑی ہوئی جیسے سیٹ پر ببول کے کانٹے اُگ آئے ہوں۔

"کیا...... جرنلسٹ مریم نور آئی ہوئی ہے ڈفر مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا' عقل کے اندھے ہو تم بالکل...... تم جلدی سے ڈاکٹر صلاح الدین کو فون کرو کہ آکر رضیہ کا چیک اپ کرے۔" وہ کرم الٰہی کو بری طرح جھاڑتے ہوئے بولی پھر تیزی سے

سونیا کی طرف متوجہ ہوکر عجلت میں کہا۔

"سوری بیٹا تھوڑی ایمرجنسی ہوگئی ہے ہم پھر بات کریں گے اس وقت مجھے باہر جانا ہے۔"

"اٹس اوکے آنٹی! کوئی بات نہیں۔" وہ زبردستی مسکراہٹ اپنے چہرے پر سجا کر بولی تو ساحرہ جھپاک سے باہر نکل گئی جب کہ سونیا بھی وہاں سے جانے کے ارادے سے اٹھ گئی۔

❁......❁......❁

"لالہ میں تمہارا سر توڑ دوں گی اگر ایک لفظ بھی تم نے مجھ سے کچھ کہا تو اس وقت میں کسی سے بھی کوئی بات کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"ہائیں مگر کیوں میں تو اتنی خوشی سے تم سے ملنے آئی ہوں' مہرینہ تمہیں مبارک باد دینے کے لیے اب میری پیاری سہیلی پیا دیس سدھارنے والی جو ہے۔" لالہ رخ کی بات پر مہرینہ کا غصے سے برا حال ہوگیا وہ اسے کھا جانے والی نگاہوں سے گھورتے ہوئے دانت کچکچا کر بولی۔

"مجھے تم جیسی دشمن نما دوست سے یہی امید تھی آخر تم نہیں خوش ہوگی تو پڑوسی ہوں گے واہ لالہ تمہارا بھی جواب نہیں۔" مہرینہ کے طنز میں ڈوبے لہجے کو سن کر لالہ بمشکل اپنی ہنسی دبا کر کچھ حیرت بھرے انداز میں بھنویں اچکا کر بولی۔

"تم میری تعریف کررہی ہو یا پھر......؟" قصداً جملہ ادھورا چھوڑا۔

"نہیں نہیں میں بھلا تمہیں برا بھلا کیوں کہنے لگی' تم ہی تو میری سچی خیر خواہ ہو میری ہمدرد میری مخلص سہیلی۔" مہرینہ ہنوز انداز میں کندھے اچکاتے ہوئے گویا ہوئی۔

"تو پھر جلدی سے مجھے مٹھائی کھلاؤ' مہرینہ میٹھا کھانے کا بہت دل چاہ رہا ہے۔" وہ مہرینہ کے بستر پر بے تکلفی سے دراز ہوتے ہوئے تکیہ اپنے سر کے نیچے رکھ کر بولی۔ آج چھٹی ہونے کی بدولت وہ بڑی فرصت سے مہرینہ سے ملنے آئی تھی ورنہ جاب اور پھر گھر کے جھمیلوں میں اسے وقت ہی کہاں ملتا تھا پہلے تو چند ثانیے مہرینہ اسے آگ برساتی نگاہوں سے دیکھتی رہی پھر بے تحاشا تپ کر بولی۔

"زہر نہ لادوں تمہارے لیے' کل ہی ابا چوہے مار زہریلا پاؤڈر لے کر آئے ہیں۔"

"کیا ہوگیا ہے بھئی آخر کیوں اتنے انگارے چبا رہی ہو' ویسے امی بتارہی تھیں کہ کل رات سے تم نے کچھ کھایا پیا نہیں ہے ویسے یقین نہیں آتا تم تو ہر منٹ کے لیے بھی بھوکی نہ رہ سکو کجا کہ رات بھر اور......" مہرینہ کو انتہائی جارحانہ انداز میں اپنی جانب آتا دیکھ کر لالہ رخ اپنا جملہ ادھورا چھوڑ گئی۔

"آج تو میرے ہاتھوں ضائع ہوجائے گی لالہ؟" یہ کہہ کر وہ اس پر جھپٹ پڑی اور تکیہ اٹھا کر اس پر تابڑتوڑ حملے شروع کردیے جب کہ لالہ "ارے ارے" کرتی رہ گئی۔ تھوڑی دیر بعد جب مہرینہ تھک گئی تو اس نے تکیہ لالہ کے منہ پر پٹخا اور نڈھال ہوکر بستر پر ڈھے گئی۔

"مہرینہ کی بچی میں یہ تکیوں کی بمباری کا سبب جان سکتی ہوں جو تم نے مجھ پر کی ہے۔" لالہ رخ اپنے بکھرے ہوئے بالوں کو سمیٹتے ہوئے بولی۔ ڈارک پرپل اور آف وائٹ امتزاج کے گرم شلوار سوٹ میں وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔

"تم ابھی اور اسی وقت نکل جاؤ میرے کمرے سے چلو یہاں سے فوراً چلو شاباش چلتی پھرتی نظر آؤ اب۔"

"بڑی ہی بدتمیز ہو تم ایک تو میں تمہارے گھر مہمان آئی ہوں اور تم مجھے اس طرح بھگا رہی ہو۔"

"اس وقت مجھے تم سخت زہر لگ رہی ہو لالہ! وہاں میرے اماں ابا نے مجھے سولی پر چڑھانے کا ارادہ کرلیا ہے اور یہاں تم میرے ارمانوں کی بربادی کا تماشہ دیکھنے اور قہقہے لگانے آگئی ہو۔" بولتے بولتے آخر میں مہرینہ کا لہجہ بھیگ گیا تو لالہ

رخ تڑپ سی گئی۔

"مہرینہ میری جان میں تو مذاق کررہی تھی تھوڑا تنگ کررہی تھی تمہیں۔" لالہ رخ بے اختیار تیزی سے آگے بڑھ کر اسے گلے لگاتے ہوئے بولی تو مہرینہ جلدی سے بولی۔

"لالہ تم اماں ابا کو سمجھاؤ نا اس آٹھویں فیل راشد سے مجھے ہرگز ہرگز شادی نہیں کرنی وہ تو میری بات سننے کو تیار ہی نہیں ہیں وہ کہہ رہے ہیں کہ لڑکا دیکھا بھالا ہے کماؤ پوت ہے اور بھلا کیا دیکھنا۔"

"میں نے مامی سے بات کرلی ہے مہرینہ! تم ریلیکس ہوجاؤ اب وہ اس رشتے سے انکار کردیں گی۔" لالہ رخ اس کے سر پر چپت رسید کرتے ہوئے اسے ورطۂ حیرت میں مبتلا کرگئی۔

"کیا...... کیا مطلب لالہ!...... مطلب تم نے اماں ابا سے بات بھی کرلی انہیں راضی بھی کرلیا۔" وہ منہ کھولے آنکھیں پھاڑے انتہائی بے یقین لہجے میں استفہامیہ انداز میں بولی۔

"جی جناب جہاں مہرینہ بی بی کے موکل ناکام ہوجاتے ہیں وہاں لالہ رخ کی عقل اور سمجھداری اپنا کام دکھاتی ہے۔" لالہ رخ فرضی کالر جھاڑتے ہوئے اکڑ کر بولی تو مہرینہ نے "ہُرّا" کا نعرہ لگایا۔

"سچ لالہ اور کتنی گھنی ہے تُو کس طرح مجھے ذبح کررہی تھی۔" وہ فرطِ جذبات سے لالہ رخ سے زور سے لپٹتے ہوئے بولی پھر معاً کوئی خیال ذہن میں در آیا تو سر اٹھا کر اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

"مگر اماں سے تم نے بات کب کی اور انہیں قائل کیسے کیا؟"

"آج صبح وہ ہمارے گھر آئی تھیں تمہاری اس نام نہاد بھوک ہڑتال سے کافی پریشان تھیں پھر امی اور میرے سمجھانے پر وہ اس رشتے سے انکار کرنے پر راضی ہوگئیں۔"

"اوہ لالہ! آئی لو یو سچ لالہ تم بہت اچھی ہو۔ پتا ہے کل ساری رات مجھے خواب میں مرغ چھولے نان نہاری اور مصالحہ دار بریانی نظر آتی رہی رائتے کے ساتھ اور اب صبح سے حلوہ پوری اور کچوری کا خیال بے حد ستا رہا ہے۔" بولتے بولتے مہرینہ کے منہ میں پانی آگیا تھا وہ ندیدے پن سے گویا ہوئی تھی۔

"معلوم ہے مجھے تم اتنی دیر تو بھوکی رہ ہی نہیں سکتی۔"

"مگر لالہ یہ زیادتی ہے تم میری بھوک ہڑتال کو نام نہاد قرار دے رہی ہو میں نے سچ میں کل رات سے کچھ نہیں کھایا۔"

"ہاں بابا مجھے معلوم ہے اب باہر چلو مامی نے تمہارے لیے چاول اور ٹماٹر کی چٹنی بنائی ہے اور ساتھ میں گاجر کا حلوہ بھی ہے اور اب مجھے بھی سخت بھوک لگ رہی ہے۔" مہرینہ کی بات پر لالہ رخ عجلت میں بولی تو مہرینہ تیر کی تیزی سے دروازے کی جانب لپکی۔

"تم بھی نا لالہ! مجھے بتایا کیوں نہیں کھانا تیار ہے۔" لالہ رخ اس کے ندیدے پن کو دیکھ کر ہنستے ہوئے مہرینہ کے ساتھ ہی باہر نکل گئی۔

❁......❁......❁
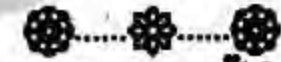
آج اتوار تھا باسل پیلس میں لنچ پر خاصی رونق تھی خاور حیات نے اپنے چند قریبی دوستوں کو انوائٹ کیا تھا جس میں سمیر شاہ اور ساحرہ بھی شامل تھی، کھانے کے دوران سب ایک دوسرے سے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ حورین ہمیشہ کی طرح انتہائی مستعد اور فریش سی سب کو بہت اچھی طرح ڈیل کررہی تھی رائل بلو شرٹ پر آف وائٹ دھاگے کی کڑھائی سے مزین اس پر جدید طرز کا پاجامہ اور بلو ہی بلاک پرنٹ کے دوپٹے پر وہ سب سے خاص اور منفرد لگ رہی تھی ہلکے ہلکے پنک میک اپ اور وائٹ موتیوں کی نازک سی ہلکی جیولری پہنے وہ آج بھی ساحرہ کو حسد میں مبتلا

کرنے کا سبب بن رہی تھی۔

"اونہہ نجانے ایسی کون سی کشش ہے اس حورین میں کوئی اس کے سامنے ٹک ہی نہیں پاتا شاید اس کی آنکھوں کی سحر انگیزی یا چہرے کی ملاحت و معصومیت یا پھر اس کا دلفریب سراپا۔" ساحرہ اسے کن اکھیوں سے دیکھتے ہوئے انتہائی حاسدانہ انداز میں خود سے دل ہی دل میں بولے جارہی تھی۔ وسیع و عریض دلکش سے ڈائنگ ہال میں حورین پھرتی سے ادھر اُدھر پھر رہی تھی۔

"اور سنائیں مسز سمیر آپ کی این جی او کیسی چل رہی ہے سنا ہے وہ لڑکی مہر بانو جو اندرون سندھ سے تعلق رکھتی ہے وہ آپ ہی کے ادارے میں آئی ہوئی ہے۔" ساحرہ نے مسز نعمان کے مخاطب کرنے پر قدرے چونک کر انہیں دیکھا پھر حورین کی جانب سے دھیان ہٹا کر مصنوعی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجا کر بولی۔

"آپ نے ٹھیک سنا ہے مسز نعمان مہر بانو ہمارے ہی پاس ہے۔"

"ویسے یہ مہر بانو والا قصہ میڈیا میں کافی اِن ہوگیا ہے کل رات بھی مختلف چینلوں سے مہر بانو کے حوالے سے کافی نیوز آرہی تھیں۔" مسز عنایت نے بھی اپنے رائے کا اظہار کیا اسی دم حورین بھی ان سب کے درمیان آن بیٹھی تھی۔ کھانے سے فارغ ہوکر مردوں نے اپنی الگ اور خواتین نے علیحدہ بیٹھک جمالی تھی۔

"ہاں اس کیس میں میڈیا بہت انوالو ہوگیا ہے پچھلے دنوں اسی سلسلے میں میرا انٹرویو بھی لیا گیا تھا۔" ساحرہ تفاخرانہ انداز میں گردن اکڑا کر بولی اس طرح کی باتیں کرکے وہ حورین پر اپنی برتری اپنی قابلیت جتانے کی کوشش کرتی تھی وہ حورین کے حسن اس کی پراثر شخصیت سے کچھ خائف اور حسد محسوس کرتی تھی اور اسی بدولت وہ حورین پر اکثر اوقات انتہائی سہولت سے میٹھے لہجے میں طنز کرجاتی تھی مگر جواباً حورین ہمیشہ مسکرا کر رہ جاتی تھی۔

"ویسے مسز سمیر آپ ذرا احتیاط برتیے گا یہ کاروکاری کا معاملہ ہے مہر بانو کو کاری قرار دیا ہے اس کے جرگہ نے اور ان لوگوں کا کہنا ہے کہ ہم مہر بانو کو سزا دے کر رہیں گے۔"

"اونہہ میں اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں سے گھبرانے والی نہیں ہوں مسز نعمان!" ساحرہ مغرورانہ انداز میں بولی پھر تمام خواتین ملازمہ کی ہاتھوں لائی کافی کی ٹرالی اور اس میں رکھے ڈرائی فروٹ کی جانب متوجہ ہوگئیں۔

"سمیر یار میں باسل کو باہر بھجوانا چاہتا ہوں وہاں کی یونیورسٹیز میں وہ زیادہ اچھی ایجوکیشن حاصل کرسکے گا۔" خاور سمیر کے ہمراہ صوفے پر بیٹھا کافی کا سپ لیتے ہوئے بولا۔

"ہوں باسل کا انٹرسٹ کس طرف ہے وہ کہاں ایڈمیشن لینا چاہتا ہے۔"

"باسل کو ابروڈ صرف گھومنے پھرنے اور چھٹیاں گزارنے کی حد تک پسند ہے وہاں رہنا اسے اچھا نہیں لگتا وہ پاکستان میں ہی بہت خوش ہے کہتا ہے کہ باہر کی زندگی بالکل ڈل اور مشینی ہے۔"

"یہ بات تو وہ بالکل ٹھیک کہتا ہے جو بات ہمارے ملک ہمارے کلچر کی ہے وہ باہر کے ممالک میں کہاں۔" خاور کی بات پر سمیر اپنے مخصوص انداز میں 69 بولا خاور مزید کچھ بولتا کہ اسی دم مسٹر نعمان وہاں آگئے اور خاور ان کی جانب متوجہ ہوگیا۔

❁......❁......❁
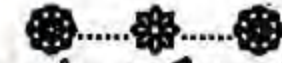
باسل نیلم فرمان کے گرد آج کل پروانہ بن کر گھوم رہا تھا مگر وہ آسانی سے دام میں نہیں آرہی تھی وہ کلاس لے کر باہر نکلا تو اس کا موڈ خاصا خراب تھا کیوں کہ لیکچر کے دوران باسل نے نیلم کو جو اس کے بائیں جانب مکمل اس کی نگاہوں کی رینج میں بیٹھی تھی اسے اسمائل پاس کی تھی مگر دونوں بار اس نے اسے نظر انداز کردیا تھا نیلم کی اس حرکت نے باسل کے اندر

آگ سی لگادی تھی۔

"اونہہ سمجھتی کیا ہے خود کو شامیانہ پہن کر یونیورسٹی آجاتی ہے سر سے دوپٹہ ایسا چپکا رہتا ہے جیسے گوند سے چپکایا ہو۔ ارے جب اتنی مذہبی باحیا ہے تو کسی مدرسے میں داخلہ لے لیتی یہاں ایڈمیشن لینے کی کیا ضرورت تھی۔" وہ زمین پر اپنا دایاں پاؤں زور سے پٹختے ہوئے بولا جب کہ انس عدیل اور احمر حسب معمول اس کے ہمراہ تھے۔

"ابے چھوڑ نا یار مجھے تو اس نیلم فرمان میں کوئی خاص چیز دکھائی نہیں دیتی سوائے اس کی بڑی بڑی آنکھوں کے وہ بھی جب پوری طرح کھولتی ہے تو بڑی خوفناک لگتی ہے تو کیوں اس معمولی سی لڑکی کے پیچھے خوار ہو رہا ہے چل دفع کر اسے تجھے لڑکیوں کی کوئی کمی تو نہیں۔" احمر باسل کے تیور دیکھ کر بےزار کن لہجے میں بولا۔

"ہاں یار اس نیلم سے اچھی تو میری ماسی کی بیٹی ہے جو ہمارے گھر کام پر آتی ہے۔" انس شرارتی لہجے میں گویا ہوا۔

"ہوں تم دونوں ٹھیک کہہ رہے ہو نیلم کے اندر کچھ بھی ایٹی ٹیوڈ نہیں ہے مگر اسے زعم کس چیز کا ہے میں نے یعنی باسل حیات نے اسے لفٹ دی اور اس نے میری توجہ کو اگنور کر دیا۔"

"ایک تو مجھے یہ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تو اس لڑکی کو اتنی اہمیت ہی کیوں دے رہا ہے۔" عدیل کی بات پر باسل نے اسے چند ثانیے دیکھا پھر ایک گہری سانس بھر کر بھاری لہجے میں بولا۔

"یہ حقیقت ہے کہ نہ اس کے نین نقوش پُراثر ہیں نہ قیامت خیز سراپا ہے مگر اس کا مشرقی انداز میرے لیے نیا ہے۔"

"یو مین اس کا بہن جی اسٹائل؟"

"ہاں تم یہ کہہ سکتے ہو۔" احمر کے استفسار پر باسل نے جواب دیا تو وہ کندھے اچکا کر بولا۔

"اوکے برادر تم یہ تجربہ حاصل کرو ہم تمہیں ہرگز نہیں روکیں گے مگر پلیز اس وقت کمپیوٹر سیکشن چلو لائبہ میرا انتظار کر رہی ہوگی یار۔" احمر نے اپنی گرل فرینڈ کا نام لے کر کہا تو وہ چاروں کمپیوٹر سیکشن کی جانب بڑھ گئے۔

❁……❁……❁
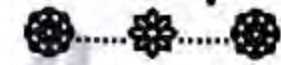
ابرام اپنے لیپ ٹاپ کے ساتھ مصروف تھا جب ہی ماریہ دھیرے سے دروازہ ناک کر کے "یس" کی آواز پر اندر چلی آئی۔ ابرام نے اسے دیکھ کر اسمائل پاس کی وہ ابرام کے قریب رکھے سنگل صوفے پر بیٹھ گئی۔

"آپ کوئی ضروری کام کر رہے ہیں بھائی۔" ماریہ اسے ہنوز لیپ ٹاپ پر نظریں جمائے دیکھ کر بولی۔ ابرام نے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر ایک نگاہ اسکرین پر ڈالی اور اگلے ہی پل اسے سائیڈ پر رکھ کر مسکرا کر گویا ہوا۔

"اب کوئی ضروری کام نہیں کر رہا۔" ماریہ بےاختیار دھیرے سے ہنس دی ابرام کو وہ بلیک رنگ کے سوٹ میں عام سے حلیے میں اس پل ڈل اور کچھ تھکی تھکی سی لگی۔

"کیا ہوا ہنی! کوئی بات ہے کیا آج تم ہمیشہ کی طرح فریش اور ایکٹو نہیں لگ رہی کوئی مسئلہ ہے تو بتاؤ مجھے۔" وہ یک دم پریشان سا ہو کر استفہامیہ لہجے میں بولا تو ماریہ فوراً الرٹ سی ہو کر بیٹھی۔

"اوہو...... کوئی پرابلم نہیں ہے بس آج ذرا تھکاوٹ محسوس ہو رہی تھی اور میں گھر پر بور بھی ہو رہی تھی سوچا آپ سے تھوڑی گپ شپ لگا لوں۔"

"ہوں تم نے بالکل ٹھیک سوچا تمہارا جب دل چاہے میرے پاس آ جایا کرو۔" ابرام مسکرا کر پرخلوص لہجے میں بولا جسے محسوس کر کے ماریہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اور آپ کی اور جیسکا کی دوستی کیسی چل رہی ہے وہ بہت خوش ہے آپ سے دوستی کر کے۔"

"جیسکا اچھی لڑکی ہے ہنی۔"

غزل

میرا نام لے کر گرفت میں وہ دور ہوگیا
جسے کوئی جانتا نہ تھا مشہور ہوگیا
آنکھیں بھیگتی رہی نصیب کی بارش میں
ایسے ہی صحرا ستم بھی عبور ہوگیا
ارے کوئی ابن مریم کو آواز تو دے
قلب ناتواں زخموں سے چُور ہوگیا
جیسے تاریکی میں شمع خورشید ہوتی ہے
ایسے مجھ بے حسیں کے سامنے وہ نور ہوگیا
یہ قوت عشق تھی کہ کہسار شاہ
دو عاشق ملے تو کوہ طور ہوگیا

ثناء کلثوم...... مونہ سیدال

"ہاں وہ تو ہے مگر شاید آپ کو تھوڑی دیر میں پتا چلا۔" ماریہ شرارت سے بولی۔

"میں اس حوالے سے کہہ رہا ہوں ڈیئر کہ وہ میری ذات میں خامیاں نہیں نکالتی اور نہ ہی میرے ٹائم نہ دینے کا شکوہ کرتی ہے میں جب بھی اس سے بات کرتا ہوں وہ مجھے چیئر اپ کرنے کی کوشش کرتی ہے۔" ابرام اس کی شرارت کا مفہوم سمجھتے ہوئے وضاحت دینے والے انداز میں بولا پھر دونوں ادھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ ابرام نے کئی بار اس کے چہرے پر ابھرتی الجھن و پریشانی کی لکیر کو دیکھا مگر قصداً خاموش رہا وہ چاہتا تھا کہ ماریہ خود سے اپنی پرابلم شیئر کرے کچھ دیر بعد جب وہ اسے گڈ نائٹ کہہ کر جانے لگی تو ابرام نے اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے دھیرے سے کہا۔

"ماریہ تم مجھ پر اعتماد کر سکتی ہو۔"

"بھائی میں آپ پر مکمل بھروسہ کرتی ہوں اور ہمیشہ کرتی رہوں گی۔" ابرام کی آواز پر وہ تیزی سے پلٹی اور یقین آمیز لہجے میں بولی۔

"تو پھر وہ کیا بات ہے جو تمہیں اتنا ڈسٹرب کر رہی ہے مگر زبان پر نہیں آ رہی۔" ماریہ نے ابرام کو بغور دیکھا پھر پلٹ کر دوبارہ اسی صوفے پر آ بیٹھی جہاں وہ پہلے بیٹھی تھی چند ثانیے وہ نگاہیں جھکائے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پیوست کیے خاموش سی بیٹھی رہی شاید وہ اپنے ذہن میں جملے ترتیب دے رہی تھی۔ ابرام بغور اس کے چہرے کی جانب دیکھ رہا تھا کشادہ پیشانی کے نیچے خوب صورت کالی آنکھیں گھنیری پلکیں کتابی چہرے پر ستواں کھڑی ناک اور کٹیلے دار ہونٹ سیاہ لمبے بال وہ مکمل طور پر مشرقی حسن کا نمونہ تھی۔

"بھائی آپ تو مام کی نیچر سے واقف ہیں نا وہ جو ایک بار ٹھان لیتی ہیں وہ ہر طور کر کے رہتی ہیں۔" ماریہ کافی دیر بعد چہرہ اٹھا کر ابرام کو دیکھتے ہوئے آہستگی سے بولی۔

"یس آئی نو ویری ویل ہنی! وہ کافی منفرد شخصیت ہیں۔"

"آپ جانتے ہیں نا کہ میری اس وقت کیا عمر ہے؟" ماریہ کی اس بات پر اسے بےساختہ ہنسی آ گئی۔

"ہاں کیوں نہیں ڈیئر! کیا تم مجھ سے اپنی عمر چھپانے کا ارادہ رکھتی ہو۔" وہ ازراہ مذاق بولا تا کہ ماریہ تھوڑی

ریلیکس ہوجائے۔
"تو وئے میرا یہ مطلب نہیں تھا' دراصل مام مجھے ولیم کے ساتھ انگیجڈ کرنا چاہتی ہیں۔"
"ولیم کے ساتھ۔" ابرام تھوڑا چونکا پھر پُرسوچ انداز میں گویا ہوا۔
"وہ بہت اچھا لڑکا ہے آئی تھنک وہ تمہیں خوش رکھے گا۔"
"آئی نو بھائی کہ وہ اچھا لڑکا ہے مگر......" اب کی بار وہ خاصا جھنجھلا کر بولی تھی ابرام نے اسے جانچتی نظروں سے دیکھا تھا۔
"تم کہیں اور انٹرسٹڈ ہو نئی!"
"بھائی! ایسی کوئی بات نہیں۔" وہ تھوڑی خفیف سی ہوئی وہ جس ماحول میں رہتی تھی جہاں کی فضاؤں میں اس کی پرورش ہوئی تھی۔ وہاں آزادانہ طور طریقے تھے مگر وہاں رہنے کے باوجود ماریہ کے اندر ایک مشرقی لڑکی کی مانند فطری شرم و حیا کی روشنی اور خوش بو بدرجہ اتم موجود تھی۔ ابرام نے بے حد حیرت سے ماریہ کے چہرے پر بے اختیار در آئی سرخی کو دیکھا تھا اس پل وہ شرمائی جھینپی سی اس قدر حسین لگی کہ ابرام اسے دیکھتا رہ گیا ایسا نظارہ بھلا اس نے یہاں کی آزاد فضاؤں میں کہاں دیکھا تھا۔
"بھائی دراصل میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی مجھے اپنی تعلیم مکمل کرنی ہے۔"
"یہ بات تم نے مام سے کہی؟"
"میں نے کہی مگر انہوں نے کہا کہ فی الحال منگنی کردیتے ہیں اور پڑھائی مکمل کرنے کے بعد شادی۔"
"ہوں تو تم اس کمٹمنٹ کے لیے بھی تیار نہیں ہو ہے نا۔" ابرام نے ماریہ کی بات سن کر کہا۔
"جی میں اس طرح کا کوئی رشتہ ولیم سے جوڑنا نہیں چاہتی۔" وہ ہموار لہجے میں ابرام کو دیکھنے کے بجائے سامنے کی دیوار کو تکتے ہوئے بولی۔
"یو مین تمہیں ولیم پسند نہیں ہے۔ اوکے میں مام سے بات کرلوں گا تم پلیز ریلیکس ہوجاؤ ڈیئر۔" وہ سہولت سے بستر پر نیم دراز ہوتے ہوئے بولا تو ماریہ نے انتہائی سنجیدہ لہجے میں کہا۔
"ایک بات اور بھی ہے۔"
"ہوں بولو میں سن رہا ہوں۔" وہ آنکھیں موند کر دونوں ہاتھ سینے پر فولڈ کرتے ہوئے سستی بھرے لہجے میں بولا اور پھر جو بات اس کی زبان سے نکلی اس نے جیسے ابرام کے نرم گرم آرام دہ بستر پر جھاڑیاں اُگا دیں۔
"کیا......" وہ تیزی سے آنکھیں کھول کر اپنے بستر سے اچھل کر بیٹھا اس نے ماریہ کو انتہائی اچنبھے سے دیکھا جو اپنی بات کہہ کر نگاہیں جھکائے ساکت سی بیٹھی تھی۔
"کیا کہا تم نے ہنی!" ابرام کو لگا جیسے اس نے سننے میں کوئی غلطی کردی ہو وہ اسے دیکھتے ہوئے گویا ہوا جواباً ماریہ نے سر اٹھا کر ابرام کو دیکھا تھا۔

❁......❁......❁

لالہ رخ جاب سے گھر آئی تو امی کو بستر پر سر لپیٹے محو آرام پایا اس نے ابا کے کمرے میں جھانکا تو وہ بھی غالباً سو رہے تھے۔ لالہ رخ کی چھٹی آف سیزن میں شام کو ہی ہوجاتی تھی ورنہ سیزن کے دنوں میں وہ کبھی آٹھ تو کبھی دس بجے تک گھر میں داخل ہوتی تھی جب کہ اس پل زرتاشہ ڈائجسٹ میں منہ دیئے کہانی پڑھنے میں معروف تھی۔
"تاشو سب خیریت تو ہے امی اس وقت کیوں لیٹی ہیں ان کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔" لالہ رخ متفکرانہ

انداز میں بولی۔
"ہائے لالہ! تم کب آئیں؟"
"تمہیں اس ڈائجسٹ سے فرصت ملے تو تم مجھے دیکھو ناویسے پانچ منٹ پہلے آئی ہوں۔"
"چلو میں کھانا گرم کرلیتی ہوں تمہارے انتظار میں آج کچھ نہیں کھایا میں نے۔" وہ بستر سے اٹھتے ہوئے پیروں میں چپل اڑستے ہوئے بولی تو لالہ محض سر ہلا کر امی کی جانب آ گئی جو شاید ان کی باتوں سے جاگ گئی تھیں۔
"ارے لالہ تم آ گئیں۔"
"بس ابھی آئی ہوں آپ ٹھیک تو ہیں نا آج اتنی جلدی کیوں سو گئی تھیں۔"
"بس بیٹا ایسے ہی سستی محسوس ہورہی تھی تو لیٹ گئی آنکھ کب لگ گئی پتا ہی نہیں چلا۔" وہ مسکرا کر گویا ہوئیں اسی اثناء میں زرتاشہ ٹرے میں کھانا سجائے گرم بیٹھک میں چلی آئی جسے انگیٹھی کی مدد سے گرم کیا ہوا تھا۔
"تاشو ابا نے کھانا کھالیا تھا نا۔"
"ہاں بابا میں نے انہیں کھانا بھی کھلا دیا تھا اور دوائی بھی دے دی تھی' تم فکر نہ کرو۔" وہ مصروف سے انداز میں بولی تو لالہ رخ مطمئن ہوکر کھانے کی جانب متوجہ ہوگئی پھر کھانے سے فارغ ہوکر وہ پرسکون انداز میں تخت پر نیم دراز ہوئی تو زرتاشہ نے اسے کہنی ماری یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ وہ اس کے ایڈمیشن کی بابت امی سے بات کرے۔ لالہ نے اسے ایک نگاہ دیکھا پھر کچھ سوچ کر گویا ہوئی۔
"امی مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔" لالہ کی بات پر امی نے اسے استفہامیہ نگاہوں سے دیکھا۔

❁......❁......❁
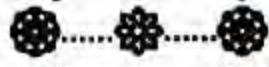
فراز شاہ پارکنگ لاٹ میں گاڑی پارک کرکے نکلا وہ تیزی سے کلاس روم کی جانب بڑھ رہا تھا جب ہی سامنے سے اسے سونیا آتی دکھائی دی۔
"ریلیکس فراز! آج سر زعیم نہیں آئے۔" فراز آج تھوڑا لیٹ ہوگیا تھا لہٰذا وہ جلدی جلدی قدم بڑھاتا کلاس روم کی جانب جارہا تھا۔ سونیا کا پژمردہ سن کر وہ ایک دم ڈھیلا پڑ گیا۔
"اوہ اوکے۔" وہ گہرا سانس فضا میں خارج کرتے ہوئے بولا تو سونیا اسے مسکراتی نظروں سے دیکھ کر گویا ہوئی۔
"فکر نہیں کرو فراز! اس بار بھی تم ہی ٹاپ کرو گے۔" سونیا کے جملوں پر وہ دلکشی سے مسکرا اٹھا جب کہ سونیا اس کی مسکراہٹ پر الجھ کر رہ گئی بلو جینز پر بلیک شرٹ کے اوپر بلیک ہی سلیولیس سوئٹر میں وہ ہمیشہ کی طرح اسمارٹ لگ رہا تھا۔
"میرا خیال ہے کہ ہم لائبریری چلتے ہیں مجھے کچھ کتابیں ایشو کروانی تھی۔"
"اُف فراز! تم اتنے بور کیوں ہو اتنا رومینٹک اور حسین موسم ہے اور اس وقت تمہیں لائبریری یاد آرہی ہے میرا تو خیال ہے کہ ہم آؤٹنگ پر چلتے ہیں۔" سونیا کی بات پر فراز نے اسے اچنبھے سے دیکھا۔
"او ہیلو میڈم! اگلے ہفتے سے ہمارے فائنل سمسٹر اسٹارٹ ہورہے ہیں کچھ تو ہوش کرو لڑکی۔" یہ کہہ کر وہ اس کے سر پر ہلکی سی چپت رسید کرکے لائبریری کی جانب بڑھا تو سونیا اس کی پشت کو مسکراتی نظروں سے دیکھتی رہی پھر اچانک تیزی سے اس کے پیچھے بھاگی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

لڈو کھٹے ہیں

عقیلہ محمد بیگ

''خدا کے لیے آپا! خود پر ترس نہیں آتا تو جاگنگ ٹریک پر ترس کھائیں۔ بے چارے کی حالت بُری ہورہی ہے۔'' شمسہ اپنی بڑی بہن صوبیہ کے کمرے میں جاکر جاگنگ ٹریک کو گھورنے لگی۔ صوبیہ جو اس سے دوسال بڑی تھی وہ تڑپ کر بولی۔

''کسی نے بھی مجھ پر ترس کھایا جو میں کسی پر کھاؤں۔'' صوبیہ نے ہانپتے ہانپتے جواب دیا جو بیالیس سال کی ہوچکی تھی' شمسہ حیرانی سے بولی۔

''آپا! آپ پر کوئی ترس کیوں کھائے گا' اپنا سائز تو دیکھیں۔'' اس نے منہ بسور کر جواب دیا۔

''ہر کوئی میرا سائز دیکھتا ہے کوئی میرا معصوم دل کیوں نہیں دیکھتا۔'' صوبیہ ہانپتے ہوئے جاگنگ ٹریک سے اتر گئی۔ جیسے اسے بہن کی بات بُری لگی ہو۔

''بس آپا...... آپ اور معصوم......'' شمسہ نے طنزیہ انہیں جواب دیا اور جاگنگ ٹریک پر چڑھ گئی۔ وہ صوفے پر بیٹھ کر لمبی سانس چھوڑ کر بولی۔

''ہوشیار ہوتی تو میری ابھی تک شادی ہوجاتی۔ معصوم ہوں اس لیے تو ابھی تک کنواری ہوں۔'' صوبیہ بیالیس سال کی عمر میں بھی شادی کی خواہش مند تھی۔ اس نے اپنے اندر کا دکھ بیان کیا اور اس کا موڈ آف ہوگیا۔ شمسہ جاگنگ ٹریک پر ٹانگیں چلاتے ہوئے سوچنے لگی اور پھر یک دم سے بولی۔

''آپا اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ میں بھی معصوم ہوں اسی لیے تو ابھی تک کنواری ہوں۔'' شمسہ نے خوشی ظاہر کی۔

''اللہ اللہ...... تم اور معصوم...... تم تو ہم دونوں بہنوں سے زیادہ ہوشیار رہی ہو۔ خاندان میں جتنے بھی لڑکے تھے تم نے کسی کو بھی نہیں چھوڑا۔'' صوبیہ نے کانوں پر ہاتھ لگاتے ہوئے بات مکمل کی۔ شمسہ معصومیت کے ساتھ بولی۔

''اچھا آپا اگر کسی کو نہیں چھوڑا تو ابھی تک پھر میں کسی کی رانی کیوں نہیں بنی۔ آپا میں معصوم ہی تھی جو ہر کسی کی جھوٹی محبت کو سچ سمجھ گئی۔'' شمسہ منہ بسور کر جاگنگ ٹریک کا سوئچ آف کرکے اتر آئی۔

اب وہ اپنی بہن صوبیہ کے پاس دھپ سے آگری جیسے ماضی کے جتنے عاشق اس کی زندگی میں آئے تھے۔ وہ سب کے سب اس کی نظروں میں آگزرے اور وہ صوبیہ کے سامنے آنسو بہانے لگی۔

''ہماری زندگی میں سچی محبت کب آئے گی۔'' صوبیہ نے شمسہ کے آنسوؤں کو پونچھا اور وہ بھی افسردہ ہوگئی۔ نوری یک دم دروازہ کھول کر بولی۔

''آگئی ہے...... آگئی ہے......'' صوبیہ شمسہ ایک ساتھ بولیں۔

''سچی محبت...... کیا؟'' نوری اخبار کھول کر انہیں دکھاتے ہوئے بولی۔

''اوہو اشتہار...... جو ہم لوگوں نے رشتے کے لیے دیا تھا وہ پرنٹ ہوگیا ہے۔ اب تو رشتے کی لائنیں ہمارے لیے لگ جائیں گی۔'' نوری جو اُن دونوں سے پانچ سال چھوٹی تھی اس نے انہیں خوش خبری دے کر خوش کردیا مگر شمسہ اور صوبیہ سے یہ خوشی برداشت نہ کرسکی اور وہ دونوں اخبار کے اشتہار کو پہلے پڑھنے کے چکر میں لڑ پڑیں۔

معصوم نوری بہنوں کو ایک دوسرے کے بال نوچتے دیکھ کر گھبرا گئی اور ان کی لڑائی میں گھس گئی اور پھر آپ کو تو پتا ہے معصوم نوری کا کیا حال ہوا ہوگا۔

''ہائے میرا بازو ٹوٹ گیا' ہائے میری بہنوں نے مجھے اپاہج بنادیا۔'' نوری بستر پر بیٹھ کر ماتم کرنے لگی تو صوبیہ شمسہ دونوں سر جھکا کر اس کے پاس آبیٹھیں۔

''کیوں...... کیوں آئی ہو...... تم دونوں میرے کمرے میں...... کوئی کسر رہ گئی باقی......'' نوری اپنا بازو دباتے ہوئے پریشانی سے بولی۔

''معاف کردو نوری! مگر ہمیں بددعا مت دینا' تم جانتی تو ہو تمہاری زبان بہت کالی ہے۔ تم نے جس کسی کو بددعا دی وہ بددعا اسے لگ گئی۔ ہم تو تیری بہنیں ہیں' ہمیں معاف کردو۔'' صوبیہ نے شمسہ کی طرف دیکھ کر چھوٹی بہن سے التجا کی۔ نوری دونوں کے لٹکے چہرے دیکھ کر آنسوؤں پر بند باندھتی ہوئی بولی۔

''ہاں ٹھیک ہے...... اگر سچ میں تم لوگوں کو میری بددعا سے ڈر لگتا ہے تو اس کے لیے تم دونوں کو میرے لیے قربانی دینی پڑے گی۔''

''ہاں ہم قربانی دیں گے۔ بتاؤ گائے کی قربانی چاہیے یا پھر بکرے کی قربانی چاہیے ویسے مہنگائی اتنی ہے کہ مرضی کی قربانی دیتے مگر تمہاری بددعا......'' اس سے پہلے نوری کچھ بولتی' شمسہ جھٹ سے بولی۔ آخری الفاظ اس نے بہت آہستہ ادا کیے تھے۔

''اس کا مطلب ہے اس عید پر تو ہمارے مزے ہوں گے' مجھے تو مٹن کی ساری ڈشز بنانی آتی ہیں۔ مٹن بریانی' مٹن قورمہ' پائے' نہاری' مغز' کلیجی' گردے کباب اور تکہ بوٹی وغیرہ سب کی سب چیزیں نوری میں تمہارے لیے بناؤں گی بس مجھے بددعا مت دینا۔'' نوری چیخنے لگی اور غصے سے صوبیہ اور شمسہ کی طرف دیکھنے لگی۔

''میں تم دونوں کو بددعا ضرور دوں گی۔'' شمسہ حیرت سے بولی۔

''کیوں...... کیوں نوری ہم قربانی دے رہے ہیں تو پھر کیوں دے رہی ہو تم ہمیں بددعا......'' صوبیہ رونی صورت بنا کر بولی۔

''نوری ایسی بددعا مت دینا کہ ہماری شادیاں نہ ہوں میرا تو دل ڈوب رہا ہے تم بول دو کہ تم ایسی ویسی بددعا نہیں دوگی۔''

''میں بکرے کی قربانی نہیں' میں تم دونوں سے اس بات کی قربانی چاہ رہی ہوں کہ جو پہلا رشتہ اشتہار کی وجہ سے آئے گا تم دونوں اس کے سامنے نہیں آؤ گی اور اگر تم لوگوں کو میری بات منظور ہے تو میں بددعا نہیں دوں گی۔ آگے تم لوگوں کی مرضی جو تم فیصلہ کرنا چاہو۔'' نوری نے بے پروائی سے بات ختم کی۔

شمسہ اور صوبیہ نہ چاہ کر بھی سر اثبات میں ہلانے لگیں جس پر نوری کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔

❁......❁......❁

''کیا ہم سچ میں قربانی دیں گے اور لڑکے کے سامنے نہیں آئیں گے۔'' صوبیہ نے معصومیت سے

شمسہ سے پوچھا۔ شمسہ سوچتے ہوئے بولی۔
"آپا فکر کیوں کررہی ہو ہم قربانی دیں گے۔"
صوبیہ پریشانی سے منہ لٹکا کر اسے دیکھنے لگی۔
"اللہ جی ترس کھا میری نکی جی جاں تے (ترس کھایا جائے میری ننھی سی جان پر)۔" صوبیہ نے شمسہ کی طرف دیکھ کر پریشانی ظاہر کی۔
"اوہو آپا! مت کریں فکر میں نے یہ کب کہا کہ ہم قربانی وفاداری سے دیں گے۔ جب آج کل ہر چیز میں ملاوٹ ہے تو پھر ہم شریف کیوں ہیں۔" شمسہ نے آنکھ مار کر اس سے تسلی دی۔
"کیا مطلب؟" صوبیہ نے تجسس سے اسے دیکھا۔
"مطلب...... آپا کہ نوری کو ہم غلط فہمی میں رکھیں گے کہ ہم لڑکے کے سامنے نہیں آئیں گے اندر ہی اندر اپنا کام بھی کرلیں گے کیوں کیسی رہی؟" شمسہ مسکرانے لگی تو صوبیہ بھی مسکرا کر بولی۔
"تو تے بڑی چالاک وے (تم تو بہت چالاک ہو) یہ بات میرے دماغ میں کیوں نہیں آئی۔" صوبیہ نے شمسہ کا ہاتھ تھام لیا۔
"بہن کس کی ہوں میرا دماغ ہمیشہ مجھے کوئی راستہ دکھا دیتا ہے کیوں کہ میں روز بادام کھاتی ہوں۔" شمسہ نے ہنستے ہوئے کہا۔
"بادام...... اس کا مطلب ہے تُو تو میرے بادام بھی کھا جاتی ہے۔"
"اف آپا! اب اس بات پر جھگڑا مت شروع کردینا' آخر آپ کے بادام کسی کام تو آئے جو مسئلے کا حل نکل آیا اور اب میں اپنے کمرے میں جارہی ہوں تھوڑا ریسٹ کروں گی تبھی تو مجھ میں تازگی آئے گی یوں تو سوکھا' پت جھڑ کا پتا لگ رہی ہوں۔" شمسہ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو چہرے پر رگڑا اور پھر کمرے سے باہر نکل گئی اور صوبیہ سوچ میں ڈوبی وہاں بیٹھی رہ گئی۔

❁......❁......❁

"کیسا دونوں کو اپنے راستے سے ہٹایا' اب میں اور میرا ساجن جی۔" نوری نے قہقہہ لگایا اور بستر سے اٹھ کر وہ آئینے کے سامنے آ بیٹھی۔
"ڈرامہ کوئین ہوں میں' چوٹ تو لگی تھی مگر اتنی بھی نہیں جتنا میں نے چیخ چیخ کر درد بیان کیا اب مجھے یقین ہوگیا ہے کہ میری بہنیں عقل سے بھی موٹی ہیں۔" نوری پھر مسکرا کر اپنے خوابوں کی دنیا میں کھوگئی' جہاں نوری نے دیکھا کہ وہ ایک خوب صورت نوجوان کا ہاتھ تھامے ڈانس کررہی ہے۔
نوری پھر گنگنانے لگی۔
"تُو ہی یہ مجھ کو بتادے چاہوں میں یا نہ
اپنے تو دل کا پتا دے چاہوں میں یا نہ"
نوری اپنے خوابوں میں ڈوبی مسلسل آئینہ میں اپنا جائزہ لینے میں مصروف تھی اس بات سے بے خبر کہ اس کی بہنیں کیا پلان کررہی ہیں۔

❁......❁......❁

"کھانا کھالیا تو میرا موٹا منہ گوبھی کے پھول جیسا ہوجائے گا۔ نہیں نہیں مجھے شادی کے لیے اسمارٹ ہونا ہے۔" صوبیہ نے معصومیت سے کھانے کی پلیٹ ٹیبل سے دور کردی اور ٹیبل کے آس پاس چکر کاٹنے لگی۔
صوبیہ پانچ منٹ چکر کاٹنے کے بعد منہ میں بڑبڑائی۔
"بس میرے پیٹ کے معصوم چوہوں تم لوگوں کو کچھ عرصہ صبر کرنا ہوگا ایک دفعہ بس شادی ہوجائے اس کے بعد رات دن میٹھا ہی میٹھا تم لوگوں کو کھلاؤں گی۔" صوبیہ نے کھانے کی پلیٹ کو گھورا اور پھر چکر کاٹنے لگی مگر اس کی نظریں کھانے کی پلیٹ پر ہی تھیں۔
"مجھے ان بے چارے چوہوں کے لیے کھانا کھا ہی لینا چاہیے' میں اتنی ظالم تو نہیں کہ اپنے ساتھ ساتھ ان بے چارے چوہوں کی بھی جان لے لوں' کھانا کھالو اور دعا کرو میرے لیے کہ میری شادی کسی ہینڈسم

کے ساتھ ہوجائے اور وہ امیر بھی ہو۔" صوبیہ پھر اپنے پیٹ کے چوہوں سے باتیں کرنے میں اتنی مگن ہوگئی کہ اس نے ساری پلیٹ ہڑپ کرلی اور جب اسے ڈکار آئی تو وہ ہوش میں آئی۔
"اللہ اللہ...... یہ میں نے کیا کردیا' سارا کھانا کھا لیا اب میں پتلی کیسے نظروں آؤں گی۔" صوبیہ نے اپنا سر تھاما اور وہ اپنے پیٹ کے چوہوں کو کوسنے لگی۔

❁......❁......❁

شمسہ لال دوپٹہ الماری میں سے نکال کر مسکرائی۔
"دلہن تو پہلے میں ہی بنوں گی بس آنے دو میرے ہم سفر کو اس کی راہوں میں پھول بچھادوں گی۔" پھر دوپٹہ استری کرنے لگی۔ شمسہ نے دوپٹہ استری کرکے اوڑھا اور شرما کر بولی۔
"کتنا روپ مجھ پر چڑھا ہے آج اگر کوئی لڑکا مجھے دیکھ لے تو وہ کبھی شادی کے لیے انکار نہیں کرے گا اور ایسا ہوجائے تو میری بہنیں نوری اور صوبیہ جل جل کر کالی ہوجائیں گی جنہوں نے بے تحاشا کریم لگا لگا کر خود کو گورا کر رکھا ہے۔" شمسہ پھر حیرانگی سے ادھر اُدھر سونگھنے لگی۔
"یہ ان دونوں کی جلنے کی بدبو ابھی سے آنے لگی۔" شمسہ کی نظریں یک دم استری اسٹینڈ پر جا پڑیں جہاں استری اس کی قمیص پر گر کر اس کی قمیص جلا چکی تھی۔ شمسہ استری اٹھا کر رونے لگی۔
"ہائے میری قمیص جل گئی' اب میں سرخ سوٹ کیسے پہنوں گی۔ میرے پاس تو ایک ہی سرخ جوڑا تھا۔" شمسہ قمیص کو دیکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

❁......❁......❁

فون کی گھنٹی مسلسل بج رہی تھی مگر کوئی فون نہیں اٹھا رہا تھا آخر کار تینوں بہنیں شمسہ نوری صوبیہ جو اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھیں انہیں اشتہار کا خیال آیا تو اپنے اپنے کمرے سے باہر نکلیں اور فون کی طرف لپکیں مگر ان میں سے صوبیہ پہلے فون کی طرف پہنچی اور اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ فون اٹھایا۔

سوچ ذرا سوچ

سوچ ذرا سوچ
جب تو طفل شیر خوار تھا
بچہ بیمار تھا
ساری رات جاگ جاگ کر
جھولا جھلایا تجھے
تھپک تھپک
سلایا تجھے
خود بھوکی رہ کے
اپنے منہ کا نوالہ کھلایا تجھے
پھر تو کچھ بڑا ہوگیا
اتنا بڑا کہ
ماں......
کے سامنے کھڑا ہوگیا
جس زباں نے تجھے
قوت گویائی سے آشنائی دلائی
اس ماں......
کی زباں کے
الفاظ برے لگنے لگے تجھے
جن ہاتھوں سے کھانا کھایا تھا تُو نے
بڑے آرام سے جھٹکنے لگا
بات بے بات جھڑکنے لگا
ماں کی شان میں
مغلظات بکنے لگا
اپنی جنت کو دوزخ میں بدلنے لگا
سوچ لے
ابھی وقت ہے پڑا
اپنی جنت کو پالے
ورنہ روز محشر
سزاواروں میں ہوگا کھڑا

کے ایم نور الشال...... کھنڈیاں خاص

''ہیلو کون؟'' ایک مردانہ آواز فون سے ابھری۔

''میں ہاشم احمد...... رشتے کے اشتہار کے سلسلے میں فون کیا تھا۔ کیا میں آپ سے ملنے آسکتا ہوں۔'' صوبیہ دل پر ہاتھ رکھ کر شرما کر بولی۔

''ہاں...... ہاشم میاں...... کیوں نہیں۔'' پھر مردانہ آواز ابھری۔

''آپ کا نام؟''

''جی میں صوبیہ ہوں...... صوبیہ......'' صوبیہ نے کانپتی آواز میں جواب دیا۔

نوری اور شمسہ اس کی طرف دیکھ کر جل بھن سی گئی۔ مردانہ آواز پھر فون سے ابھری۔

''جی بہت پیارا نام ہے' اچھا تو آج شام کو میں گھر آؤں گا اور آپ کے ساتھ ایک کپ چائے پیوں گا۔'' صوبیہ مسکرا کر بولی۔

''جی میں چائے بہت اچھی بناتی ہوں۔''

''واہ...... یہ تو سونے پر سہاگا ہوگیا' اب میں رکھتا ہوں اور مل کر باتیں ہوں گی' اللہ حافظ۔'' صوبیہ شرما کر بولی۔

''میں انتظار کروں گی' اللہ حافظ۔'' صوبیہ نے پیار سے فون رکھ دیا' نوری غصے سے بولی۔

''موٹی ظالم! چھوٹی بہن کا دل دکھانے والی چڑیل! تم نے وعدہ کیا تھا کہ تم لڑکے کے سامنے نہیں آؤ گی۔''

''تو نے چھوٹی بہن کے حق پر ڈاکہ ڈالا ہے' دیکھنا وہ لڑکا تمہیں پسند نہیں کرے گا بلکہ مجھے پسند کرے گا۔'' شمسہ نے اونچی آواز سے دونوں بہنوں کو حیران کیا۔ صوبیہ معصومیت سے بولی۔

''تم دونوں سے بڑی ہوں' شادی کا زیادہ حق میرا ہے یا تم دونوں کا؟'' شمسہ نے غصے سے صوبیہ کا چہرہ دیکھا اور پھر نوری کا ہاتھ تھام کر وہاں سے چلی گئی۔ صوبیہ نے ایک لمبی سانس چھوڑی اور پھر شرما کر بولی۔

''ان کی آواز جب سے سنی ہے ہلکی ہلکی خود کو محسوس کر رہی ہوں۔ یہ ہوتی ہے محبت...... تو مجھے ہاشم میاں سے محبت ہوگئی۔'' صوبیہ مسکرانے لگی اور پھر اپنی آنکھیں موند لیں۔

❁......❁......❁

صوبیہ الماری میں سے ایک کے بعد ایک سوٹ نکال کر بستر پر پھینک رہی تھی۔ آخر کار وہ تھک کر پریشان سی ہوگئی اور منہ میں بڑبڑائی۔

''وہ میرے لیے آرہے ہیں اور میرے پاس ایک بھی ڈھنگ کا سوٹ نہیں۔ بلیک کلر کا سوٹ کیسا ہے جو پپو کی شادی پر پہنا تھا وہ پہن لیتی ہوں۔ اس میں میرا بھاری جسم تھوڑا چھپ جاتا ہے' پپو بھی اپنی شادی پر مجھے زیادہ دیکھ رہا تھا۔ کم بخت پپو جس نے مجھ سے شادی کا وعدہ کیا اور پھر مجھے دھوکا دے گیا' مرجانا، چھچھور......!'' صوبیہ نے پھر کالی قمیص کپڑوں کے اوپر پہن لی اور آئینے میں دیکھ کر خود سے مخاطب ہوئی۔

''اسمارٹ تو میں نظر آجاؤں گی میرے مقابلے میں تو شمسہ اور نوری بہت جوان نظر آرہی ہیں اور میرا دل تو جوان کیا ابھی بچہ ہے اور بچے تو چھوٹے ننھے منے ہوتے ہیں اس لیے میں بھی منی ہوں۔ ننی جیسی منی......'' صوبیہ نے مسکرا کر آئینہ میں خود کو دیکھا اور پھر اچانک اس کی ہنسی غائب ہوگئی۔

''مجھے کچھ کرنا ہوگا ورنہ یہ رشتہ میرے ہاتھ سے نکل جائے گا اور میرے موٹے موٹے ہاتھوں پر کبھی مہندی نہیں لگے گی۔'' صوبیہ سوچوں میں ڈوب گئی۔

❁......❁......❁

''شادی تو میری سب سے پہلے ہوگی' میں دیکھتی ہوں آپا کیسے مجھ سے میرا حق چھین سکتی ہیں۔ ہر دفعہ آپا کی وجہ سے میرے لیے آئے ہوئے رشتے کو اماں نے انکار کیا کہ بڑی کا ہوگا تو چھوٹوں کا کروں گی۔ آپا کی وجہ سے میری شادی نہیں ہوسکی مگر اب میں زیادتی کبھی اپنے ساتھ ہونے نہیں دوں گی' میں ہاشم احمد کو اپنے حسن کے وار سے گھائل کردوں گی۔'' شمسہ اپنی گردن کو اکڑ سی لیتی ہے کہ یک دم صوبیہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتی ہے اور پھر شمسہ کے کمرے میں آکر دروازہ لاک کرتی ہے۔

''آپا...... آپا...... تم میرا قتل...... مجھے مارنے کے لیے آئی ہو؟'' شمسہ گھبرا کر بستر پر چڑھ کر تکیہ تھام لیتی ہے۔

''ہوش میں آؤ آپا! شادی کے لیے تم اپنی منجھلی بہن کا قتل کرتے ہوئے آپ کو شرم آنی چاہیے۔'' وہ غصے سے بولی۔

''مجھے شرم بالکل نہیں آئے گی۔'' شمسہ یہ سن کر گل دان پکڑ لیتی ہے اور صوبیہ کو مارنے لگی کہ یک دم صوبیہ ہاتھ جوڑ کر بولی۔

''او ہو شرم اس لیے نہیں آئے گی کہ میں یہاں قتل کرنے کے لیے تھوڑی آئی ہوں بلکہ میں تو تمہارے فائدے کے لیے یہاں آئی ہوں۔'' شمسہ گل دان سائیڈ پر رکھ کر بولی۔

''کیسا فائدہ......؟'' صوبیہ ہلکی آواز میں بولی۔

''کان ادھر کرو۔''

''آپا دیکھ لیں' میرے کان کو کاٹنے کی کوشش مت کرنا ورنہ مجھ سے بُرا آپ نے کوئی دوسرا دیکھا نہیں ہوگا۔''

''پگلی ایسا ویسا کچھ نہیں کرنے والی۔'' شمسہ نے ڈر کے مارے کان اس کی طرف بڑھایا اور پھر صوبیہ کھسر پھسر کرنے لگی وہ صوبیہ کی بات سن کر اس کا گال چومنے لگی۔

''شمسہ میری بہن یہ تم نے کیا کردیا' احمد ہاشم کی امانت میں خیانت کردی اگر انہیں پتا چل گیا کہ ان کے گالوں کو ان کے علاوہ کسی اور نے چھوا ہے تو...... تو وہ جیتے جی مرجائیں گے۔'' صوبیہ نے شمسہ کو دیکھ کر ذہن میں یہ سب کچھ سوچا۔ شمسہ صوبیہ کو کھویا کھویا دیکھ کر بولی۔

''کہاں کھو گئیں آپا!''

''نہیں...... کچھ نہیں' اچھا اب میں چلتی ہوں کپڑے استری کرنے ہیں۔'' صوبیہ مسکرا کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

''آپا دیکھ لو خواب' جتنے خواب دیکھنے ہیں ہاشم احمد کی امانت کون بنے گا یہ تو وقت ہی بتائے گا۔'' شمسہ مسکرانے لگی اور اس کی مسکراہٹ میں عجیب سا رنگ تھا۔

❁......❁......❁

نوری آئینہ کے سامنے خوب صورت لباس پہن کر میک اپ کر رہی تھی کہ شمسہ اور صوبیہ دبے قدموں سے نوری کے کمرے میں داخل ہوئیں نوری ان دونوں کو دیکھ کر مسکرائی۔

''لو دلہن تیار ہوگئی۔'' صوبیہ غصے کے ساتھ اس کو دیکھ کر بولی۔

''آگ لگے تیرے منہ کو بڑی بہن کا کوئی خیال نہیں اور بے شرم کیسے تیار ہو کر بیٹھ گئی۔'' نوری حیرت کے ساتھ بولی۔

''آپ نے ہی تو قربانی دینے کا وعدہ کیا تھا۔'' شمسہ منہ میں بڑبڑائی۔

''سچ صوبیہ نے ٹھیک ہی فیصلہ کیا تھا۔'' نوری حیرانگی سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''کیسا فیصلہ؟'' شمسہ اور صوبیہ پھر ایک دوسرے کو دیکھتی ہوئے پھر سے پاگلوں کی طرح اس پر جھپٹ پڑیں۔

''پاگلوں...... یہ...... یہ کیا کر رہی ہو...... مجھے کرسی پر کیوں باندھ رہی ہو؟''

''تمہیں نہیں باندھا تو ہماری زندگی میں بہار کیسے آئے گی۔'' کیوں شمسہ صوبیہ نے مسکرا کر شمسہ کی طرف دیکھا جس نے جھٹ سے نوری کو کرسی پر رسی سے باندھ دیا۔

''چھوڑو...... چھوڑو مجھے ورنہ میں تم دونوں کو کچا چبا جاؤں گی۔'' نوری چیختے ہوئے رسیاں کھولنے لگی

اس میں اتنی طاقت نہیں تھی اس لیے وہ دانتوں کی مدد سے رسیاں کھولنے کی کوشش کرنے لگی۔ صوبیہ گھبرا کر بولی۔

”شمسہ اس کے دانت بہت تیز ہیں‘ تم ایسا کرو اس کے منہ پر پٹی باندھ دو۔“

”منہ پر پٹی...... آپا یہ زیادہ ظلم نہیں ہوگا۔“ شمسہ نے پریشانی سے سوچ کر جواب دیا۔

”پگلی محبت میں سب جائز ہے۔“ صوبیہ نے آگے بڑھ کر دراز میں سے ٹیپ نکلی‘ نوری غصے سے چلائی۔

”میں تم دونوں کو دیکھ لوں گی۔“

”تو کیا ہم اس وقت نظر نہیں آ رہے؟“ شمسہ مسکرائی۔

”مجھے آزاد کردو ورنہ مجھ سے برا نہیں کوئی دوسرا؟“ شمسہ ہنستے ہوئے بولی۔

”تم کو آزاد کردیا تو ہم لوگ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس قید خانے میں رہ جائیں گے پلیز نوری میں اڑنا چاہتی ہوں ہاشم احمد کے ساتھ۔“ شمسہ نے صوبیہ کی طرف دیکھا نوری حیرانگی سے بولی۔

”صوبیہ تم دونوں ایک ہی مرد کے ساتھ شادی...... تم دونوں پاگل ہوچکی ہو۔“ صوبیہ نے جھٹ سے کہا۔

”بس بس...... یہ میرا اور شمسہ کا مسئلہ ہے ہم دونوں نے فیصلہ کیا ہے کہ ہاشم احمد جس کو پسند کرے گا وہ اس کا ہوجائے گا مگر تمہارا کبھی نہیں ہوگا کیوں کہ تم یہاں سے چلی گئیں تو ہمارا کون خیال رکھے گا۔ اب چلو شمسہ اس کے منہ پر ٹیپ لگا دو اس کی بہت بک بک سن چکے ہیں۔“ پھر دونوں نے نوری کا منہ بند کردیا اور اسے کمرے میں چھوڑ کر ہنستی مسکراتی باہر چلی گئیں۔

❁......❁......❁

صوبیہ شمسہ کے ساتھ اس کے کمرے میں آ گئی مگر وہ مسلسل سوچ رہی تھی کہ اب کیسے وہ شمسہ چمگادڑ کو اپنے راستے سے ہٹائے‘ دوسری طرف شمسہ سوچ رہی تھی کہ وہ صوبیہ کے لحاظ سے زیادہ پیاری ہے اس لیے ہاشم احمد اسے ہی پسند کرے گا۔ صوبیہ کے چہرے پر یک دم سے مسکراہٹ ابھری اور وہ پیار سے بولی۔

”چلو شمسہ تم نہا دھو کر تیار ہو جاؤ کیوں کہ چائے کا انتظام تم نے کرنا ہے کیوں کہ تمہیں چائے میرے سے اچھی بنانی آتی ہے۔“

”ہاں ہاں تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔“ شمسہ نے جھٹ سے تولیہ پکڑا اور باتھ روم میں گھس گئی‘ بس جونہی شمسہ باتھ روم میں گھسی صوبیہ نے اسے باہر سے لاک کردیا‘ شمسہ لاک کی آواز سے گھبرا گئی اور اس نے پیٹنا شروع کردیا شمسہ باتھ روم میں غصے سے چلائی۔

”موٹی چڑیل...... بندریا...... کیوں ہاشم صاحب کے سامنے جا کر ان کا دل توڑو گی۔ وہ تمہیں دیکھ کر ڈر جائیں گے اور ڈر کے مارے دو دن تک بے ہوش رہیں گے۔“

”ظالم عورت بہنوں کو دھوکہ دے کر اپنا گھر سجانے بسانے لگی ہو‘ دروازہ کھولو موٹی چڑیل!“ شمسہ غصے سے دروازے پر ٹانگیں مارنے لگی مگر صوبیہ وہاں سے رفو چکر ہوچکی تھی۔

❁......❁......❁

صوبیہ بلیک سوٹ میں خوب صورت میک اپ کر کے ٹی وی لاؤنج میں آ بیٹھی اور بار بار وال کلاک کی طرف دیکھنے لگی۔

”میرے سرکا سائیں کب آئے گا‘ ہائے اللہ...... یہ انتظار ظالم کیسی چیز ہے محبت میں جدائی سہنی پڑتی ہے۔“ مین ڈور کی بیل بج اٹھی تو صوبیہ کا چہرہ کھل اٹھا۔

”وہ آ گئے...... اللہ اللہ میرا چاند آ گیا۔“ صوبیہ نے شرما کر سر پر دوپٹہ سجا لیا اور دروازہ کھول دیا صوبیہ کے سامنے سفید شلوار قمیص میں ملبوس نوجوان کھڑا تھا۔

”آپ ہاشم صاحب ہیں۔“ ہاشم حیرانگی سے

اسے دیکھنے لگا۔

”مگر آپ......“ اس سے پہلے کہ ہاشم کوئی بات کرتا صوبیہ نے دونوں ہاتھوں سے اسے دبوچ لیا۔ ہاشم گھبرا کر بولا۔

”یہ آپ کیا کر رہی ہیں؟“ صوبیہ اسے صوفے پر بٹھا کر بولی۔

”آنے میں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟“

”جی‘ تکلیف تو بہت ہوئی۔“ صوبیہ پریشانی کے ساتھ اسے دیکھنے لگی۔

”کیسی تکلیف؟“ ہاشم صوبیہ کو پریشان دیکھ کر گھبرایا اور شائستگی سے بات کرنے لگا۔

”تو پھر کام کی بات کریں۔“

”ہاں کیوں نہیں پہلے میں آپ کے لیے چائے لاتی ہوں۔“

”جی ضرور۔“ ہاشم صوبیہ کے اچھے رویہ پر خوش ہوگیا اور اس نے صوبیہ کو اپنی مسکراہٹ سے نوازا۔ صوبیہ بھی ہاشم کی مسکراہٹ میں کھو سی گئی کہ اچانک سے نوری اور شمسہ ٹی وی لان میں آ ٹپکیں اور انہوں نے صوبیہ کو گردن سے دبوچ لیا ہاشم اس اچانک حملے سے گھبرا کر دور کھڑا ہوگیا۔

”شرم کرو یوں کسی کے سامنے مجھے ذلیل کرو گی‘ بہن ہوں تمہاری۔“

”آپ نے کیا سوچا تھا کہ میں رسیاں نہیں کھول سکوں گی‘ میں نے خود کو آزاد کیا پھر شمسہ کو بھی آپ ہمارے ساتھ ایسا کریں گی......“ نوری غصے سے بولتی گئی۔ ”جبکہ یہ ہم نے سوچا نہیں تھا۔“ ہاشم پریشانی کے ساتھ دور کھڑا بولا۔

”میں جاؤں۔“ تینوں نے ہاشم کی طرف دیکھا اور اس کی طرف لپکیں اور ایک دوسرے سے اس کو کھینچنے لگی دبلا پتلا ہاشم کبھی نوری...... کبھی شمسہ تو کبھی صوبیہ کے درمیان گھومنے لگا۔

”یہ میرے لیے آئے ہیں...... یہ میرے لیے آئے ہیں...... یہ میرے لیے آئے ہیں......“ تینوں ہی ایک دوسرے سے لڑنے لگیں۔

”تینوں کے لیے آیا ہوں اور تینوں کو خوش کروں گا۔“ اس نے تینوں سے خود کو چھڑایا اور مین ڈور کے باہر آواز لگائی۔

”منے...... منے...... جلدی سے تینوں کو لے آؤ۔“

صوبیہ‘ نوری اور شمسہ ہاشم کی بات پر دروازے کے باہر دیکھنے لگیں اور پھر دیکھتی رہ گئیں کیوں کہ منے کے ساتھ سرخ پھولوں کے گلدستے تھے۔

”یہ...... یہ پھولوں کے گلدستے......“ تینوں یک دم بولیں۔ ہاشم خوشی سے بولا۔

”آپ ان کے لیے جھگڑا کر رہی تھیں‘ میں نے آپ تینوں کی مشکل آسان کردی ہے۔ آپ کو ہاشم اصغر سے اچھا پھولوں والا اس ویلنٹائن ڈے پر نہیں مل سکتا۔ جس کا جو دل چاہتا ہے وہ اس رنگ کا پھول خرید لیتا ہے اس کو بچی محبت مل جاتی ہے اگر آپ زیادہ گلدستے لیں گی تو ایک گلدستہ فری دوں گا۔“ تینوں ہاشم اصغر کی بات سن کر اسے گھورنے لگی۔

”کیسی ہے یہ آفر؟“ ہاشم اصغر نے مسکرا کر پوچھا۔

”آفر تو بہت اچھی ہے۔“ تینوں نے ایک ساتھ جواب دیا پھر تینوں مسکرا کر بولیں۔

”اتنی اچھی آفر دینے پر ہمیں آپ کو بھی بدلے میں کچھ دینا چاہیے۔“ تینوں نے پھر ہاشم اصغر کو پیٹنا شروع کردیا اس بات پر کہ وہ دلہے کی بجائے ان کے لیے پھولوں کی آفر لایا تھا۔

ہاشم اصغر کا کیا حال ہوا ہوگا‘ یہ تو آپ سمجھ ہی گئے ہوں گے۔

☺

درد آشنا

حمیرا علی

نہیں میرا آنچل میلا ہے......!
اور تیری دستار کے سارے پیچ ابھی تک تیکھے ہیں
کسی ہوا نے ان کو اب تک چھونے کی جرأت نہیں کی
تیری اجلی پیشانی پر
گئے دنوں کی کوئی گھڑی
پچھتاوا بن کے نہیں پھوٹی
اور میرے ماتھے کی سیاہی
تجھ سے آنکھ ملا کر بات نہیں کرسکتی
اچھے لڑکے......!!
مجھے نہ ایسے دیکھ......!!
اپنے سارے جگنو سارے پھول
سنبھال کے رکھ لے......!!
پھٹے ہوئے آنچل سے پھول گرجاتے ہیں
اور جگنو پہلا موقع پاتے ہی اڑجاتے ہیں
چاہے اوڑھنی سے باہر کی دھوپ کتنی ہی کڑی ہو!!

"اوہو تو تم یہاں ہو......" بیڈ اور دیوار کے درمیان تھوڑی سی خالی جگہ میں وہ گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے ہراساں سی بیٹھی ہوئی تھی۔ یہ اس کے چھپنے کی مخصوص جگہ تھی۔

"چلو شاباش باہر آؤ۔" اس نے نرمی سے کہتے ہوئے اس کا ہاتھ تھاما تھا جو وہ تیزی سے چھڑا گئی تھی جیسے اسے کرنٹ چھو گیا ہو۔

"حرمت...... مجھ سے مت ڈرو کچھ نہیں کہوں گا میں......شاباش باہر آؤ۔" وہ ایک بار پھر اس نے ایک بار پھر ہاتھ تھاما اور اس بار اس کی کلائی پر گرفت اتنی مضبوط تھی کہ وہ ہاتھ چھڑا نا پائی تھی۔

"وہاں کیوں بیٹھی ہوئی تھیں، کیا کوئی آیا تھا یہاں، کسی نے کچھ کہا ہے تمہیں؟" اس نے اس کی ناپسندیدگی اور ناگواری کو نظر انداز کرکے اسے کندھوں سے تھام کر بیڈ پر بٹھایا۔ حالانکہ وہ چیخ و پکار بھی شروع کرسکتی تھی۔

"بھوک لگی ہے تمہیں، کیا کھاؤ گی؟" وہ جانتا تھا وہاں سے کوئی جواب نہیں آئے گا پھر بھی پوچھ رہا تھا۔

"تم بیٹھو میں ابھی کھانا لے کر آتا ہوں۔" وہ جانتا تھا وہ بھوکی ہوگی۔ صبح بھی وہ کچھ کھانے کے موڈ میں نہیں تھی اور وہ اتنی جلدی میں تھا کہ زیادہ کوشش کیے بغیر ہی چلا گیا تھا۔ اور یقیناً کسی اور نے یہ زحمت نہیں کی ہوگی کہ اسے کھانا کھلا دیتا۔ اسے بیڈ پر بیٹھا چھوڑ کر وہ باہر چلا گیا۔

وہ اس کے جانے کے بعد چند منٹ اپنی گود میں رکھے ہاتھوں پر نظر جمائے بیٹھی رہی پھر دفعتاً اس کے ذہن میں جھماکا ہوا اور وہ تیزی سے اٹھی اور سینٹر ٹیبل پر رکھے کرسٹل کے خوبصورت پھولوں سے سجے گلدان کو اٹھایا...... اور لمحے میں وہ گلدان گلاس ٹیبل پردے مارا۔

وہ جس وقت کمرے میں داخل ہوا وہ ٹوٹا ہوا نوکیلا کانچ اٹھا چکی تھی۔ کھانے کی ٹرے اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی وہ تیزی سے اس کی طرف لپکا جو اس کی آمد سے بے خبر تھی لیکن پلیٹیں سمیت ٹرے کے گرنے کی آواز پر فوراً کانچ اپنے بائیں ہاتھ کی کلائی پر پھیر چکی تھی۔ اس نے اس کے ہاتھ سے وہ کانچ فوراً سے پیشتر لے کر پھینکا اس کی اپنی ہتھیلی اور انگلیاں زخمی ہوچکی تھیں مگر اس کے حواس تو حرمت کی کلائی سے نکلنے والے خون نے گم کردیے تھے۔ اس کی آنکھیں بند ہورہی تھیں...... مگر اب بھی وہ اپنا نازک وجود اس کے ہاتھوں سے چھڑانے کے لیے کوشاں تھی۔ وہ اسے بازوؤں میں اٹھا کر باہر کی طرف بھاگا تھا۔

مما کی نظر اس پر اس وقت پڑی جب وہ کار میں بیٹھ رہا تھا، مما نے اسے پکارا بھی تھا مگر اس کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ رک کر انہیں صورت حال سے آگاہ کرتا۔ فوری

طبی امداد سے وہ جلد ہی ہوش میں آ گئی تھی۔ ڈاکٹر بلال اس کا دوست اور تمام حالات سے واقف بھی تھا اس لیے کسی قسم کا پولیس کیس کا جھنجٹ نہیں ہوا تھا۔ اس کی ذہنی حالت دن بہ دن ابتر ہوتی جارہی تھی اور وہ بے بس تھا...... اگر گھر کے باقی افراد بھی اس کے ساتھ تعاون کرتے تو یقیناً حالات مختلف ہوتے۔

♥......♥□♥......♥

پھر سے پاؤں میں زنجیر ہوئی گرد وفا
کوچ کا حکم ہوا......!
جبر کا نقارہ بجا!
پھر کڑی دھوپ کی ہمراہی مقدر ٹھہری
کون جانے کہ کہاں حکم پڑاؤ کا ملے!
دیکھئے اب کہاں منزل کی کوئی بات بنے
کس جگہ جا کے محبت کے مسافر ٹھہریں
مرحلہ کون سا درپیش ہوا ان کو پہلے!
دل کے رکنے کا......!
یا منزل پہ پہنچ جانے کا!

وہ اسے لے کر گھر آ گیا تھا۔ اب وہ پہلے سے بہتر تھی...... اور خواب آور گولیوں کے زیر اثر سو رہی تھی۔ کتنے دنوں سے وہ اسے یہ گولیاں دینے سے اجتناب کررہا تھا مگر اب اس کے سکون سے سونے کے لیے یہ دینا ناگزیر تھا۔

"صالح کہاں تھے تم...... کتنی آوازیں دیں تمہیں اب ماں کو رک کر جواب دینا بھی مناسب خیال نہیں کرتے۔ یقیناً پھر اس لڑکی نے کوئی الٹی سیدھی حرکت کی ہوگی۔ کوئی نیا ڈرامہ کیا ہوگا؟" وہ حد درجہ تنفر سے بول رہی تھیں۔

"مما پلیز بس کریں...... وہ لڑکی کوئی پرائی نہیں ہے آپ کے اپنے سگے بھائی کی بیٹی ہے آپ کا اپنا خون ہے۔ کچھ تو خیال کریں اس بات کا......" وہ چیخ کر بولا۔

"اونہہ تم کافی ہوناں اس کا خیال کرنے کے لیے...... اور ویسے بھی جس لڑکی کی وجہ سے ہمیں اتنی ذلتیں اٹھانی پڑی ہیں اس کا خیال نہیں' البتہ اس سے نفرت ضرور کی جاسکتی ہے۔" وہ نخوت سے بول رہی تھیں۔

"مما آپ کو لوگوں کی باتوں کی پروا ہے مگر اس کے دکھوں کی اس کی اذیتوں کی فکر نہیں' اسے کیا کچھ سہنا پڑا' بے قصور اور معصوم ہوتے ہوئے کیا کچھ جھیل رہی ہے۔" وہ مما کی بات پر اذیت کا شکار ہوا۔

"اچھا اب بس کرو زیادہ ماں کو سبق نہ پڑھاؤ' اس گھر میں رکھا ہوا ہے اسے کافی نہیں ہے اس کے ماں باپ نے تو یہاں اٹھا کر پھینک دیا جیسے ہم نے کوئی پاگل خانہ کھولا ہوا ہے۔" یہ صالح کی دادی تھیں جو ابھی ابھی کمرے میں آئی تھیں اور آتے ہی اسے بے نکان سنانی شروع کردی تھی۔

"پتا نہیں اماں کس گناہ کی سزا جھیل رہے ہیں ہم۔" مما کا آبدیدہ ہونا اسے ایک آنکھ نہیں بھایا تھا۔

"مما آپ کو اس بات کا خیال نہیں ہے کہ وہ آپ کے بھائی کی بیٹی ہے' کم از کم اس بات کا تو لحاظ کرلیں کہ وہ آپ کے بیٹے کی عزت ہے۔"

"ارے رہنے دو' بس میرا منہ نہ کھلواؤ اس کی اپنی کوئی عزت باقی ہے' جو وہ تمہاری عزت بنے گی۔" مما نے اس کی بات کاٹ کر درمیان میں کہا' اور مما کی بات نے اس کا خون کھولا دیا۔ اسے لگا کہ اگر وہ مزید ان کے سامنے رکا تو اس کے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی' وہ تیزی سے وہاں سے نکلتا چلا گیا۔ پیچھے اب بھی مما اور دادی دونوں حرمت کو کوس رہی تھیں۔ جسے دعاؤں کی ضرورت تھی اسے ہر طرف سے صرف بددعائیں مل رہی تھیں۔

اگر وہ مزید کچھ دن اور یہاں رکتا تو یقیناً اپنا ضبط کھو بیٹھتا' وہ فیصلہ کرچکا تھا یہاں سے جانے کا' پہلے پہل اس کا خیال تھا کہ اس کی غیر موجودگی میں گھر والے اس کا خیال رکھیں گے مگر اب ان گزرے تین ماہ میں اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ وہاں کوئی اس کا ہمدرد نہ تھا پھر یہاں رک کر سب کی باتیں سننے کا فائدہ۔ مما اور پاپا بہت ناراض تھے مگر اس نے یہی کہا کہ بس کچھ ہی دنوں کی بات ہے' پاپا تو پھر خاموش ہوگئے تھے مگر مما اور دادی نے خوب ہنگامہ کیا تھا...... لیکن اس کے لیے جانا ناگزیر تھا' وہ ہر حال میں اسے پہلے کی طرح دیکھنا چاہتا تھا' اور اس کے لیے وہ اپنی طرف سے ہر ممکن کوشش کررہا تھا۔

♥......♥□♥......♥

سواد زندگی میں
ایک ایسی شام آتی ہے
کہ جس کے سرمئی آنچل میں
کوئی پھول ہوتا ہے
نہ ہاتھوں میں کوئی تارہ
جو آ کر بازوؤں کو تھام لے
پھر بھی......!!
رگ و پے میں کوئی آہٹ نہیں ہوتی
کسی کی یاد آتی ہے
نہ کوئی بھول پاتا ہے
نہ کوئی غم سلگتا ہے
نہ کوئی زخم سلتا ہے
گلے ملتا ہے کوئی خواب
نہ کوئی تمنا ہاتھ ملتی ہے
سواد زندگانی میں
اک ایسی شام آتی ہے
جو خالی ہاتھ آتی ہے......!!

وہ سب کی ناراضگی کے باوجود اسے ساتھ لیے کم گنجان علاقے میں آچکا تھا۔ یہ چھوٹا سا بنگلو تھا ہر سہولت سے آراستہ' ایک فل ٹائم ملازمہ کا بھی بندوبست ہوچکا تھا۔ ایک چوکیدار بھی تھا اور اس سے زیادہ ملازم وہ خود رکھنا نہیں چاہتا تھا وہ انسانوں سے گھبراتی تھی اور خصوصاً مردوں سے لہٰذا یہی دو قابل اعتماد ملازم رکھے تھے فی الحال۔

ہلکے ہلکے بادلوں نے آسمان کو ڈھانپ رکھا تھا شام کی فسوں خیز خاموشی اور سبک خرام ہوا کے جھونکے کبھی

کبھی بوندا باندی بھی ہوجاتی ہلکی ہلکی بوچھاڑ ہوتی اور پھر رک جاتی' شاید ہوا کے شریر جھونکے بادلوں کے ساتھ شرارت کررہے تھے۔ وہ کب سے سبز نم گھاس پر دوزانو بیٹھی ہوئی تھی۔ انتہائی مختصر سا لان اپنے اندر آنکھوں کو تازگی دینے کی بھرپور صلاحیت رکھتا تھا...... یہاں اسے ادھر ادھر گھومنے کی آزادی تھی ورنہ وہاں تو صرف کمرے تک ہی محدود رہتی تھی۔ وہ آفس سے آ کر چینج کرنے کے بعد خود اپنے ہاتھ سے اس کے لیے اور اپنے لیے چائے بنا کر لایا تھا...... حالانکہ وہ جانتا تھا کہ وہ کتنی بری چائے بناتا ہے۔ مگر پھر بھی...... اس کے قریب چائے کا کپ رکھ کر اپنا کپ ہاتھ میں لیے ہوئے اس کے سامنے گھاس پر بیٹھ گیا۔

"حرمت کیا سوچ رہی ہو......؟" وہ جو کب سے غیر مرئی نقطے پر نگاہ جمائے بیٹھی تھی اس کے آنے اور مخاطب کرنے پر بھی پلک تک نہیں جھپکی تھی۔

"حرمت میری زندگی کیا میری آواز بھی تمہاری سماعتوں تک نہیں پہنچتی' کیا تمہاری آنکھیں اب مجھے دیکھنا نہیں چاہتیں۔" وہ اس خاموشی سے باہر نکلنا چاہتا تھا اس اذیت کا ازالہ کرنا چاہتا تھا' چائے کا کپ نیچے رکھ کر اس کا ہاتھ اپنے مخصوص انداز میں تھاما۔ آج اس کے دل کی حالت عجیب ہی ہورہی تھی۔ اس کی خاموشی اس کی لاتعلقی اسے کھل رہی تھی...... وہ سب کو فراموش کرنے کے ساتھ اسے بھی بھول چکی تھی۔ اور یہ خیال اسے اندر سے توڑ رہا تھا۔ وہ اپنے دکھ اپنے درد اندر ہی اندر جھیل رہی تھی' کاش وہ اسے اپنا سمجھ کر اپنا ہر دکھ و غم اسے سونپ دیتی' تو وہ کب کا ان غموں کا مداوا کرچکا ہوتا۔

وہ کتنی دیر تک اس کا ہاتھ تھام کر بیٹھا رہا لیکن وہ اس کی موجودگی سے اس کے دل کی حالت سے یکسر لاعلم رہی اور جوں ہی اسے ہوش آیا اس نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے چھڑا لیا اور وحشت بھری نگاہوں سے اس کی جانب دیکھ کر وہ اندر کی طرف بھاگ گئی۔ اس کی آنکھوں کی اجنبیت یہ بیگانگی اسے مار ڈالتی تھی۔ جب جب وہ

اس کی موجودگی سے اس کے دیکھنے بات کرنے اور چھونے سے وحشت کا شکار ہوتی اس کا دل چاہتا کہ وہ اپنا آپ ختم کرڈالے اس کی آنکھیں جن میں ہمہ وقت ایک طوفان کروٹیں لیتا رہتا' وہ آنکھیں اسے اپنے اندر چبھتی ہوئی لگتی تھیں' ان آنسوؤں کو وہ اپنے اندر اترتا ہوا محسوس کرتا' مگر جب تک وہ خود نہیں چاہے گی ٹھیک نہیں ہوگی۔" ڈاکٹر بلال نے اسے بارہا کہا تھا۔

"دراصل یہ اس کا حقیقت سے فرار ہے۔ وہ شعوری اور لاشعوری طور پر دونوں طرح حقیقت کا سامنا نہیں کرنا چاہتی' اسے اعتبار دینے کی ضرورت ہے' یہ یقین دینے کی ضرورت ہے کہ خوشیاں' محبت اور خصوصاً عزت اس دنیا میں اس کے لیے بھی اسی طرح ہے جیسے ہر انسان کے لیے۔" اس کا بس چلتا تو وہ لمحوں میں اسے یہ سب دے دیتا اسے اپنی محبت کا یقین سونپ دیتا' مگر وہ یقین کرنے کو تیار ہی نہیں تھی۔ اس کے جذبوں پر اس کی محبت پر آنکھیں بند کرکے یقین کرنے والی آج اسے پہچانتی تک نہیں تھی یا پھر پہچاننا نہیں چاہتی تھی۔ اس کے ذہن میں ماضی کی کتاب کے ورق ایک ایک کرکے پلٹنے لگے تھے۔

♥......♥□♥......♥

صاعقہ پھوپو کی شادی کی تیاریاں جوش وخروش سے جاری تھیں' وہ اس گھر کی سب سے چھوٹی اولاد تھیں اور اس لحاظ سے یہ اس گھر کی آخری شادی ہی تھی پھر ظاہر ہے بچوں کی باری آنا تھی اور اس میں ابھی وقت تھا۔ آج بھی گھر میں ڈھیر سارے مہمان آئے ہوئے تھے' صاعقہ پھوپو کی بری جو آئی تھی۔ اتنے مہمانوں کی موجودگی سے فائدہ اٹھا کر بچوں نے خوب شور شرابا برپا کیا ہوا تھا۔

"ارے عالیہ ذرا اس حرمت کو تو آرام سے بٹھا دو سارے بچوں کی لیڈر ہے' یہ کسی بات کا اثر نہیں ہوتا اس لڑکی پر......" زمانی بیگم حرمت کی دادی زیادہ تر اس کی شرارتوں سے عاجز رہتی تھیں۔

"اماں کتنی بار منع کروں سمجھے بھی تو وہ۔" عالیہ بیگم بے زاری سے بولی تھیں۔

"مگر عالیہ وہ اکیلی تو نہیں ہے اور بچے بھی اس کے ساتھ شامل ہیں۔" عالیہ کی بڑی بہن رابعہ کو عالیہ کی بات ذرا نہیں بھائی تھی۔

"ارے آپا آپ کو نہیں معلوم اس لڑکی میں تو عقل نام کی کوئی چیز ہے ہی نہیں۔" عالیہ کا اتنے مہمانوں کی موجودگی میں ایسا کہنا مزید رابعہ کو ناگوار گزرا تھا۔

"عقل عمر کے ساتھ ساتھ آجاتی ہے' ابھی وہ محض میٹرک کی اسٹوڈنٹ ہے' کس قسم کی عقل کی توقع کررہی ہو تم اس سے۔" رابعہ بیگم نچ میں زچ ہوگئی تھیں۔

"افوہ آپا میں اور باقی سب تو اس لیے کہتے ہیں کہ لڑکی ذات ہے کل کو گھر گرہستی سنبھالنی ہوگی کب تک یہ لاابالی حرکتیں کرتی رہے گی آخر وہ...... کھیل کود سے ہی اسے فرصت نہیں ملتی۔ اگر یہی حال رہا تو آگے جانے اس کا کیا ہوگا؟" وہ اب باقاعدہ فکرمند نظر آرہی تھیں۔ باقی لوگ اگرچہ اپنی باتوں میں لگے ہوئے تھے مگر زمانی بیگم اور فائقہ جو قریب ہی براجمان تھیں ان کے کانوں میں اکا دکا باتیں پڑ ہی رہی تھیں۔

"تمہیں حرمت کے لیے فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" رابعہ بیگم کے منہ سے اچانک ان کے دل کی خواہش الفاظ کی صورت بیان ہوگئی تھی' تقریباً سب ہی ان کی بات پر چونکے تھے۔ کیونکہ ایسا کہتے ہوئے ان کی آواز معمول سے اونچی ہوگئی تھی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا......" زمانی بیگم اپنے مخصوص بارعب انداز میں پوچھ رہی تھیں۔

"میں اپنے مبشر کے لیے حرمت کو مانگنا چاہتی ہوں' اگر آپ لوگوں کو اعتراض نہ ہو......" اب جب بات نکل ہی چکی تھی زبان سے تو اپنا مدعا کھل کر بیان نہ کرنا بے وقوفی ہوتی سو وہ رسان سے بولتی چلی گئی تھیں۔

"کیوں بھئی ہمیں کیوں ہوگا اعتراض...... اور ویسے آپ کیا گھر سے سوچ کر آئی تھیں کہ یہ بات کریں گی۔" فائقہ حرمت کی پھوپو تھیں جو اس کے والد عبدالواثق سے بڑی تھیں گھر میں ان کا خوب ہولڈ تھا۔ اس معاملے میں

بھی انہیں لگا تھا جیسے عالیہ بیگم نے بالا ہی بالا اپنی بہن سے بات کرلی ہو اور ہمیں اب اطلاع مل رہی ہے لہٰذا نخوت سے بول رہی تھیں۔

"یہ تو بہت پہلے سے سوچ رکھا تھا مگر آج یہ بات کرنے کا ارادہ نہیں تھا وہ تو بات سے بات نکلتے زبان پر یہ بات بھی آگئی۔" انہوں نے وضاحت دی تھی۔

"بہرحال کچھ بھی ہو...... حرمت کے لیے تو میرا ارادہ ہے کب سے' اماں سے میں بات کرچکی ہوں' انہیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ کیوں اماں جان۔" انہوں نے زمانی بیگم سے تائید چاہی تھی مگر زمانی بیگم نے نہ اقرار کیا نہ ہی انکار۔

انہیں حرمت کچھ خاص پسند نہیں تھی مگر اب اس معاملے میں وہ ہرگز پیچھے نہیں رہنا چاہتی تھیں۔ اپنے سامنے وہ اپنی بھاوج کے میکے کے کسی فرد کو بازی لے جاتا نہیں دیکھ سکتی تھیں' ہر معاملے میں اپنی بڑائی جتانے کی ان کی عادت تھی۔

"یاسمین ذرا حرمت کو تو بلانا۔" سب کی خاموشی کو محسوس کرکے انہوں نے ایک نیا شوشا چھوڑا تھا۔

"جی پھوپو آپ نے بلایا ہے۔" بلیک جینز پر ڈھیلی ڈھالی بلیک ٹی شرٹ پہنے وہ اپنے لاابالی انداز میں موجود تھی۔

"ادھر آؤ میرا بچہ......" فائقہ پھوپو کا انداز نیا تھا' مگر وہ پھر بھی بغیر حیران ہوئے ان کے قریب آرکی تھی۔ انہوں نے اپنے پاس صوفے پر اس کے بیٹھنے کی جگہ بنائی اور پھر اپنے بائیں ہاتھ کی انگلی میں موجود گولڈ کی بھاری انگوٹھی اس کے بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں ڈال دی تھی۔ چونکہ اس کی انگلی میں اچھی خاصی ڈھیلی تھی۔ یہ سب فائقہ نے اس قدر آناً فاناً کیا تھا کہ بس سب دیکھتے رہ گئے تھے۔ حرمت کے والد عبدالواثق کو تو بہن کے اس اقدام پر اعتراض بھی نہ تھا' انہیں اپنی بہنیں بے حد عزیز تھیں لیکن یہ پہلی بار تھا کہ عالیہ کو اپنی بیٹی کے لیے فائقہ کے فیصلہ کرنے پر شدید غصہ آیا تھا۔ مگر وہ اتنے مہمانوں کی وجہ سے مصلحتاً خاموش رہ گئی تھی۔ حرمت کے لیے یہ سچویشن ایسی تھی کہ فی الحال اس کے دماغ میں کچھ واضح نہیں ہو پارہا تھا۔

"بس اب حرمت میری بیٹی ہے بلکہ میری بہو ہے۔" انہوں نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر اس کا ماتھا چوم لیا تھا۔ کسی کو کوئی اعتراض نہیں تھا۔ یاسمین چچی مٹھائی لے آئی تھیں اور سب منہ میٹھا کرنے لگے تھے۔ اور ان سب کے درمیان موجود صالح زریاب جو ابھی ابھی آیا تھا' اپنی ماں کے کیے گئے فیصلے پر حیران رہ گیا تھا' اس کی زندگی کا فیصلہ اور اس کی مرضی تک نہیں پوچھی گئی تھی۔ وہ بی کام فائنل کا اسٹوڈنٹ تھا' ابھی اس نے اس طرح کی کسی بات کے متعلق سوچا تک نہیں تھا نہ ہی کسی لڑکی میں اس کی کوئی دلچسپی تھی' ابھی تو اس کے ذہن میں شریک حیات کے لیے کوئی خاکہ تک نہیں تھا اور اتنے اچانک ایک لڑکی کو اس کے نام سے منسوب کردیا گیا تھا اور وہ جو اتنی دیر سے باشکل بیٹھی تھی بڑوں کی توجہ اپنی جانب سے ہٹتے ہی بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں پہنائی گئی انگوٹھی دائیں ہاتھ کی مٹھی میں بند کرتی وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔ اور اس کی اس حرکت سے صالح کے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ آگئی تھی۔

♥......♥□♥......♥

عالیہ تو ہرگز اس رشتے کے حق میں نہیں تھیں یہ نہیں تھا کہ انہیں صالح پسند نہیں تھا بلکہ انہیں فائقہ کی من مانی ایک آنکھ نہیں بھائی تھی پھر ان کی بہن کو کتنی انسلٹ برداشت کرنی پڑی تھی وہ اپنے شوہر پر دباؤ ڈال رہی تھیں کہ وہ اپنی بہن کو اس رشتے کے لیے منع کریں ورنہ وہ خود اپنے طریقے سے انہیں انکار کردیں گی۔ دوسری طرف عبدالواثق صاحب انہیں سمجھانے میں لگے ہوئے تھے' اپنی بہن کی خواہش وہ رد نہیں کرسکتے تھے۔

♥......♥□♥......♥

فائقہ کو اپنی اس من مانی پر سسرال میں بھی کافی کچھ سننا پڑا تھا' ان کی ساس اور شوہر دونوں ہی ناراض تھے' ان کا ارادہ اپنے بڑے بھائی کی بیٹی نگار کو بہو بنانے کا تھا اور فائقہ کا کبھی بھی ایسا ارادہ نہیں رہا تھا۔ خیر شوہر کو تو انہوں نے جیسے

تیسے منا ہی لیا تھا مگر اب معاملہ ساس اور جیٹھ جٹھانی کو منانے کا تھا' یوں تو ان کے دو دیور بھی تھے مگر ان کے ناراض اور راضی ہونے کو فائقہ خاطر میں ہی کب لاتی تھیں۔ اور فائقہ بیگم کو زمانی بیگم کی زبانی جو بات معلوم ہوئی اس نے ان کا مزاج ہی بگاڑ دیا تھا' عالیہ اس رشتے کے حق میں نہیں ہے؟ یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی' وہ ایک طرف اپنے سسرالی رشتے داروں کی ناراضگی سہہ رہی تھیں اور اب یہ نیا بکھیڑا کھڑا ہونے لگا تھا۔ انہوں نے اپنے بھائی اور ماں سے بات کرکے بالا ہی بالا ایک فیصلہ کرلیا تھا' جس کی خبر عالیہ کو عین موقع پردی گئی تھی۔

صاعقہ کا نکاح مہندی سے ایک دن پہلے اور یہی دن فائقہ کو مناسب لگا تھا اپنی خواہش کی تکمیل کے لیے جو چند روز قبل ان کے دل میں پیدا ہوئی تھی اور اب ضد کی شکل اختیار کرچکی تھی لہٰذا صاعقہ کے نکاح کے ساتھ ساتھ حرمت اور صالح کا نکاح بھی کردیا گیا تھا عالیہ کے واویلا کرنے پر بھی عبدالواثق نے فیصلہ نہیں بدلا تھا۔ حرمت کو اس وقت تو اس کی تائی تسلیم اور چچی یاسمین نے سمجھا بجھالیا تھا مگر نکاح کے بعد اس نے کمرے کا حشر نشر کردیا تھا۔ عالیہ اور عبدالواثق اس کی وجہ سے پریشان تھے مگر گھر میں موجود مہمانوں کی وجہ سے یہی غنیمت لگا تھا کہ وہ اپنی تمام تخریبی کارروائیاں کمرے میں ہی کررہی ہے۔ عالیہ کو اپنے شوہر کے فیصلے پر غصہ تھا اور اس کی بے حد فکر مگر وہ بری طرح سب سے ناراض تھی......!!

♥......♥□♥......♥

سب گھر والے شادی ہال کے لیے نکل چکے تھے' اکا دکا بڑی عمر کی خواتین تھیں جو کہ گھر میں مختلف وجوہات کی وجہ سے رک گئی تھیں یا پھر ملازمائیں تھیں مگر مہمانوں کے اور گھر والوں کے جانے کے بعد ہر طرف خاموشی چھا گئی تھی۔ ان تین دنوں میں کھانا' ناشتہ اس کے کمرے میں اظہر اور اظفر اس کے کزنز پہنچا رہے تھے' مگر آج اسے کھانا دیے بغیر جاچکے تھے' کمرے میں بند وہ پوری طرح بور ہوچکی تھی' ابھی تو گھر میں کوئی تھا بھی نہیں جو وہ چیزوں کی توڑ پھوڑ کرتی' سو اس بات کا یقین کرنے کے بعد کہ سب جاچکے ہیں وہ کمرے سے باہر نکل آئی تھی...... پورے تین دن بعد اسے خود ساختہ قید سے تھوڑی دیر کے لیے ہی سہی نجات تو مل گئی تھی۔ یوں پابند ہوکر بیٹھنا اس کی فطرت نہیں تھی۔ وہ محض پندرہ سال کی تھی مگر اپنی عمر کے حساب سے زیادہ ذہین تھی' بے حد شارپ' اسے روپے بھنا اور برتنا دونوں باخوبی آتے تھے' فطرت میں بے پروائی ضرور تھی مگر وہ بے حد حساس تھی......!

''مجھے پتا تھا کہ تم سب کے جانے کے بعد ضرور باہر آؤ گی۔'' اپنے پیچھے ہی مانوس آواز سن کر وہ بری طرح اچھلی تھی۔ کھانے کی ٹرے جو وہ کاؤنٹر پر سے اٹھا رہی تھی گرتے گرتے بچی تھی۔

''آپ...... ڈرادیا آپ نے مجھے......'' وہ اسے دیکھ کر بدمزہ ہوئی تھی۔

''کیوں تم تو بہت بہادر ہو پھر کیسے ڈر گئیں۔'' وہ اس کی بات سے محظوظ ہوتے ہوئے بول رہا تھا۔

''آپ نہیں گئے سب کے ساتھ۔'' وہ ہنوز اس سے خائف تھی' اپنے اور اس کے درمیان بننے والے رشتے کی اسے پروانہ تھی۔ ابھی اس کی عمر اس رشتے سے جڑی روایتی شرم وحیا کو سمجھنے کی نہ تھی اور نہ ہی وہ اس رشتے کے تقاضے جانتی تھی۔ دوسری طرف صالح تھا جو پوری طرح اپنے اور اس کے درمیان بننے والے رشتے کی اہمیت کو سمجھتا تھا' وہ انیس سال کا تھا اور اس کی عمر اس رشتے کو سمجھنے کے لیے کافی تھی۔ لہٰذا صالح بھی اس رشتے کی خوب صورتی کو پوری طرح محسوس کرسکتا تھا۔

''تم کھانا کھارہی تھیں......'' وہ اس کے سوال کو نظر انداز کرگیا تھا۔

''ہاں مگر یہاں نہیں لان میں جاکر کھاؤں گی۔'' وہ اطمینان سے ٹرے اٹھا کر باہر کی جانب چل دی تھی۔

''کیا میں بھی تمہارے ساتھ کھا سکتا ہوں؟'' وہ اس سے دو قدم پیچھے چلتا ہوا بولا تھا۔ وہ ایک پل کو رکی اور سر گھما کر اس کی جانب دیکھا تھا۔ پھر کچھ سوچ کر اثبات میں

سر ہلادیا تھا۔ اس کی اور صالح کی بس واجبی سی ہائے ہیلو تھی وہ اپنے کام سے کام رکھنے والا تھا اور پھر حرمت کی طرف تو کبھی اس کا دھیان گیا ہی نہیں تھا' وہ اس سے چھوٹی تھی اور پھر بالکل ہی مختلف مزاج کی حامل۔

''تم نے صاعقہ خالہ کی شادی کی تقریب مس کردی۔'' وہ یونہی بات کرنے کی غرض سے بولا تھا وہ کھانا کھانا شروع کرچکی تھی۔ صالح اس کے سامنے چیئر پر بیٹھ گیا۔

''آپ بھی تو نہیں گئے۔'' اس نے بھی جواباً سوال کا سا انداز اپنا کر کہا۔

''ہاں کیونکہ مجھے تم سے بات کرنی ہے۔'' وہ بغور اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ جو اس کی نگاہوں کے ارتکاز سے فی الحال بالکل بے نیاز تھی۔

''مجھ سے کیا بات کرنی ہے؟ اگر آپ کو اپنی اور میری شادی کے بارے میں بات کرنی ہے تو نہ ہی کریں کیونکہ اس کا ذکر ہوتے ہی مجھے غصہ آنے لگتا ہے اور پھر غصے میں' میں ہر بات فراموش کردیتی ہوں۔'' وہ اسی اطمینان اور اعتماد سے بول رہی تھی اور اس کے انداز اور بات پر وہ بے ساختہ ہنس دیا تھا۔

''کیوں اس میں غصہ آنے والی کیا بات ہے؟'' اس کے گھورنے پر وہ اپنی ہنسی روک کر سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

''کیوں غصہ آنے کی بات نہیں ہے کیا؟ کسی نے مجھ سے پوچھا تک نہیں اور میری شادی فکس کردی۔ آپ کو پتا ہے ابھی میں صرف پندرہ سال کی ہوں اور چھوٹی عمر میں شادی کرنا قانوناً جرم ہے' اگر میں یا پھر اظہر اور اظفر پولیس کو رپورٹ کردیں ناں تو سب کو پتا لگ جائے۔'' اس کے خوفناک ارادوں نے صالح کو حیران کردیا تھا۔ اس سے کسی بھی بات کی توقع کی جاسکتی تھی۔

''تو پھر تم نے پولیس کو رپورٹ کیوں نہیں کی؟'' وہ نارمل سے انداز میں پوچھ رہا تھا۔

''اچھا لگتا کیا پولیس ہمارے گھر آتی اور آج کل تو ہر بات میڈیا تک پہنچ جاتی ہے' پھر میرے پاپا تو اتنے نامی گرامی ڈاکٹر ہیں۔ میں کبھی نہیں چاہوں گی میری وجہ سے ان کی عزت پر حرف آئے۔'' وہ بظاہر بے پروا اور لاابالی نظر آنے والی لڑکی اتنی گہری سوچ رکھتی تھی وہ بھی اتنی سی عمر میں...... وہ ذہین اور حاضر جواب تھی وہ جانتا تھا مگر اتنی حساس ہوگی یہ اسے آج پتا چلا تھا۔

''ارے تم تو بہت سمجھدار ہو اور بہت اچھی بھی۔'' وہ نرم سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا اور پہلی بار اس نے حرمت کی آنکھوں میں حیرانی دیکھی تھی۔

''اگر کھانا کھاچکی ہو تو چلو تمہیں آئس کریم کھلا کر لاتا ہوں' کتنے دنوں سے کمرے میں بند ہو اس سے پہلے تو یقیناً تم کبھی بھی اتنے دن کمرے میں بند نہیں رہی ہوگی۔'' وہ جو کھانا کھاچکی تھی اس کی آفر پر خوش ہوگئی اپنے فیورٹ آئس کریم پارلر میں آئس کریم کھاتے ہوئے وہ صالح سے ڈھیروں باتیں کررہی تھی اور جب وہ دونوں گھر واپس آئے تب تک دونوں کے درمیان اچھی خاصی دوستی ہوچکی تھی اور یہ اس دوستی کا ہی اثر تھا کہ وہ اگلے دن کمرے کی خود ساختہ قید سے خود کو رہائی دے چکی تھی اور اس کا موڈ بھی خراب نہیں تھا۔ جہاں سب کو اس کا یا پلٹنے پر حیرانی ہوئی تھی وہیں سب نے سکون کا سانس بھی لیا تھا۔

♥......♥□♥......♥

خاموش رہ کر پکارتی ہیں
وہ آنکھیں کتنی شرارتی ہیں
میں پانیوں میں گہرا جزیرہ
وہ مجھ میں ساون اتارتی ہیں

ماہ وسال گزرنے کے ساتھ ساتھ کب یہ دوستی محبت میں بدلی کم از کم حرمت انجان تھی جبکہ صالح تو دھڑلے سے کہتا تھا کہ وہ منگنی والے دن سے ہی اس کی محبت میں مبتلا ہوگیا تھا۔ وہ بھی شدید محبت میں۔ وہ ماس کمیونیکیشن میں ماسٹرز کررہی تھی' اس کی بولڈنس اور شارپ نیس میں اضافہ ہی ہوا تھا۔ آج بھی اسے کرکٹ' فٹ بال اور بیڈمنٹن جیسے کھیل پسند تھے' کچن میں جاتے ہوئے اس کی جان نکلتی اور جو کبھی کچن میں چلی بھی جاتی تو بس برتنوں کی شامت ہی آجاتی تھی بقول اس کی چھوٹی بہن فرحت

کے حرمت آپی برتنوں پر اپنے جوڈو کراٹے کا فن آزماتی ہیں۔ وہ بلیک بیلڈ تھی' یاسمین چچی کہتی تھیں۔ "کچھ تو حرمت بگڑی ہوئی پہلے ہی تھی اور اسے مزید صالح نے بگاڑ دیا۔" وہ ہر معاملے میں اس کی فیور کرتا تھا' فائقہ پھوپو ہمیشہ ہی اس سے خفا رہتی تھیں۔

♥......♥□♥......♥

"لڑکی ضرور تم کوئی نہ کوئی گل کھلا کر رہوگی' کیا ضرورت تھی اس لڑکے سے الجھنے کی' آئے دن کوئی نہ کوئی کارنامہ سننے کو ملتا ہے تمہارا اور بچے بھی ہیں اس گھر میں یہاں تک کہ کبھی کسی لڑکے کی شکایت نہیں آئی۔ تم نے تو لڑکوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔" دادی جان کا غصہ عروج پر تھا اور وہ سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھی۔

"دادی جان آپ اس کے ہاتھ سے موبائل تو لے لیں پھر شاید اس پر آپ کی ڈانٹ کچھ اثر کر جائے۔" اظفر جو ابھی اس کے برابر والی چیئر پر آکر بیٹھا تھا۔ اس کا راز افشاں کر گیا۔ وہ بری طرح پیچ و تاب کھا کر رہ گئی۔

"یا میرے اللہ کیا بنے گا اس لڑکی کا۔" دادی جان نے دہائی دی۔

"دادی جان آخر میں نے کیا کیا ہے۔" اس کی بے نیازی کا بھی جواب نہیں تھا۔

"لو اتنا کچھ کیا ہے اور پوچھ رہی ہو کیا ہی کیا ہے؟ تمہارے باپ کو پتا چلے گا تو وہ خبر لے گا تمہاری۔" دادی جان کے غصے کا گراف مسلسل بڑھ ہی رہا تھا۔

"دادی جان کسی کی مدد کرنا بری بات ہے کیا وہ بدتمیز لڑکا اس لڑکی کو تنگ کر رہا تھا۔ میں ان دونوں کو اچھی طرح جانتی ہوں۔ وہ لڑکی بے چاری اتنی شریف اور ڈرپوک ہے جبکہ وہ لڑکا ایک نمبر کا لوفر ہے اگر میں وقت پر نہ پہنچتی تو وہ کب کا اسے اپنی کار میں ڈال کر لے بھی جاتا' اس وقت تو پارکنگ میں کوئی تھا بھی نہیں اور آپ کو پتا ہے وہ لڑکا ڈرنک کیا ہوا تھا۔ میرا یقین کریں یونیورسٹی جیسی جگہ پر وہ پی کر آیا تھا۔ اور وہ بھی دن میں۔" اس کی بات پر دادی جان کا چہرہ سرخ ہوگیا مگر وہ مزے سے بتانے میں مگن تھی۔

"بس میں نے تو اس کے ہاتھ سے اس بے چاری کا ہاتھ نکلوانے کے لیے اور اسے ہوش میں لانے کے لیے تھوڑی سی اپنے اسٹائل میں مزاج پرسی کی تھی اس کی۔" اس کا بے پروا انداز ہنوز برقرار تھا۔

"سنا اس کا کارنامہ اب اگر وہ لڑکا بدلہ لینے پر اتر آیا...... اور بی بی جو تم کہہ رہی ہو وہاں کوئی نہیں تھا تو پھر وہ کیا کہہ رہے تھے تم اظفر کیا بھیجا ہے موبائل میں۔"

"دادی جان ایم ایس۔" اظفر نے فوراً لقمہ دیا وہ اس کا کلاس فیلو تھا اور اس کی ایک ایک حرکت کی رپورٹ گھر میں آکر دینا اپنا فرض سمجھتا تھا۔

"ارے ہاں وہی...... وہ کیا فرشتوں نے بنا کر بھیجا ہے سب کو......" دادی جان کی ذہانت کی تو وہ ہمیشہ سے قائل تھی۔ ایسے ایسے نقطے نکالتی تھیں وہ کہ قابل سے قابل وکیل ان سے ہار جاتا۔

"اب مجھے کیا پتا کہ وہاں کوئی موجود ہوگا' مگر مدد کرنے کے لیے تو نہیں آیا اور اچھا ہی ہوا جو ایم ایس سب کو بھیجے اس نے کوئی تو اچھا کام کیا اب شہباز کو عقل آئے گی کہ لڑکی کو تنگ کرنے کا کیا انجام ہوتا ہے۔" وہ نخوت سے بولی تھی۔

"ہاں خود تمہیں تو بڑی عقل ہے جو دوسروں کو عقل دوگی' ارے اگر تمہارے یہ کارنامے تمہاری سسرال میں پتا چل جائیں تو اس بے چاری فائقہ کو ہی سننے کو ملے گا سب نے کچھ تو خیال کرو اس بات کا۔" دادی جان کو نئی فکر نے آ گھیرا تھا۔ بیٹی کی کلاس لگنے پر عالیہ خوب جز بز ہو رہی تھیں۔

"دادی جان' آپ ہی تو کہتی ہیں دوسروں کی مدد کرنا نیکی کا کام ہے۔" وہ شرارت سے چمکتی آنکھوں کے ساتھ ہونٹوں پر اللہ نے والی ہنسی کو روکتے ہوئے بولی تھی۔

"ارے بی بی کبھی کبھی نیکی گلے بھی پڑ جاتی ہے۔" دادی جان نے اسے گھور کر کہا تھا۔

"چھوڑیں اماں جان اسے آپ کی یا کسی کی کوئی بات سمجھ میں آنے والی نہیں ہے اسے تو صالح ہی سمجھا سکتا ہے آپ اسی کو کہیں۔" یاسمین چچی کی بات پر جہاں دادی

جان نے گہرا سانس لیا تھا وہیں باقی سب کی معنی خیز ہنسی اسے بھی مسکرانے پر مجبور کرگئی تھی۔

پھر واقعی دادی جان نے صالح کو بلا بھیجا تھا۔ سارے معاملے سے وہ پہلے ہی آگاہ تھا اور اسے خود بھی تشویش تھی مگر وہ حرمت کے اس اقدام کو غلط نہیں کہہ سکتا تھا۔ جو بھی تھا حرمت نے وہی کیا جو اسے کرنا چاہیے تھا۔

"اماں جان مجھے تو نہیں لگتا صالح آپ سے متفق ہے دیکھیں ناں کس طرح خاموشی سے سن رہا ہے۔" یاسمین ممانی وہیں براجمان تھیں' صالح کی نظروں کی التجا کو نظر انداز کرتی ہوئی مزے سے بولی تھیں۔

"پتا نہیں اس لڑکے کی عقل پر کون سے پتھر پڑ گئے ہیں وہ تو چلو ہے ہی ہمیشہ کی بے عقل اب یہ بھی اس جیسا ہوگیا ہے۔" زمانی بیگم نے اسے بھی آڑے ہاتھوں لیا تھا۔

♥......♥□♥......♥

میں اس کی آنکھوں کو دیکھتی ہوں تو سوچتی ہوں
نظر کا ایسا طلسم کس داستان میں تھا
میں اس کی کشتی سے اپنا آنچل ہٹا کے سمجھی
سفر کا بھی حوصلہ فقط بادبان میں تھا

"ہاں ہنس لو پورا حق ہے تمہیں میرا مذاق اڑانے کا۔" نانی سے خلاصی پاکر وہ یاسمین ممانی سے اس کا پوچھتا ہوا ٹیرس پر آ گیا تھا۔ جہاں وہ کتابوں میں سر دیئے بیٹھی تھی۔ صالح نے نانی سے پڑنے والی ڈانٹ کی تفصیل بھی خود ہی اسے بتائی تھی۔ اور اب وہ دل کھول کر لطف لے رہی تھی۔

"ویسے حرمت ڈیئر زندگی میں پہلی بار نانی کی کچھ باتوں سے مجھے اتفاق ہے واقعی وہ شہباز جیسا کہ تم اور اظفر بتا رہے ہو ویسا ہی ہے تو خاصا خطرناک انسان ہے وہ۔ خدا نہ کرے واقعی اگر وہ کوئی بدلہ لینے پر اتر آیا تو۔ احتیاطاً تم کچھ دنوں تک اکیلے باہر جانے سے گریز کرو کہیں بھی جانا ہو گھر کے کسی فرد کے ساتھ ہی جاؤ اور یونیورسٹی میں بھی اکیلے ادھر ادھر گھومنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ آج اسے نصیحت کرنے کے موڈ میں تھا' اور وہ ہونٹوں پر دلکش مسکراہٹ لیے اس کی جانب پوری طرح متوجہ تھی۔ اس کا فکر کرنا حرمت کو ہمیشہ اچھا لگتا تھا۔ اب بھی وہ اسے ہدایات دے رہا تھا اور وہ توجہ کا ایک جہان آنکھوں میں آباد کیے اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ وہ جب بولتا وہ یونہی یک ٹک اس کی طرف دیکھتی جاتی یہاں تک کہ اسے ہی ٹوکنا پڑتا تھا۔ اور تھوڑی ہی دیر میں صالح اس کا ٹرانس میں جانا محسوس کرچکا تھا۔ تھوڑی کے نیچے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی لگائے اپنے آپ سے بالکل بے نیاز آنکھوں میں محبت کے ڈھیر سارے رنگ لیے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی ہمہ وقت شرارت سے جگمگاتی آنکھوں کو چھوکر دیکھنے کی خواہش بارہا صالح کے دل میں پیدا ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں اسے اپنی کمزوری لگتی تھیں' ان آنکھوں میں اپنا آپ ڈوبتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ وہ یوں دیکھتی تو اسے اپنے آپ پر کنٹرول کرنا مشکل ہوجاتا۔ سب حق ہوتے ہوئے بھی وہ اپنے آپ پر بہت سی حد بندیاں خود ہی عائد کیے ہوئے تھا۔ اسے چھوکر محسوس کرنے کا حق وہ تب ہی استعمال کرنا چاہتا تھا جب وہ اس کے آنگن میں اترتی...... اس کی محبت ہر خواہش سے ماورا تھی۔

"اے محترمہ کیا چاہتی ہو کہ آج ہی رخصت کرا کے لے جاؤں تمہیں......" اس کی آنکھوں کے سامنے اس نے ہاتھ لہرایا اور وہ جو اس کی آنکھوں کے طلسم سے نکلنا ہی نہیں چاہ رہی تھی بادل نخواستہ پلکیں جھکا گئی اور......! صالح کے دل کو مزید مشکلات سے دوچار کرگئی تھی۔

"کیا ہوا حرمت...... کیا سوچ رہی ہو؟" اس کی چند لمحوں کی خاموشی اس پر گراں تھی۔

"کچھ نہیں......" وہ مدھم لہجے میں بولی۔ مگر اس کی جانب دیکھا نہیں تھا۔

"اچھا پھر چپ کیوں ہو؟ میری طرف دیکھ کیوں نہیں رہی ہو۔" وہ اس کی بے نیازی کہاں برداشت کرپاتا تھا۔

"ابھی دیکھ رہی تھی تو اعتراض تھا۔ اب نہیں دیکھ رہی تو پرابلم ہے۔" اس کا شکایتی انداز صالح کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھلا گیا تھا۔

"تم دیکھتی ہو تو دھڑکنیں رکنے لگتی ہیں اور تم نہیں دیکھتی

ہو تو سانس...... رکنے لگتی ہے دونوں ہی صورتوں میں جان پر بن آتی ہے۔" وہ ہنوز غیر سنجیدہ تھا۔

"بس رہنے دیں سب پتا ہے مجھے۔" وہ منہ پھلا کر بولی۔

"اچھا کیا پتا ہے۔" اس کی آنکھوں کے رنگ حرمت کے چہرے پر کھلنے لگے تھے۔ وہ اس کی نگاہوں کی شرارت سمجھ کر تیزی سے سر جھکا گئی تھی۔ یہاں آ کر اس کا سارا اعتماد دھرا کا دھرا رہ جاتا۔ اس کی ایک استحقاق بھری نظر اسے پزل کرنے کے لیے کافی ہوتی تھی۔

"پلیز صالح......" وہ اس کے مسلسل دیکھنے پر اپنی جگہ سے اٹھ کر جانے لگی تھی۔

"کیوں ابھی جو تم میرے ضبط کا امتحان لے رہی تھیں' اپنی ہاری پر فوراً میدان چھوڑ کر بھاگ رہی ہو۔" وہ اس کے بائیں ہاتھ کی کلائی تھام گیا۔

"آپ اگر ایسے ہی بی ہیو کریں گے تو...... تو میں دادی جان سے آپ کی شکایت کردوں گی۔" وہ اس کی مضبوط گرفت سے کلائی چھڑانے میں ناکام ہوکر دھمکی دے رہی تھی۔

"ہاں تو کردو...... میرا کام تو آسان ہوجائے گا۔ دادی جان تمہیں میرے ساتھ ہی رخصت کردیں گی۔" وہ ذرا بھی دھمکی سے متاثر نہیں ہوا تھا۔

"تو چلیں' ایسے ہی چلتے ہیں دادی جان کے سامنے' دیکھتے ہیں آپ کی خوش فہمی کس حد تک درست ہے۔" وہ اسے چیلنج کررہی تھی اور وہ اس کی بات پہ بے ساختہ ہنس دیا تھا۔

"میری خوش فہمی کی تو کوئی حد ہے ہی نہیں۔ اور یہ جو عارضی حدیں ہیں یہ تب تک ہی ہیں جب تک تم یہاں ہو' اس کے بعد......" وہ بات ادھوری چھوڑ کر چپ ہوگیا تھا۔

مگر اس کی ادھوری بات میں چھپا مطلب وہ آسانی سے سمجھ گئی تھی۔ تب ہی بری طرح جھینپ کر چہرہ دوسری طرف پھیر گئی تھی اور اس کے یوں پزل ہونے پر وہ اس کا ہاتھ چھوڑتا ہوا بے ساختہ ہنستا چلا گیا تھا۔

"بہت فضول بولتے ہیں آپ۔" اس کی طرف دیکھے بغیر وہ کہہ کر جاچکی تھی جبکہ وہ اس جیسی بولڈ اور کانفیڈنٹ لڑکی کے اتنے ٹپیکل انداز میں شرمانے پر کتنی دیر تک مسکراتا رہا تھا۔

♥......♥□♥......♥

میں اپنے آنچل کو سر پہ رکھتی پھر رہی ہوں
میں اپنے ناموس کی حفاظت کررہی ہوں
میری بے خبری میں آنچل ڈھلک نہ جائے
میں ہوا کی سازشوں سے ڈر رہی ہوں

پلیز دادی جان میں اکیلی نہیں جارہی' میری فرینڈز بھی جارہی ہیں اور یہ اظفر بھی تو جائے گا میرا باڈی گارڈ بن کے پلیز...... پلیز مان جائیں ناں......" وہ مما اور پاپا کے بجائے دادی جان سے ڈائریکٹ اجازت مانگ رہی تھی اگر دادی جان ہاں کردیتیں تو پھر کسی کو اعتراض نہ ہوتا۔ اس کی فرینڈ کی انگیجمنٹ تھی' سب کلاس فیلوز آرہی تھیں تو پھر وہ کیوں نہ جاتی...... اس کی ڈھیر ساری منتوں کے نتیجے میں دادی جان نے اجازت دے دی تھی مگر ساتھ ہی جلدی آنے کی تاکید بھی کی تھی۔ اور اس نے بھی فوراً ان کی تاکید کو پلو سے باندھ لیا تھا۔

مگر اس کی تیاری دیکھ کر ایک بار پھر دادی جان کا ارادہ ڈانوا ڈول ہوا تھا۔ وہ جو میٹرک تک جینز چڑھائے اور فضول سی تصویروں والی شرٹیں پہنے پھرتی تھی' اسے ان گزرے سالوں میں پہننے اوڑھنے کا ڈھنگ بہ خوبی آ گیا تھا اور اس ایک بات پر تو فائقہ بھی مطمئن ہوجاتی تھیں کہ وہ بلا کی خوب صورت تھی اور ہر جگہ چھا جانے کی صلاحیت رکھتی تھی اگر ان کا بیٹا لاکھوں میں ایک تھا تو وہ بھی لاکھوں میں ایک تھی اور جب دونوں ساتھ ہوتے تو کتنی ہی نگاہیں ان کی جانب رشک اور حسد سے اٹھتی تھیں۔ اس وقت بھی شیفون جارجٹ کے سوٹ میں ہلکے پھلکے میک اپ اور نازک جیولری کے ہمراہ اس کی چھب ہی نرالی تھی۔

"کیا جانا ضروری ہے......" مما نے دادی جان کے دل کی بات کہی تھی۔

"ہاں مما ضروری ہے اب جب دادی جان اجازت دے چکی ہیں' پاپا کو کوئی اعتراض نہیں' آپ تو نیا سوال نہ اٹھائیں۔" وہ جلدی جلدی بولی تھی کہیں مما کوئی نیا حکم ہی نہ جاری کردیں۔

"دیکھو اظفر اسے خیال سے لے کر جانا۔ خود اس کے ساتھ ہی رہنا' ادھر ادھر مت ہوجانا۔" دادی جان اظفر کو تاکید کررہی تھیں۔

"بے فکر رہیں دادی جان' پہلی بار تو نہیں جارہی یہ کہیں میرے ساتھ' اور آپ تو ایسے کہہ رہی ہیں جیسے یہ محترمہ انسان نہیں بلکہ کوئی قیمتی خزانہ ہو۔" اظفر نے اسے چڑایا تھا۔

"ہاں تو لڑکی ذات قیمتی خزانے سے بھی زیادہ قیمتی ہوتی ہے۔ خدا نہ کرے کہ اس خزانے پر کسی کی میلی نگاہ بھی پڑے۔" دادی جان نے گہری بات کی جو کم از کم اظفر کے تو سر سے گزر گئی تھی۔ کتنی دیر سے گاڑی میں خاموشی چھائی ہوئی تھی اور یہ اظفر کو شدت سے محسوس ہورہا تھا۔

"کیا بات ہے اتنی چپ کیوں ہو؟ کہیں یہ تو نہیں سوچ رہی کہ کاش میرے بجائے اس وقت تمہارے ساتھ تمہارے صالح بھائی ہوتے۔"

"اے اظفر...... سوچ سمجھ کر تو بولو وہ میرے نہیں تمہارے بھائی ہیں۔" وہ اس کی بات پر فوراً ٹوک گئی تھی اور اس کے انداز پر اظفر کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"ارے اظفر یہ پھولوں کی شاپ پر تو گاڑی روکنا۔ میں نے سوچا تھا تازہ تازہ بکے لے کر جاؤں گی' اس لیے پہلے سے منگوا کر نہیں رکھا۔" وہ فلاور شاپ کو دیکھ کر بولی تھی۔ اظفر نے بھی فوراً گاڑی سائیڈ میں روک دی تھی۔

"میڈم آپ کہاں...... آپ بیٹھیں میں لے کر آتا ہوں۔ گھنٹہ لگادو گی تم تو ایک بکے لینے میں۔" اظفر اس کی عادت سے واقف تھا۔ اس لیے اسے گاڑی میں بیٹھے رہنے کا کہہ کر خود سڑک کے دوسری طرف بنی پھولوں کی شاپ پر چلا گیا تھا۔ اس نے اظفر پر سے نگاہ ہٹا کر موبائل کی طرف توجہ کی تھی۔ جس پر صالح کالنگ جگمگا رہا تھا۔

"السلام علیکم! خیریت کیسے یاد کرلیا......" وہ کال ریسیو کرکے چہکی تھی۔

"تمہیں یاد تو میں ہر وقت کرتا ہوں۔ مگر اس وقت بات کرنے کا دل چاہ رہا تھا' بلکہ تم سے ملنے کے لیے گھر سے نکل چکا ہوں اور تمہاری طرف پہنچنے ہی والا ہوں' مگر یہ تھوڑا سا راستہ اتنا لمبا ہوگیا ہے ختم ہی نہیں ہورہا۔" وہ اپنی خوب صورت گھمبیر آواز میں بول رہا تھا۔ آواز کا فسوں حرمت کو اپنی رگ رگ میں اترتا محسوس ہوا تھا۔

"ظاہر ہے ٹریفک جام میں پھنسے ہوں گے آپ ورنہ محض 25 منٹ کا تو راستہ ہے۔" وہ اس کی بے قراری پہ شرارت سے گویا ہوئی تھی۔

"بہت خوب......" وہ محظوظ ہوکر ہنسا تھا اس کی حاضر جوابی پر۔

"بہت خوب نہیں جناب بہت خوب صورت ہوں میں۔" وہ کھلکھلائی تھی۔

"بہت مغرور ہوتی جارہی ہو...... محبت میں کمی کرنی پڑے گی......" وہ بھی شرارتاً گویا ہوا تھا۔

"اچھا تو یہ بات ہے اب ذرا آپ بھی سنیں۔

تو مجھے بھول کر تو دیکھ ذرا...... تیرا جینا حرام کردوں گی......" وہ جواباً سنجیدگی اور شرارت کے ملے جلے تاثر کے ساتھ شعر سنا گئی تھی۔

"میں خود کو تو بھول سکتا ہوں مگر تم کو نہیں۔" دفعتاً وہ سنجیدگی سے گویا ہوا تھا۔

"آپ کی محبت پر آنکھیں بند کرکے یقین کیا ہے۔ خود سے زیادہ بھروسہ ہے آپ پر۔" اور تب ہی کسی نے کار کا دروازہ کھولا تھا۔ وہ سمجھی اظفر ہے مگر......!!

"اے کون ہو تم؟" پہلا چہرہ اجنبی تھا۔

"ہیلو حرمت...... کون ہے وہاں؟" وہ اس کے چیخ کر کہنے پر فکرمندی سے پوچھ رہا تھا۔ وہ انجان تھا کہ اس وقت وہ کہاں ہے؟

"چلو باہر نکلو......" اس آدمی نے بے دردی سے اس کا بازو کھینچا تھا۔ وہ اس اچانک افتاد پر بری طرح گھبرا گئی تھی۔ تمام تر جدوجہد کے باوجود اپنا بازو اس کی مضبوط گرفت سے نکلوانے میں ناکام تھی موبائل اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر سیٹوں کے درمیان جا گرا تھا۔ دوسری طرف وہ ان آوازوں سے پریشان مسلسل ہیلو ہیلو کررہا تھا۔ اس نے سڑک کی دوسری طرف بنی فلاور شاپ کی طرف دیکھا تھا' مگر اظفر شاید ابھی اندر ہی تھا۔ آتے جاتے لوگ یہ منظر دیکھ رہے تھے مگر بے حسی کا یہ عالم تھا کہ جیسے یہ کوئی معمول کی بات ہو۔

وہ اپنا آپ چھڑانے کے لیے مزاحمت کررہی تھی' مگر وہ چار تھے اور ان میں ایک شخص کو وہ بہ خوبی پہچانتی تھی وہ شہباز تھا جس نے اس کے یوں اپنا آپ چھڑانے کی کوشش کرنے پر زوردار تھپڑ اس کے منہ پر رسید کیا تھا۔ اسے اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ اسے بے دردی سے کار میں دھکیلا گیا اور جس وقت اظفر فلاور شاپ سے بکے ہاتھ میں لیے باہر آیا' گاڑی جاچکی تھی' وہ سارے معاملے سے بے خبر سڑک کراس کرکے اپنی کار کی طرف آیا تھا مگر فرنٹ سیٹ خالی دیکھ کر بری طرح چونکا تھا۔ اردگرد اب بھی چند لوگ کھڑے تھے اور اسے ہی دزدیدہ نظروں سے دیکھ رہے تھے' کچھ غلط ہوجانے کا خیال اس کے حواس معطل کرگیا تھا۔ وہ قریب کھڑے ایک شخص کی جانب لپکا تھا۔

"آپ کو معلوم ہے اس گاڑی میں جو لڑکی تھی وہ کہاں گئی۔ آپ نے اسے جاتے ہوئے دیکھا ہے؟"

"جی نہیں......" وہ شخص لاتعلقی سے رخ موڑ گیا تھا۔ اس طرح کے معاملے میں ٹانگ اڑانے کی بھلا کیا ضرورت۔

"کیا آپ نے دیکھا ہے؟" وہ اردگرد نظر ڈالتا پھر ایک شخص کی جانب بڑھا تھا۔

"صاحب میں نے دیکھا ہے۔ اسے گاڑی میں زبردستی ڈال کر لے گئے ہیں وہ۔" ایک تیرہ چودہ سال کا بچہ تھا وہ جس کے ہاتھ میں اخبار تھے۔

"کون...... کون لے گئے ہیں؟" وہ پریشانی سے پوچھ رہا تھا۔

"پتا نہیں کون تھے؟ مگر وہ چار تھے۔" بچہ اتنا بتا کر ایک سمت کو نکل گیا تھا۔ اور وہ بے بس سا کھڑا تھا اور تب ہی اس کا موبائل بجا تھا۔

"اظفر حرمت تمہارے ساتھ تھی...... کیسی ہے وہ؟ کہاں ہو تم لوگ؟" دوسری طرف صالح تھا جس نے پہلے گھر کال کی تھی اور وہاں سے پتا چلنے پر کہ وہ اظفر کے ساتھ ہے اب اظفر کو کال کررہا تھا۔

"صالح بھائی حرمت......" اظفر تقریباً رو ہی پڑا تھا۔

"کیا ہوا بتاؤ مجھے۔" دوسری طرف کسی انہونی کے خیال نے اسے لرزا دیا تھا۔

"صالح بھائی حرمت کو کچھ لوگ اٹھا کر لے گئے ہیں۔" اس کے دل کی بے چینی کسی سانحے کا پیش خیمہ تھی۔ جسم سے روح کھینچے جانے کی تکلیف کیا ہوتی ہے۔ اسے آج پتا چلا تھا۔

پھر اس نے اسے ڈھونڈنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ سب کے منع کرنے کے باوجود ایف آئی آر درج کرائی تھی' مگر پولیس تو ہمیشہ ہی ایسے معاملات میں اس قسم کے سوال جواب کرتی ہے مگر پھر بھی ناکام ہی رہتی ہے۔ گھر میں صف ماتم بچھ گیا تھا۔ سب کو اپنی عزت کے جانے کا ملال تھا' لوگوں کی باتوں کا خوف' وہ کہاں تھی کس حال میں تھی کسی کو اس کی فکر نہیں تھی۔

♥......♥□♥......♥

میری چادر تو چھنی تھی شام کی تنہائی میں
بے ردائی کو میری پھر دے گیا تشہیر کون

پورے دس دن بعد اس کا نیم مردہ وجود کوئی ان کے گھر کے سامنے سڑک پر ڈال گیا تھا۔ محلے کے لوگوں نے دیکھا تھا مگر انہیں خبر تک نہیں کی تھی۔ عبدالواحد صاحب حرمت کے تایا نماز عصر ادا کرکے مسجد سے آرہے تھے جب لوگوں کی بھیڑ پر ان کی نظر اس جانب گئی تھی اور پھر وہ بھیڑ چھٹتی گئی تھی۔ لوگوں کی باتیں سماعتوں کو چیر رہی تھیں' ان کا بس چلتا تو وہ اسے وہیں مرنے کے لیے چھوڑ جاتے مگر کس دل سے انہوں نے اپنے بیٹے نواز کو فون کرکے بلایا تھا وہی

جانتے تھے۔

اسے ہاسپٹل ایڈمٹ کرادیا گیا تھا۔ جو اس کی حالت تھی ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ سب اس سے ہمدردی کرتے مگر لوگوں کی باتیں انہیں اس سے ہمدردی نہیں کرنے دے رہی تھیں۔ دادی جان کہتیں کاش وہ مر ہی جاتی۔ کاش وہ اب بھی مر جائے...... عالیہ ان کی حالت دیکھ کر خود ہی کہتی تھیں...... فائقہ نے تو اسی وقت اپنا ہر تعلق اس سے ختم کرنے کا اعلان کیا تھا۔ اس بدنامی کی پوٹلی کو وہ کیونکر اپنے سر پر رکھتیں۔

”بس صالح ابھی اور اسی وقت اس رشتے کو ختم کرو۔“ انہوں نے اپنے بیٹے کو دوٹوک الفاظ میں حکم دیا تھا۔

”آج اور نا کل میں کبھی حرمت کو چھوڑنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔“ وہ انہیں اور باقی سب کو حیران چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ جبکہ عالیہ اور عبدالواثق کا بھی یہی خیال تھا کہ اب یہ رشتہ ختم ہوجائے مگر صالح نے سب کے خیال کی تردید کردی تھی۔ اسے نشہ آور ادویات کے زیر اثر رکھا گیا تھا اور وہ بھی بہت بھاری ڈوز کی نشہ آور ادویات تھیں‘ اسے بری طرح درندگی کا نشانہ بنایا گیا تھا۔

بس جسم میں اتنی ہی جان چھوڑی تھی کہ وہ زندہ رہ سکتی ورنہ اس کے جسم پر تشدد کے نشانات دیکھ کر عالیہ اس کی ماں بے ہوش ہوگئی تھیں اور اس نازک سی لڑکی نے تو وہ سب سہا تھا۔ اسے مسلسل نیند کے زیر اثر رکھا جارہا تھا اور سکون کے انجکشن دیے جارہے تھے‘ ہوش میں آنے پر وہ بری طرح چیختی بھی اپنے قریب کسی کو برداشت نہیں کرتی تھی۔ خاص طور سے کسی مرد کو دیکھ کر تو اس کی حالت بری ہوجاتی تھی۔ خوف اس کے اندر جیسے پنجے گاڑ کر بیٹھ گیا تھا‘ عبدالواثق بیٹی کی حالت کے پیش نظر اس کے سامنے تک نہیں جارہے تھے وہ ڈاکٹر تھے مگر اس کو اس حال میں دیکھنے کی ان میں ہمت نہیں تھی۔ مگر وہ صالح ہی تھا جو دن رات سائے کی طرح اس کے ساتھ تھا‘ اپنے ماں باپ کی خاندان بھر کی ناراضگی کی پروا کیے بغیر وہ اپنا آپ بھلائے اسے زندگی کی طرف لانے میں کوشاں تھا اور یہ اس کی محبت ہی تھی جو وہ زندگی کی طرف نہیں پلٹی تھی مگر زندہ ضرور تھی اور فی الحال اس کی آتی جاتی سانسیں امید کی کرن تھیں کہ وہ زندگی کی طرف بھی ضرور پلٹے گی‘ اس کی دیوانگی اس کی محبت پلٹنے پر مجبور کردے گی۔

❤......❤□❤......❤

وہ گھر آ گئی تھی‘ ایک مسلسل سکوت اب مستقل اس پر چھایا رہتا تھا۔ وہ اب بھی زیادہ وقت اس کے ساتھ ہی گزارتا تھا۔ اسے تکلیف میں دیکھ کر وہ اذیتوں کا شکار ہوجاتا تھا۔ اس کی محبت میں کمی نہیں آئی تھی بلکہ اضافہ ہی ہوا تھا۔ مگر اس کے باقی رشتوں کی محبتیں جیسے اس کے لیے ختم ہوگئی تھیں۔ دادی جان سمیت تمام رشتے دار اور خصوصاً فائقہ بیگم اسے کیا کچھ نہیں سناتی تھیں۔ اس کی حالت کا اس پہ بیتی ہوئی قیامت کا کسی کو خیال نہیں تھا۔ پولیس اب تک شہباز کو پکڑنے میں ناکام تھی۔ وہ تو کچھ بتانے کے قابل تھی ہی نہیں مگر صالح نے شہباز پر شک ظاہر کیا تھا اور پھر بہت سے ثبوت بھی فراہم کیے تھے کچھ اظفر اور دیگر کلاس فیلوز نے بھی اس معاملے میں مدد کی تھی مگر سننے میں آیا تھا کہ شہباز امریکہ چلا گیا تھا۔ وہ لوگ تو یہ معاملہ فراموش کر گئے تھے مگر شہباز نے فراموش نہیں کیا تھا اس نے موقع دیکھتے ہی بدلہ لینے میں دیر نہیں کی تھی۔ اس کی زبان سے ایک لفظ ان دنوں کسی نے نہیں سنا تھا‘ اگر بولتی بھی تو وہ لفظ جو اس پر بیتی داستان کے غماز تھے۔ مجھے چھوڑ دو‘ جانے دو‘ جیسے جملوں کی تکرار صالح کا دل لہو کردیتی تھی۔ وہ تو اس سے بھی خوفزدہ ہوجاتی تھی مگر وہ اسے اس حال میں تنہا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ اسے محبتوں اور اعتبار کی ضرورت تھی‘ اور یہ محبتیں اور اعتبار اس کے پاس صالح کی صورت میں وافر مقدار میں موجود تھا۔ بس ذرا وقت درکار تھا۔ اور صالح کو اس وقت کا انتظار تھا۔

❤......❤□❤......❤

رات کے دو بجے اس کا موبائل بجا تھا۔ فرحت کی آواز سن کر وہ حیران رہ گیا تھا۔

”صالح بھائی‘ آپی نے سلیپنگ پلز کھالی ہیں۔ پاپا انہیں ہاسپٹل لے کر گئے ہیں۔“ وہ فوراً ہی چلا آیا تھا‘ اس کے کار نکالنے کی آواز پر گھر کے افراد جاگے تھے۔ اور تھوڑی دیر میں اس کے یوں جانے کی وجہ بھی پتا چل گئی تھی۔ جس پر فائقہ سمیت اس کی دادی اور تائی پیچ و تاب کھا رہی تھیں۔ ہر بار موت اسے دھوکا دے جاتی پھر زندگی کی مزید صعوبتیں باقی تھیں۔

اسے اگلے دن دوپہر تک گھر لے آیا تھا‘ اور اس روز فائقہ نے شام میں آ کر خوب ہنگامہ کیا تھا۔ کیا کچھ نہیں کہا تھا حرمت کے لیے اس پر کس کس طرح کے الزامات عائد کیے تھے۔ اور یہ سب کچھ اظفر کی زبانی صالح کو معلوم ہوا تھا۔ وہ اس وقت آفس میں تھا وہ فوراً ہی اٹھ آیا تھا‘ فائقہ جانے کے لیے کھڑی تھیں۔ اسے دیکھ کر ان کا غصہ مزید سوا ہوگیا تھا۔ اور اس سے پہلے کہ وہ اس پر شروع ہوتیں‘ وہ بول اٹھا تھا۔

”مما ہم حرمت کو اپنے ساتھ لے کر جائیں گے۔“ وہ اور باقی سب حیران رہ گئے تھے۔

”تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہوگیا۔ اس گناہ کی پوٹلی کو نہ میں اپنے گھر میں لے کر جاؤں گی اور نہ ہی تمہاری تائی اور دادی اس کا وجود برداشت کریں گی۔ تمہارے پاپا تمہیں نکال دیں گے گھر سے۔“ وہ ہتھے سے اکھڑ گئی تھیں۔

”ٹھیک ہے آپ نہ لے کر جائیں اسے پھر میں اسے یہاں سے لے جاؤں گا‘ کہیں بھی مگر پھر آپ یہ امید مت کیجیے گا کہ میں وہاں کبھی واپس آؤں گا۔“ وہ بھی ہر بات فراموش کر گیا تھا۔

”ماں کی بات کی کوئی اہمیت نہیں ہے تمہارے لیے۔ وہ لڑکی ماں سے زیادہ اہم ہوگئی ہے تمہارے لیے۔“

”مما وہ لڑکی کوئی پرائی اور غیر نہیں اور اس حال میں اسے تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔ وہ میری ذمے داری ہے‘ سب سے زیادہ میرا فرض بنتا ہے کہ میں اس کا خیال رکھوں اور مجھے یقین ہے یہاں کسی کو اس بات سے انکار نہیں ہوگا کہ اس پر میرا حق سب سے زیادہ ہے۔“ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے اور اپنے رشتے کے درمیان میں کسی قسم کی مصلحتیں

حائل ہوں۔ اسے معلوم تھا کہ اس کی ماں اور باقی گھر والے اس رشتے کو ختم کرانے کے درپے ہیں اگر وہ وہاں آجاتی تو یقیناً یہ خدشات ختم ہوجاتے۔

پھر اس کے گھر والوں کی مخالفت دھری رہ گئی تھی۔ اپنے ماموں ممانی کو اس نے یقین دلایا تھا کہ وہ ہر طرح سے اس کا خیال رکھے گا۔ اور یہ تو وہ جانتے ہی تھے اس کی محبت تو سب پر روز روشن کی طرح عیاں ہوچکی تھی۔ وہ اپنی محبت کو اس کڑے امتحان میں ثابت کرچکا تھا۔ فائقہ کو اپنی اکلوتی اولاد کے آگے ہار ماننی پڑی تھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اسے گرم ہوا بھی چھو جائے تو پھر اسے غموں کی بھٹی میں تنہا جلنے کے لیے کیسے چھوڑ دیتا۔ وہ اتنا کم ظرف نہیں تھا اور اب وہ اسے سب سے الگ لے آیا تھا اس کی اور اپنی دنیا میں وہ کسی ایسے تیسرے شخص کو برداشت بھی نہیں کرسکتا تھا جو اسے تکلیف دیتا۔ وہ اسے ہر دکھ ہر تکلیف سے چھپا کر رکھنا چاہتا تھا' اسے اپنی محبت کا احساس دلانا چاہتا تھا' مگر وہ اس سے اور اس کی محبت سے بھاگ رہی تھی' کیسا فرار تھا یہ جو اس نے حقیقتوں سے اختیار کیا تھا اور اذیت ناک حقیقتوں سے بھاگتے بھاگتے وہ اس کی خوب صورت محبت سے بھی دامن چھڑانے کے لیے کوشاں تھی۔ ہلکی ہلکی بوندا باندی نے کب تیز بارش کی شکل اختیار کی وہ بے خبر تھا' ماضی کے سفر سے واپسی پہ اسے احساس ہوا تھا۔ وہ برستے بادلوں کی طرف چہرہ کیے بارش کو محسوس کرتا سوچ رہا تھا جانے کب محبت کی بدلی اس پر مہربان ہوگی۔

❤......❤□❤......❤

اس کی وحشتوں کو کسی صورت قرار نہیں تھا' یہاں ایک درمیانی عمر کی ملازمہ تھی جو سائے کی طرح اس کے ساتھ ساتھ رہتی تھی' بے حد چاق و چوبند اور برداشت کی حامل تھی اس پر حرمت کے چیخنے چلانے اور توڑ پھوڑ کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا' اس گھر میں آنے کے بعد کچھ عرصے تک تو وہ پھر بھی خاموش رہی تھی' مگر پھر دوبارہ اس کی حالت وہی ہوگئی تھی۔ چیزوں کی توڑ پھوڑ اور چیخ و پکار کا وہی عالم تھا۔ اس وقت بھی کمرے کی دہلیز پہ اس کا استقبال خوب صورت سی الارم کلاک نے کیا تھا جو اس کے قدموں میں آکر ڈھیر ہوگئی تھی اور اس کے پیچھے ہی پرفیوم کی بوتل نے اس کے کندھے کی خیریت دریافت کی اور ساتھ ہی زمیں بوس ہوکر ٹوٹ گئی تھی۔ تیز خوشبو پورے کمرے میں پھیل گئی تھی۔ وہ دیوانہ وار چیزوں کی توڑ پھوڑ کررہی تھی۔ اسے اس کی آمد سے کوئی سروکار نہیں تھا۔

"حرمت۔" اس نے اس کے قریب جاکر اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کی گرفت سے نازک کرسٹل گڑیا لے کر واپس ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی تھی۔

"چھوڑو مجھے......" وہ بری طرح چیختے ہوئے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کررہی تھی۔

"چھوڑ دوں گا پہلے تم یہ چیخنا بند کرو۔" اس نے نرم آواز میں اس کے غصے اور جنون کو کم کرنا چاہا تھا' ساتھ ہی اس کے کندھوں کے گرد بازو پھیلا کر اسے کمرے سے باہر لے آیا تھا۔

"پروین آپ ذرا کمرہ سمیٹ دیں۔" اس نے ملازمہ کو کہا اور اسے لاؤنج کے صوفے پر بٹھا دیا۔ اس کے چہرے پر اب بھی وہی معصومیت تھی۔ وہی دلکشی وہی ریشمی پلکیں اس کے چہرے پر سایہ فگن تھیں جو آج بھی اس کا سکون تہس نہس کرنے کی صلاحیت رکھتی تھیں۔ اور آج وہ ان پلکوں کو اپنی پوروں پر محسوس بھی کرسکتا تھا مگر...... وہ دسترس میں ہوتے ہوئے بھی دوری پر تھی' اس کی محبت سے بے نیاز تھی۔

"کیا ہوا...... کیوں غصہ کررہی تھیں......" وہ محبت سے اس کی جانب دیکھتا سوال کررہا تھا حالانکہ جانتا تھا کہ وہ جواب نہیں دے گی۔ اس کی محبت کا محبت سے جواب دینے والی اب محبت سے خوفزدہ تھی۔ یا پھر محبت کو فراموش کرچکی تھی۔

❤......❤□❤......❤

پروین کو کل سے بخار تھا اور اسے اندازہ تھا کہ وہ اپنی بیماری میں شاید اس کی دیکھ بھال ٹھیک سے نہ کرپائے اور اسی فکر میں وہ جلدی گھر آگیا تھا۔ مگر وہ کمرے میں نہیں

تھی۔ وہ کچن کی طرف آیا تھا شاید وہ وہاں پروین کے ساتھ ہو...... مگر کچن میں وہ تنہا ہی تھی اور اگر وہ تیزی سے جاکر اس کے ہاتھ سے ماچس نہ چھین لیتا تو یقیناً ابھی وہ زندہ نہ ہوتی۔ اس نے تیزی سے چولہا بند کیا' گیس کی تیز بو ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔

"حرمت کیا کرنے جارہی تھیں تم......؟" وہ اسے کندھوں سے پکڑ کر جھنجوڑتا ہوا بولا اور دوسرے ہی پل وہ اس کے بازوؤں میں جھول گئی تھی۔

کچھ ہی دیر میں اسے ہوش آگیا تھا مگر اس نے آنکھیں نہیں کھولی تھیں' اس کی لرزتی پلکیں' صالح کے اندر سکون اتار گئی تھیں۔

وہ کچھ دیر خاموشی سے اس کے چہرے پر نظر جمائے بیٹھا رہا' اس کا دایاں ہاتھ بہت نرمی سے اس کے بالوں میں سرائت کررہا تھا۔

"حرمت بلیوی بہت محبت کرتا ہوں میں تم سے' اگر تمہیں کچھ ہوگیا تو میں بھی مرجاؤں گا' تمہارے دکھوں' غموں کو کم نہیں کرپایا میں' نہ ہی میری محبت تمہارے کسی کام آئی' مگر حرمت میری زندگی تم میرے لیے بہت قیمتی ہو بے حد انمول۔ خدا کے لیے حرمت خود کو کوئی نقصان پہنچانے سے پہلے ایک بار صرف ایک بار اس محبت کے بارے میں سوچ لینا جو تم مجھ سے کرتی تھیں۔ کیا اب میری محبت تمہارے دل میں نہیں رہی' حرمت میں ہر چیز کے بغیر رہ سکتا ہوں مگر تمہاری محبت کے بغیر زندہ رہنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ حرمت پلیز اس محبت کا واسطہ جو تم مجھ سے کرتی تھیں۔ اپنی زندگی سے پھر محبت کرنے لگ جاؤ۔" وہ دھیرے دھیرے اس سے التجا کررہا تھا۔ اس کی سماعتیں ان التجاؤں کو کب سے سن رہی تھیں مگر اس کا ذہن اس کی ان التجاؤں کو ماننے کے لیے تیار نہیں تھا۔ وہ اب مزید اسے اذیت میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اور وہ جو صالح کی تکلیفوں اور اذیتوں کا باعث بن گئی تھی' وہ کب صالح کو اس درد میں مبتلا دیکھنا چاہتی تھی' وہ اس کے درد کو اپنے دل پہ جھیل رہا تھا وہ اس کا درد اپنی روح پر جھیل رہا تھا۔ وہ جو اپنے پیاروں کی ذلت کا باعث بنی تھی جسے لگتا تھا وہ ان سب کا سر جھکا گئی ہے' اسے اس دنیا میں رہنے کا کوئی حق نہیں' اسے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ صالح سے یا پھر کسی سے بھی محبت کا تاوان وصول کرے۔ وہ صالح کی مقروض ہوگئی تھی اس کی محبت کی مقروض اور یہ قرض اسے کسی نہ کسی طرح تو اتارنا تھا پھر اپنی جان دے کر تو وہ اتار ہی سکتی تھی' مگر یہ صالح کیا کہہ رہا تھا' اسے اس محبت کا واسطہ دے رہا تھا' وہ اب حقائق سے مزید بھاگ نہیں سکتی تھی۔ مگر وہ کیا کرتی' وہ اپنے آپ کو صالح کے قابل نہیں سمجھتی تھی' نہ ہی اس کی محبت کی اہل' وہ پاک دامن تھی اور نہ ہی ان چھوئی...... اس کے پاس تو غرور کرنے کو کچھ بچا ہی نہیں تھا' اسے دینے کو اس کے پاس کچھ نہیں تھا' وہ چاہ کر بھی اس کی

پرانے وقتوں کی باتیں

عزت' غیرت اور شرم و حیا
سب پرانے وقتوں کی باتیں ہیں
جب غیرت پر سر کٹتے تھے
شرم سے لوگ مرتے تھے
عزت تھی اک شے انمول
رشتے کا کوئی مول نہیں تھا
جب انسان نظر جھکا کر چلتا تھا
اور سر اٹھا کر جیتا تھا
ہم انسان ہیں نئے دور کے
ہم سے بات کرو ناپید چیزوں کی
عزت' غیرت اور شرم و حیا
سب پرانے وقتوں کی باتیں
جو بیت گیا سو بیت گیا
کیوں بیتی باتیں دہراتے ہو
دولت ہے ان کا نعم البدل
کیوں اتنا تم گھبراتے ہو
عزت' غیرت اور شرم و حیا
سب پرانے وقتوں کی باتیں ہیں

مہر مسار رشید بٹ

محبتوں کا قرض نہیں اتار سکتی تھی جواسے آج بھی چاہ رہا تھا' اتنی ہی شدت سے یا پھر اس سے بھی زیادہ۔

♥......♥□♥......♥

بھیگی آنکھوں والی لڑکی
میری طرف جب دیکھتی ہے
من میں جل تھل کرجاتی ہے
مجھ کو پاگل کرجاتی ہے

آج چھٹی کا دن تھا اور وہ کب سے اس کی نظریں خود پر محسوس کررہا تھا۔ یہ تبدیلی وہ تین دن سے نوٹ کررہا تھا کہ وہ اس کی جانب دیکھ رہی ہے۔ اس کی آنکھوں کی وحشتیں اب معدوم ہوگئی تھیں۔ وہ کیا واپس پلٹ آئی تھی؛ حقیقت کی دنیا میں' محبت کی دنیا میں' صالح کی دنیا میں' وہ آج جیسے یقین کرنا چاہتا تھا۔

"کیا سوچ رہی ہو......" وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولا اور آج حیرت انگیز طور پر وہ نہ ہی اٹھ کر گئی اور نہ ہی اس کی طرف سے نگاہ ہٹائی تھی۔ وہ جیسے یقین کرنے کے لیے اس کا ہاتھ بھی تھاما مگر دوسرے ہی پل وہ تیزی سے اپنا ہاتھ چھڑا گئی تھی اور نگاہوں کا زاویہ بھی بدل لیا تھا۔

"حرمت میری طرف دیکھو......" اس نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر اپنی طرف دیکھنے پر مجبور کیا۔

"پلیز صالح......" اچانک ہی وہ اس کے دونوں ہاتھ جھٹک کر اپنے مخصوص انداز میں بولی تھی۔ کتنے دنوں بعد اس کے ہونٹوں سے اپنا نام سنا تھا اس نے دنوں نہیں بلکہ مہینوں یا پھر سال بعد۔

"تم نے مجھے پہچان لیا......!" وہ اس کے دونوں بازو تھام کر اسے اپنے سامنے کرتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ وہ مسلسل اس سے نگاہ چرا رہی تھی۔ مگر وہ تو اپنے آپ میں تھا ہی نہیں۔

"حرمت تم نہیں جانتیں تمہاری آنکھوں کا اجنبی تاثر میرے لیے کتنا اذیت ناک تھا' تم نہیں جانتیں تمہارا مجھ سے خوفزدہ ہونا مجھے کیسے اندر سے لہولہو کردیتا تھا۔" وہ دیوانہ وار بولتا جارہا تھا اور وہ جو برداشت کے کڑے مرحلے سے گزرتی آئی تھی اس کی محبت کی شدتوں پر رو پڑی تھی۔ اس کے آنسو اس کی پلکوں کی باڑ پھلانگ کر اس کے رخساروں پر بہہ رہے تھے۔ اس کے رونے میں شدت آتی جارہی تھی اور وہ جو بے بس سا اسے آنسو بہاتے دیکھ رہا تھا...... اچانک ہی اس کے نازک وجود کے گرد اپنے مضبوط بازو حمائل کرگیا تھا۔

اس کے سینے پر سر لگا کر وہ کتنی ہی دیر روتی رہی اور اس نے بھی جیسے یہ لاوا بہہ جانے دیا تھا۔ پھر خود ہی اس کے آنسو تھمے تھے۔ وہ اب اپنا سر اس کے سینے سے اٹھا چکی تھی۔

"نہیں صالح' میں آپ کی محبت کے قابل نہیں ہوں۔ آپ نے بہت کچھ کیا ہے میرے لیے' مگر میں اپنے نصیب کی سیاہی آپ کے نصیب پر نہیں پھیرنا چاہتی؛ آپ میری جیسی لڑکی ڈیزرو نہیں کرتے۔"

"جسٹ شٹ آپ حرمت' شٹ اپ تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ تم اپنے بارے میں اس طرح کی بات کرو۔ یہ سب جو بھی ہوا اس میں تمہارا کیا قصور تھا اور اس میں میرا کیا قصور تھا جو تم خود کو اور مجھے سزا دے رہی ہو۔ تمہیں کس نے کہا ہے کہ تم میری محبت کے قابل نہیں ہو۔ مجھے تو آج بھی تم اتنی ہی پاکیزہ لگتی ہو اتنی ہی معصوم' تمہارے کردار کی پاکیزگی نے ہی تو مجھے تمہارا دیوانہ بنایا تھا میری محبت کو دیوانگی تمہاری معصومیت نے بخشی تھی' اور میں...... آج جو تم سے عشق کرنے لگا ہوں' تمہارے درد کو اپنے دل میں محسوس کررہا ہوں کیا یہ گواہی نہیں ہے کہ میری محبت آج بھی تم سے ویسی ہی ہے...... حرمت میں تمہارے اور تمہاری محبت کے بغیر نہیں رہ سکتا۔" وہ اب بھی اس کے حصار میں تھی۔

"مگر صالح...... آپ کو کیا' کیا نہیں ملے گا سننے کو۔ آپ کے گھر والے...... پھوپو' یہ معاشرہ' میں آپ کے لیے مزید امتحانات نہیں کھڑے کرسکتی؛ پہلے آپ بہت کچھ سہہ چکے ہیں میں مزید مشکلات نہیں پیدا کرسکتی۔ بہتر ہے

آپ مجھے چھوڑ دیں' جس ظرف کا آپ نے مظاہرہ کیا ہے' آپ کی محبت اور عزت میرے دل میں اور بڑھ گئی ہے' آپ نے اپنا فرض نبھالیا' اب کچھ فرض میرا بھی بنتا ہے۔"

"او نبھان فضول باتوں کو چھوڑ کر اگر واقعی تم اپنے فرض کی بات کرو تو تمہارے واقعی بہت سے فرائض ہیں' جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تم میری یعنی اپنے مجازی خدا کی فکر کا خیال کرو' مگر تمہیں اس دنیا کی فکر ستا رہی ہے' میری خوشی کی پروا ہی نہیں' جو صرف تمہارے ساتھ میں ہے۔"

"مگر صالح......" وہ پھر لب کشاں ہوئی تھی۔

"شش......" وہ اس کے لبوں پر دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی رکھ گیا۔

"اب ایک لفظ اور نہیں...... مجھے اگر محبت میں فرض نبھانے آتے ہیں تو اپنے حق بھی وصول کرنا اچھی طرح جانتا ہوں۔ مجھے پتا ہے کہ تھوڑا وقت لگے گا' مگر تم دیکھنا سب کچھ پھر پہلے جیسا ہوجائے گا' میری محبت باقی سب کو مجبور کردے گی کہ وہ تمہیں پہلے جیسا بلکہ پہلے سے بھی بڑھ کر پیار اور عزت دیں۔" وہ اسے زندگی کی نوید دے رہا تھا۔ اپنی آنکھوں کے خواب ایک ایک کرکے اس کی آنکھوں میں رکھ رہا تھا۔

"صالح کیا واقعی سب پہلے جیسا ہوسکتا ہے؟" وہ خواب آگیں لہجے میں بولی۔

"کیوں نہیں ہوسکتا اللہ پر یقین رکھو اور ذرا سا اعتبار مجھ ناچیز پر بھی کرلو۔ سب ٹھیک ہوجائے گا۔ میں سارے جہان کی خوشیاں تمہاری جھولی میں ڈال دوں گا۔" وہ ایک بار پھر ہاتھ پکڑ کر اسے اس راہ پر چلا رہا تھا' ایک بار اس نے اسے کمرے کی خود ساختہ قید سے آزاد کرایا تھا' اور آج وہ اسے اس کی ذات کی قید سے رہائی دلا رہا تھا۔ آج بھی وہ وہی میٹرک کی اسٹوڈنٹ تھی جو اس کی خوب صورت باتوں سے بہل گئی تھی۔ آج بھی وہ اس کی محبت پر آنکھیں بند کرکے یقین رکھتی تھی۔

"صالح آپ بہت اچھے ہیں۔" وہ جیسے اس کی ہر بات پر ایمان لے آئی تھی۔

"خیر اب اتنا بھی اچھا نہیں ہوں۔ جتنا تم نے مجھے تنگ کیا ہے' اب میں بھی تمہیں اتنا ہی تنگ کرنے والا ہوں۔ پھر یقیناً میرے بارے میں تمہاری رائے بدل جائے گی۔" وہ اس کی بھیگی بھیگی آنکھوں پر اپنی محبت کی مہر ثبت کرتے ہوئے بولا تھا۔

آج ان کے درمیان خود عائد کردہ کوئی حد بندیاں نہیں تھیں۔ وہ اس کا ہاتھ تھام کر محبت کی شاہراہ پر گامزن ہوچکا تھا۔ اس کی بھیگی آنکھوں سے نمی چن کر وہ پھر انہیں شرارتوں اور جگمگاہٹوں سے روشناس کرا رہا تھا جو ان آنکھوں میں ہمہ وقت رہا کرتی تھی۔ اس نے اسے نا کردہ جرم کی سزائیں نہیں دی تھیں' اسے چھوڑا نہیں تھا۔ معاشرے کے عام مردوں کی طرح اس نے جھوٹی عزت کے نام پر اپنی محبت کا خون نہیں کیا اور نہ ہی اسے زمانے کی ٹھوکروں کے سپرد کیا تھا۔ بلکہ وہ اسے اپنی محبت سے معتبر کرگیا تھا اور حرمت کو یقین تھا کہ صالح میں اتنا حوصلہ ہے کہ وہ معاشرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کے حصے کی عزت اور محبت دونوں اسے دلائے گا...... وہ اس کی محبتوں اور بے قراریوں پر حیران ہوتی...... اپنی خوش نصیبی پر اپنے رب کی شکر گزار تھی کہ اسے صالح جیسا ہم سفر ملا تھا' جو اس کا دیوتا' آشنا تھا وہ آج اس کی محبت کی بارش میں پور پور بھیگ رہی تھی یقیناً صالح اور اس کی محبت اس کے لیے ایک انعام تھی۔

قسط نمبر 4

دل کے دریچے

صدف آصف

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

سفینہ کی طبیعت خراب ہونے پر ریحانہ بیگم بوکھلا جاتی ہیں۔ سائرہ بیگم تمام حالات کو جاننے کی خاطر اوپر آتی ہیں اور یہ جان کر انہیں بے حد تسکین ہوتی ہے کہ ملنگی بابا کے تعویذات اپنا اثر دکھا رہے ہیں جب ہی سفینہ شدید بیماری میں مبتلا ہے۔ دوسری طرف ان کا ضمیر انہیں ملامت کرتا ہے اور وہ عامل بابا کے اس چکر سے نجات حاصل کرنا چاہتی ہیں جب ہی ملنگی بابا کا فون انہیں انجانے خوف میں مبتلا کردیتا ہے وہ شخص ان سے مزید تیس ہزار کا مطالبہ کرتا ہے جبکہ سائرہ بیگم عامل بابا کے فریب میں پوری طرح الجھ کر رہ جاتی ہیں آنے والی یہ فون کال فائز کے علم میں آجاتی ہیں۔ ملنگی بابا فائز کو تمام اصلیت بتا کر اسے بھی دام فریب میں الجھانا چاہتا ہے لیکن وہ شدید طیش کے عالم میں دھمکیاں دیتا فون بند کردیتا ہے۔ دوسری طرف ماں کا یہ روپ اس کے لیے ناقابل برداشت ہوتا ہے۔ دوسری طرف دلشاد بیگم کی حالات بھی خراب ہوجاتی ہے ایسے میں رانی بھی منظر سے غائب ہوجاتی ہے۔ دلشاد بیگم کے پڑوس میں رہنے والی بتول بیگم ان کا خیال رکھتی ہیں جبکہ ان کی بیٹی شرمیلا سائرہ بیگم کو بہت پسند آتی ہے اور وہ فائز کی رائے اس کے متعلق جاننا چاہتی ہیں جبکہ فائزہ خاموشی اختیار کرلیتا ہے۔ اپنی محبت سے دستبردار ہونا اور سفینہ سے لاتعلقی اختیار کرنا فائز کے بس میں نہیں ہوتا لیکن ماں کی سفینہ سے شدید نفرت دیکھتے وہ بوجھل دل کے ساتھ ایک فیصلہ کرلیتا ہے لیکن خود شدید کرب میں مبتلا رہتا ہے۔ اس کا نروس بریک ڈاؤن ہوجاتا ہے زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا فائز کو اس حالت میں دیکھ کر سائرہ بیگم تڑپ جاتی ہیں دوسری طرف سفینہ بھی فائز کی اس خراب طبیعت کو کسی اور بات پر محمول کرتی ہے جبکہ سائرہ بیگم اس خدشے کے پیش نظر شدید خوف زدہ ہوتی ہے کہ کہیں فائز نے سفینہ کو عامل بابا کی تمام حقیقت نہ بتادی ہو، اپنے انجانے خدشات کے پیش نظر وہ کسی سے بھی نظر ملانے کے قابل نہیں رہتیں۔

(اب آگے پڑھیے)

......☆☆☆......

رات کا سیاہ آنچل ہولے ہولے چھپ گیا اور فضاؤں میں نرم سی سپیدی گھلتی چلی گئی، یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے سیاہی کو چٹکی سے پکڑ کر ہٹادیا اور منظر واضح ہوتے چلے گئے، اجالا بکھیرنے کے لیے سورج نے بھی مسکرا کر آسمان کی وسعتوں سے نیچے جھانکا۔ سنہری کرنوں نے دھیمے سے، رات بھر پڑنے والی ٹھنڈ کو چیرتے ہوئے زمین پر گرمی کا احساس جگایا اور زندگی گنگنا اٹھی، گھروں میں ہلچل مچ گئی، شور شرابا ہونے لگا، چہل پہل شروع ہوگئی۔ اسی بیچ شعاعوں نے تیزی سے نیچے اتر کر، ہر شے کو تیز تو کیلے اجالے کی لپیٹ میں لے لیا اور روشن صبح کا آغاز ہوا۔ گھڑی کی سوئیوں نے تیزی سے سات کا ہندسہ عبور کیا، بڑوں نے اپنے اپنے کاموں پر جانے کی تیاریاں شروع کردیں۔ مائیں چھوٹوں کو گود میں لیے یا انگلی تھامے واش روم کی طرف چل دیں۔

چولہے جل اٹھے، توے رکھ دیے گئے، بل دار پراٹھے بیلے گئے، سنہری پھولے پھولے آملیٹ کی سوندھی سی مہک، چائے کی خوش بو نے گھوم گھوم کر ناشتہ تیار ہونے کی اطلاع دی اور گھر کے چاروں کونوں سے قدم ٹیبل کی جانب بڑھنے

لگے۔ ناشتہ ختم ہوتے ہی اسکول، کالج اور دفتر جانے والے صاف ستھرے حلیے میں تر و تازہ چہروں کے ساتھ ہنستے مسکراتے گھروں سے نکل کھڑے ایک خوش گوار دن کا آغاز ہوگیا۔

خان ہاؤس...... میں بھی معمول کے مطابق صبح بیدار ہوئی، مگر سفینہ کے روم میں اندھیرے کی چادر تنی رہی، ریحانہ بیٹی کو کئی بار جگانے کے لیے اس کے کمرے تک گئیں، مگر وہ آنکھیں موندیں نیند کی وادیوں میں مدہوش، اتنی معصوم اور پیاری لگ رہی تھی کہ ان کے بڑھتے ہاتھ تھم گئے۔

"یوں لگتا ہے کہ آج سفی کالج کی چھٹی کرے گی۔ اسی لیے ابھی تک سو رہی ہے۔" ریحانہ نے اس کے ماتھے پر بکھرے بالوں کو سنوارتے ہوئے محبت سے کہا اور اٹھانے کا ارادہ ملتوی کردیا۔ ایک ٹک بیٹی کو سوتے دیکھا، نرمی سے کمبل ٹھیک کیا اور دروازہ بھیڑ کر باہر نکل گئیں۔

دراصل سفینہ پوری رات، فائز کے انتظار میں جاگتی رہی، اس نے بار بار ٹیرس کے چکر لگائے، کبھی نیچے جھانک کر دیکھا، کبھی فون ملایا مگر وہ سخت دل بنا رہا، اس نے کوئی رسپونس نہیں دیا۔ فون اٹینڈ کیا نہ ہی کوئی جواب دیا، اپنے دوستوں میں بیٹھا، ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا۔

"میں بھی دیکھتی ہوں کہ آج فائز مجھ سے کیسے بچتے ہیں؟" سفینہ نے دانت کچکچا کر سوچا اور جا کر کھڑکی میں کھڑی ہوگئی، مگر اس کا دور دور تک پتا نہ تھا۔ رات کے جانے کون سے پہر اس کی واپسی ہوئی، فائز کی توقع کے برخلاف وہ ابھی تک جاگ رہی تھی۔ ٹیرس پر دور سے ہی نیلا آنچل لہراتا دکھائی دیا۔

"یہ لڑکی ایک دم پاگل ہے۔" اس نے جھنجھلا کر راستہ بدلا، بائیک گلی کے موڑ پر روکی اور دوسری طرف سے گھوم کر پیدل بائیک کھینچتا ہوا گھر کے قریب پہنچا، اسے فی الحال سفینہ کی سوالیہ نگاہوں کا سامنا کرنے سے خوف آیا۔ کوئی آواز پیدا کیے بغیر دھیرے سے لاک کھول کر اندر داخل ہوا۔

"یااللہ! آج ان کا کیا باہر ہی قیام کرنے کا ارادہ ہے۔" اس نے سیاہ آسمان کی جانب دیکھا۔ سفینہ کو خبر بھی نہ ہوئی اور فائز اس کی ناک کے نیچے سے نکل کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ سفینہ بہت دیر تک، دریچے سے لگی انتظار کرتی رہی اور وہ خود پر ضبط کے پہرے بٹھائے اندھیرے میں اپنی کھڑکی سے چپکے چپکے اسے بیٹھا تکتا رہا۔ آخر تھک ہار کر فائز کو دل ہی دل میں برا بھلا کہتی وہ بستر پر گر کر نیند کی وادیوں میں کھو گئی۔

❀......❀......❀

دلشاد بانو کا دو تین دن سے بیسنی روٹی کھانے کا دل چاہ رہا تھا، بتول کے گھر سے روزانہ کھانا پک کر تو آجاتا، مگر کبھی کبھی اپنے دل کی کرنے کی خواہش پریشان کرتی، ساری زندگی من مانی میں جو گزری تھی۔ رانی تھی تو ان کی مرضی چل جاتی، مگر اب تو وہ ہونٹ سیئے رہتی کہ کہیں ان کی کوئی بات اوپر والوں کو بری لگ جائے اور یہ آسرا بھی ہاتھ سے جائے حالانکہ بتول آرا اور ان کی بچیاں دلشاد کا بہت اچھے طریقے سے دھیان رکھتیں، خاص طور پر شرمیلا ایک آواز پر دوڑی چلی آتی مگر پھر بھی تھی تو غیر اسی لیے اکثر دلشاد بانو کو جھجک سی محسوس ہوتی۔ ایسی ہی کیفیت سے گزرتے ہوئے اس وقت بھی انہوں نے اوپر والوں کو تکلیف دینے کی جگہ خود ہی روٹی پکانے کا سوچا، گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر کچن کی جانب بڑھیں۔ بیسن کا ڈبا اٹھا کر چیک کیا تو وہ خالی تھا، مایوسی سے سر ہلایا۔ جب سے رانی گئی تھی کھانے پینے کا اتنا ہی سامان مہینے میں آجاتا، جتنا ضروری ہوتا۔ ورنہ وہ بتول کے نہ نہ کرنے پر بھی اپنے کھانے پینے کے پیسے بہانے بہانے سے انہیں تھما آتیں۔

"کسی سے بیسن منگوا لیتی ہوں۔" انہوں نے بٹوے میں سے پیسے نکالے اور جا کر دروازے پر کھڑی ہوگئیں۔

تھوڑی ہی دیر میں سامنے والی عذرا کا بیٹا، فہد باہر نکلا تو، وہ خوش ہوگئیں۔

"اے بیٹا! ذرا سننا تو۔" انہوں نے جھجکتے ہوئے آواز لگائی۔ فہد نے رک کر دیکھا پھر ان کے دروازے تک آگیا۔

"کیا ہوا خالہ جی؟" اس نے ادب سے پوچھا۔

"پیسے پکڑو اور کچھ سامان لادو۔" انہوں نے ہاتھ میں پکڑے نوٹ گنتے ہوئے بڑے مگن انداز میں کہا۔

"خالہ جی! شام کو لادوں گا۔ ابھی تو میں پیپر دینے جا رہا ہوں۔ بس آپ دعا کریں کہ پرچہ آسان آجائے۔" اس نے مودبانہ انداز میں کہا اور اپنا سر ان کے آگے جھکا دیا، دلشاد نے سرد آہ بھر کر اس کے بالوں کو چھو کر دعا دی۔ وہ ہاتھ لہراتا ہوا اپنی بائیک کے قریب بڑھا اور اسٹارٹ کرکے روانہ ہوگیا۔

دلشاد نے تھوڑی دیر ادھر ادھر دیکھا گلی ایک بار پھر سنسان ہوگئی، اس وقت محلے کے زیادہ تر بچے اسکول کالج گئے ہوئے تھے مایوس ہو کر وہ دروازہ بند کرکے ڈھیلے قدموں سے اندر کی جانب چلیں آئیں۔

"بھلا بتاؤ انسان اپنی پسند سے بھی کچھ نہیں کھا سکتا۔" ایک دم چڑ کر زمین پر ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔

"اوئی اللہ اے ہے شرمیلا! ذرا نیچے تو آنا بچی۔" دلشاد بانو کا پاؤں ایسا رپٹا کہ موچ آگئی، وہیں بیٹھ کر اوپر منہ کرکے چلانے لگیں۔

❀......❀......❀

سفینہ نے زندگی کی روشن صبحوں، اندھیری راتوں، اداس شاموں، برستی بارشوں، حبس زدہ فضاؤں، کھلتے پھولوں اور خزاں کے موسم میں بس فائز کے ساتھ کی خواہش کی پھر اس کا یکا یک بدل جانا کیسے برداشت کرپاتی۔ اسی لیے من میں شکوہ پیدا ہوا۔

"محترم! جانے خود کو کیا سمجھنے لگے ہیں۔ آج کل مجھ سے دور دور بھاگ رہے ہیں نہ آنے کا پتا چلتا ہے نہ ہی جانے کا۔" پڑھتے ہوئے اس کا ذہن ایک دم فائز کی جانب گیا تو پڑھائی سے جی اچاٹ ہوگیا، کتاب ایک طرف رکھ کر اسے سوچنا اچھا لگنے لگا۔ "کچھ تو ہوا ہے، جس کی وجہ سے جناب، مجھے اس طرح سے مسلسل اگنور کر رہے ہیں ورنہ پہلے تو میرے بنا ان کے دل کو چین نہیں ملتا تھا۔" سفینہ نے انگلش کی بک کے کور پر انگلی پھیرتے ہوئے خود کلامی کی۔

"سفینہ ڈارلنگ! ان کا علاج ضروری ہے، کہیں ہاتھ سے نکل گئے تو روتی پھرو گی۔" اس نے اپنے نازک سے ہاتھوں کو ملتے ہوئے شرارتی انداز میں اپنے آپ کو ہی مشورہ دے ڈالا۔ "فائز! میں آپ کی بے اعتنائیوں کی ایک دن ایسی سزا دوں گی کہ آپ کو چھٹی، ساتویں، آٹھویں سب کا دودھ یاد آجائے گا۔" ٹیڈی کو فائز تصور کرکے دھمکی بھی دی اور پھر، اپنی بے وقوفیوں پر ہنستی چلی گئی۔ تیسرے پہر کی خاموش ساعت میں سفینہ کی کھلکھلاہٹ کمرے میں گونجی جسے اس نے تکیہ منہ میں ٹھونس کر چھپانے کی کوشش کی۔

"چلو اس بار میں بھی دیکھتی ہوں کہ فائز کب تک مجھ سے دور دور رہتے ہیں۔ بعد کی بعد میں مگر اس وقت تو پڑھائی کرلوں بلاوجہ الٹی سیدھی سوچوں میں پڑ کر اپنا پیپر خراب کرنے کا کیا فائدہ۔" بہت دیر ٹیڈی سے فائز کے خلاف باتیں کرنے کے بعد جب دل کا بوجھ ہلکا ہوا تو خود کو ڈپٹ کر دوبارہ پڑھنے کی جانب راغب کیا۔

❀......❀......❀

رات کے اندھیرے میں، فائز چھت پر پتھر کے بت کی طرح ساکت گم صم سا کھڑا ایک ہی سمت دیکھ رہا تھا۔ سردی بھی اس وقت اپنے ہونے کا مکمل احساس دلانے پر تل گئی، مگر اس کے احساسات و جذبات تو پچھلے کئی دنوں سے منجمد ہو کر رہ گئے تھے، اسی لیے چپ چاپ کھڑا رہا جیسے اسے کوئی فرق نہ پڑ رہا ہو۔

”میں سفینہ کے لیے سب کچھ کر گزروں گا۔“ اسے چند دن قبل خود سے کیا ہوا عہد یاد آیا۔
”سفی! تم میری زندگی ہو اور اپنی زندگی کو کون نقصان پہنچا سکتا ہے؟“ اس نے ایک بار بڑے ارمان سے سفینہ سے یہ بات کہی تھی جو بڑے موقع سے یاد آئی۔ ”مگر یہاں تو اتنا کچھ ہو گیا اور میں خاموش تماشائی بنا ہوا ہوں، اگر اس جادو ٹونے کی بھنک بھی کسی کے کانوں تک پہنچ گئی ہوتی تو شاید خان ہاؤس میں ایسا طوفان آجاتا جو اپنے ساتھ سب کچھ بہا کرلے جاتا پیچھے کچھ نہیں چھوڑتا۔“ فائز کے من میں دکھ کی لہر اٹھی اور پورے وجود پر چھا گئی، اس نے بے بسی سے سامنے رکھی کرسی کو ٹھوکر ماری۔ ”خدانخواستہ سفی کو پورے واقعہ کا علم ہو جائے تو بھلا میں اس سے آنکھ ملانے کے قابل رہ پاؤں گا؟“ اس کے اندر ایک اور تلخ سوال جاگا۔ ”نہیں...... کبھی...... بھی نہیں۔“ وہ تو خاموش رہا پر در و بام بول پڑے، چاروں طرف سے ایک ہی صدا آئی۔ فائز کے کان سائیں سائیں کرنے لگے۔ کچھ اور نہ سوجھا تو کانوں پر بے ساختہ ہاتھ رکھ کر کھڑا ہو گیا، مگر ”نہیں“ کی بازگشت اس کی سماعتوں پہ اذیت کے پتھر برساتی رہی۔
”ممّا! آپ نے مجھ پر یہ کیسا قہر ڈھایا؟ چاچا مجھ سے کتنا پیار کرتے ہیں ان کو یہ سب جان کر کتنا صدمہ ہوگا اور دادا ابا......“ پہلی بار سوچوں نے اتنا نڈھال کر دیا کہ اس کی سانس پھول گئی یوں محسوس ہوا جیسے میلوں کی مسافت لمحوں میں طے کرنا پڑ گئی ہو۔ محبت کی یہ کیسی جیت ہے کہ اس کے بعد ہار میرا مقدر بننے والی ہے کیا ہم دونوں اور اس خاندان کی بھلائی ہمارے بچھڑنے سے منسلک ہو گئی ہے؟“ فائز نے بڑی مشکل سے یہ بات سوچی اور توانا بازوؤں کو فضاء میں لہرا کر سردی کو اپنے لیے قابل برداشت بنایا۔
”ممّا نے سفینہ سے جس طرح کا بیر باندھ لیا ہے وہ ہم دونوں کو الگ کرنے کے لیے کچھ بھی کر سکتی ہیں اس دشمنی میں انہوں نے اپنی ساکھ تک کو داؤ پر لگا دیا، ایک ڈھونگی باز عامل کے چنگل میں پھنس گئیں۔ اگر پاپا کو یہ سب پتا چل جاتا تو وہ غصے سے پاگل ہو جاتے۔“ فائز نے مٹھیاں بھینچ کر خود پر قابو پانے کی کوشش کی۔
”کل کو چاہے ممّا کو نقصان پہنچے یا میری سفی کو دونوں طرف کی اذیت سہنا، ناقابل برداشت ہوگا۔“ یہ بات سوچتے ہی اس نے کپکپاہٹ پر قابو پایا۔ سرد رات میں رگوں کے اندر دوڑتی تنہائی نے اسے ایک زوردار چابک رسید کیا۔
”ابھی تو من میں ملن کے نغمے پھوٹے ہی تھے اور پھر جانے کیوں ہجر کی بانسری چھڑ گئی۔“ وہ اپنے ہاتھوں کو جینز کی جیبوں میں ڈال کر قسمت کی ستم ظریفی پر بڑی اذیتوں سے مسکرایا۔
”پیار تو میں صرف سفی سے ہی کرتا رہوں گا چاہے اس کا ساتھ ملے یا نہ ملے۔“ فائز نے ایک مشکل فیصلہ کیا اور اس کے سارے وجود میں بھانبڑ جل اٹھے۔

❁......❁......❁

سفینہ اپنی چھوٹی سی دنیا میں مگن رہتی، دوسروں کی پروا کیے بغیر جو جی میں آتا وہی کرتی، ہاں ایک فائز کی ذات ایسی تھی جو اسے فکروں میں مبتلا کر دیتا، مگر چند دنوں سے اس کے دماغ پر پڑھائی سوار ہو گئی تھی، امتحانات شروع جو ہو گئے تھے۔ اسی لیے وہ سب کچھ بھول بھال کر پیپرز کی تیاری میں کھو گئی۔ پہلا پیپر تو بہت اچھا گزرا مگر اب انگلش کا پیپر ایک پہاڑ کی طرح سامنے کھڑا تھا، جس پر چڑھنا اسے ہمیشہ مشکل لگتا۔ بیچ میں ایک دن کا گیپ میسر آیا تو اس نے بہت دیر تک پڑھائی کا پروگرام بنا کر ایک کپ گرما گرم چائے کے ساتھ چھت کا رخ کیا، اصل میں سفینہ کی گرامر شروع سے کمزور تھی پہلے تو فائز انگلش کی ساری تیاری کرا دیتا‘ ڈانٹ پھٹکار کر ایگزامز کے دنوں میں خود ہی اسے لے کر پڑھانے بیٹھ جاتا، مگر اس بار جانے کیسے سب کچھ بدل گیا۔ وہ ہاتھ ہی نہیں آرہا تھا یا اس نے پروا کرنا چھوڑ دی تھی۔ سفینہ نے ایک دو بار آتے جاتے اس سے مدد لینے کا سوچا، بات کرنے کی کوشش بھی کی مگر وہ بالکل

انجان بن کر گزر گیا، وہ منہ کھول کر اسے پیچھے سے دیکھتی رہ گئی۔ ایک بار برداشت نہ ہوا تو زبان سے شکوہ کر ڈالا مگر جناب ہوں ہاں کر کے منظر سے ہٹ گئے۔ سفینہ کے لیے یہ ساری باتیں غور طلب بن گئیں، اس کی پریشانی کا گراف بتدریج اوپر کی جانب بڑھنے لگا۔
”وہ ہی امتحانات اس وقت کچھ اور سوچنے کا ٹائم نہیں بس پڑھائی۔“ سفینہ نے کتاب پر سے نگاہ اٹھا کر آسمان پر اڑتے پرندوں کو دیکھ کر فیصلہ کیا۔ الجھے بالوں میں انگلیاں پھیرنے کے بعد، اس نے بہتر یہی سمجھا کہ ایگزامز گزر جانے کے بعد، محترم کو آڑے ہاتھوں لیا جائے۔ سفینہ کالج کی فلاحی‘ سماجی اور علمی سرگرمیوں سمیت ہر فیلڈ میں بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ تعلیمی میدان سے لے کر زندگی کے ہر میدان میں وہ اول آنے کی خواہش رکھتی تھی، مگر انسان جیسا سوچتا ہے ہمیشہ ویسا کہاں ہو پاتا ہے، کبھی کبھی بدقسمتی راہ میں کانٹے بچھائے بیٹھی ہوتی ہے۔ سفینہ نہیں جانتی تھی کہ تقدیر نے کیسا گھات لگایا ہے، قسمت اسے کیسے کیسے رنگ دکھانے والی ہے، جو اس کے چہرے کا رنگ اڑا دے گی۔

❁......❁......❁

جلال خان بیٹے کو تلاش کرتے ہوئے تیسری منزل کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے چھت تک چلے آئے تو وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا جانے کن خیالوں میں گم تھا۔
”بیٹا! تم اتنی سردی میں چھت پر کیا کر رہے ہو؟“ جلال خان نے قریب آکر پکارا، فائز نے باپ کے پرشفقت لہجے پر چونک کر نگاہ اٹھائی، وہ گرم شال لپیٹے اس کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔
”پاپا! آپ......“ اس نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔
”کیا بات ہے اتنی رات کو یہاں کیا کر رہے ہو؟ تمہاری ماں الگ نیچے ہلکان ہو رہی ہیں کہ فائز کہاں چلا گیا؟ میں ٹھہرا مجبور شوہر بیوی کے حکم پر پہلے تمہارے کمرے میں جھانکا، پھر ابا جان کے پاس جا کر دیکھا، جب کہیں نہیں دکھائی دیے، تو سوچا چھت پر ہی ہوگے اور دیکھو میرا گمان ٹھیک نکلا۔“ انہوں نے فائز کی جانب دیکھتے ہوئے شرارت سے کہا۔
”ممّا کی تو ایسے ہی پریشان ہونے کی عادت ہے۔“ اس نے ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا۔
”ہونہہ۔“ جلال خان نے مسکرا کر بیٹے کو دیکھا جو لائٹ پرپل شرٹ اور بلو جینز میں بہت وجیہہ دکھائی دیا۔ فائز نے پریشانی سے اپنے بالوں میں انگلیاں پھنسائیں تو کلائی پر بندھی قیمتی گھڑی کا ڈائل رات کے اندھیرے میں چمک اٹھا۔ ایک بات انہیں بہت زیادہ محسوس ہوئی کہ وہ پہلے سے قدرے کمزور ہو گیا تھا، اسی لیے بیٹے کے لیے ان کی فکرمندی میں اضافہ ہوا، بے اختیار اپنی شال اتار کر اس کے گرد لپیٹ دی۔
”کیا ماں سے پھر جھگڑا ہو گیا؟“ جلال خان نے بیٹے کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے وجہ جاننی چاہی، اس کا چہرہ مزید اتر گیا۔
”نہیں تو آپ کو ایسے ہی وہم ہو رہا ہے۔“ اس نے جلدی سے نگاہیں چرائیں۔
”کوئی پریشانی ہے کیا مجھ سے بھی چھپاؤ گے؟“ جلال خان سے بیٹے کی اتری ہوئی صورت برداشت نہ ہوئی تو بے قراری سے پوچھا۔
”نہیں تو پاپا۔“ اس نے سر ہلایا۔
”پاپا کی جان! ابھی تو بیماری سے اٹھے ہو پھر اتنی بے احتیاطی کیوں؟“ انہوں نے اس کا ہاتھ تھام کر نرمی سے دباؤ ڈالا۔

”ٹھیک تو ہوں مجھے کیا ہونا ہے؟“ وہ اذیت ناک انداز میں خود پر ہنسا تو جلال خان کے دل کو کچھ ہونے لگا۔

”تمہاری ماں بھی خفا ہیں کہ فائز گھر میں کھاتا پیتا نہیں ہے۔ کب آتا ہے کب جاتا ہے کچھ خبر نہیں ہوتی۔“ باپ نے تھوڑا ڈپٹا تو وہ نگاہیں جھکا کر کھڑا ہو گیا۔

”بیٹا جان! سچ سچ بولو اتنی رات کو یہاں اکیلے میں کیا سوچ رہے تھے؟“ انہیں ایک دم جوان اولاد پر پیار آ گیا اس کو اپنے ساتھ لگاتے ہوئے پوچھا۔

”پاپا! کمرے میں تھوڑی گھبراہٹ ہو رہی تھی تو اوپر ہوا کھانے چلا آیا۔“ فائز کا لہجہ گیلا گیلا سا تھا۔

”نامعقول یہ ہوا خوری کا نہ وقت ہے اور نہ ہی موسم آیا سمجھ چلو چل کر آرام کرو۔“ جلال خان نے محبت بھری ڈانٹ پلائی۔ وہ بے اختیار ہو کر باپ سے لپٹ گیا، شاید جو فیصلہ کرنے جا رہا تھا، اس کے لیے بڑے حوصلے کی ضرورت تھی۔

”فائز! کیا ہوا ہے دیکھو مجھ سے کچھ نہیں چھپاؤ۔“ اس کے یوں لپٹنے پر جلال خان کی حس چوکنا ہو گئی، اس کا چہرہ تھام کر پوچھا۔

”کیا پاپا! آپ کو پیار بھی نہیں کر سکتا۔“ وہ ان کے اطمینان کے لیے مصنوعی انداز میں شوخی پر اترا۔

”چلو صاحب زادے! لگتا ہے اب تمہاری خبر گیری کرنے والی کو جلد لانا پڑے گا۔ بھئی ہم سے تو اتنی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر نہیں آیا جاتا ایک بار سفینہ کو تمہاری ذمہ داری سونپ دی جائے اس کے بعد ہمیں سکون مل جائے گا۔“ جلال خان نے بیٹے کی کمر کے گرد ہاتھوں کا گھیرا ڈال کر اسے خود سے قریب کر کے، شگفتگی سے کہا مگر فائز سے ان کی گدگداتی بات پر مسکرایا بھی نہیں گیا۔ وہ نگاہیں جھکائے ان کے ساتھ قدم بہ قدم سیڑھیاں اترتا چلا گیا۔

❁......❁......❁

سائرہ کو شرمیلا نے فون کر کے، دلشاد بانو کے پاؤں میں موچ آنے کا قصہ سنایا تو سائرہ نے بڑی تاکید کے ساتھ، فائز کو دوا دے کر فوراً ہی میکے روانہ کیا، ان کا شام کو جلال خان کے ساتھ جانے کا ارادہ تھا۔ ماں کا حکم مانتے ہوئے فائز کی گاڑی نانی کے گھر کی جانب رواں دواں تھی۔ مین سڑک سے بارش کا کیچڑ زدہ پانی بہتا ہوا، ان کی گلی میں جمع ہو گیا۔ وہ اپنے خیالوں میں گم گاڑی بھگاتا ہوا تیزی سے گلی میں داخل ہوا اور گندے پانی کے چھینٹے دور تک اڑے جو دوسری سمت سے تیزی سے آتی شرمیلا کے کپڑوں کو بری طرح داغ دار کر گئے۔

”ایک منٹ یہ کیا بدتمیزی ہے۔“ شرمیلا نے اس کی گاڑی کے سامنے ہاتھ میں تھامی کتاب لہرائی، فائز کے پاؤں بریک پر دباؤ ڈالتے چلے گئے۔

”اوہ! میں نے خیال نہیں کیا۔“ اس نے گاڑی کا شیشہ اتار کر شرمندگی سے کہا۔

”کیوں کیا دکھائی نہیں دیتا اندھے ہو گئے ہیں؟“ وہ غضب ناک ہوئی اور کالج کے یونیفارم کو دیکھا، جس پر کیچڑ کے چھینٹے تھے۔

”آئی ایم ایکسٹریملی سوری۔“ فائز خفت زدہ سا ہو کر معذرت کرنے لگا۔

”اوہ...... آپ تو...... مالک مکان خالہ کے نواسے ہیں نا؟“ شرمیلا نے اس کے گھمبیر لہجے پر غور کیا اور جھک کر گاڑی میں جھانکا تو فائز کو پہچان گئی۔

”جی...... میں...... وہ ہی ہوں اور آپ؟“ اس نے تھوڑا اخلاق دکھانا چاہا۔ ایک دفعہ کی ملاقات میں فائز نے شرمیلا پر دوسری نگاہ ڈالی نہیں تھی، اسی لیے فوری طور پر پہچاننا مشکل ہوا، حالاں کہ اس نے مالک مکان خالہ کہہ کر واضح اشارہ بھی دیا۔ وہ اندر ہی اندر جل کر رہ گئی۔

عاصمہ نور

پیارے آنچل کے پیارے قارئین اور اسٹاف کو میرا محبت بھرا سلام قبول ہو۔ مجھے عاصمہ نذر کہتے ہیں لیکن شوقیہ عاصمہ نور ہے میرا تعلق مخدوم پور کے چھوٹے سے گاؤں اسٹیشن جان محمد والا سے ہے۔ میری پیدائش 18 جولائی 1999ء کو ہوئی' نہم کلاس کی طالبہ ہوں اور بچپن سے آنچل کا مطالعہ کرتی ہوں جی تو قارئین اب بات ہو جائے پسند نا پسند کی تو وصی شاہ' فراز اور نازیہ کنول کی غزلیں بے حد پسند ہیں' آنچل بے حد پسند ہے' ہر کوئی ڈانٹتا ہے اتنی چھوٹی سی عمر میں ڈائجسٹ نہ پڑھا کرو لیکن میں آنچل کو نہیں چھوڑ سکتی۔ ”مجھے ہے حکم اذاں“ کہانی بہت پسند تھی' جواب ختم ہو گئی۔ خامی یہ ہے کہ غصہ بہت کرتی ہوں' میری دوست ایمان فاطمہ کے مطابق خامی یہ ہے کہ بولتی بہت کم ہوں اور خوبی میری آپی ثمینہ کے کہنے کے مطابق محنت کرتی ہوں۔ پھول بے حد پسند ہیں' پسندیدہ ٹیچر شاہ پارہ اور راحیلہ ہیں' ٹیچر راحیلہ سے ڈر بہت لگتا ہے لیکن ان کو بہت لائک کرتی ہوں اور ٹیچر شاہ پارہ کی پرسنالٹی کو بہت لائک کرتی ہوں۔ پسندیدہ دوست ایمان' جس سے دل کی ہر بات شیئر کر لیتی ہوں۔ ڈاکٹر بننا اور ڈیجیٹل کیمرہ لینا میری زندگی کی سب سے بڑی وشز ہیں' دعا کریں کہ پوری ہو جائیں۔ پسندیدہ کلر پنک اور وائٹ ہیں' پسندیدہ شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور میرے پیارے بابا جان ہیں' جن سے بے حد پیار کرتی ہوں' اللہ ان کا سایہ ہمیشہ ہم پر قائم رکھے آمین۔ میں چاہتی ہوں میں کوئی اتنا اچھا کام کروں کہ میرے ماں باپ اور ٹیچرز کا سر فخر سے بلند ہو جائے۔ میری زندگی کا دارومدار تھوڑے سے لوگوں پر گھومتا ہے۔ میرے ماں باپ' بہن بھائی' میری فرینڈز اور دو ٹیچرز اور میرا پیارا سا بھانجا احسن بلال ان سب سے حد سے زیادہ محبت کرتی ہوں۔ اللہ ان سب کو ہمیشہ خوش رکھے' اللہ آنچل کو اور آنچل کے اسٹاف اور قارئین کو ہمیشہ قائم و دائم رکھے' آمین' پڑھ کر ضرور بتائیے گا میرا تعارف کیسا لگا' فی امان اللہ۔

”میں خالہ کی کرائے دار بتول آرا کی بڑی بیٹی ہوں۔“ شرمیلا کو پہلی بار ایسے لڑکے سے واسطہ پڑا، جس کے سامنے اپنی پہچان کروانی پڑی، ورنہ ہر جگہ حسن اس کا تعارف بن جاتا تھا۔

”اوہ اچھا...... اچھا۔“ فائز نے غائب دماغی سے سر ہلا کر جواب دیا۔

”ویسے مجھے آپ سے اس طرح کی حرکت کی امید نہ تھی۔“ شرمیلا نے تیکھی نگاہوں سے گھورتے ہوئے طنز کیا اور اپنے ہاتھ میں تھامے ٹشو سے دھبے صاف کرنے کی کوشش کی۔

”آئی ایم سو سوری۔“ فائز نے اس کے یونیفارم کی بری درگت بننے پر معذرت کرنے میں ہی بھلائی جانی۔

”اٹس او کے اب میں چلتی ہوں۔“ وہ جو اس کی طرف سے گاڑی میں بیٹھنے کی آفر کی منتظر تھی منہ بگاڑ کر بولی۔

”ایسے کیچڑ زدہ کپڑوں کے ساتھ پیدل سڑک پر چلنا۔ آپ کو اچھا نہیں لگے گا۔ ایسا کریں گاڑی میں بیٹھ جائیں میں بھی نانی کی طرف ہی جا رہا ہوں۔“ فائز نے گاڑی کا فرنٹ ڈور کھول کر آفر کی تو اس کی دل کی کھلتی مسکائی، مگر بے نیازی دکھانا ضروری سمجھا۔

”ان تکلفات کی کیا ضرورت ہے۔ اب جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا ہے۔“ اس نے تلخ لہجہ اپنایا اور آگے کی جانب قدم بڑھائے۔

”ارے سنیں تو۔“ فائز اسے روکنے کے لیے تیزی سے دوسرا دروازہ کھول کر نیچے اترا کوئی اور وقت ہوتا تو وہ کسی لڑکی کے اتنے نخرے کبھی بھی برداشت نہیں کرتا، مگر ابھی تو اسے شرمیلا کا غصہ جائز لگا۔

”اچھا نہیں لگ رہا لوگ متوجہ ہو رہے ہیں پلیز بیٹھ جائیں۔“ فائز نے اپنائیت کا مظاہرہ کرنا چاہا، جس سے اس کا

غصہ بتدریج کم ہونے لگا۔
''اچھا ٹھیک ہے۔'' شرمیلا نے فائز کی جانب دیکھ کر دلنشین مسکراہٹ سے نوازا اور فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ فائز نے ایک سرد آہ بھری اور دوسری طرف سے جا کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ بڑی اچھی خوش بو گاڑی میں پھیل گئی، شرمیلا نے سانس کھینچ کر اسے اپنے اندر سمیٹ لیا۔
''پلیز نانی سے شکایت لگا کر میرے کان مت کھنچوایئے گا۔'' اس نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے، شوخی دکھائی اور وہ بے اختیار کھلکھلا اٹھی۔
بے تحاشا سفید رنگت' مخملی گداز جلد، گلابی مائل ہونٹ' سرمئی آنکھیں جن پر سیاہ لانبی اور گھنیری پلکیں جھکی ہوئی تھیں؛ اس کے وجود سے جیسے انوکھے رنگ پھوٹ رہے تھے، فائز نے گاڑی نانی کی گلی میں موڑتے ہوئے پہلی بار ذرا دھیان سے اُسے دیکھا۔ واقعی مما نے اس لڑکی کی تعریف غلط نہیں کی تھی، اس کا مبہوت کر دینے والا قیامت خیز حسن، کسی کو بھی مرعوب کر سکتا تھا۔'' فائز نے سوچا اور لمحے بھر کو اسے تکتا رہ گیا۔
''بس...... بس گھر آ گیا ہے' یہیں روک دیں۔'' شرمیلا نے اس کی حالت سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا، جو بے دھیانی میں گاڑی آگے بڑھا لے گیا تھا۔ اپنی بے خودی پر شرمندہ ہوتے ہوئے اس نے گاڑی ریورس کر کے نانی کے دروازے پر روکی۔
''شکریہ جناب۔'' گاڑی رکنے کے بعد شرمیلا نے اسے دیکھ کر کہا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔
فائز خود کو سرزنش کرتا ہوا، اس کے پیچھے نانی کے گھر میں داخل ہوا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی، ایک خاص زاویے سے شرمیلا اس کی سوچ کا محور بن گئی۔

❁......❁......❁

''ابا جان سے بات کر کے، آج اس مسئلے کو نمٹا ہی دیتا ہوں'' جلال خان جو فائز کے ایک دم خاموش ہو جانے سے کچھ خوف زدہ ہو گئے تھے، فوراً ہی باپ کے کمرے کی جانب چل دیئے۔
''اس وقت آرام تو نہیں کر رہے ہوں گے؟'' باپ کے کمرے کے دروازے کے باہر کھڑے ہو کر لمحے بھر کو سوچا، پھر دستک دے کر دھیرے سے ہینڈل گھمایا اور اندر داخل ہو گئے۔
''آ جاؤ۔'' ابرار خان نے نگاہ اٹھا کر دیکھ کر کہا۔ کمرے کا ماحول گرم ہو رہا تھا، ہیٹر کی گرمی نے اس وقت باہر کی ٹھنڈ کا جم کر مقابلہ کیا ہوا تھا۔ ایک سکون سا وجود میں سرائیت کرتا چلا گیا۔
''ہونہہ۔'' ابرار خان سامنے ہی چوڑے ہتھے والی آرام دہ کرسی پر بیٹھے تسبیح کے دانے گرا رہے تھے، آنکھ کے اشارے سے بیٹے کو بیٹھنے کے لیے کہا۔ وہ دبیز قالین پر بے آواز قدموں سے چلتے ہوئے کونے میں رکھے صوفے پر جا کر بیٹھ گئے اور اپنا مدعا بیان کرنے کے لیے الفاظ کی جوڑ توڑ میں لگ گئے۔
''ہاں بیٹا! اب بتاؤ کیا بات ہے۔'' ابرار خان نے تسبیح ختم کر کے سائیڈ دراز میں رکھی اور نرمی سے پوچھا۔
''ابا جان! میں...... وہ سفینہ اور فائز کے بارے میں بات کرنے آیا تھا۔ بہت دنوں سے اس مسئلے کی وجہ سے گھر کا ماحول خراب ہو رہا ہے' اسی لیے سوچ رہا ہوں کہ اب اس بات کو فائنل کرتے ہوئے، ان دونوں کا نکاح کر دیتے ہیں۔'' جلال خان نے گلا کنکھار کر جلدی جلدی اپنی بات باپ کے سامنے رکھی۔
''بات تو تمہاری معقول ہے مگر صاحب زادے سے بھی تو پوچھو، ان کے کیا ارادے ہیں پہلے سنجیدگی سے کوئی کام دھندہ سنبھالیں تو اتنی بڑی ذمہ داری ان کے کاندھے پر ڈالی جائے۔'' ابرار خان نے مسکرا کر پوتے

کے بارے میں کہا۔
''جی میری تو بڑی خواہش ہے کہ وہ اپنی شاپ سنبھال لے، مگر صاحب زادے جانے کن ہواؤں میں رہتے ہیں، عقل کی بات پلے نہیں پڑتی، ادھر کاروباری پریشانیاں کچھ کم ہیں...... ادھر یہ ناسمجھ بنے گھوم رہے ہیں۔'' انہوں نے تھوڑی ناراضگی دکھائی اور بے چینی سے پہلو بدلا۔
''بیٹا! خیریت ہے کچھ پریشان ہو کیا؟'' وہ باپ تھے بیٹے کے چہرے پر چھائی فکر کی چھاپ کو بھانپ بیٹھے۔
''بس آج کل کافی پریشانی ہوں۔ میرا برسوں پرانا قابل اعتماد اکاؤنٹنٹ عبدالجبار کام چھوڑ کر چلا گیا ہے، بڑا ہی ایمان دار آدمی تھا، کھلا کیش اس کے ہاتھ میں ہوتا، مگر کبھی ایک روپے کی ہیرا پھیری نہیں کی۔'' انہوں نے ماتھے پر انگلی پھیرتے ہوئے باپ کو بتایا۔
''وہ کیوں ایسے اچانک۔ کیا کسی اچھی جگہ نوکری مل گئی ہے؟ اسے بلاؤ۔ وہ ہماری بہت عزت کرتا ہے۔ ہم خود اس سے بات کریں گے اگر پیسوں کا مسئلہ ہے تو اس کی تنخواہ بڑھا دیتے ہیں۔'' ابرار خان نے حیرت کا اظہار کیا۔
''نہیں ابا جان! ایسا کوئی مسئلہ ہوتا تو میں خود ہینڈل کر لیتا۔ اصل میں پچھلے مہینے اس کی بیوی کا اچانک انتقال ہو گیا اور وہ ایک مہینے کی چھٹی لے کر گاؤں چلا گیا، میں اس کی واپسی کی راہ تک رہا تھا کہ اب اس نے وہاں سے فون کر کے کام کرنے سے معذرت کر لی کہہ رہا تھا کہ اس کا تو کام کرنے کا بہت دل ہے مگر چاروں بیٹوں نے زبردستی باپ کو وہیں روک لیا ہے، وہ سب کام دھندے سے لگ گئے ہیں، کہتے ہیں کہ باپ نے تمام عمر اتنی مشقت میں گزاری ہے اب وہ آرام کریں۔'' جلال خان نے مسکرا کر باپ کا پیر دباتے ہوئے بتایا۔
''ماشاء اللہ بہت ہی سعادت مند اولاد ہے اس معاملے میں بھلا انسان کیا کہہ سکتا ہے۔ خیر تم نے کوئی اور انتظام کیا؟'' ابرار خان نے انہیں سراہتے ہوئے پوچھا۔
''جی نیا لڑکا ڈھونڈ تو رہا ہوں۔ جاب کے سلسلے میں کئی لوگ آئے بھی مگر بھروسے کا کوئی آدمی اس دور میں ملنا مشکل ہے۔ میں اسی لیے چاہ رہا تھا کہ فائز آ کر اپنا کام سنبھال لے مگر......'' جلال نے باپ کی جانب دیکھتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی۔
''اس سے زیادہ بھروسے کا آدمی تمہیں ملے گا بھی نہیں۔'' انہوں نے شگفتگی سے تائید کی تو جلال خان

غزل

معصوم محبت کا بس اتنا فسانہ ہے
کاغذ کی حویلی ہے بارش کا زمانہ ہے
کیا شرطِ محبت ہے کیا شرطِ فسانہ ہے
آواز بھی زخمی ہے اور گیت بھی گانا ہے
اس پار اترنے کی امید بہت کم ہے
کشتی بھی پرانی ہے طوفاں کو بھی آنا ہے
معصوم محبت کا بس اتنا فسانہ ہے
اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب جانا ہے

شگفتہ گل...... بھکر

بھی مسکرا دیے۔
"قباحت کیا ہے۔ فائز میاں نے انکار کردیا ہے کیا؟" انہوں نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔
"نہیں انکار تو نہیں...... مگر اقرار بھی نہیں کیا اصل میں اس حوالے سے میری کل رات کو ہی فائز سے بات ہوئی ہے، وہ بتا رہا تھا کہ اس کے لندن والے دوست صابر نے وہاں بلوانے کی تیاری مکمل کرلی ہے، فائز نے اپنے کاغذات بھی میل کردیے ہیں...... بس پروسس مکمل ہونے میں کچھ وقت لگ سکتا ہے۔" جلال خان نے دھیرے سے تفصیل بتائی۔
"ہم سمجھائیں گے اسے کہ جب تک اس کے باہر جانے کا کچھ نہیں ہوتا' وہ تمہارے ساتھ شاپ سنبھالے۔" ابرار خان نے کچھ سوچنے کے بعد مسکرا کر کہا۔
"جی اگر ایسا ہوجائے تو بہت ہی اچھا ہوگا۔ میں اسے آپ کے پاس بھیج دوں گا۔" جلال خان کو لگا جیسے ان کے سر سے ایک بڑا بوجھ ہلکا ہوگیا۔ وہ خود بھی اگر فائز کو کہتے تو وہ منع نہیں کرتا، مگر انہیں ایسا لگا جیسے وہ بیٹے پر زبردستی اپنا فیصلہ تھوپ رہے ہوں۔
"اسے خوب ڈانٹ بھی لگایئے گا' وہ آج کل خود سے بھی بے پروا بنا ہوا ہے نہ کھانے کا ہوش نہ صحت کی کوئی فکر۔" جلال خان نے کچھ یاد آنے پر لگے ہاتھوں یہ شکایت بھی کردی۔
"ہاں آنے تو دو خوب کان کھینچوں گا۔" ابرار خان نے بیٹے کی جی بھر کے تسلی کرائی۔
"انسان چاہے بوڑھا بھی ہوجائے مگر اپنے والدین کے سامنے کیسے چھوٹے بچوں کی طرح دل کی ساری باتیں کرکے پرسکون ہوجاتا ہے۔" وہ خیالوں میں سوچتے ہوئے مسکرا اٹھے۔
"چلو تو پھر ٹھیک ہے نا......" ابرار خان نے بیٹے کو سوچوں میں گم پایا تو زور سے بولے اور گرم جرابیں پہننے لگے۔
"جی ان باتوں میں اصل بات تو رہ ہی گئی' وہ سفینہ اور فائز کے نکاح والی بات۔" جلال نے جلدی سے پاس رکھا دوسرا موزہ اٹھا کر باپ کے پیر میں پہناتے ہوئے یاد دلایا۔
"ہاں بہت ہوگیا۔ اس معاملے کو بھی اب ایک منطقی انجام تک پہنچا دیتے ہیں کیوں نہ اگلے مہینے کی آخری تاریخوں میں نکاح کی تقریب رکھ لیں۔" ابرار خان نے اپنی چھڑی سے زمین پر دباؤ ڈال کر پوچھا۔
"جی یہ بالکل مناسب رہے گا۔ ان خواتین کو بھی جو اپنی تیاریاں کرنی ہوں گی' اس کے لیے مہینے بھر کا وقت مل جائے گا۔" جلال خان کے چہرے پر مسرت چھا گئی، جوش سے سر ہلا کر حامی بھری۔
"ٹھیک ہے تو ہم بہزاد کو بھی بتادیں گے تاکہ وہ لوگ بھی اپنی تیاری شروع کردیں۔" ابرار خان نے مسرت سے بیٹے کو دیکھتے ہوئے کہا۔
"جی یہ بالکل مناسب رہے گا۔" انہوں نے خوش دلی سے کہا اور سائرہ کو خوش خبری سنانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔
"ایک منٹ۔" باپ کی پیچھے سے آتی آواز پر وہ ٹھٹکے، دروازے کے ہینڈل پر رکھا ہاتھ ساکت رہ گیا مڑ کر باپ کو دیکھا۔
"تم ذرا بڑی بہو کو اچھی طرح سے یہ بات ذہن نشین کرادینا کہ نکاح کی تقریب میں جب خاندان کے چار لوگ جمع ہوں تو وہ اپنی زبان پر قابو رکھیں، ہم نہیں چاہتے کہ مہمانوں کے سامنے کسی بھی قسم کی بدمزگی ہو۔" ابرار خان کی پرسوچ نگاہوں نے انہیں اپنے حصار میں لیا تو وہ سر ہلاتے باہر نکل گئے۔

سونیا

السلام علیکم! امید ہے سب خیریت سے ہوں گی۔ میرے شہر کا نام بورے والہ ہے' میرا نام سونیا ہے لیکن سب پیار سے سونی کہہ کر پکارتے ہیں۔ 10 اپریل 1996ء کو بہار کے ساتھ اس دنیا میں آنکھ کھولی' ہم دو بہن بھائی ہیں' پہلے نمبر پر سونی میڈم' دوسرے پر عاطف۔ اب آتے ہیں خوبیوں اور خامیوں کی طرف' خوبی یہ ہے کہ کسی سے لڑائی جھگڑا بالکل بھی نہیں کرتی اور کافی حد تک خوش مزاج ہوں اور خامی یہ ہے کہ باتونی بہت ہوں' میری دوستوں کی تعداد صرف چار ہے اور میرا دل ان کے بغیر ایک پل بھی نہیں لگتا۔ لباس میں شلوار قمیص' چوڑی دار پاجامہ' لہنگا' فراک لمبا دوپٹہ۔ فیورٹ کلر وائٹ سی گرین' بلو' فیروزی' جیولری میں رنگ بریسلیٹ نازک چین پسند ہے۔ فارغ وقت میں ڈائجسٹ پڑھنا' کھانے میں چاول' سموسہ' برگر' سویٹ ڈش میں کھیر اور گاجر کا حلوہ پسند ہے۔ موسم میں بہار کا موسم پسند ہے اور بارش کی تو دیوانی ہوں۔ رائٹر میں سمیرا شریف طور' نازیہ کنول نازی' اقراء صغیر' سیدہ غزل زیدی' آپی آپ نے کیسے "جھیل کنارہ کنکر" لکھا' سچ میرا تو دل ہی لے لیا آپ نے۔ پسندیدہ پھول گلاب ہے' اگر کوئی مجھ سے دوستی کرنا چاہے تو ویلکم' اللہ حافظ۔

✿......✿......✿

سفینہ رات گئے تک جاگتی رہی، ٹہلتے ہوئے فائز کے بدلتے تیوروں کے بارے میں سوچتی اور اندیشوں میں ڈولتی رہی، چپکے چپکے شکوے شکایت بھی کیے۔ اسی لیے ٹھیک سے نیند پوری نہ ہوسکی۔ صبح اٹھی تو ذہن کافی بوجھل لگا۔ منہ ہاتھ دھو کر بالوں درست کرتی کمرے سے باہر آئی تو ماں کو فون پر باتوں میں معروف پا کر اخبار اٹھا کر اس پر نگاہ دوڑانے لگی، بیچ بیچ میں ماں کے جوش سے تمتماتے چہرے کو دیکھتی تو سمجھ جاتی کہ کوئی خاص بات ہے۔ ریحانہ نے تھوڑی دیر بعد فون کی لائن کاٹی تو اس نے سکون کا سانس لیا۔
"ممی! کس کا فون تھا؟" اس نے تجسس سے پوچھا۔
"تمہاری شاہانہ خالہ کا۔" ریحانہ نے بڑے جوش سے جواب دیا اور اپنے سامنے چھیلی مٹر کی جانب متوجہ ہوگئیں۔
"اوہ چھوٹی خالہ کا فون آیا تھا۔ کیسی ہیں وہ مجھ سے کیوں نہیں بات کرائی، میں سنبل اور ثوبیہ سے بات کرلیتی۔" وہ ایک دم پرمسرت لہجے میں گویا ہوئی۔
"وہ بالکل ٹھیک ہے اور جہاں تک بات کرنے کا سوال ہے تو وہ دونوں اگلے ہفتے یہاں آرہی ہیں۔ ایک دوسرے سے جی بھر کر دکھڑے رولینا۔" ریحانہ نے بیٹی کو چھیڑنے والے انداز میں اطلاع دی۔
"ارے واہ...... یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ اس وقت تک میرے پیپر بھی ختم ہوجائیں گے۔ پھر ہم تینوں خوب مزے کریں گے۔" سفینہ نے پیر اوپر رکھ کر بیٹھتے ہوئے ذہن میں پروگرام ترتیب دے ڈالے۔
"مجھے پتا تھا تم جیسے ہی یہ خبر سنو گی خوشی سے جھوم اٹھو گی۔"
"کیوں کیا آپ کو ان کے آنے کی خوشی نہیں؟" سفینہ نے بھی فوراً بدلہ چکایا۔
"خوشی کیوں نہیں ہوگی۔ وہ دونوں میرے لیے تم سے کم تھوڑی ہیں۔" ریحانہ نے بیٹی کو جواب دیا۔
"جی نہیں آپ تو ان دونوں کو مجھ سے زیادہ پیار کرتی ہیں۔" سفینہ نے ایک کچا نرم دانہ اٹھا کر منہ میں ڈالتے ہوئے مصنوعی غصہ دکھایا۔
"کم زیادہ کا کیا سوال ماؤں کے لیے سارے بچے برابر ہوتے ہیں، خالہ بھی تو ماں جیسی ہوتی ہے ویسے وہ دونوں

اتنی چلبلی ہیں کہ پل بھر کو بھی نہیں بیٹھتی، جب بھی یہاں رہنے آتی ہیں، خان ہاؤس میں رونق لگ جاتی ہے۔" ریحانہ نے مسکرا کر بیٹی کی تسلی کرائی۔

"یہ بات تو ممی آپ نے بالکل ٹھیک کہی۔ واقعی ان دونوں کی وجہ سے میرا دل بھی لگا رہتا ہے مگر شاہانہ خالہ کیوں نہیں آرہی؟" سفینہ نے جمائی روکتے ہوئے اقرار میں سر ہلا کر پوچھا۔

"شاہانہ تمہارے خالو کی وجہ سے رک گئی ہے۔ اگر وہ بھی یہاں آجاتی تو عزیز کو کھانے پینے میں مشکل ہوتی، وہ دونوں شاید بعد میں چکر لگائیں۔" ریحانہ نے چھلکے سمیٹ کر شاپر میں ڈالے اور کچن میں جانے کے لیے اٹھ گئیں۔

"یہ بات تو ہے خالو کو اپنے ہاتھوں سے کام کرنے کی عادت جو نہیں ہے۔" سفینہ نے بشاشت سے قہقہہ مارا اور ماں کے پیچھے چل دی۔

❁......❁......❁

"نانی! جلدی سے ہاتھ دھو کر آجائیں' آج میں نے سرسوں کا ساگ اور مکئی کی روٹی پکائی ہے۔" شرمیلا نے مسکراتے ہوئے، ان کا پھیلا ہوا کمرہ سمیٹتے ہوئے بتایا۔

"بیٹا! ابھی بھوک نہیں ہے ٹیبل پر رکھ دو میں نماز پڑھ کر کھالوں گی۔" دلشاد بانو نے بے دلی سے جواب دیا۔

"نانی! آپ کی طبیعت تو خراب نہیں۔ اگر کہیں تو میں سائرہ خالہ کو فون کر کے بلوالوں؟" شرمیلا نے دھڑکتے دل کے ساتھ پوچھا۔ وہ جب سے فائز کے ساتھ گاڑی میں بیٹھی تھی، اسے بھول نہیں پائی۔ اب جب بھی اس کی بلیک گاڑی ان کے دروازے پر آکر رکتی، وہ گلی کی سائیڈ والی کھڑکی سے لگ کر کھڑی ہو جاتی یا بہانے بہانے سے نیچے کے کئی چکر لگا ڈالتی فائز کا لمبا چوڑا، شاندار سراپا، بات کرنے کا انداز، آنکھوں سے ٹپکتی اداسی، شرمیلا کے لیے اس کی پراثر شخصیت کے سحر سے بچ نکلنا مشکل ہو گیا تھا۔

"نہیں بیٹا! اس کی اپنی بڑی گھرداری ہے، سو جھمیلے جان سے چمٹے ہوئے ہیں۔ وہ بلاوجہ پریشان ہو جائے گی۔" دلشاد نے طویل سانس لے کر انکار میں سر ہلایا تو وہ دل مسوس کر رہ گئی، پیٹھ موڑ کر کپڑے سے ٹیبل پونچھ کر کھانے کی پلیٹ رکھنے لگی، وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کے دل کا چور پکڑا جائے۔

"تمہاری ماں کہاں ہے؟" انہوں نے وضو کے لیے گرم جراب اتارتے ہوئے پوچھا، مگر وہ تو فائز کے خیالوں میں گم تھی جواب نہیں دیا۔

"اے بیٹے کہاں کھوئی ہوئی ہو؟" دلشاد نے اس کو زور سے ٹوکا، وہ ڈارک بلیو گرم شال والے سوٹ میں شاید ابھی نہا کر نیچے اتر آئی، کالے گھنے بالوں نے اس کی پشت کو ڈھانپ دیا، کھوئی کھوئی سی سرمئی آنکھوں کا رنگ ہی الگ تھا، ستواں ناک' کی چمکتی کیل نے لشکارے مارے گلابی لب مسکرائے۔

"ممی ابھی اسکول سے نہیں آئی۔" اس نے ہونٹ دباتے ہوئے بے ساختہ جواب دیا۔

"ماشاءاللہ آج تو بڑی سوہنی لگ رہی ہو۔" دلشاد نے اسے بغور دیکھ کر سراہا۔ شرمیلا ایک دم شرما گئی۔

"نانی میں جارہی ہوں آپ کھانا کھالیجیے گا۔" تیز تیز ہاتھ سے صفائی کا کام نمٹا کر وہ تاکید کرتی واپس اوپر جانے کے لیے سیڑھیوں کی جانب چل دی۔

"یہ بچی میرا کتنا خیال رکھتی ہے۔ شکل و صورت میں بھی کسی حور پری سے کم نہیں سائرہ کو کہتی ہوں فائز اور اس کا رشتہ طے کر دے، اس طرح بہزاد کی لڑکی سے اس کی جان چھوٹ جائے گی اور اچھی بہو بھی مل جائے گی۔" دلشاد بانو، کو ایک نئی بات سوجھی، جلدی سے بیٹی کو فون گھمایا۔

❁......❁......❁

"سائرہ بھئی کہاں ہو مبارک ہو۔" جلال خان انہیں آوازیں دیتے ہوئے گھر کے عقبی حصے کی جانب نکل گئے، جہاں وہ ماسی کے ساتھ مشین میں کپڑے دھلوا رہی تھیں۔

"کیا ہو گیا جو یوں مبارکیاں دیتے پھر رہے ہیں۔" فائز کی شرٹ کو نچوڑ کر الگنی پر ڈالتے ہوئے سائرہ نے مسکرا کر شوہر کو چھیڑا۔

"ادھر آؤ پھر بتاتا ہوں۔" ماسی ان دونوں کی باتیں بغور دانت نکال کر سننے لگی تو وہ سائرہ کا ہاتھ تھام کر کیاری کی جانب لے آئے۔

"ہائے...... ہائے...... ہاتھ تو چھوڑیں۔ جمیلہ ماسی دیکھ رہی ہے جانے کیا سوچے گی۔" سائرہ شرما کر لال انار ہو گئیں۔

"اس کے سوا کیا سوچنا ہے کہ صاحب کتنے فرشتہ صفت ہیں، جو بیگم صاحبہ جیسی عورت پر اب بھی پیار لٹاتے ہیں۔" جلال خان نے شوخی سے جواب دیا۔

"آپ کا 'جیسی' سے کیا مطلب ہے ہیں؟" سائرہ نے آستینیں چڑھا کر پوچھا۔

"مطلب آپ جیسی حسین و جمیل خاتون......" وہ بات بدلنے کے ماہر تھے فوراً ہی انہیں گھما ڈالا۔

"پھر ٹھیک ہے۔" سائرہ ناز سے اٹھلائیں۔

"اچھا چھوڑو ان باتوں کو اور کام کی بات سنو۔" جلال خان نے سنجیدہ شکل بنائی۔

"اچھا جی وہ کیا؟" سائرہ نے مسکرا کر پوچھا۔

"بیوی اب اپنے اندر تھوڑا صبر و تحمل اور برداشت کی عادت ڈال لو۔" انہوں نے سائرہ کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"یہ 'اب' سے کیا مراد ہے۔ اگر مجھ میں اتنی برداشت نہ ہوتی شادی کے دوسرے دن ہی اماں کے یہاں جا کر بیٹھ جاتی۔ یہ تو میری اچھائیاں تھیں جو اس خاندان میں گزارا ہو گیا؟" شوہر کی بات پر ان کا موڈ آف ہو گیا، انہوں نے کھری کھری سنائی۔

"بس ہو گئی نا شروع تم میں یہی تو برائی ہے کسی کی سنتی نہیں ہو فوراً پٹری سے اتر جاتی ہو۔ پتا نہیں آگے کیا ہوگا؟" وہ بھی چڑ کر شروع ہوئے۔

"بھئی یہ آگے کی کیا رٹ لگا رکھی ہے ایسا کیا ہونے والا ہے؟" وہ کمر پر ہاتھ رکھ کر میاں کے پیچھے پڑ گئیں۔

"بھئی آگے تمہاری پرموشن ہونے والی ہے۔" جلال خان نے غصے پر قابو پاتے ہوئے بیوی کا ہاتھ تھام کر دھیرج سے کہا اور انہیں چارپائی پر اپنے قریب جگہ بنا کر بٹھایا۔

"اچھا اب خان ہاؤس میں کیا نیا گل کھلنے والا ہے؟" سائرہ نے بے نیازی سے بیٹھنے کے بعد پوچھا۔

"آپ ساس بننے جارہی ہیں۔ ابا جان نے اگلے مہینے میں فائز اور سفینہ کا نکاح طے کر دیا ہے۔" جلال خان نے اپنے تئیں ایک دھماکا کیا۔

"ہاں تو یہ کون سی نئی بات ہے آپ کی اماں نے تو مجھے جوانی میں ہی ساس کا عہدہ تفویض کر دیا تھا، ایک ہی لڑکی کا ذکر سن سن کر میرے کان پک گئے۔" سائرہ نے شوہر کو نارمل انداز میں جواب دیا۔

"سائرہ! اس خوشی کے موقع پر تم رنگ میں بھنگ ڈالنے نہ بیٹھ جانا۔" جلال کو باپ کی تاکید یاد آئی تو

جلدی سے التجا کی۔

"ہا...... ہا...... جانے یہ خوشی کا موقع ہوگا یا غم کا۔ خیر ایک بات میری بھی مان لیں۔" انہوں نے سرد آہ بھری اور پھر استدعا کی۔

"ہاں کہو۔" جلال خان پوری طرح سے متوجہ ہوئے۔

"اماں کے کرائے داروں کی لڑکی ہے شرمیلا۔ بہت ہی سلیقہ مند اور خوب صورت مانو ہاتھ لگاؤ تو میلی ہو جائے۔ لوگ بھی خاندانی ہیں۔ میرا بڑا دل تھا کہ فائز کی شادی وہاں ہو جائے۔ اگر آپ ایک بار اسے بھی دیکھ لیتے تو......؟" سائرہ نے شوہر کے کانوں میں وہ بات ڈال دی جس نے ان کے دل میں بڑے دنوں سے کھد بھد مچائے ہوئے تھی۔

جلال خان نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے بیوی کو گھورا۔

⁂

دلشاد بانو نے نماز پڑھ کر طویل دعا کے بعد نم آنکھوں کو پونچھا۔ وہ جب کھانے کی میز تک آئیں تو کپڑے میں لپٹی ہوئی روٹی ٹھنڈی ہو چکی تھی، انہیں اپنا وہ وقت یاد آ گیا جب ان کی بہو نر ما گرم روٹی پکا کر سامنے رکھتی اور وہ اٹھا اٹھا کر اس میں کیڑے نکالتی رہتیں۔ آج بہت کچھ کھونے کا احساس دل میں جمع ہونے لگا۔ بے دلی سے تھوڑا سا کھانا کھایا اور اٹھ گئی۔ ہاتھ دھوتے ہوئے، آنسو ٹپک پڑے، عجیب سی وحشت نے لپیٹے میں لے لیا۔

"توبہ ہے میرے مالک! ایسی محتاجوں جیسی زندگی سے سب کو محفوظ رکھنا۔" انہوں نے کھلے آسمان تلے کھڑے ہو کر باقاعدہ ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"دلشاد! تیری تو اب یہ وقعت رہ گئی ہے۔" چاروں جانب پھیلی خاموشی سے گھبرا کر خود سے باتیں شروع کر دیں۔

"تو بس دوسروں کا منہ تکتی رہ، اوپر سے کھانا ٹپک کر آ جائے، مہینے میں ایک دو بار سامنے والوں کا لڑکا آ کر ضرورت کا سامان خرید کر لا دے اور تو دوسروں کی خوشنودگی حاصل کرنے کے لیے مری جائے۔" وہ تخت پر دراز ہونے کے بعد، ہاتھوں سے کمر دباتے ہوئے خود ترسی کی انتہاؤں تک جا پہنچیں۔

"کم بخت رانی! تجھے حلال کی کمائی راس نہیں آئی جو بھاگ کھڑی ہوئی۔" انہوں نے جی بھر کر نوکرانی کو بھی کوسا۔

"جب سے شکیل اور نرما اس گھر سے گئے تھے، زندگی میں عجیب سی بے بسی گھل گئی تھی...... ایسی لاچاری کا تو انہوں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کیا ہو جاتا جو اس وقت اپنے مزاج پر تھوڑا قابو پا لیتی، کم از کم آج یہ دن تو نہیں دیکھنے پڑتے۔" پچھتاوا سا پچھتاوا۔ خود احتسابی کا عمل بڑا تکلیف دہ تھا۔

سائرہ نے ماں کو کوئی اور نوکرانی رکھنے سے بھی سختی سے منع کر دیا تھا، ایک رانی کا تجربہ ہی کافی تھا۔ اب اگر دلشاد زیادہ فون کر کے بیٹی سے اپنی تنہائی کا رونا روتی یا فائز کو بار بار بلوانے لگتیں تو سائرہ ماں کی بے بسی پر دکھی ہو کر انہیں ساتھ لے جانے پر بضد ہو جاتی۔ اس لیے اس سے بھی کچھ کہنا چھوڑ دیا تھا۔ اس بار جب شکیل کا فون آیا تو وہ بیٹے سے بات کرتے ہوئے زار و قطار رو دیں۔ وہ بھی کافی پریشان ہوا مگر خود ہی سیٹ نہیں ہو پایا تھا، فوری طور پر ماں کو بلوانا ناممکن امر تھا۔

⁂

فائز نے کھڑے ہو کر پارک کے چاروں جانب دیکھا، سورج پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا، تاہم موسم سرما کی ٹھنڈک میں دھوپ سینکنا اچھا لگ رہا تھا، سنہری دھوپ نے پھولوں کا حسن اجاگر کر دیا، اس نے چلتے ہوئے ہاتھ اٹھا کر ورزش کی کوشش کی۔ وہ ابرار خان کی فرمائش پر انہیں لے کر یہاں آیا تھا، اب واکنگ ٹریک پر ان کے پیچھے پیچھے

چل رہا تھا۔

ابرار خان یہاں جب بھی آتے بہت خوشی محسوس کرتے اس پارک کے چپے چپے سے ان کی بیوی کی یادیں جڑی تھیں۔ یہاں لگے ہوئے درختوں سے ان کی انسیت، پھولوں کی خوش بو سے آتی اپنائیت کی مہک، ننھے منے پرندوں کی چہکاریں کچھ بھی تو اجنبی نہیں تھا، گلاب کے پودے کو چھوتے ہوئے وہ بے چین ہو گئے۔ سکینہ کو گئے ہوئے کتنے دن گزر گئے پھر بھی سرخ گلاب کی خوش بو میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، انہوں نے پھول کو چھوا اور بیوی کی معطر یادوں نے بے چین کر ڈالا۔ آج کل جانے کیوں اٹھتے بیٹھتے انہیں سکینہ کی یاد آ رہی تھی۔ سلیم شاہی جوتا پاؤں سے نکالا اور سبز گیلی گھاس پر ننگے پاؤں چلنے لگے۔ فائز دوڑ کر ان کے نزدیک آ گیا۔

"دادا ابا! آپ کو مجھ سے کوئی بات کرنی تھی؟" وہ ابرار خان کی جانب دیکھ کر بولا اور انہیں تھام کر سنگ مرمر کی بنچ کی طرف لے آیا۔

"ہم چاہتے ہیں کہ جب تک تمہارے لندن جانے کا پروگرام فائنل نہیں ہوتا تم باپ کی شاپ پر ان کا ہاتھ بٹاؤ۔" ابرار خان نے پاؤں پھیلا کر حکمیہ انداز میں کہا۔

"مگر وہ دادا ابا......" فائز کچھ کہنا چاہتا تھا، مگر انہوں نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

"امید ہے کہ تم ہمارا مان رکھو گے۔" ابرار خان نے ملائمت سے کہا تو اس نے سر ہلا کر اقرار کر لیا۔

"اب چلیں دھوپ میں تیزی آ گئی ہے چبھ رہی ہے۔" فائز نے تھوڑی دیر بعد سر کھجاتے ہوئے کہا۔

"ہاں چلتے ہیں مگر ابھی سب سے اہم بات تو رہ گئی ہے۔" ابرار خان کا چہرہ مسکرانے لگا۔

"جی...... وہ...... کیا؟" فائز سمجھ تو گیا تھا، پھر بھی اپنے اندازوں کو خود تک ہی محدود رہنے دیا۔

"دیکھو میاں! ہمارے لیے تم اور سفینہ...... ایسے ہی ہو جیسے سینے میں دھڑکتے ایک دل کے دو حصے۔" ابرار خان نے اپنی چھڑی تھماتے ہوئے تمہید باندھی۔

"جی میں جانتا ہوں۔" اس نے بیٹھ کر سر ہلایا۔

"اب تو بس ایک ہی خواہش ہے کہ میرے بچے ہمیشہ ایک ہو کر رہیں، کبھی جدا نہ ہوں۔ ہمارے سامنے بھی اور ہمارے مرنے کے بعد بھی۔" ان کا لہجہ گلو گیر ہوا۔

"اللہ آپ کا سایہ ہمارے سروں پر ہمیشہ سلامت رکھے۔" فائز نے دادا کے ہاتھوں پر نرمی سے دباؤ ڈال کر کہا۔

"ہا...... ہا...... اب تک بری بھلی جیسی بھی چل رہی ہے چلتی ہی چلی گئی مگر آگے کا کچھ پتا نہیں جانے کیا ہو جائے بس اسی لیے ہم نے فیصلہ کر ڈالا اور درحقیقت یہ صحیح وقت بھی ہے، جب تا عمر قدم سے قدم ملا کر چلنے کے لیے تم دونوں کو ایک کر دیا جائے تا کہ تم سب کے جدا ہونے کا خوف جڑ سے اکھڑ جائے۔" انہوں نے پرامید لہجے میں پوتے کی جانب دیکھ کر اپنی بات پوری کی مگر وہ سر جھکائے خاموشی سے بیٹھا رہا۔

"اسی لیے ہم نے تمہارے نکاح کی تقریب اگلے مہینے فائنل کر دی ہے۔" ابرار خان کے چہرے سے خوشی کا احساس جھلکا، مگر فائز اپنی جگہ سن سا بیٹھا رہ گیا۔

"دادا ابا اور جو یہ سفر...... سفر ناتمام میں ڈھل جائے اور ہم دونوں کو ایک ساتھ زندگی گزارنے کا موقع ہی نہ ملے۔" فائز نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا۔

"لڑکے یہ کیسی بدفالیں منہ سے نکال رہے ہو توبہ کرو۔" ابرار خان نے جواب اپنی چھڑی اس کی پیٹھ پر لگا کر دیا۔

"پلیز آپ میرا یقین کریں، مجھے محسوس ہوتا ہے جیسے اس خاندان کی بقا، ہم دونوں کی شادی کے نہ ہونے میں

ہے۔‘‘اس نے ڈرتے ڈرتے اپنا موقف بیان کرنا چاہا۔
’’بس......بس......ہم نے فیصلہ کرلیا ہے‘ آگے کچھ اور نہیں سننا۔‘‘ انہوں نے کھڑے کھڑے اس کی بات کو ہوا میں اڑا دیا۔
’’دادا ابا! میں یہ نکاح نہیں کرنا چاہتا۔‘‘ اس نے ایک بار پھر کوشش کی اور واضح الفاظ میں اپنے دل کی بات کہہ دی۔
’’اچھا مگر ہم سب ایسا چاہتے ہیں اس لیے اب تو آپ کے چاہنے یا نہ چاہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا آئی سمجھ۔‘‘ انہوں نے پوتے کی بات کو مذاق سمجھا اور اس کا ایک کان مروڑتے ہوئے کچھ شوخی سے کہا۔ وہ دل مسوس کر رہ گیا کوئی اور وقت ہوتا تو وہ اس بات پر خوشی سے ناچ اٹھتا مگر اس وقت تو دل شعلہ سا جل بجھا۔
’’ہم بہت تھک گئے ہیں چلو اب چلتے ہیں۔‘‘ ابرار خان نے اسے خیالوں میں کھویا دیکھ کر چھڑی کی نوک چبھوتے ہوئے کہا۔ وہ ان کے پیچھے سر جھکائے اداس سا چل دیا۔
’’اُف یہ زندگی اتنی بے درد کیوں ہوگئی ہے اِس سفر میں اور جو تم کہیں کھو گئی ہمیشہ کے لیے۔ جدا ہوگئی بالکل اجنبی بن گئی تو......‘‘ اس نے سفینہ کو دل سے مخاطب کیا، بے قرار ہو کر پاس لگے گلاب کو نوچا اور کانٹے، اس کی ہتھیلی میں سرائیت کر گئے، دل میں جو درد اٹھا تھا، کسی اور تکلیف کا احساس ہی نہیں ہونے دے رہا تھا۔
’’نفرتوں کی دیمک نے ہماری چاہتوں کے حصار کو چاٹ کر کھوکھلا کر دیا ہے اور اسے بچانے کے لیے کیا مجھے اپنوں سے تاعمر مقابلہ کرنا پڑے گا۔ نہیں میں ایسا نہیں کر سکتا اسی لیے خود ہی دستبردار ہو جاتا ہوں۔‘‘ اس نے رومال میں خون کی بوند کو جذب کیا جو کانٹا نکالنے پر ہتھیلی سے بہہ نکلی تھی۔

✿......✿......✿

’’فائز نے مجھ سے ہر قسم کا رابطہ ختم کیا ہوا ہے۔ کیا وہ حالات سے تھک چکے ہیں یا کوئی اور بات ہے۔ ایک ہی گھر میں رہنے کے باوجود پندرہ دن ہوگئے ان کی شکل دیکھنے کو ترس گئی ہوں کب آتے ہیں کب جاتے ہیں پتا نہیں چلتا فون بھی بند جا رہا ہے شاید سم بدل دی ہے۔ وہ چاہ کیا رہے ہیں؟‘‘ سفینہ اس کی روش پر پریشان ہو کر سوچنے لگی۔
’’کیا ان کی نظریں بدل گئی ہیں۔ تائی اماں بھی تو آئے دن کسی شرمیلا کی تعریفوں کے پل باندھتی رہتی ہیں۔‘‘ سفینہ نے ٹیڈی سے پوچھا اس کی بٹن جیسی آنکھیں سرد ہی رہیں۔
’’یہاں گھر میں موجود ہو تو کچھ بات ہو ایسے تو جناب کے موڈ کا کچھ پتا نہیں چل رہا۔‘‘ اس نے کرسی پر جھولتے ہوئے سوچا۔ وہ کل بہت دیر تک بہانے سے دادا ابا کے کمرے میں بیٹھی فائز کی واپسی کا انتظار کرتی رہی مگر وہ آیا تو انہیں سلام کرنے کے بعد سیدھے اپنے کمرے میں چلا گیا اس کی جانب نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ وہ افسردہ سی اٹھ کر اوپر چلی آئی۔
’’اے زندگی کیا ساری آزمائشیں میرے نام ہی رقم کر دی گئی ہیں۔‘‘ اس نے رات کو بستر پر روتے روتے معصومیت سے سوال کیا۔

✿......✿......✿

’’بیوی! میں کچھ دنوں سے یہ ہی سوچ رہا تھا۔‘‘ جلال خان نے کف افسوس ملتے ہوئے کہا۔
’’کیا سوچ رہے تھے؟‘‘ سائرہ نے حیرت سے پوچھا۔
’’یہ ہی کہ میں نے نکاح کی اتنی بڑی خبر سنائی اور تم نے کوئی ہنگامہ نہیں مچایا مگر تمہارے من میں تو کوئی اور ہی کھچڑی پک رہی تھی۔‘‘ وہ پہلو بدلتے ہوئے جلے بھنے دکھائی دیے۔

’’یہ......کیا بات ہوئی فائز میرا بھی بیٹا ہے‘ میں اس کے لیے وہ ہی سوچوں گی جو اچھا ہوگا۔‘‘ سائرہ نے معنی خیز مسکراہٹ ہونٹوں پر سجا کر کہا۔
’’تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہوگیا اب جبکہ تمام معاملات طے پا گئے ہیں۔ تم نئے شوشے چھوڑ رہی ہو۔ کیا گھر میں ہر وقت شرمیلا کی تعریفوں کے پل باندھتی رہتی ہو، کل بھی شام کی چائے کے وقت جب میرے بلانے پر ریحانہ اور سفینہ نیچے آئے تو تمہارا شرمیلا نامہ شروع ہوگیا۔‘‘ جلال خان نے کئی دنوں کا غبار نکالا۔
’’ہاتھ کنگن کو آرسی کیا، پڑھے لکھے کو فارسی کیا میں نے کوئی غلط بات تھوڑی کی ہے، وہ ہے ہی تعریف کے قابل یقین نہ ہو تو چل کر ایک دفعہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔‘‘ سائرہ نے ہاتھ پر تالی مارتے ہوئے میاں کو چیلنج کیا۔
’’نہیں بھئی جس راہ نہیں چلنا، اس کے کوس کیا گننا۔‘‘ انہوں نے بھی بیوی کو بامحاورہ زبان میں جواب دیا۔
’’آپ تو بس اپنی من مانی کرنا جانتے ہیں۔‘‘ وہ منہ سکیڑ کر بولیں۔
’’ایک بات یاد رکھنا۔ یہ بات گھر سے باہر نہیں جانی چاہیے اور ہاں خاص طور پر فائز کے کانوں میں تو بالکل نہیں پڑنی چاہیے ورنہ وہ زمین اور آسمان ایک کر دے گا۔‘‘ جلال خان کے ہاتھ پیچھے باندھ کر ٹہلتے ہوئے کہا۔
’’اچھا اگر یہ خواہش خود فائز کی ہو تو آپ کیا کریں گے؟‘‘ سائرہ نے مزہ لیتے ہوئے کہا تو جلال خان جہاں کے تہاں کھڑے رہ گئے۔

✿......✿......✿

فائز ناشتہ کر کے شاپ پر جانے کے لیے باہر نکلا تو سامنے ہی کھڑکی سے جھانکتی سفینہ کی گلابی متورم آنکھیں اس کی نگاہوں سے ٹکرائیں، وہ لمحے بھر کو گڑبڑایا۔ اس کے چہرے پر مٹے مٹے آنسوؤں کے نشان بہت واضح دکھائی دیے جو سفی کی پریشانی اور اندرونی کیفیات کے غماز تھے۔ وہ خود کو اپنی محبت کا مجرم سمجھنے لگا، اِسی ذہنی اور دلی کشمکش میں وہ باپ کے ساتھ شاپ روانہ ہوا۔ جلال خان نے بیٹے کی خواہش پر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور وہ راستے بھر خاموشی سے اسی کو سوچتا چلا گیا۔ سفی کی اداس صورت بار بار نگاہوں میں پھرنے لگتی تو دل پر ملال کے بادل چھاتے چلے گئے۔ وہ جتنا خود کو اس سے دور رکھنے کی کوشش کرتا، وہ اتنی ہی قریب آجاتی جتنا نظر انداز کرتا، ہر سو دکھائی دیتی۔ ہوا کے خوش گوار جھونکوں میں اسے سفینہ کی خوش بو محسوس ہوتی۔ کڑکتی دھوپ میں اس کی یاد سایہ بن جاتی۔ اس نے اپنے اندر جھانکا، دل سے اسی کے نام کی صدا آئی۔
’’سفی! مجھے معاف کر دو مگر میں جو کچھ کر رہا ہوں۔ اس سے تمہیں ابھی تو تکلیف ہو رہی ہے مگر تم بعد کی پریشانیوں سے بچ جاؤ گی۔‘‘ فائز خیالوں میں اس سے معافی کا طلب گار رہا۔
وہ اسے کیسے سمجھاتا کہ اس کی محبت ایک خاص حالت کا نام ہے، جسے لفظوں میں بیان کرنا بہت مشکل، قلم سے تحریر کرنا آسان نہیں اور دوسروں کو سمجھانا ناممکن ہے وہ تو رگ و پے میں دوڑنے والا ایک احساس ہے، جو خود کو کھونے کے بعد بھی اپنا آپ منواتی ہے۔

✿......✿......✿

ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی، ابرار خان رات کے کھانے کے بعد بیٹوں کے ساتھ ٹہلتے ہوئے، خان ہاؤس کے عقبی حصے کی جانب نکل گئے، جہاں ایک چھوٹا سا صحن واقع تھا، جو سکینہ کی زندگی میں بہت آباد رہتا تھا۔ کیاری میں لگی رات کی رانی کی بھینی بھینی مہک ماحول پر چھائی ہوئی تھی۔ اس حصے میں قدم رکھتے ہی ابرار خان کو اپنی سکینہ کا خیال ہوا کی طرح چھو کر گزرا، ماضی کی خوش گوار یادیں دل کے دریچے پر آ کر ٹھہر سی گئیں، وہ چند لمحوں کے لیے حال کو فراموش کیے،

ماضی کا حصہ بنے رہے۔ جب بچے چھوٹے تھے تو اکثر گرمیوں کی راتوں میں یہاں چارپائی ڈال کر سونے کا انتظام کیا جاتا، وہ سب ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا میں مچھر دانی لگا کر تکیہ پر سر رکھتے ہی گہری نیند میں چلے جاتے اور پو پھٹتے ہی آنکھ کھل جاتی اور وہ سب ہنستے مسکراتے اندر کی جانب لپکتے جہاں، سکینہ گرما گرم ناشتہ تیار کر کے ٹیبل پر لگاتی، وہ ذائقے، لذتیں اور چھوٹی چھوٹی خوشیاں جیسے آج معدوم ہو گئیں۔

"ابا جی! آپ یہاں بیٹھ جائیں میں نے چارپائی بچھادی ہے۔" بہزاد خان نے کونے میں رکھی چارپائی کو اچھی طرح سے جھاڑنے کے بعد بچھا کر باپ کو پیشکش کی تو وہ چونک کر حال میں واپس آتے ہوئے لڑکھڑائے۔

"سنبھل کر کہیں چوٹ نہ لگ جائے۔" بہزاد نے فکرمندی سے کہا۔ جلال خان نے بڑھ کر باپ کا ہاتھ تھام کر چارپائی پر بیٹھنے میں مدد دی۔

وقار، تہذیب و شائستگی اس خاندان کا خاصہ تھا، بہزاد نے باپ کی چھڑی کو کونے والی دیوار سے ٹکا کر کھڑا کر دیا۔ ماں کی تربیت آج بھی ان دونوں بھائیوں کی گھٹی میں شامل تھی، باپ کو جواب دینا، ان سے آنکھ ملا کر بات کرنا، ان کی روایت کے خلاف تھا۔ اس وقت بھی وہ دونوں خاموشی سے باپ کے بولنے کے منتظر تھے۔

"ہاں بھئی بہزاد! ہم نے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے، فوری طور پر سفینہ اور فائز کے نکاح کا جو فیصلہ کیا اس بارے میں تم کیا کہتے ہو؟" انہوں نے جھک کر بیٹے کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ابا جی اس بارے میں مجھے کیا کہنا ہے آپ اور بھائی جو بہتر سمجھیں گے وہ ہی ہوگا۔" بہزاد خان نے احترام سے جواب دیا۔

"نہیں بھئی مرضی تو تمہاری بھی چلے گی آخر کو تم لڑکی کے باپ ہو۔" ان کے لہجے سے شوخی کے رنگ جھلکے۔ جلال خان مسکرائے تو بہزاد خان کے لبوں پر بھی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"نہیں میں اس رشتے پر دل سے خوش ہوں۔" بہزاد خان نے باپ کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر جواب دیا تو ان کا سینہ فخر سے چوڑا ہو گیا۔ ان تینوں کی گفتگو کا رخ اب تقریب کی تیاری کی جانب مڑ گیا۔

❁......❁......❁

سفینہ نے آخری پیپر دینے کے بعد فراغت سے سونے کا پروگرام بنایا اور اپنا نرم تکیہ بغل میں دبائے کمرے میں داخل ہوئی اور پیچھے سے جیسے بھونچال آ گیا، سنبل اور ثوبیہ اندر داخل ہوئیں اور اس کے گرد بانہوں کا گھیرا ڈال کر گھما ڈالا، وہ چیختی چلاتی رہ گئی مگر ان دونوں نے پہلے کبھی سنی، جو اب سنتیں جب وہ چکرا کر گرنے لگی تو اسے لے جا کر بیڈ پر دھکیل دیا۔

"او......او...... تم دونوں لڑکیاں ہو یا شرارت کی پڑیاں بیچ میں دماغ گھوم گیا۔" سفینہ نے ان دونوں کو ایک ایک دھپ لگا کر بدلہ لیا۔

"سفی آپی! اگر انٹری ایسے ہی سادہ انداز میں ہو جاتی تو کیسے پتا چلتا کہ ہم آئے ہیں؟" وہ دونوں ہاتھ پر ہاتھ مار کر کھلکھلائیں۔

"یہ تو سچ کہا۔ خیر مجھے کسی نے بتایا ہی نہیں کہ تم دونوں نے آج یہاں پہنچنا تھا۔" سفینہ کے حواس درست ہوئے تو مسکرا کر کہا۔

"کوئی بتاتا بھی کیسے ہم تو آپ کو سرپرائز دینا چاہتے تھے، بس بہزاد خالو سے ایک ڈیل کر لی، انہوں نے ہی ائرپورٹ سے پک کیا، خالو کے ساتھ ہماری آمد پر بڑی خالہ بھی منہ پھاڑ کر حیران رہ گئیں۔" سنبل نے

چہکتے ہوئے بتایا۔

"تم لوگوں سے یہ ہی امید ہے، جہاں جاؤ، گھر والوں کی آنکھیں کھل جائیں اور منہ پھٹ جائے۔" وہ انہیں چھیڑنے پر تل گئی۔

"بس کیا کریں کبھی غرور نہیں کیا۔" دونوں بھی کم نہیں تھیں، برا ماننے کی جگہ فوراً کالر کھڑے کر دیئے تو ایک زوردار قہقہہ گونجا، ٹرے میں جوس رکھ کر اندر آتی ریحانہ کی بھی باچھیں کھل گئیں۔

❁......❁......❁

"تھوڑے پیسے بینک میں جمع ہیں۔ کچھ کا مزید انتظام کرنا پڑے گا مگر اتنی جلدی؟" وہ دونوں باپ کے کمرے سے اٹھ کر اپنے اپنے پورشن کی جانب بڑھنے لگے۔ اسی دوران بہزاد کا دماغ جوڑ توڑ میں لگ گیا۔ جلال خان نے چہرے سے پریشانی بھانپ لی۔

بہزاد ذرا رکنا تو۔" انہوں نے کچھ سوچ کر چھوٹے بھائی کو پکارا۔

"کیا ہوا بھائی؟" بہزاد نے اپنے قدم روکے اور جلال خان اس کے مقابل آ کر کھڑے ہوئے۔

"وہ میں یہ کہہ رہا تھا کہ تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتانا۔" انہوں نے بہزاد خان کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا۔

"نہیں کچھ نہیں آپ سب کی دعائیں ہیں۔" بہزاد نے مسکراہٹ کا نقاب پہن کر جواب دیا۔

"میں تمہیں اچھی طرح سے جانتا ہوں، کتنے خوددار ہو، بڑی سے بڑی مشکل بھی پڑ جائے تم منہ سے کچھ نہیں بولو گے خیر۔" وہ شفقت بھرے انداز میں مسکرائے۔ "ابا جان نے اچانک نکاح کی تقریب رکھ لی ہے اس میں۔ ہزاروں خرچ ہوں گے ایسا کرو تم یہ کچھ پیسے رکھ لو، بھاوج کو دے دینا۔" انہوں نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پھرتی سے بٹوے میں سے ہزار ہزار کے کافی سارے نوٹ نکال کر بہزاد خان کی جیب میں زبردستی رکھ دیئے۔

"نہیں...... نہیں...... وہ میں انتظام کر لوں گا۔" بہزاد نے شرمندگی سے نفی میں سر ہلایا، بھائی اب سمدھی بننے جا رہے تھے، انہیں پیسے لیتے ہوئے شرمندگی محسوس ہوئی۔

"بات سنو میاں! سفینہ میری بھی بیٹی ہے۔ سمجھو اس کے تایا کی طرف سے نکاح کا تحفہ ہے۔" انہوں نے بھائی کی جھجک کو سمجھتے ہوئے بہانہ بنایا۔

"میں کیسے آپ کی محبتوں کا قرض اتاروں گا۔" بہزاد نم لہجے میں بولتے ہوئے بھائی سے لپٹ گئے۔

"اب یہاں کھڑے ہو کر میرا منہ کیا تک رہے ہو جاؤ جا کر سو جاؤ۔" جلال نے چھوٹے کی پیٹھ سہلائی پھر مصنوعی غصہ دکھاتے ہوئے اوپر جانے والی سیڑھیوں کی طرف اشارہ کیا۔ وہ ان سے الگ ہو کر اس طرف چل دیئے، جلال خان نے چور نگاہوں سے اپنے کمرے کی کھڑکی کو دیکھا، جہاں ایک سایہ سا لہرایا۔

❁......❁......❁

"ہیلو اٹھ جائیں......؟" فائز صوفے پر آنکھیں موندیں بیٹھا تھا، چونک کر آنکھیں کھولیں۔ ہنستی مسکراتی، سبز لباس میں ملبوس شرمیلا ہاتھ میں چھوٹی سی ٹرے تھامے کھڑی تھی، خوش بو کا ایک جھونکا اس کو اپنی لپیٹ میں لینے لگا۔

"آپ نے بلاوجہ چائے کا تکلف کیا۔" فائز نے سیدھے ہو کر بیٹھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"بیٹا! شرمیلا بہت اچھی چائے بناتی ہے ایک بار پی کر تو دیکھو اس کے بعد روزانہ پینے آؤ گے۔" دلشاد نے مسکرا کر حمایت کی۔

"نانی...... آپ بھی نا۔" وہ زیرلب بڑبڑاتے ہوئے سرہلا کر رہ گیا۔

"میں ذرا دوائی کھالوں۔" دلشاد نے مسکرا کر ان دونوں کی جانب دیکھا اور بہانہ بنا کر کمرے سے باہر چل دیں۔

"کیا آپ کو چائے اچھی نہیں لگتی یا میرے ہاتھوں سے بنی اس لیے پینا گوارا نہیں؟" شرمیلا نے اسے خاموش دیکھ کر شکوہ کیا۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔" فائز نے مسکرا کر اخلاق دکھایا اور ٹرے سے کپ اٹھالیا۔ اسے ایک غیر لڑکی کے ساتھ اکیلے کمرے میں بیٹھنا تھوڑا غیر مناسب لگا، اس لیے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"سائرہ خالہ کیسی ہیں؟ انہیں بھی ساتھ لے آتے۔" ان دونوں کے بیچ در آنے والی خاموشی کو شرمیلا نے ہی توڑا۔

"مما...... تھوڑا مصروف تھیں مجھے نانی کی دوا پہنچانی تھی۔ اسی لیے خود آ گیا۔" فائز نے گرم چائے کا آخری گھونٹ پیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"ارے کہاں چل دیئے؟" شرمیلا نے باہر کی جانب قدم بڑھاتے فائز کو پیچھے سے پکارا۔

"نانی کے پاس جا رہا ہوں تھوڑی دیر بیٹھ کر واپس جانا ہے۔" فائز نے مڑے بغیر جواب دیا۔

"کیا...... آپ یہاں صرف...... اپنی نانی کے لیے ہی آتے ہیں؟" شرمیلا نے تیزی سے فائز کے نزدیک پہنچ کر ایک ادا سے سوال کیا۔

"میں سمجھا نہیں آپ کہنا کیا چاہتی ہیں؟" اس نے تھوڑا پیچھے ہٹ کر بے اعتنائی برتی۔

"جناب یہاں اور بھی کچھ لوگ ہیں، جو آپ کے آنے کی راہ تکا کرتے ہیں۔" شرمیلا نے نگاہیں جھکا کر ڈھکے چھپے الفاظ میں اپنی دلی کیفیت واضح کرنا چاہی۔

فائز حیرت سے اسے دیکھتا رہ گیا، کچھ کہنے کے لیے لب کھولنے چاہے پھر سر جھٹک کر باہر نکل گیا۔ شرمیلا کو اس قدر بے حیثیت ہو جانے پر دکھ نے آگھیرا۔

❁......❁......❁

"یہ کچھ پیسے رکھ لو۔" بہزاد خان نے آفس جانے سے قبل ریحانہ کو کمرے میں بلایا اور پچاس ہزار روپے انہیں تھما دیئے۔

"اتنے سارے پیسے ان کا کیا کرنا ہے بھئی۔" وہ مسکرا کر نوٹ گنتے ہوئے بولیں، ہمیشہ پیسے کو دانتوں سے پکڑ کر خرچ کیا تھا، اب شوہر کی فیاضی پر چونکنا لازم ہو۔

"ابا جان نے سفینہ اور فائز کا نکاح اگلے مہینے کرنے کا فیصلہ کیا ہے، تم اس کی کچھ شاپنگ کرلو، باقی جو ضرورت ہو وہ بتا دینا۔" بہزاد نے بیوی سے نگاہیں چراتے ہوئے کہا۔

"کیا...... آپ......" ریحانہ کا چہرہ عالم طیش میں سرخ ہو گیا، حلق ایسا خشک ہوا کہ مزید کچھ بولا ہی نہیں گیا۔

"راحی! ایک منٹ پہلے یہ پانی پی لو، پھر میرے پاس آ کر بیٹھ کر جو کہنا ہے کہو۔" بہزاد نے پانی کا گلاس بیوی کو تھما کر محبت سے کہا۔ وہ ریحانہ کی کیفیت کو سمجھ رہے تھے۔

"اب میں کیا کہوں اور کہنے کے لیے بچا بھی کیا ہے؟" انہوں نے پانی کا گلاس غٹاغٹ پینے کے بعد جلے بھنے لہجے میں پوچھا۔

"تم سفینہ کی ماں ہو۔ بیٹی پر سب سے زیادہ تمہارا حق ہے۔ میں اس معاملے میں تمہیں حکم تو نہیں دے سکتا، مگر التجا کرتا ہوں کہ اس رشتے کو دل سے قبول کرلو۔" وہ رک رک کر بولے۔ ریحانہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"پلیز صرف میری خوشی کے لیے۔" بہزاد نے ان کا ہاتھ تھام کر کچھ ایسے انداز میں کہا کہ ریحانہ کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھتا چلا گیا۔

"ہماری بیٹی کی خوشی کے لیے۔" بہزاد نے سرگوشی کی انہوں نے تھوڑی دیر تک شوہر کی آنکھوں میں دیکھا، جہاں امید کا دیا ٹمٹما رہا تھا۔

"ہاں...... ہاں...... بہزاد۔" ریحانہ نے سرد آہ بھری اور اپنے مشرقی عورت ہونے کا ثبوت دیا۔

"ٹھیک ہے۔" وہ ایک بار پھر ہار گئیں اور رضامندی دیتے ہوئے اقرار میں سر ہلا دیا۔

"اوہ راحی...... تھینک یو سو مچ تم نے ہمیشہ کی طرح میرا مان رکھ لیا ورنہ ابا جان کے آگے میرا سر شرم سے جھک جاتا۔" بہزاد کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا، بیوی کے ہاتھ پر نرمی سے دباؤ ڈالتے بولے۔

"ایک بات یاد رکھیے گا اگر کل کو میری بچی کی پلک بھی دکھی تو میں آپ کو ہرگز معاف نہیں کروں گی۔" ریحانہ نے آنکھیں پونچھتے ہوئے، ان کا دل دہلا دیا۔

"اللہ نہ کرے۔" بہزاد خان کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ کمرے میں داخل ہوتی سفینہ کی سانسیں رک سی گئیں۔

❁......❁......❁

ریحانہ نہ چاہتے ہوئے بھی ابرار خان کے فیصلے کے آگے سرنگوں ہو گئیں، اسی لیے بیٹی کو آنے والے وقت کے لیے تیار کرنا شروع کردیا۔ سفینہ کو آج نرگسی کوفتے اور انڈوں کی پڈنگ بنانے کا آرڈر دیا گیا، اس نے قیمہ پیس کر فریج میں رکھا اور سالن کو چولہے پر بھوننے لگی۔ بے خیالی میں کچن سے متصل عقبی صحن میں جھانک کر دیکھا، درختوں کے سائے پھیل گئے تھے، سبزے پر شام کی سیاہی غالب آ رہی تھی۔ وہ کافی دیر سے کچن میں مصروف رہ کر بور ہو گئی۔ اب چند لمحوں کے لیے تازہ ہوا میں آ کھڑی ہوئی تو کھانا وانا بھول بھال باہر کی نظاروں میں کھو گئی۔

اصل میں ریحانہ پر ان دنوں ایک نیا بھوت سوار ہو گیا تھا کہ وہ بیٹی کو جلدی سے ماہر کک بنائیں، سلائی کڑھائی میں طاق کردیں، ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ سلیقہ شعاری کو پانی میں گھول کر بیٹی کو پلا دیں اور ان کی بے جا سختی کی وجہ سے سفینہ کا اچھا بھلا کام بھی بگڑ جاتا۔ اس کا سینے پرونے میں کبھی بھی دل نہیں لگا، ہاں وہ سادے اور ہلکے پھلکے کھانے شوق سے پکا لیتی مگر زردے بریانی کی دیگیں اتارنا ابھی اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ بس ریحانہ اس کے پیچھے لگ گئیں ہر بات پر ٹوک کر اس کا ناطقہ بند کر رکھا تھا۔

"کہاں کھوئی ہوئی ہو؟ دیکھو ابھی سالن جل جاتا۔" ریحانہ نے جلدی سے برنر بند کرتے ہوئے بیٹی کو جھڑکا تو وہ چونک کر ماں کو دیکھنے لگی۔

"سوری ممی! بس خیال نہیں رہا۔" سفینہ نے جلدی سے دیگچی میں چمچ چلاتے ہوئے کہا۔ تہہ میں مسالہ چپکا دیکھ کر جان نکل گئی۔

"کیا بڑی خالہ...... آپ تو بڑی سخت جان ٹریزر بنی ہوئی ہیں۔" سنبل جو چائے کی طلب پر کچن میں داخل ہوئی، پہلے ریحانہ کا سرخ چہرہ دیکھا پھر داد پیش کی۔

"ہاں تو کیا کروں سمجھا سمجھا کر تھک گئی ہوں مگر ان کا الہڑپن ختم ہی نہیں ہو پا رہا۔" ریحانہ نے بلاوجہ کا غصہ نکالا۔

"ممی پلیز! آپ تو ایک بات کے پیچھے ہی پڑ گئی ہیں۔" وہ بھی سنبل کے سامنے اپنی عزت افزائی پر بیزار ہو کر بولی تو ریحانہ نے گھور کر دیکھا۔

"میری ساری نصیحتوں کو پلو سے باندھ لو آگے بہت کام آئیں گی۔" ریحانہ نے تھوڑی دیر بعد سلاد کے لیے

کھیرے پر چھری چلاتے ہوئے کہا۔
"بڑی خالہ! سفی آپی بہت سمجھدار ہیں۔ وقت پڑنے پر سب سنبھال لیں گی۔" سنبل کھانا پکانے کے لیے اس کی ہیلپ میں مشغول ہوگئی۔ سفینہ کے اترے چہرے پر ترس کھا کر بولی۔
"سنبل بیٹا! یہ ابھی سے سمجھ جائے تو بہتر ہے بعد میں ماں ہر وقت ڈھال بننے کو ساتھ نہیں کھڑی ہوگی سسرال میں ایسی غلطیوں پر دس باتیں سننے کو ملتی ہیں۔" ریحانہ نے منہ بگاڑ کر کہا اور سالن کی دیگچی میں جھانکتے ہوئے جلنے کی ناگوار بو محسوس کی۔
"خالہ! ویسے آپ ابھی ڈھال کم اور تلوار زیادہ بنی ہوئی ہیں۔" سنبل نے پاس پڑی لوکی اٹھا کر فضاء میں لہراتے ہوئے انہیں چھیڑا تو وہ ہنس دیں۔ سفینہ نے بھی سکون کا سانس لیا۔
"میری پیاری ممی! میں سب کرلوں گی بس آپ ٹینشن لیں اور نہ مجھے دیں۔" اس نے ماں کے گلے کا ہار بنتے ہوئے لاڈ دکھایا۔
"سفی جان...... اب بھی وقت ہے اپنی بے پروائیاں چھوڑ دو اگلے مہینے تمہارا نکاح ہونے جارہا ہے، ظاہر ہے اس کے بعد رخصتی بھی ہوگی اور تم جس گھر میں بیاہ کر جارہی ہو، وہاں گزارا کرنے کے لیے پتھر کا کلیجہ چاہیے۔ بھابی نے ایسی غلطیوں پر تمہاری جان نکال دینی ہے۔" انہوں نے نرمی سے سمجھایا۔
"اب ایسی بھی بات نہیں ہے، تیمی تین ہی تو لوگ ہیں۔ وہاں جاکر کون سے پہاڑ توڑنے ہوں گے۔" وہ ماں کے اندیشوں پر ایک دم مسکرا کر بولی۔
"جان...... تم جتنا اس معاملے کو ایزی لے رہی ہو یہ اس سے کہیں مشکل بات ہے آئی سمجھ۔" ریحانہ کی تقریر ایک بار پھر شروع ہوگئی تو، وہ سنبل کو دیکھ کر مسکرائی۔
"بس بڑی خالہ! آپ نے تو بچی کا خون خشک کرکے رکھ دیا ہے۔" سنبل نے ہاتھ اٹھا کر انہیں مزے سے چپ کرایا۔ سفینہ جو فریج سے دودھ کی پتیلی نکال رہی تھی ایک دم ہنس پڑی۔ ابھی پڈنگ بنانا باقی تھی۔
"کاش ہمیں اپنی سوچوں پر مکمل اختیار ہوتا تو ہم صرف اسی کو سوچتے جس کے بارے میں سوچنا اچھا لگتا ادھر ادھر کی فالتو باتوں کو اپنے آس پاس بھی پھٹکنے نہ دیتے۔" سفینہ نے آنے والے حسین لمحوں کو خود میں گدگداتا محسوس کیا اور بلاوجہ مسکرادی۔

❁......❁......❁

دسمبر کا مہینہ تو چٹکی بجاتے ہی ختم ہونے لگا، نیا سال آنے کو تھا۔ سفینہ نے ثوبیہ کے ساتھ جاکر فائز کو گفٹ کرنے کے لیے ایک بہت اچھا مردانہ پرفیوم خریدا۔ اس نے سوچا کہ کسی بھی طرح جلد از جلد فائز کو نئے سال کا تحفہ پھولوں کا بکے اور پرفیوم پہنچادے اسے جب سے اپنے نکاح کی خبر ملی وہ دل ہی دل میں فائز کی طرف سے مطمئن ہوگئی تھی۔ اس نے فائز سے کسی قسم کا رابطہ کرنے کی کوشش کبھی نہیں کی اپنے بڑوں کا مان قائم رکھنا ضروری تھا۔ تاہم دسمبر کے اختتام تک وہ بے چین ہوا تھی۔ ان دونوں نے گھر والوں سے چھپ کر ہر سال ایک دوسرے کو نئے سال کا کچھ نہ کچھ تحفہ ضرور پیش کیا تھا، پھر اس بار یہ روایت کیسے ٹوٹنے دیتی۔
"یہ اچھا کام ہوجائے گا اس طرح سے شاید آپ دونوں میں دوبارہ دوستی ہوجائے، پرانے تعلقات بحال ہوجائیں۔" سنبل نے گفٹ شاپ سے گلابی ریپنگ پیپر اٹھاتے ہوئے کہا۔
"مجھے پورا یقین ہے کہ پہلے تو فائز بھائی تھوڑا نخرے دکھائیں گے غصے سے بھی گھور سکتے ہیں یا اجنبی بن کر چپ

چاپ کھڑے رہیں گے مگر آپ جب ان کی پسند کی خوشبو اور سرخ گلابوں کا بوکے انہیں پیش کریں گی تو اجنبیت کی یہ دیوار فوراً گر جائے گی اور اس کے ملبے تلے تمام ناراضگیاں دفن ہوجائیں گی۔" ثوبیہ نے بھی بہن کی ہاں میں ہاں ملائی اور وہ تینوں شاپنگ مال سے باہر نکل آئے۔ جہاں رش بڑھتا جارہا تھا۔ شام کا اندھیرا چھانے لگا تو ان تینوں کے قدم تیز تیز گھر کی جانب رواں دواں ہوگئے۔

❁......❁......❁

جلال خان پر بیوی کی باتوں کا ذرا بھی اثر نہیں ہوا، انہوں نے زور و شور سے نکاح کی تیاریاں شروع کردیں۔ ایک دن سائرہ کو لے کر شاپنگ پر روانہ ہوگئے اور سفینہ کے لیے مہنگی سے مہنگی چیزیں خرید ڈالیں، سائرہ کلستی رہیں اور بے دلی سے شوہر کی ہاں میں ہاں ملاتی رہیں، کئی گھنٹے بعد وہ دونوں جب شاپنگ کرکے لوٹے تو تھک کر چور ہوگئے تھے۔
"بھابی! میں اندر آجاؤں؟" سائرہ شاپرز کے ڈھیر کو سامنے پھیلائے بیٹھی تھیں کہ بہزاد اجازت لے کر کمرے میں داخل ہوئے۔ جلال خان تازہ دم ہونے کے لیے واش روم میں جا گھسے تھے۔
"آؤ بیٹھو۔" انہوں نے سستی سے صوفے کی جانب اشارہ کیا۔
"بس دعوت نامے چھپوانے ہیں سوچا آپ لوگوں سے بھی مشورہ کرلوں۔" بہزاد نے کارڈ کے چند نمونے ان کے سامنے رکھ کر منتظر نگاہوں سے دیکھا۔
"ہاں کوئی بھی چھپوالو۔" سائرہ کا بس چلتا تو ساری چیزوں کو تہس نہس کردیتیں مگر بس چل کہاں رہا تھا اسی لیے بے دلی سے جواب دیا۔
"میں یہ چاہ رہا تھا کہ آپ کوئی سلیکٹ کرکے دے دیتی تو......" بہزاد تو بڑی بھاوج کو مان دینے آئے تھے ان کے رویے پر بجھ سے گئے۔
"یہ والا ٹھیک رہے گا۔" سائرہ نے بنڈل کے اوپر والا سادہ سا کارڈ اٹھا کر انہیں پکڑایا باقیوں کو نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔
"جی بہتر۔" بہزاد جتنے جوش سے آئے تھے اتنی ہی افسردہ صورت لے کر وہاں سے اٹھ گئے۔
"بہزاد...... ذرا سننا۔" سائرہ نے انہیں آواز دے کر روکا۔
"کارڈ کتنے میں چھپیں گے بتادینا۔" ان کا انداز طنز میں بھیگا ہوا تھا۔
"اف بھابی کیا مطلب ہے میں یہ خود چھپواؤں گا۔" بہزاد نے ہونق بن کر بھاوج کو دیکھا۔
"نہیں گھر کی بات ہے ویسے اور پیسوں کی ضرورت ہو تو بتادینا شرمانا نہیں۔ بھئی تم سمدھی بننے جارہے ہو تو کیا ہوا۔ پہلے جلال کے بھائی ہو۔" سائرہ کی باتوں پر وہ پانی پانی ہوگئے۔ ایک دم سر جھکا کر وہاں سے اٹھ گئے۔
"کیا جلال بھائی نے بھابی کو پیسے والی بات بتائی ہوگی؟" بہزاد کا دماغ ایک ہی بات پر جا اٹکا۔ حالانکہ دل کو پورا یقین تھا ایسا نہیں ہوا ہوگا۔ ان کا گمان غلط بھی نہ تھا، جلال بیوی کی فطرت کو اچھے سے پہچانتے تھے یہ تو سائرہ نے اس دن چھپ کر دونوں بھائیوں کی باتیں سن لیں اور ایک اور کانٹا ان کے دل میں پیوست ہوگیا تھا۔

❁......❁......❁

"تم بس خاموشی سے جاؤ اور فائز بھائی کے کمرے میں یہ ساری چیزیں رکھ آؤ۔" ثوبیہ نے اپنی بہن سنبل کو پیپر بیگ تھمایا جس میں گفٹ رکھے تھے۔
"میں تو نہیں جاتی اگر وہ کمرے میں ہوئے تو۔" سنبل نے ہاتھ پیچھے کیے، سفینہ کونے میں بیٹھی ان دونوں کی

حرکتوں کو انجوائے کر رہی تھی۔
"نہیں نا وہ ابھی تایا ابا کے ساتھ شاپ پر ہی ہیں۔ میں نے سب پتا کرلیا ہے۔" ثوبیہ نے مسکرا کر اسے تسلی دی۔
"پھر بھی نہیں جانا وہ جو تائی اماں کم ہونے والی ساس ہیں نا انہوں نے گھور گھور کر ہی میری جان آدھی کر دینی ہے۔" سنبل نے کان پکڑتے ہوئے بہن کو ہری جھنڈی دکھائی۔
"توبہ کیسی ڈرپوک لڑکی ہے۔" ثوبیہ نے سفینہ کی طرف دیکھتے ہوئے بہن کا مذاق اڑایا۔
"ہاں تو آپ بڑی تارزن ہیں نا خود چلی جائیں۔" سنبل نے غیرت دلائی تو ثوبیہ جی کڑا کر کے دھیرے سے باہر نکلی۔ "آل دا بیسٹ۔" سنبل اور سفینہ نے ایک ساتھ اسے انگوٹھا دکھا کر ہمت افزائی کی۔

❁......❁......❁
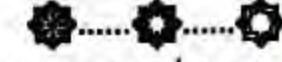
ابرار خان تھکاوٹ کی وجہ سے رات کو معمول سے پہلے ہی بستر پر دراز ہوگئے۔ فائز کی شادی کا سوچتے سوچتے انہیں سکینہ کی یادوں کے طلسم نے جکڑ لیا کب آنکھ لگی پتا ہی نہیں چلا خواب میں ایسا لگا جیسے اچانک چاروں طرف نور ہی نور پھیل گیا ہو پھر ایک مخصوص سی خوش بو فضاؤں میں گردش کرنے لگی ابرار خان نے خود کو دھوئیں کے بادلوں میں گھرا پایا، پرسکون ماحول، عجیب سی طمانیت کا احساس دلا رہا تھا۔ سامنے سے سکینہ سفید لباس میں مسکراتے چہرے کے ساتھ آئیں اور انہیں اشارے سے بلانے لگیں وہ مسکراتے ہوئے تیزی سے بیوی کی طرف بڑھے اور گلاب کے پھول مہک اٹھے سوتے ہوئے جیسے ان کے حلق میں کانٹے سے پڑ گئے۔
"پانی...... پانی......" انہوں نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔
"یا اللہ خیر......" وہ ایک دم سے چونک کر بستر پر اٹھ بیٹھے اپنے تیز تیز دھڑکتے دل پر قابو پانے کے لیے زیرلب چاروں قل اور آیت الکرسی پڑھ کر خود پر پھونکا ہمیشہ سے اس ایک بات پر ان کا ایمان رہا کہ ہر قسم کی پریشانی خوف اور گھبراہٹ میں صرف اللہ کا ذکر ہی سکون دیتا ہے۔
ان کے سمجھ میں نہیں آیا کہ سکینہ خواب میں آکر انہیں کہاں لے جانا چاہ رہی تھی۔ نہ جانے وہ کس قسم کا خواب تھا۔ تھوڑی دیر تک وہ گم صم سی کیفیت میں رہے۔ دل کی عجیب سی حالت ہوگئی۔ نہ جانے کیوں انہیں اپنی محبوب بیوی کی یاد بڑی شدت سے ستائی وہ بے تاب ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

❁......❁......❁

کبھی کبھی لاعلمی انسان کو اذیت جھیلنے کے قابل بنا دیتی ہے جان بوجھ کر تو کوئی بھی دکھوں کا طوق اپنے گلے میں نہیں ڈالتا وہ فائز پر گزرنے والی کیفیت سے ناواقف تھی اسی لیے اندیشوں کی مالا جپتی رہتی۔ صبح وہ کالج جانے کے لیے نکلی تو دروازے کے پاس رکھے ڈسٹ بین میں اپنے گفٹ پڑے دیکھ کر ششدر رہ گئی۔
"ایسا کیا ہوگیا ہے جو اچانک فائز میں اتنی بڑی تبدیلی آگئی ہے؟ کہیں میں نے انہیں سمجھنے میں کوئی غلطی تو نہیں کی مگر زندگی کے اتنے سال محبت کی شدتوں میں گزارے ہیں۔ وہ دھوکا نہیں ہوسکتے پھر اب کیا ہوگیا ہے؟" سفینہ کی سوچ اس جگہ آکر ٹھہر گئیں۔
"کاش میں فائز کے بدلنے سے پہلے ہی مرجاتی اگر ایسا ہوجاتا تو سب کچھ کتنا آسان اور قابل قبول ہوتا۔" فائز کا مسلسل نظرانداز کرنا سفینہ کے لیے حیران کن ہونے سے زیادہ دکھ دینے کی وجہ بنا ہوا تھا۔
"انہوں نے میرا تحفہ اٹھا کر ڈسٹ بین میں پھینک دیا اس سے زیادہ میری توہین اور کیا ہوگی نہیں...... بس اب اور نہیں۔" سفینہ نے اپنی کنپٹیاں دونوں ہاتھوں سے تھام لیں۔

غزل

کچھ محبت سے کچھ سیاست سے
چال چلتے ہیں لوگ چاہت سے
کتنی سادہ ہے یہ حسیں دنیا
قتل کرتی ہے کس مروت سے
راستہ اپنا تم جدا کرلو
سوچتے کیا ہو ایک مدت سے
درد بڑھتا ہے بڑھتے رہنے دو
درد ملتا ہے دوست قسمت سے
ہے خموشی ہی اس مسئلے کا حل
بات الجھے گی اب وضاحت سے
اس کے منصب سبھی مقدس ہیں
اس کو نسبت ملی ہے جنت سے
گھر بھی اس کے بن سُونا سُونا ہے
سر پہ سایہ تھا ماں کی شفقت سے

انتخاب: آسیہ اشرف...... گنگاپور

وہ لپک کر سیڑھیاں چڑھ کر واپس اپنے پورشن میں آگئی۔ اس حالت میں کالج جانا مشکل لگا۔ اس نے اپنے سوکھے ہونٹوں پر زبان پھیری بڑی آہستگی سے چلتی ہوئی میز تک پہنچی جہاں جگ میں پانی رکھا تھا۔ کئی گلاس پانی اپنے حلق میں انڈیلا پھر بھی پانی پینے کی خواہش کم نہ ہوئی۔ ایک دم زور زور سے رونے کی خواہش من میں جاگی مگر اب اس کے آنسوؤں کا دریا بھی سوکھ گیا تھا ایک ویرانی سی چھا گئی۔
"مجھے فائز سے ایک بار بات کرنا چاہیے اگر اتنی ہی چڑ ہوگئی ہے تو پھر یہ نکاح کا ڈھونگ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔" اس نے اپنی ہچکیوں کو سینے میں ہی گھونٹا اور گفٹ والا بیگ اٹھایا جو وہ ساتھ لے آئی تھی۔ پھر پہلے سے بھی زیادہ آہستگی اور احتیاط کے ساتھ نیچے اتر آئی۔

❁......❁......❁

فائز اپنی گرے شرٹ کی آستین پر کف لنک لگا رہا تھا کہ اچانک دروازہ چرچرایا اس نے چونک کر دیکھا سفینہ بڑی آہستگی سے اندر داخل ہوئی تھی۔ اس سے قبل اتنی صبح سفی ایسے میرے کمرے میں آنے سے اجتناب برتتی آئی ہے لگتا ہے آج کچھ خاص وجہ ہوگی جس کی وجہ سے اس نے یہ قدم اٹھایا۔ فائز نے اسے بغور دیکھتے ہوئے سوچا۔ وہ کالج کے یونیفارم میں بالوں کی سادہ سی چٹیا بنائے روئی روئی سی گلابی آنکھوں کے ساتھ پہلے سے زیادہ اپنی اپنی سی لگی۔ فائز نے اتنے دن جو اپنے دل پر ضبط کی اونچی سی دیوار بنا ڈالی تھی ایک جھٹکے میں زمین بوس ہوگئیں۔ وہ دھیرے سے قدم اٹھاتا اس کے نزدیک آیا اور نرمی سے ہاتھ تھام کر نگاہوں میں جذب کرتے ہوئے اپنی پیاس بجھانے لگا۔ سفینہ جو اس وقت لڑنے مرنے کے ارادے سے آئی تھیں شرم سے گلابی پڑ گئی۔ غصہ کہیں دور بھاگ گیا۔ فائز کا یوں محبت سے دیکھنا اس

کی جان نکال لے گیا۔ کچھ لمحے اسی نشاط انگیز کیفیت میں گزرے پھر ان دونوں کو اپنی پوزیشن کا احساس ہوا تو سنبھل گئے۔ سفینہ پر اپنے تحفے کی بے قدری کا غم دوبارہ سوار ہونے لگا پھول سے لب کھلے اور آپس میں پیوست ہو گئے۔

فائز نے محسوس کیا کہ سفینہ کچھ کہنا چاہ رہی ہے مگر ہچکچا رہی ہے۔ وہ کچھ کہنے کے لیے لب کھولتی اور پھر دوبارہ بھینچ لیتی۔ ایسا لگتا جیسے اسے اپنی بات کہنے میں دقت اور دشواری کا سامنا ہے۔

''سفی کیا تم کچھ کہنا چاہتی ہو۔'' اس نے سفینہ کے چہرے کی طرف اچنبھے سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''یہ کیوں پھینکا۔'' اس نے ہاتھ میں تھاما بیگ اس کے سامنے کر دیا وہ پھر بھی انجان بنا کھڑا رہا۔

''کیا نیو ائیر کا گفٹ پسند نہیں آیا؟'' اس کے اطمینان پر وہ الجھن آمیز انداز میں پوچھنے لگی۔

''مجھے ٹیلی پیتھی تو آتی نہیں کہ گفٹ وصول کرنے سے پہلے تمہارا دماغ پڑھ لوں کہ کیا دیا ہے اور کیسا لگا ہے۔'' وہ ایک دم شوخ ہوا۔

''یہ آپ کی پسند کا پرفیوم اور سرخ گلاب کا بکے جسے آپ نے کل رات ڈسٹ بین کی نذر کر دیا۔'' سفینہ نے بیگ میں سے غصے میں ریپر میں لپٹی پرفیوم کی بوتل نکال کر ٹیبل پر پٹخی اور پھولوں کا بکے اٹھا کر غصے میں اس کے پیروں کے پاس پھینکتے ہوئے طنز کیا۔

''میں نے...... نہیں تو۔'' وہ نفی میں سر ہلاتے ہلاتے ٹھہرا۔ اسے یاد آیا کہ وہ جب رات کو لوٹا تو اس کے کمرے سے سائرہ خاموشی سے کوئی بیگ اٹھا کر لی جا رہی تھیں۔ اس نے پوچھنا چاہا مگر تھکاوٹ کے باعث فوراً ہی فریش ہونے واش روم کی جانب بڑھ گیا بعد میں پوچھ کچھ کرنے کا دھیان ہی نہیں رہا۔ اب جبکہ سفینہ نے جتایا تو اسے ساری بات یاد آ گئی۔

''سفی...... میں نے جان بوجھ کر تمہارے کالج جانے سے پہلے یہ گفٹ وہاں رکھ دیا تھا تا کہ تم غصے میں میرے پاس آؤ تو میں تمہیں ایک سرپرائز دوں۔'' فائز کے دماغ نے صحیح وقت پر کام کیا اور اس نے ماں پر سے بات ہٹا دی۔

''اچھا سرپرائز کیسا سرپرائز؟'' وہ اتنی ہی بھولی تھی یا فائز کی محبت پر اسے اندھا اعتبار تھا اس کے ہر بہانے پر آنکھ بند کر کے یقین کر لیا کرتی۔

''سرپرائز تمہارے لیے نیو ائیر کا گفٹ ہے یہ دیکھو۔ تمہاری پسندیدہ چاکلیٹس کا بڑا والا پیک اور اس میں تمہارے لیے شاعری کا ایک مجموعہ۔'' فائز نے سکون کی سانس بھری اور سامنے شیلف سے دو پیکٹ نکال کر اسے تھمائے۔

''اوہ تھینک یو سو مچ۔'' وہ خوشی خوشی اپنے گفٹ کھولنے میں مگن ہو گئی۔

''ممّا پھر......'' فائز کے دل پر ماں کی حرکت سے ایک اور بوجھ آن پڑا اس نے سرد آہ کھینچی اور کارپٹ پر بکھرے گلاب کے سرخ پھولوں کو بڑی محبت سے جمع کر کے اپنے کمرے میں رکھے شیشے کے فلاور واز میں سجا دیے۔

❁......❁......❁

سائرہ آج کافی دنوں بعد ٹیرس پر آئیں تو ان کے قدم بے اختیار دیور کے پورشن کی طرف اٹھ گئے۔ شوہر کی ہدایت کے پیش نظر دل نہ چاہتے ہوئے بھی انہیں دیورانی سے نکاح کی تقریب کے حوالے سے کچھ بات چیت کرنی تھی۔ وہ دو دن تک تو اس بات پر ٹال مٹول کرتی رہیں مگر آج جب دھوپ کھانے کے ارادے سے اوپر آئیں تو سوچا یہ مشکل مرحلہ بھی طے کر لیا جائے۔

''کوئی ہے؟'' ریحانہ کہیں دکھائی نہ دیں تو انہوں نے آواز لگائی مگر جواب ندارد بڑی اچھی مہک آئی تو ان کے قدم کچن کی جانب بڑھ گئے۔

''ماں کہاں ہے تمہاری؟'' سائرہ نے سفینہ کو چولہے کے پاس کھڑا دیکھا وہ حلوہ بھوننے میں ہلکان دکھائی دی۔

''تائی اماں! آپ آیئے نا مّی تو ابھی تھوڑی دیر پہلے نانو کے گھر گئی ہیں۔'' وہ پہلے تو چونکی پھر مسکرا کر جواب دیا۔

''کیا کر رہی ہو؟'' انہوں نے کڑھائی میں جھانکا گھی میں کش کی ہوئیں گاجریں تھیں۔

''کچھ نہیں تائی اماں! بس آج ممی نے کہا تھا کہ گاجر کا حلوہ پکانا سیکھو اسے بنانے کی کوشش کر رہی ہوں۔'' اس نے ایک ہاتھ سے بال پیچھے کرتے ہوئے جواب دیا۔

''اچھی بات ہے اب تمہیں پڑھ وڑھ کر کیا کرنا ہے گھر داری کی طرف ہی توجہ دو، کل کو سارا بار تمہارے سر پر آ جانا ہے۔'' انہوں نے اسے تولتی نگاہوں سے دیکھ کر ڈرانے کی کوشش کی۔

''جی۔'' سفینہ چونکی اسے تائی اماں کے انداز پر ہنسی آئی مگر ضبط سے کام لیا۔

''ہاں تو کیا غلط بول رہی ہوں۔ شادی کے بعد انسان پر بڑی ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے۔'' انہوں نے بھنویں اچکا کر کہا۔

سفینہ نے ٹھنڈی سانس بھری اور سر ہلا کر خاموشی اختیار کر لی مگر اس کی نگاہوں نے سائرہ کا بغور جائزہ لیا وہ زندگی کے اس مقام پر آ کر خاصی مجبور دکھائی دیں۔ بعض اوقات زبان خاموش ہو تب بھی چہرے بول پڑتے ہیں من میں ہونے والی کھد بد کی چغلی کھا جاتے ہیں، سائرہ کی کیفیت بھی کچھ ایسی ہی ہو رہی تھی۔

''تمہاری ماں آئے تو کہنا تھوڑی دیر کو نیچے آ جائے مجھے کچھ بات کرنی ہے۔'' وہ سر جھٹک کر بولیں۔

''اچھا ٹھیک ہے۔'' سفینہ کے گلابی ہونٹ لمحے بھر کو کانپے اور پھر ایک دوسرے میں پیوست ہو کر رہ گئے، سائرہ مزید کوئی بات کیے بنا باہر نکل گئیں۔

❁......❁......❁

فائز نے جس دن سے دادا ابا کو سفینہ کے رشتے کے لیے انکار کیا تھا اس کا حال بہت برا تھا۔ اس نے خود سے ایک طویل جنگ کے بعد بڑی ہمت سے ایک فیصلہ تو کر لیا مگر جب عمل کا وقت قریب آ پہنچا تو جیسے جسم سے جان نکلنے لگی۔ وہ بھی کیا کرتا اس کے وجود کے بنا اپنا آپ نامکمل لگتا۔ اس وقت تو جلال خان کی تسلیاں بھی کام نہیں آ رہی تھیں، اس پر سائرہ کا روزانہ شرمیلا کے لیے دباؤ ڈالنا، دلشاد بانو کے گھر جاتا تو وہاں بھی یہ ہی قصہ، اس کا دماغ خراب ہونے لگا۔

''کہیں دادا ابا نے میری بات مان کر بہزاد چاچا کو واقعی انکار کر دیا تو پھر؟'' فائز نے سوچا اور دکھ سے آنکھیں بند کر لیں۔

جانے کیوں اس کا دل خوف سے سکڑ گیا تھا، اسے لگتا کہ نکاح کی تقریب میں کچھ نہ کچھ گڑبڑ ہونے والی ہے۔ سائرہ اتنے آرام سے سب کچھ ہونے نہیں دیں گی۔ وہ سوتے میں بھی ڈر جاتا سفینہ کو پکارتا ہوا ایک دم اٹھ بیٹھتا۔

''ڈر لگتا ہے کہ آگے جا کر ہم دونوں کی محبت کہیں ایک دائمی بوجھ نہ بن جائے اور میں چاہ کر بھی اس وزن کو ہلکا نہ کر سکوں۔'' عجیب سے شکوک اس کے وجود پر رینگ اٹھے۔ اس نے کمرے میں چکر لگانا شروع کر دیا۔

''کاش تم پلک جھپکتے میں میری بنا دی جاؤ۔'' اس نے دل پر ہاتھ رکھ کر سوچا تو یوں لگا جیسے سفینہ کی محبت کا چشمہ اس کے اندر سے پھوٹتا ہو جس کے بہاؤ کو روکنا اب اختیار سے باہر ہوتا چلا جا رہا تھا۔

(ان شاءاللہ باقی آئندہ ماہ)

رونڈے نین

انعم خان

یار دیاں راواں وچ رونڈے نے نین
اللہ کرے ساڈھے وانگ کسی دیاں نہ جدائیاں پینڑ

اشعر مرتضیٰ نے آنکھیں موندیں تو آنسوؤں کے دو ننھے قطرے اس کے گال پر آن گرے۔ اس کا دل ایک مرتبہ پھر شدتِ غم اور نارسائی کے دکھ سے تڑپ اٹھا۔ اس کے سامنے نشیب فراز کا ایک کڑا سفر آزمائشوں کی گٹھڑی لیے کھڑا تھا۔ وہ اس سفر کا مسافر کبھی نہ بنتا اگر اسے اپنی خوشیوں سے زیادہ آدرش رحمٰن کی عزت وخوشیاں عزیز نہ ہوتیں۔ یہ اس کا پیار تھا اور آدرش رحمٰن کے مستقبل کے لیے مانگی گئی محبت میں ایک حقیر سی قربانی...... وہ اپنے دل وجذبات کو نظر انداز کرچکا تھا۔ فیصلہ پختہ تھا' اس نے دل کی پکار نہیں سنی تھی۔ دل اگر روتا ہے تو روئے تڑپتا ہے تو تڑپے' وہ ایک مرتبہ بھی اپنے دل پر توجہ نہیں دینا چاہتا تھا۔ پچھلی کئی راتوں کی طرح یہ رات بھی ذہنی الجھنوں اور خود ساختہ اذیت میں گزر گئی۔

صبح کا اجالا پھیلا تو وہ گھر سے باہر چلا آیا شاید اس میں اتنی سکت نہ تھی کہ وہ آدرش رحمٰن کی شکوہ بھری اداس وبے قرار نگاہوں کا سامنا کرسکتا' اس کے التجائیہ لہجے میں چھپے تشنہ پیار کے کرب کو محسوس کرسکتا' بہت سی سوچوں کے بھنور میں پھنسا اشعر مرتضیٰ کا ذہن اس کے دل کو ایک لمحے کی بھی مہلت نہیں دے پا رہا تھا کہ وہ اپنے لیے سوچ سکے۔ اپنی بکھرتی محبت کو سمیٹنے کی کوشش کرسکے' اب کہ زندگی کا ایک ایک قدم اس کے لیے بھاری تھا۔ وہ فیصلہ کرنے کے بعد بھی بے قرار تھا اور شاید اس بے قراری کی اصل وجہ اس کا اپنے حق میں کیا گیا غلط فیصلہ تھا مگر وہ کر بھی کیا سکتا تھا......؟

اس کی محبت غلط تھی یا شاید تقدیر کے کیے گئے مذاق بلکہ سنگین مذاق نے یہ ثابت کردیا تھا کہ وہ محبت کے قابل نہیں ہے۔ محبت اس کے لیے بنی ہی نہ ہو جیسے محبت سے اس کا دور دور تک کوئی تعلق استوار نہ ہو یا شاید اس کی محبت اس سے اس لیے چھینی جارہی تھی کہ اس کا وجود جائز محبت کے لیے ناجائز تھا۔ ایسا سب کچھ ہوجانے کے باوجود بھی اس نے محبت کی یا شاید یہ اس کی بھول تھی اور اگر یہ بھول بھی تھی تو کیوں کیا تقدیر نے اس کے ساتھ ایسا...... اس میں اس کا تو ہرگز کوئی قصور نہ تھا وہ اور اس کی محبت معصوم تھی' اس کے احساسات وجذبات تو فطری تھے۔ لیکن جب محبت چاہتوں کے سفر میں آزمائش ڈالتی ہے' قربانی مانگتی ہے تو پھر اس وقت وہ اندھی ہوجاتی ہے۔ اسے کسی کی معصومیت سے کوئی سروکار نہیں رہتا' جذبات کے کچلے جانے پر بھی اس کی بے حسی نہیں ٹوٹتی ہے۔ وہ چاہت کے مسافت کو مسافر کی حدوں نے مسافر کی پہنچ سے اتنا دور لے جاتی ہے کہ کوئی بھی پیار کی منزل پانے کے متعلق سوچ ہی نہیں سکتا اور شاید یہی اصول محبت ہے کہ اگر محبت کی جائے تو محبت میں مانگی گئی قربانی سے دریغ نہ کیا جائے بلکہ محبت کی آزمائشوں میں اتر کر محبت کے نشیب وفراز کا گھبراہٹ کے بجائے جواں مردی سے مقابلہ کیا جائے اور اشعر محبت کے اس اصول پر پورا اترا تھا۔ اس نے محبت میں مانگی گئی قربانی دینے کا اٹل فیصلہ کرلیا تھا۔

صبح سے شام ہونے کو تھی مگر وہ ہنوز اپنی سوچوں میں غلطاں دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا آگے ہی آگے بڑھ رہا تھا۔ دل کی بے قراری اور ذہنی الجھنوں میں وہ اس قدر محو تھا کہ اسے اپنے اردگرد کا کوئی ہوش باقی نہ رہا تھا البتہ کچھ دیر بعد وہ موبائل کی مخصوص آواز پر جیسے ہوش کی دنیا میں لوٹا تھا۔ موبائل اسکرین پر مرتضیٰ بخاری کا نام چمک رہا تھا۔ اول تو اس نے no کا بٹن پش کرنا چاہا مگر پھر کسی خیال کے تحت yes کا بٹن دباتا موبائل کان سے لگالیا۔

"جی بابا......؟"

"کہاں ہو تم؟" دوسری جانب سے پریشان کن آواز ابھری تھی۔

"سب خیریت تو ہے؟" مرتضیٰ بخاری کے پوچھنے پر وہ خاصہ فکر مند ہوا۔

"تمہاری ماں صبح سے رو رہی ہے تمہارے لیے۔ اپنا نہیں تو کچھ اسی کا خیال کرو بیٹا...... تمہارے بغیر نہ کچھ کھاتی ہے نہ پیتی ہے' سب جانتے ہوئے بھی تم انجان بن رہے ہو۔" نا چاہتے ہوئے بھی ان کے لبوں پر شکوہ در آیا۔ اشعر مرتضیٰ نے شرمندگی وافسردگی سے آنکھیں بھینچیں۔

"میں ابھی آتا ہوں بابا۔" اس نے فوراً واپسی کی راہ لی۔ ساتھ ہی آدرش رحمٰن کا خیال بھی ذہن میں گردش کرگیا جسے سوچ کر وہ کچھ اضطرابی کیفیت میں مبتلا ہوا۔ اسے ان دنوں خاص کر کے ان حالات میں آدرش کا ہی سامنا کرنا موت سے کم نہیں لگتا تھا مگر گھر جانا بھی ضروری تھا۔

✿......✿......✿

"اچھا اماں...... چلتا ہوں۔ دعا کیجیے گا کہ آج جاب مل جائے۔" ناشتے سے فراغت کے بعد وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"جاؤ میرے بچے۔ اللہ پاک تمہیں تمہارے مقصد میں کامیاب کرے۔ تمہاری مدد کرے۔" مطاہرہ بیگم نے اس کی پیشانی چومتے ہوئے دعائیہ کہا تو وہ مسکراتا ہوا کچن سے باہر نکلا' پھر برآمدے سے ہوتا ہوا صحن میں چلا آیا۔ جبھی نظر اپنی حسینہ عالم پر پڑی تو قدم خود بخود رک گئے۔

آدرش اطراف سے بے خبر پائپ تھامے پھولوں کی کیاری میں پانی ڈالنے میں معروف تھی۔ اشعر کو شرارت سوجھی جب ہی عین اپنی عادت کے مطابق آگے بڑھا اور قریب پہنچ کر دانستہ اپنا کندھا اس کے کندھے سے ٹکرایا

نتیجتاً پائپ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین بوس ہوا البتہ وہ غصے سے پلٹی تھی۔

"کیا ہے؟ تم باز نہیں آتی' ہمیشہ کی طرح آج بھی جان بوجھ کر ٹکرائی ہو مجھ سے...... پہلے ہی دیر ہو رہی تھی۔" بولنے میں پہل اشعر مرتضٰی نے کی۔

وہ اشعر کی عادت سے واقف تھی سو انتقامی کارروائی زبانی کلامی کرنے کے بجائے خاموشی سے پلٹی اور جھک کر پائپ اٹھا کر پھر ایک جھٹکے سے مڑی اور پل بھر میں اس کی شرٹ کو پانی سے تر کر گئی ساتھ ہی کھلکھلا کر ہنسی۔

"اوہ...... یہ کیا کیا تم نے؟" غیر متوقع افتاد اسے لے ڈوبی۔ آج جاب کے لیے اسے انٹرویو دینے جانا تھا اور وقت کم تھا البتہ جانے سے قبل خوش گوار شرارت اسے مہنگی پڑ گئی۔

"آدرش رحمٰن نام ہے میرا...... سو اینٹ کا جواب پتھر سے دینا جانتی ہوں۔" وہ بناء ہچکچائے اپنے مخصوص نڈر انداز میں بولی۔ اشعر کو اس کا یہ انداز بہت پسند تھا مگر کم از کم اس وقت بالکل بھی نہیں؟

"مجھے پہلے ہی دیر ہو رہی تھی آدرش!" سو اشعر کا موڈ آف ہوا شرٹ کو پکڑ کر بدن سے دور کیا۔

"تو میں نے کہا تھا ٹکرانے کو...... باہر کا راستہ وہاں سے جاتا ہے نہ کہ لان سے ہو کر۔" اسے پروا کہاں تھی۔

"سچ کہا ہے کسی نے کہ عشق دماغ کا خلل ہے۔ اچھا بھلا جا رہا تھا مگر دل کے ہاتھوں مجبور صبح ہی صبح بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈال دیا۔ اللہ ہی حافظ ہے میرا۔" خاص اسے سنانے کے لیے وہ طنز کرتا واپس مڑا۔

"میں بھڑ لگتی ہوں تمہیں۔" وہ طنز پہ تپی اور اس کے پیچھے ہی لپکی۔

"لگتی نہیں ہو پر......!" وہ نفی میں سر ہلاتا بات ادھوری چھوڑ گیا کہ عقل مند کے لیے اشارہ ہی کافی ہوتا ہے۔

"پر...... مطلب کیا ہے تمہارا؟"

"تفصیل سے بتاؤں گا مگر ابھی نہیں۔ مجھے پہلے ہی دیر ہو رہی ہے اور ابھی شرٹ بھی چینج کرنی ہے۔" وہ عجلت آمیز لہجے میں بولا ساتھ ہی بات بدل کر اس سے پوچھا۔

"کالج نہیں جاؤ گی آج۔"

"نہیں آج دل نہیں کر رہا مگر......!" وہ کچھ کہتے کہتے رکی' نظر اشعر کی طرف آتیں مطاہرہ بیگم پر پڑی تھی۔

"ارے اشعر بیٹا! یہ کیسے ہوا؟"

"بس اماں' میں جا ہی رہا تھا کہ اتفاقاً آدرش کا پائپ سمیت رخ میری طرف ہوا نتیجتاً یہ سب ہو گیا۔ میں شرٹ چینج کرلوں پھر نکلتا ہوں دیر ہو رہی ہے۔" وہ وضاحت دیتا تیزی سے اپنے کمرے کی جانب بڑھا۔

مطاہرہ بیگم نے مسکراتی نظروں سے اسے جاتے دیکھا اور پھر آدرش کو جو نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبائے کچھ بھی کہنے سے قاصر تھی سو اگلے ہی لمحے مطاہرہ بیگم کی جانچتی نظروں سے کتراتی رفو چکر ہو گئی۔ پچھلے کئی دنوں سے اشعر اور آدرش مطاہرہ بیگم کی نظروں میں آچکے تھے جس کا اندازہ دونوں کو تھا سو دونوں ہی ان کی نظروں سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرتے۔

"اللہ تم دونوں کو خوشیاں نصیب کرے آمین۔" مطاہرہ بیگم دل سے بولیں۔

اشعر مرتضٰی نے جلدی سے شرٹ چینج کی اور باہر کی طرف بھاگا۔ بائیک اسٹارٹ کی اور جاب مل جانے کی دعا کرتا مطلوبہ جگہ کی طرف بڑھا۔ جہاں اسے قوی امید تھی کہ آج اس کا سلیکشن ہو جائے گا۔

✿......✿......✿

اس نے دروازے پر ہلکے سے دستک دی۔ ساتھ ہی دل میں دعا کی کہ آدرش رحمٰن سے سامنا نہ ہو مگر دروازہ کھلتے ہی نظر آدرش کے افسردہ' ملول چہرے اور پر شکوہ آنکھوں پر پڑی۔ دل تو اس کا بھی خوش حال نہ تھا مگر وہ اس کے سامنے کمزور نہیں پڑنا چاہتا تھا۔

"راستہ پلیز۔" سو نظریں ہٹا گیا۔

آدرش اجنبیت سے پر اس کے لب و لہجے پر ایک مرتبہ پھر کرب سے گزری تو آنکھوں میں نمی سی ٹھہر گئی۔

شکوے بہت تھے......!

اور گلے بے حساب......!

البتہ اس کی اجنبیت اور روکھے پن نے ایک بار پھر زخموں پر نمک چھڑکا۔

"کیوں کر رہے ہو تم میرے ساتھ ایسا' کیا قصور ہے میرا؟" وہ پھٹ پڑی تھی۔ وہ کیا جواب دیتا اسے کیسے سمجھاتا' کہاں سے ہمت مجتمع کر کے اسے اپنی اصلیت بتاتا کہ پھر وہ کوئی سوال اس سے نہ کرتی۔

اشعر کو اپنا مجرم تصور نہ کرتی...... بلکہ خود ہی اپنا راستہ بدل دیتی' اپنے دل کو سمجھا لیتی...... مگر کیسے بتاتا وہ اسے اپنی اصلیت......؟

"مجھے جواب دو اشعر! کس جرم کی سزا دے رہے ہو تم مجھے۔" لیکن وہ نادان اپنی محبت کے حصول میں ناکامی نہیں چاہتی تھی۔

"پلیز آدرش! پاگل مت بنو کیوں تماشہ کھڑا کر رہی ہو۔" وہ فرار چاہ رہا تھا کسی کے بھی دیکھنے سے قبل۔

"تماشا میں کھڑا کر رہی ہوں...... تماشہ تو تم نے کیا ہے میری محبت کے ساتھ' میرے جذبات' میری زندگی کے ساتھ' تمہیں میرے ہر سوال کا جواب دینا ہوگا' تم میرے قصوروار ہو۔" وہ تقریباً چلائی تھی۔ مگر دل کا غبار کسی طور کم نہ ہوا تھا۔

"ہاں ہوں میں قصوروار...... تمہارا مجرم ہوں لیکن تمہیں جواب دینے کا پابند نہیں ہوں پلیز ہٹو سامنے سے۔" وہ بھی جواباً اسی کے انداز میں بولا ساتھ ہی ہاتھ سے اسے پرے دھکیلا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا اپنے پورشن کی طرف چلا گیا۔

آدرش نے ایک مرتبہ پھر بے یقینی سے اس کی بے وفائی پر یقین کرنے کی کوشش میں امڈتے آنسوؤں کو روکنا چاہا مگر ناکام رہی' دل تو پہلے ہی اشعر کے فیصلے سے ٹوٹ چکا تھا' اب تو صرف سانسیں باقی تھیں' جذبات و احساس سے بالکل ماورا......! کئی پل یونہی گزرے تو وہ متورم آنکھوں' چور ہوتے دل اور مردہ قدموں سے اندر کی جانب بڑھی' اشعر کے رویے اور باتوں سے اس کا وجود

سلگنے لگا تھا۔ اشعر دل کو واویلا مچانے کی ذرا بھی مہلت دیئے بنا سیدھا مطاہرہ بیگم کی طرف آیا جو نڈھال سی لیٹی ہوئی تھیں' مرتضیٰ بخاری ان کے پاس ہی بیٹھے تھے وہ فکرمندی سے آگے بڑھا زمین پر دوزانو ہو کر بیٹھا' ماں کا ہاتھ تھام کر ہونٹوں سے لگالیا۔

"اماں...... میں آ گیا ہوں۔"

"کہاں چلے گئے تھے تم؟" انہوں نے بے قراری سے بیٹے کے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

"دوست کے پاس تھا...... مگر آپ نے اپنی حالت کیا بنا رکھی ہے' پلیز خود کو سنبھالیں مجھے آپ کی ضرورت ہے اماں۔" وہ آخر میں یاسیت سے بولا۔ مرتضیٰ بخاری نے بے بسی سے رخ پھیر لیا کہ بیٹے کے لیے وہ کچھ بھی نہ کرسکے تھے۔

"مجھے کچھ نہیں ہوا۔ بس تم یونہی بیٹھے رہو...... میرے پاس۔" مطاہرہ بیگم نے اس کے ہاتھ اپنے کمزور ہاتھوں کی گرفت میں لیے' جب سے زندگی نے پلٹا کھایا تھا' حالات کشیدہ ہوئے تھے انہیں ہر وقت ایک ہی فکر لگی رہتی' یہی خوف اندر ہی اندر کھائے جاتا کہ کہیں اشعر انہیں چھوڑ کر نہ چلا جائے۔

"میں یہیں ہوں اماں آپ کے پاس' کہیں نہیں جاؤں گا' آپ اور بابا جان ہی تو میرا سب کچھ ہیں۔" وہ انہیں یقین دلاتا بولا تو وہ مطمئن سی مسکرادیں۔ مرتضیٰ بخاری نے بہت لاڈ سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا تھا۔

"جیتے رہو میرے بچے۔" دونوں میاں بیوی نے اسے دل سے دعا دی۔

✿......✿......✿
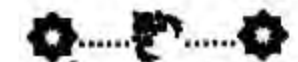
وہ مایوس سا بائیک کی طرف بڑھا' ملکی نظام کی بدحالی اور رشوت خور عہدیداران پر غصہ بھی تھا' کئی جگہ اس نے نوکری کے لیے اپلائی کیا ہوا تھا' بعض جگہوں سے اسے جواب بھی آیا مگر وہ جواب صرف کاغذی کارروائی اور خانہ پری کے لیے تھا۔ ہر بار انٹرویوز ہوتے مگر بے کار...... نہ وہ کسی امیر کبیر باپ کا اکلوتا بیٹا تھا نہ کسی وزیر رشتے دار کی سفارش تھی نہ رشوت دینے کے لیے بے حساب پیسے اس کے پاس تھے۔ قوی امید کے باوجود بھی آج پھر مثبت جواب نہ ملا۔ اس وقت اسے ڈگریاں بھی بوجھ ہی لگیں تھیں جنہیں اٹھائے وہ کبھی یہاں تو کبھی وہاں مغز ماری کرنے جاتا۔

"جانے کب سدھریں گے اس ملک کے حالات' رشوت' سفارش اور بے روزگاری۔" وہ یہ سب سوچتے ہوئے بائیک اسٹارٹ کرنے لگا۔

"اشعر......" جبھی عقب سے آتی آواز نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔ وہ مڑا' نظر شاہد پر پڑی' دونوں میں کبھی نہ بنی تھی' پہلے سے وہ غصے میں تھا اب موڈ بھی خود بخود آف ہوا۔

"کہاں جارہے ہو؟" سوال ابھرا۔

"گھر جاؤں گا اور کہاں جانا ہے مجھے۔" اشعر نے روکھا سا جواب دیا۔

"ایک بات کہنی تھی تم سے۔"

"کہو......!"

"آدرش کا خیال ذہن و دل سے نکال دو۔" شاہد کا ٹکا سا انداز' دوٹوک تحکم بھرا لہجہ وہ بھی بیچ راہ میں' اشعر کو گویا آگ لگا گیا۔

"کیا بکواس کررہے ہو تم؟"

"یہ بکواس نہیں ہے' آدرش صرف میری ہے' اور مجھے یہ ہرگز گوارہ نہیں کہ میری زندگی کے خواب کوئی اور آنکھوں میں سجائے' ابھی سے ذہن میں یہ بات بٹھالو ورنہ اصلیت تم برداشت نہیں کرسکو گے۔" وہ ڈھٹائی سے کہتا آخر میں حقارت سے بولا۔

"کیسی اصلیت' کہنا کیا چاہتے ہو تم؟" وہ بھی طیش سے بولا۔

"کہنا تو میں بہت کچھ چاہتا ہوں مگر فی الحال صرف ایک بات...... محبت کے چکروں سے نکلو اور آدرش کی تمنا دل ہی میں دبالو' میرے علاوہ وہ کسی کی ہو ہی نہیں سکتی' تمہاری تو کبھی بھی نہیں' یاد رکھنا میری بات۔ چلتا ہوں۔"

طنزیہ انداز میں پھر اسے باور کروایا اور اس کا جواب سنے بنا ہی اپنے راستے کو چل دیا۔

اشعر نے ضبط سے ہونٹ سکیڑے اور ایک زوردار پنچ بائیک پر رسید کیا۔ ہمیشہ شاہد اس کے سامنے کوئی نہ کوئی شوشہ چھوڑ جاتا تھا' مگر آج آدرش سے متعلق بات اسے سر تا پیر سلگا گئی تھی۔ شاہد کا ایسا ہی گھٹیا طنزیہ انداز اسے اس سے متنفر کرتا تھا۔ دل ہی دل میں اسے برا بھلا کہتا گھر کی طرف بڑھا۔

گھر کے اندر داخل ہوا' سامنے کوئی نہ تھا' سو خاموشی سے اپنے کمرے میں چلا آیا۔ ایک تو نوکری نہیں ملی' اوپر سے شاہد سے ملاقات کی گرمی نے موڈ بھی آف کر رکھا تھا' ہاتھوں میں پکڑی ڈگریاں ٹیبل پر رکھ کر خود صوفے پر آ بیٹھا اور ٹیک لگا کر آنکھیں موندنے لگا جبھی کوئی کمرے کا دروازہ دھیرے سے کھول کر اندر داخل ہوا' اس نے آنکھیں کھولیں۔

"آدرش...... تم یہاں۔" اسے دیکھ کر حیرانگی سے بولا۔

"کیوں میں یہاں نہیں آسکتی؟" وہ الٹا پوچھنے لگی۔

"یہ بات نہیں ہے اگر چچی جان نے تمہیں دیکھ لیا تو پھر تم جانتی ہو تمہاری خیر نہیں ہوگی۔"

"امی اپنے کمرے میں ہیں اس وقت۔ میں نے تمہیں چھت سے آتے ہوئے دیکھ لیا تھا' سو چلی آئی۔ جاب ملی؟" ساتھ ہی امید بھری سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"کہاں ملی...... رشوت اور سفارش کے بنا یہاں کسی کا کچھ نہیں بنتا اور میرے پاس نہ رشوت دینے کے لیے بیش بہا پیسہ ہے نہ کسی وزیر یا افسر کی سفارش۔" وہ مایوس کن لہجے میں بولا۔ یک دم آدرش کا چہرہ بھی لٹکا۔

"کیا ہوا؟"

"تم جلدی سے کوئی جاب تلاش کرو' اشعر!" وہ بے چینی سے بولی۔

"کر تو رہا ہوں اب مل نہیں رہی تو زبردستی تو نہیں کرسکتا۔" جبکہ اس کا دماغ اکتاہٹ کا شکار ہوا۔

"کیوں نہیں کرسکتے زبردستی...... اگر تم یہیں بیٹھے رہے تو ابو میری شادی شاہد سے کردیں گے آج پھوپو پھر آئی تھیں میرا رشتہ لے کر اور ابو نے سوچنے کا وقت مانگا ہے اور یہاں تمہاری ضد مجھے لے ڈوبے گی۔" اب کے آدرش چڑ کر بولی۔ جبکہ شاہد کے ذکر سے اس کا خون کھولا تھا۔ کنٹرول کھو کر سخت لہجے میں بولا۔

"تو میری ضد کی فکر چھوڑ دو تم اور کرلو شاہد سے شادی۔ اب میری جاب نہیں لگ رہی تو کیا کروں...... چوری کروں یا ڈاکے ڈالوں۔ جب تک بے روزگار ہوں چچا مجھے تمہارا رشتہ نہیں دیں گے پھر میں کس منہ سے ان کے سامنے ہاتھ پھیلاؤں۔ تمہارے یا میرے چاہنے سے تو کچھ ہونے والا نہیں' پھر کیوں اپنا وقت برباد کررہی ہو' محبت کو مارو گولی اور جا کر اپنے ماں باپ کی پسند سے شادی کرلو۔ بھول جاؤ مجھے۔" وہ اچھا خاصا تپ کر اس پر چلایا تھا۔ آدرش نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

اشعر کی باتوں اور لہجے پر حیران ہونے کے ساتھ ساتھ وہ گویا تڑپ اٹھی تھی' اگلے ہی لمحے نم ہوتی آنکھوں سمیت تقریباً بھاگنے کے سے انداز میں کمرے سے نکل گئی تھی' اس کے جانے کے بعد اشعر نے جیسے خود کو قابو کیا تھا' جبھی اسے اپنے ادا کیے گئے الفاظ کی بازگشت سنائی دی تو حیران سا رہ گیا۔ یقین ہی نہ آیا۔

"افوہ...... یہ کیا کردیا میں نے۔" سختی سے دونوں ہاتھ بالوں میں پھیرے ہونٹ دانتوں تلے دبائے' اپنے اس غصے کی وجہ یعنی شاہد پر مزید غصہ آیا' بلکہ اس لمحے اسے مار دینے کو دل چاہا' پر یہ ممکن نہ تھا' آدرش کی طرف بھی جانے کی ہمت نہ ہوئی کہ اس وقت وہ کسی بپھری ہوئی شیرنی سے زیادہ خطرناک ثابت ہوسکتی تھی۔ سو بے قرار ہوتے دل کے ساتھ رات کانٹوں پر گزاری۔

مگر فیصلہ کرلیا تھا کہ اب آدرش کے سامنے تب ہی جائے گا جب جاب مل جائے گی' اسی دن اماں بابا سے رشتے کی بات کرے گا' ارادہ پختہ کرلیا کہ کل سے نئے

جذبے نئی لگن سے اپنی قسمت آزمانے نکلے گا۔

⁂

"اشعر بیٹا۔" مطاہرہ بیگم کے سونے کے بعد وہ اٹھ کر باہر چلا آیا۔ جبھی مرتضٰی بخاری بھی اس کے پیچھے آئے آواز دے کر اسے روکا اور اس کے قریب گئے وہ بالکل نارمل سا کھڑا اب ان کی طرف متوجہ تھا۔

"میں نے آج پھر رحمٰن سے بات کی تھی۔" وہ بولے۔

"اوہ..... کیا ضرورت تھی بابا۔" وہ خفا ہوا۔

"مطاہرہ کی ضد تھی۔" وہ بے بس تھے۔

"یہ جانتے ہوئے بھی کہ کوئی فائدہ نہیں ہے۔ چچا جان اور چچی جان میری وجہ سے آپ سے ہر تعلق ختم کرنا چاہتے ہیں اور اب تو میں بھی یہ شادی نہیں کرنا چاہتا۔ میں نے حقیقت کو قبول کرلیا ہے۔" وہ دوٹوک بولا۔ "پلیز آپ اماں کو سمجھائیں۔"

"وہ تمہیں کھونے سے ڈرتی ہے۔" وہ دکھی ہوئے۔

"میں آپ کو اور انہیں کبھی نہیں چھوڑوں گا۔" اس نے آگے بڑھ کر مرتضٰی بخاری کے ہاتھ تھام کر یقین دلایا۔ "ہم یہ گھر یہ شہر چھوڑ کر دور چلے جاتے ہیں جہاں ہم ایک ساتھ نارمل زندگی گزاریں گے نہ کسی کی باتیں اور طعنے ہوں گے نہ.....!" وہ بول رہا تھا کہ مرتضٰی بخاری نے اسے ٹوکا۔

"ضرور مگر ابھی یہ ممکن نہیں ہے۔ ہماری گنجائش اس بات کی فی الحال اجازت نہیں دیتی لیکن تم صرف اتنا کرو کہ مطاہرہ کو ٹائم دو اسے اس یقین کی ضرورت ہے کہ تم اسے کبھی چھوڑ کر نہیں جاؤ گے۔ تمہیں اسے یقین دلانا ہوگا اشعر......" وہ اس کے سامنے بہت ٹوٹ کر التجائیہ ہوئے تھے۔

اشعر نے اسی لمحے انہیں سرعت سے گلے لگایا جیسے گھبرائے ہوئے بچے کو سمیٹ کر اسے مضبوط حصار میں لے لیا ہو۔ البتہ خود مضبوط ہونے کی تگ ودو میں اس کا لہجہ لرز گیا تھا۔

"ایسا ہی ہوگا بابا...... میں آپ دونوں کے بغیر نہیں رہ سکتا۔"

⁂

اسے جاب نہیں ملی تھی دو ہفتے گزر گئے تھے۔ اتوار کا دن تھا ناشتے سے فراغت کے بعد وہ کمرے میں آ کر لیٹ گیا آدرش کی ناراضگی سے پہلے وہ زیادہ تر وقت اسی کے ساتھ گزارتا تھا مگر اس دفعہ دل مختلف قسم کے غبار سے بھرا ہوا تھا اور شدید غصے میں بھی خاموش رہنا اس کی بہترین خوبی تھی۔ آنکھیں موندھ کر وہ سکون سے لیٹنے کی کوشش کررہا تھا مگر کچھ ہی لمحوں میں کمرے کا دروازہ کھول کر وہ اندر آئی تھی۔ چہرے پر شدید غصہ اور ناراضگی تھی۔

"کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ؟" آتے ہی وہ چلائی۔

وہ بوکھلا کر اس کی طرف متوجہ ہوا۔ یہ تو وہ جانتا تھا کہ آدرش ناراض تو ہو جاتی ہے مگر زیادہ دیر ناراض نہیں رہ سکتی تو تمام تر پریشانیوں سمیت وہ ایک لمحے کے لیے مسکرایا تھا۔

"مجھے بہت غصہ ہے اشعر!" وہ خاصی سنجیدہ تھی۔

"اچھا!" وہ سیدھا ہوا۔

"ہاں۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"پھر برسو جتنا برس سکتی ہو۔" آدرش کا اس کے پاس آنا اسے تھوڑا ریلیکس کر گیا تھا سو اطمینان سے بولا۔

"تمہاری زندگی میں میری کوئی اہمیت نہیں ہے۔"

"کس نے کہا تم سے...... میری زندگی ہی تم ہو۔" وہ دل کی بات سچائی سے کہتا تھوڑا جذباتی ہوا۔

"دو ہفتے گزر گئے ہیں بات کرنا تو دور تم نے میری طرف دیکھا بھی نہیں مگر میں تمہاری ہر حرکت نوٹ کررہی ہوں۔" وہ بپھری۔

"اچھا یہ بات ہے۔" وہ ہنسا پھر مزید کہتا اس سے استفسار کرنے لگا۔ "کون کون سی حرکت نوٹ کی ہے میری جس سے تمہیں لگا کہ میری زندگی تم بن مکمل ہے۔"

جواباً وہ ایک لمحے کے لیے لب سی گئی کیونکہ کہنے کے

ساتھ ہی وہ اس کے بالکل قریب آ گیا تھا۔ گویا سانس سے سانس ٹکرانے لگی اس کی آنکھیں شرم سے جھک گئی تھیں ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ وہ دونوں اتنے قریب تھے۔ اشعر مرتضٰی کے لبوں پر مدھری مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔ آدرش رحمٰن نے خود کو فی الوقت سنبھالتے ہوئے دونوں ہاتھوں سے مکمل زور دے کر اسے پیچھے دھکیلا اور پھر سے سنجیدہ ہوئی۔

"میں تم بن جینے کا تصور بھی نہیں کرسکتی اشعر۔"

"میں بھی نہیں آدرش۔"

"پھر جو کرنا ہے جلدی کرو اشعر۔"

"میں کوشش کررہا ہوں۔"

"صرف کوشش سے کچھ نہیں ہوگا کل پھوپو نے کال کی تھی انہیں جلد رشتہ چاہیے اور میں صرف تم سے شادی کروں گی سن لو تم۔" اس کا لہجہ سخت ہوا تھا۔

"کاش میرے اختیار میں کچھ ہوتا۔ میں شاہد کا سایہ بھی تم پر نہیں پڑنے دوں گا۔" اس کے لہجے میں حسرت تھی۔

"اگر ایسا ہوا تو میں کبھی تم سے بات نہیں کروں گی۔" بھرے دل کے ساتھ اسے وارن کرتی وہ پلٹ گئی تھی۔

یہ پری پیکر تو اشعر کی زندگی کی ضمانت تھی جسے وہ کسی بھی طور کھونا نہیں چاہتا تھا۔

⁂

اگلے کچھ دنوں میں اس نے معمولی ہی سہی پر جو بھی نوکری ملی تھی بخوشی قبول کرلی تھی۔ اسے اپنی زندگی میں آدرش کی محبت سے رنگ بھرنے تھے۔ شاہد کو منہ توڑ جواب دینا تھا نوکری ملتے ہی اس نے مطاہرہ بیگم سے آدرش کے متعلق تمام حقیقت و رشتے کی بات کی مطاہرہ بیگم بناء کچھ بولے اسے دیکھتی رہیں شاید کسی بات نے ان کے دل و دماغ میں ہلچل مچادی تھی مگر اس سے اگلے لمحے ہی بیٹے کے چہرے پر رقصاں خوشی نے ان کے دل کو بہت کچھ نظر انداز کرنے پر مجبور کردیا تھا اثبات میں سر ہلاتے ہوئے انہوں نے اشعر کو مطمئن کیا۔ مگر اشعر کے جانے کے بعد...... ان کا دل مطمئن نہیں رہا تھا ان کا دل بدترین خوف کا شکار تھا۔ صبح سے شام تک کا وقت انہوں نے مشکل سے گزارا لیکن مرتضٰی بخاری کے آتے ہی انہوں نے اشعر کی خواہش اور ان دونوں کی محبت کے بارے میں شوہر کو بتایا جسے سنتے ہی وہ قطعیت سے بولے۔

"ایسا کبھی نہیں ہوسکتا مطاہرہ...... تم جانتی ہو۔"

"میں اشعر کو کیسے بتاتی وہ وجہ پوچھتا میں کیا جواب دیتی پھر اسے۔" وہ ازحد پریشان تھیں۔

"لیکن اس کی خواہش بھی تو پوری نہیں ہوسکتی۔" وہ صاف گوئی سے بولے۔

"کیا معلوم بچوں کی محبت بھائی اور بھابی کو مجبور کردے۔" انہیں ہلکی سی امید تھی۔

"نہیں مطاہرہ بیگم...... یہ کوئی مذاق یا معمولی بات نہیں ہے۔" جبکہ وہ بنا لچک بولے۔

"پھر بھی میں ایک مرتبہ ان سے بات کرنا چاہتی ہوں۔" وہ بضد ہوئیں۔

"رحمٰن اور بھابی کبھی نہیں مانیں گے۔" مرتضٰی بخاری بھی ایک ہی بات پر اڑے ہوئے تھے جو کہ سچائی بھی تھی۔

"پھر میں اشعر کو کیا جواب دوں۔ وہ پوچھے گا تو ضرور اگر ہم رشتے کی بات آگے ان لوگوں سے نہیں کریں گے۔" انہوں نے بے بسی سے استفسار کیا۔ مرتضٰی بخاری اب کے لاجواب ہو کر رہ گئے تھے۔

"دونوں صورتوں میں سچ سامنے آئے گا۔"

"ہم بات کرلیں پہلے کیا پتہ جیسے ہم سوچ رہے ہیں ویسا نہ ہو۔" دونوں میاں بیوی عجیب کیفیت میں مبتلا ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

"اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے مرتضٰی۔" وہ آہستگی سے بولیں۔ جبھی مرتضٰی بخاری نے دھیرے سے سر اثبات میں ہلایا۔ مجبوری اور بے بسی ان پر حاوی ہوئی تھی۔

⁂

"میں نے اماں سے بات کی تھی شاید اب تک انہوں

نے چچی جان سے بھی بات کرلی ہو۔" وہ دونوں حسب معمول چھت پر تھے۔ آدرش اس کی بات پر بے یقینی سے مسکرائی تھی۔

"سچ کہہ رہے ہو تم؟" ساتھ ہی تصدیق کے لیے اس کا ہاتھ تھام کر کھنکتے لہجے میں پوچھا جبکہ دوسری جانب آخری زینے پر راحیلہ بیگم کے پاؤں رکے تھے مگر نگاہوں میں غصے کے ساتھ ناگواریت عروج پر تھی۔

"ہاں......" اشعر نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے دھیرے سے لب ہلائے مگر اگلے ہی لمحے کچھ سنجیدہ ہوتے ہوئے بات آگے بڑھائی۔

"ایک بات میری سمجھ میں کبھی نہیں آئی میں نے اماں بابا سے کئی بار پوچھا بھی لیکن کبھی کسی نے میرے سوال کا تسلی بخش جواب نہیں دیا۔"

"کون سی بات کیسا سوال؟" وہ الجھی۔

"ہمارے گھر میں شروع سے سب ساتھ رہتے ہیں' مجھے نہیں یاد پڑتا کہ کبھی کسی کی بھی کسی دوسرے فرد سے چھوٹی سی بات پر بھی لڑائی یا بحث ہوئی ہو۔" وہ بولا۔

"ہاں تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔" کندھے اچکا کر اسے دیکھا۔

"لیکن چچا جان اور چچی جان نے کبھی مجھے اپنائیت کی نظر سے نہیں دیکھا۔" وہ صاف لہجے میں دل کے خدشے کو زبان دے گیا۔

"تو نہ دیکھیں ان کی بیٹی نے تو تمہیں محبت سے دیکھا ہے اور اپنے دل میں جگہ دی ہے۔" آدرش نے بات کو ہلکے سے لیا لیکن اشعر کے لیے یہ بات معمولی نہیں رہی تھی۔ دوسری طرف راحیلہ بیگم کو ہمیشہ کی طرح وہ زہر لگ رہا تھا۔

"میں مذاق نہیں کر رہا آدرش...... یہ بات جاننا میرے لیے بہت اہمیت رکھتی ہے۔ ایسا کیا گناہ کیا ہے میں نے جو وہ مجھ سے بات تک کرنا اپنی توہین سمجھتے ہیں۔" وہ بے بس سا آدرش کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ آدرش خاموش رہی۔ اس کے پاس اس سوال کا جواب نہیں تھا مگر جس کے پاس تھا وہ ہستی اب اس کے سامنے کھڑی تھی۔

راحیلہ بیگم کے لاکھ منع کرنے کے باوجود آدرش کے نا سمجھنے پر اول تو ایک زوردار تھپڑ اسے لگایا تھا جو اس اچانک افتاد پر آنکھوں میں امڈتے آنسوؤں کو روکتی انہیں دیکھتی ان کے اگلے اشارے پر ہی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی تھی۔

"آپ......؟" جبکہ وہ حیران ہوا تھا۔

"گناہ تم سے نہیں ہوا مگر تمہارا وجود گناہ گار ہے' ساری عمر سوچنے کے بجائے ایک بار اپنے نام نہاد ماں باپ سے پوچھ لیتے' ساری اصلیت بتا دیتے وہ تمہیں کہ کالی رات میں پیدا ہونے والا ناجائز وجود ہو تم' کچرے کے ڈھیر میں پڑے ہوئے ملے تھے تم بھائی صاحب کو اپنی بے اولادی کا دکھ مٹانے کے لیے وہ تمہیں اس ڈھیر سے اٹھا لائے' کاش وہ تمہیں وہیں چھوڑ آتے' کسی بھوکے کتے کا پیٹ بھر جاتا تو اچھا تھا آج میری بیٹی کی زندگی تو برباد نہ کرتے تم......!" وہ گرج برس رہی تھیں۔

دوسری طرف وہ سدھ بدھ کھوئے بے یقینی سے کھڑا تھا۔ پاؤں تلے سے گویا زمین سرک گئی تھی' انہوں نے جو کہا وہ سچ تھا یا جھوٹ......؟ کڑواہٹ سے بھرپور' تلخ ضرور تھا' بے یقین بھی تھا' دل لمحوں کے ہزارویں حصے میں زوردار دھماکے سے پھٹا تھا۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا گھرا ہوا تھا' زبان اکڑ گئی تھی' جواباً وہ کوئی تصدیق نہیں لے سکا تھا کوئی وضاحت اس نے طلب نہیں کی تھی۔

راحیلہ بیگم جا چکی تھیں۔ مگر جاتے ہوئے اس کے جسم سے روح نکال کر اسے مردہ کر گئی تھیں۔ اپنا وجود اسے زلزلوں میں گھرا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ راحیلہ بیگم کا کراہیت آمیز انداز تمام کہی گئی باتوں پر سچ کی مہر لگا چکا تھا' اس نے یک دم سر جھٹک کر خود کو ہوش میں لانے کی سعی کی تو دماغ کو ایک اور جھٹکا لگا' کیا یہی وہ حقیقت ہے جس کی معیز ہر بار اسے دھمکی دیتا تھا۔

"اوہ میرے خدایا......!" سچائی اسے موت کے

قریب لے جا رہی تھی۔ تمام خاندان کی اس کے لیے ناپسندیدگی کی یہی وجہ جان لیوا تھی' اماں بابا نے ہمیشہ اسے سب باتوں پر دھیان دینے سے منع کیا تھا۔ اسی حقیقت کی وجہ سے۔

چکراتے سر کے ساتھ وہ مطاہرہ بیگم کے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔ سچائی تو بے دردی سے اس کے سامنے تھی مگر اسے ان کے منہ سے حقیقت جاننا تھی۔ اپنے وجود وذات کے اصل حق داروں سے اسے تصدیق چاہیے تھی' تمام سوالوں کا جواب جاننے کے باوجود اسے ان دونوں سے ہر سوال کا جواب چاہیے تھا' مگر دروازے کے عین قریب پہنچ کر اس کے قدم رک گئے تھے۔ مطاہرہ بیگم رو رہی تھیں۔ جب ہی مرتضیٰ بخاری کی آواز گونجی تھی۔

"رو کر تم خود کو کمزور کر رہی ہو مطاہرہ...... ہم کسی کی سوچ نہیں بدل سکتے۔" بیگم کو حوصلہ دیتے وہ خود کمزور لہجے میں بولے تھے اور یہی وہ لمحہ تھا جب اشعر مرتضیٰ کو راحیلہ بیگم کی کہی ہر بات پر یقین ہو چکا تھا۔ لیکن اس کا جسم ساکت ہو گیا تھا' نہ وہ پیچھے مڑ سکا نہ اس کے قدم آگے بڑھ سکے تھے۔

"مجھے ہمیشہ ایسا لگا کہ سالوں گزرنے کے بعد شاید سب کی سوچ بدل چکی ہے۔ اشعر ہمارا بیٹا ہے مرتضیٰ' ہم نے اسے پیدا نہیں کیا مگر اس کی پرورش خون پسینے سے کی ہے' کوئی اسے ناجائز کیسے کہہ سکتا ہے' ہماری محبت' جذبات سب جائز ہیں' پورے خاندان میں سب کے بچوں سے زیادہ سلجھا ہوا' محنتی' فرماں بردار ہمارا بیٹا ہے' آدرش سے محبت کرتا ہے وہ بھی اشعر سے محبت کرتی ہے' پھر سب اشعر کو اس کے ناکردہ گناہ کی سزا کیوں دینا چاہتے ہیں۔ وہ ہمارا بیٹا ہے مرتضیٰ' ہر لحاظ سے ہمارا جائز بیٹا ہے۔" مطاہرہ بیگم دکھ و یاسیت کے شکنجے میں ٹوٹ چکی تھیں' مرتضیٰ بخاری انہیں تسلی دیتے یا خود کو سنبھالتے' دونوں کے لیے مشکل وقت تھا۔

"رحمٰن بھائی اور بھابی نے آج بہت بری طرح ہماری محبت' ہمارے رشتے اور اشعر کو تضحیک کا نشانہ بنایا ہے' مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں وہ اشعر کو سب بتا نہ دیں۔ میں اشعر کو کھونا نہیں چاہتی مرتضیٰ۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھیں۔

اذیت ناک حقیقت سے اشعر کا دل بھی کٹا جا رہا تھا' سب کچھ یوں اچانک برداشت کرنا ضبط سے باہر تھا' آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں۔

"ایسا کچھ نہیں ہوگا تم روؤ مت' میں اشعر کو خود سب بتاؤں گا' سمجھاؤں گا۔" وہ مسلسل انہیں دلاسہ دے رہے تھے۔

اشعر نے اگلے ہی لمحے ایک فیصلہ کیا' دل کو مضبوط کرتا' آنکھیں صاف کرتا آگے بڑھا' دروازہ کھولا' آواز پر ان دونوں نے اس کی طرف دیکھا' وہ سب جان گیا تھا۔ اس کے چہرے پر دکھ درد' بے یقینی سب کچھ رقم تھا۔ مطاہرہ بیگم اس کی طرف بڑھی تھیں' اشعر نے انہیں

مسکان وصی

السلام علیکم! ڈیئر فرینڈز۔ میرا نام مسکان وصی ہے۔ میں بائیس اگست کو سیالکوٹ میں جلوہ افروز ہوئی' میری پسندیدہ رائٹرز عمیرہ احمد' نمرہ احمد اور جو اچھا لکھتی ہیں سب ہی ہیں۔ ظاہر ہے سبھی کا دل چاہتا ہے کچھ اچھا پڑھنے کو ملے میرا بھی...... خیر پسند و ناپسند کچھ خاص نہیں ہے' ریڈ' پنک' وائٹ' بلیو کلر فیورٹ ہے۔ جیولری اور میک اپ کا سارا سامان ہر طرح کی برانڈ اپنے پاس رکھنے کا شوق ہے جبکہ پہننا کچھ خاص نہیں۔ مہندی کا شوق ہے لگا بھی لیتی ہوں اچھی سی۔ کھانے میں جو کچھ مل جائے کھا لیتی ہوں۔ سوئٹ ڈیشز کچھ خاص پسند نہیں' تھوڑی رومینٹک ہوں۔ میوزک بھی ایسا ہی پسند ہے مگر میں کم ہی سنتی ہوں۔ کتابیں پڑھنا' خریدنا' جمع کرنا شوق ہے' اجازت دیں اس بات کے ساتھ کہ زندگی جو دے وہ لے لو۔ کیسا لگا میرا تعارف ضرور بتائیے گا اور شاہ جی آپ بھی اوکے اللہ آپ کو لمبی عمر اور خوشیاں نصیب کرے آمین۔ فی امان اللہ

بانہوں کے حصار میں لے لیا تھا۔ تینوں کی آنکھیں پھر سے نم ہوئی تھیں۔

✿......✿......✿

شادی کے آٹھ سال گزرنے کے بعد بھی مرتضٰی بخاری اور مطاہرہ بیگم اولاد کی نعمت سے محروم تھے ان کی زندگی میں تمام آسائشیں، بے پناہ محبت تھی مگر اولاد کی کمی مطاہرہ بیگم کو گزرتے دن کے ساتھ بے سکون کرتی' ہر دعا میں اٹھتے بیٹھتے' سوتے جاگتے' وہ اللہ پاک کے حضور اپنی بے بسی سمیت اولاد کے لیے دعا کرتیں مگر کوئی دعا مستجاب نہیں ہوئی۔ مرتضٰی بخاری کے لیے ان کی حالت تکلیف دہ تھی۔

کچھ عرصے بعد ان کے چھوٹے بھائی رحمٰن بخاری کی شادی خالہ زاد راحیلہ بیگم سے ہوئی تھی۔ شادی کے کچھ مہینوں کے بعد راحیلہ بیگم کے ہاں اولاد کی امید تھی۔ یہ خبر ان دونوں میاں بیوی کے علاوہ مرتضٰی بخاری اور مطاہرہ بیگم کے لیے بھی خوشی کا باعث تھی۔ زندگی اپنی معمول پر رواں دواں تھی ایسے میں ایک رات ان سب کی زندگی میں بہت بڑی تبدیلی لائی تھی۔ مرتضٰی بخاری کسی دوست کے گھر سے واپس آرہے تھے' تبھی کچرے کے ڈھیر کے پاس انہیں بچے کے رونے کی آواز سنائی دی تھی۔ افسوس اپنی جگہ' جھجک و گھبراہٹ کے ساتھ وہ سب سے نظر بچا کر اس بچے کو گھر اٹھا لائے تھے۔ روتے بلکتے' بچے کو گھر لا کر تمام سچائی کے ساتھ بھائی اور بھابی کے سامنے انہوں نے بچے کو مطاہرہ بیگم کی گود میں ڈال کر اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر اس بچے کی پرورش کا ذمہ اٹھانے کا عزم و ارادہ ظاہر کیا تو مطاہرہ بیگم کے چہرے پر دنیا جہان کا سکون اتر آیا تھا۔

"مرتضٰی! اس معصوم بچے کو میری گود میں ڈال کر آپ نے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے جو زندگی بھر میں نہیں اتار سکوں گی۔" انہوں نے خوشی کے آنسوؤں کے ساتھ بچے کو سینے سے لگا لیا۔

"پاگل تو نہیں ہو گئے آپ دونوں!" جبکہ رحمٰن بخاری کا دماغ غصے سے پھٹنے کو تھا۔ راحیلہ بیگم کے چہرے پر بھی ناگواری صاف ظاہر تھی۔

"نجانے کون اپنی رنگینی سے یہ ناجائز وجود پیدا کر کے کچرے میں پھینک گیا اور آپ اسے اٹھا لائے۔ کچھ تو سوچا ہوتا بھائی صاحب' ہماری بھی کچھ عزت ہے خاندان میں' محلے والوں کو پتہ چلے گا تو لوگ طرح طرح کی باتیں کریں گے آپ کی اپنی اولاد نہیں ہے تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ کسی بھی گندے خون کو اپنا خون بنالیں...... میں اس گھر میں یہ نہیں ہونے دوں گا۔" رحمٰن بخاری نہایت تنفر سے بول رہے تھے۔

"کل کو ہماری بھی اولاد ہوگی۔ ہم نہیں چاہتے کہ ہماری اولاد کو اس گھر میں آپ کی خواہش سے تکلیف پہنچے۔ ہمیں اس گھر کا ماحول کسی بھی ناجائز وجود سے پاک چاہیے۔" اب کی بار راحیلہ بیگم نے زبان سے تیر نکال کر ان دونوں میاں بیوی کے دل کو گھائل کیا تھا۔

"ہمیں آپ کا فیصلہ نامنظور ہے۔"

"تم لوگ جو بھی سوچتے ہو' جو بھی فیصلہ کرتے ہو میں اس سے اپنا فیصلہ نہیں بدلوں گا۔ خاندان والے' محلے والے جو بھی کہیں' کہتے رہیں۔ اس سے ہمیں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ یہ بچہ اب ہمارا ہے' اگر کسی کو اس بچے کے وجود سے کوئی تکلیف ہے تو وہ اس گھر سے جاسکتا ہے لیکن یہ بچہ اب یہیں رہے گا۔" مرتضٰی بخاری دوٹوک بولے تھے۔ ان دونوں میاں بیوی نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا۔

رحمٰن بخاری بے روزگار تھے۔ کچھ عرصہ پہلے اپنا ذاتی کاروبار شروع کرنے کے لیے انہوں نے باپ کی طرف سے ملا ہوا گھر بیچ کر تمام پیسہ کاروبار میں انوسٹ کر دیا تھا' ایسے میں مرتضٰی بخاری نے انہیں گھر کا ایک پورشن دے دیا تھا کیونکہ وہ بے اولاد تھے' رحمٰن بخاری چھوٹا بھائی ہونے کی حیثیت سے انہیں عزیز تھا مگر کچھ ماہ بعد ہی انہیں کاروبار میں بھاری نقصان اٹھانا پڑا تھا اب نہ ان کے پاس روزگار تھا نہ گھر بار تھا۔ اوپر سے راحیلہ بیگم بھی

امید سے تھیں' نہ چاہتے ہوئے بھی دونوں میاں بیوی کو احتجاج و اختلاف محدود کرتے ہوئے لہجہ نرم کرنا پڑا۔

"ٹھیک ہے بھائی صاحب! ہمیں آپ کا فیصلہ منظور ہے لیکن آپ کو یہ یقین دلانا ہوگا کہ یہ بچہ صرف آپ دونوں کا ہوگا' ہم سے یا ہماری اولاد سے اس بچے کا کوئی تعلق نہیں ہوگا نہ ہماری اولاد کو اس سے کوئی تکلیف ملے گی نہ ہماری اولاد سے اس بچے کا کوئی رشتہ متوقع ہوسکتا ہے۔" رحمٰن بخاری نے بہت سوچ سمجھ کر شرط رکھی تھی۔

"مجھے منظور ہے اور میں اسے اس بات کا پابند رکھوں گا۔" انہوں نے حامی بھرتے ہوئے محبت سے بچے کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا تھا۔ مطاہرہ بیگم کی آنکھیں بچے کو دیکھ کر خوشی سے چمک رہی تھیں۔

"اس شرط کے بدلے میری بھی ایک شرط ہے رحمٰن......!"

"کیسی شرط بھائی صاحب؟"

"تم یا تمہاری بیوی...... خاندان کا کوئی بھی فرد...... اس بچے کو حقیقت نہیں بتائے گا' تم لوگ اس بچے سے رشتہ نہیں رکھنا چاہتے تو بے شک' کبھی نہ رکھنا مگر اس بات کا خیال رکھنا کہ اس بچے کا رشتہ کبھی تم لوگوں کی وجہ سے ہم سے ختم نہ ہو ورنہ میں کبھی تمہیں معاف نہیں کروں گا۔" وہ نہایت جذباتی مگر قطعی لہجے میں بولے۔ رحمٰن بخاری اور راحیلہ بیگم تنفر کے باوجود مجبوری کے ساتھ چپ چاپ اثبات میں سر ہلاتے وہاں سے چلے گئے تھے۔

"یہ ہمارا بیٹا ہے مطاہرہ...... ہمارا بیٹا۔" ان کے جانے کے بعد مرتضٰی صاحب نے بیگم کے کندھے پر محبت بھرا دباؤ ڈالتے ہوئے خوش گواریت و یقین سے کہا تھا۔

"ہاں یہ ہمارا بیٹا ہے صرف ہمارا...... اشعر مرتضٰی۔" مطاہرہ بیگم نے اسے سینے سے لگاتے ہوئے اپنے وجود کا حصہ بنا کر نام رکھا۔

"اشعر مرتضٰی۔" مرتضٰی بخاری نے نام دہراتے ہوئے ڈھیروں سکون اندر اتارا۔

اگلے دن تمام خاندان والوں تک یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پہنچ چکی تھی پھر جتنی زبانیں اتنی باتیں تھیں۔ مرتضٰی صاحب کی خاندان بھر میں بے حد عزت تھی اور اسی عزت کا لحاظ سب نے کیا۔ اختلاف اپنی جگہ مگر سب نے زبان دی کہ کوئی اشعر کو کبھی کچھ نہیں بتائے گا۔ لیکن سالوں بعد رحمٰن بخاری اور راحیلہ بیگم بیٹی کے ہاتھوں مجبور ان دونوں کی محبت کو نظر انداز نہیں کر سکے۔ اشعر سے متعلق ان کا لہجہ کبھی نرم نہیں تھا' اسی لیے آدرش کا ہاتھ مانگنے پر وہ دونوں ہر شرط اور وعدے کو نظر انداز کر گئے تھے۔

آدرش ان کی اکلوتی اولاد تھی۔ انہیں گھر میں اشعر کی موجودگی اور آدرش کے بے باک انداز سے ہمیشہ خوف آتا تھا اور جب سے راحیلہ بیگم نے ان دونوں کی قربت کو محسوس کیا تھا تب سے بے چین اور بدحواس سی رہنے لگی تھیں۔ ان کے اندر وافر مقدار میں زہر جمع ہو چکا تھا جو مطاہرہ بیگم کے رشتہ مانگنے پر پوری کڑواہٹ کے ساتھ باہر نکلا اور وہ کڑواہٹ اشعر مرتضٰی کے اندر طوفان برپا کر چکا تھا۔

محبت شاخ ہے میری
میں اک گلاب کے پھول جیسی ہوں
اگر مجھ کو میری شاخ سے الگ کر دو گے تو
میرا سارا لہو نچڑ جائے گا
میں مرجھا جاؤں گا
میری خوشبو مر جائے گی
میری پتیاں سوکھ کر بے رنگ ہو جائیں گی
اور ٹوٹ کر بکھر جائیں گی
تو سن اے ظالم سماج دنیا
مجھے میری شاخ سے الگ مت کرنا
محبت شاخ ہے میری
اگر جدا کر دیا مجھ کو محبت سے تو
میری ذات ریزہ ریزہ ہو کر
مٹی میں مل جائے گی

پری ساپارس...... فیصل آباد

❁......❁......❁

مطاہرہ بیگم غم سے نڈھال لیٹی تھیں۔ اشعر ان کے سرہانے بیٹھا تھا۔ مرتضٰی بخاری شدید الجھن میں کمرے کے چکر کاٹ رہے تھے۔

"بابا جان۔" اشعر کی آواز پر وہ پلٹ کر اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

"حقیقت کتنی تلخ و کرب ناک کیوں نہ ہو لیکن آپ نے جو ستائیس سال پہلے اماں پر احسان کیا تھا اس احسان کا بدلہ اتارنے کا وقت آ گیا ہے۔"

"میں سمجھا نہیں بیٹا۔"

"آپ دونوں نے مجھے سگے ماں باپ سے بڑھ کر محبت دی۔ مجھے پالا' پڑھایا' میرے وجود کو اپنے وجود کا حصہ سمجھتے ہوئے مجھے ہر دکھ سے دور رکھا تو میں کیسے احسان فراموشی کرسکتا ہوں۔ مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ مجھے کس نے پیدا کیا لیکن مجھے آپ لوگوں کی محبت نے جینا سکھایا ہے' میں آپ دونوں کے بغیر نہیں رہ سکتا' میرا وجود ناجائز سہی مگر محبت جائز ہے' ہمارا رشتہ جائز ہے۔" وہ دھیمے لہجے میں مگر سچے دل سے بولا۔ مرتضٰی بخاری مطمئن ہوئے تھے مطاہرہ بیگم کی آنکھیں مسکرائی تھیں۔ اشعر کی باتوں نے ان کے غم کو تھوڑا رفع کر دیا تھا۔

"میں آپ کو چھوڑ کر نہیں جاسکتا اماں...... میں آپ کے وجود کا حصہ ہی تو ہوں اگر آپ مجھے اپنی ممتا کی آغوش میں نہ لیتیں تو آج میرا نام و نشاں تک نہ ہوتا۔ مجھے اپنے اصل کے بارے میں صرف آپ کی خاطر کچھ نہیں سوچنا۔ میرا سب کچھ آپ ہیں اور رہی بات آدرش کی تو اب سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں سب سے خود بات کروں گا۔ آدرش بھی سمجھ جائے گی اور بابا سب سے کیا آپ کا وعدہ بھی نہیں ٹوٹے گا۔" وہ ان دونوں کو یقین دلاتا کچھ پل وہاں رکا پھر باہر نکل آیا۔ حقیقتاً وہ کیا کہہ رہا تھا' کیا کر رہا تھا اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا مگر اس نے پختہ ارادہ کرلیا تھا کہ اب وہ اپنے لیے ذرا برابر بھی نہیں سوچے گا۔

جبھی وہاں سے نکل کر وہ سیدھا رحمٰن بخاری کے پورشن کی طرف بڑھا اور اب ان دونوں کے سامنے کھڑا تھا۔

"ہم یوں حقیقت کو سامنے نہیں لانا چاہتے تھے اشعر...... لیکن سب جانتے ہوئے ہم آدرش کے لیے یہ سب قبول بھی نہیں کرسکتے۔ بھائی صاحب نے ستائیس سال پہلے جو فیصلہ کیا تھا وہ تب بھی ہمیں نامنظور تھا اور اب تمہارا رشتہ بھی...... اس معاملے میں آدرش کا فیصلہ یا خواہش ہمارے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی اور ویسے بھی ہم شاہد کے رشتے کو قبول کرچکے ہیں۔ بہت جلد دونوں ایک رشتے میں بندھ جائیں گے۔ میں بھائی صاحب کی خاطر تم سے کوئی لڑائی یا فساد نہیں چاہتا' بس ایک مجبور باپ کی التجا سمجھ لو اور خود ہی پیچھے ہٹ جاؤ اور اگر تمہارے دل میں آدرش کے لیے ذرا بھی عزت ہے' محبت ہے تو خدا کے لیے اسی محبت کی خاطر آدرش کی زندگی سے نکل جاؤ...... خدا کے لیے آدرش اور ہمیں بدنام مت کرنا۔ ہمیں ہماری اور آدرش کی عزت بہت پیاری ہے۔" اسے سامنے پاکر رحمٰن بخاری نے اس کے بولنے سے قبل ہی گویا تقریر کر ڈالی تھی۔ وہ بھی اسی ارادے سے ان کے پاس آیا تھا سو اثبات میں سر ہلانے لگا۔

"میں یقین دلاتا ہوں میری وجہ سے آدرش کی ذات کو نہ کوئی نقصان ہوگا نہ اس کی آئندہ زندگی میں کوئی رکاوٹ یا مسئلہ ہوگا۔ اب سے میرا آدرش سے کوئی تعلق باقی نہیں رہے گا لیکن میری ایک گزارش ہے کہ یہ بات اسی گھر میں رہے گی' میں اماں بابا کو کوئی تکلیف یا دکھ نہیں دینا چاہتا۔ آدرش کی آئندہ زندگی کا فیصلہ آپ جیسے چاہیں کریں مگر ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوگا اور نہ آپ میری ذات کو لے کر مجھ سے متعلق کوئی بات آئندہ اماں بابا سے کریں گے۔" وہ بے حد سنجیدہ و قطعی تھا۔

رحمٰن بخاری اس کی بات پر مطمئن ہوئے تھے جبھی فوراً بولے۔

"ٹھیک ہے ایسا ہی ہوگا...... تم اپنی بات پر قائم رہنا ہماری زبان سے بھی ایک لفظ نہیں نکلے گا۔"

اشعر بات ختم ہوتے ہی خاموشی سے باہر نکل آیا' اب اسے دل کی نہیں سننی تھی جو شاید اس کے ناکردہ گناہ کی سزا تھی اور محبت میں مانگی گئی قربانی...... اسے سزا بھی منظور تھی اور قربانی دینے سے وہ دریغ بھی نہیں کرسکتا تھا۔

❁......❁......❁

ایک مرتبہ پھر وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اس مرتبہ اس کی چبھتی ہوئی سوالیہ نگاہوں نے اس کے لیے فرار کی تمام راہیں مفقود کردی تھیں۔

"میں جانتی ہوں تم یہ سب اپنی خوشی سے نہیں کر رہے کوئی وجہ ہے...... میں بس ایک دفعہ وہ وجہ جاننا چاہتی ہوں۔" وہ انتہائی کرب مگر کھردرے لہجے میں بولی۔

"کیا کرو گی جان کر...... کوئی فائدہ نہیں ہے سوائے......!" وہ بولتے ہوئے رکا۔

"اشعر...... میں جاننا چاہتی ہوں۔" مقابل کی بے مروتی اسے رونے پر مجبور کر گئی' خود کو مضبوط کرتی وہ آنکھوں میں امڈتے آنسوؤں کو روک نہیں سکی تھی۔

"تم جاؤ یہاں سے آدرش...... میں نہیں چاہتا کوئی ہمیں ساتھ دیکھے۔" اسے روتا دیکھ کر وہ آہستگی سے بولا۔

"کس سے ڈر رہے ہو تم۔" وہ خفگی سے چیخی۔

"قسمت نے اتنا ڈرا دیا ہے اب کسی اور سے ڈر نہیں لگتا مگر میں تم سے بحث نہیں کرنا چاہتا۔" لہجہ عجلت آمیز تھا آدرش کی آنکھیں بے یقینی سے اسے دیکھنے لگیں۔

"میں تم سے بات کرنے آئی ہوں اشعر' مجھے صرف میرے سوال کا جواب دو پھر میں کبھی تم سے بات نہیں کروں گی اشعر۔ میں وعدہ کرتی ہوں وجہ جاننے کے بعد میں تم سے ہر تعلق ختم کردوں گی' کبھی تمہارے سامنے نہیں آؤں گی آئی پرامس۔ میں اپنے دل کو سمجھاؤں گی' میرا دل کبھی تم سے محبت نہیں کرے گا۔" وہ ایک دم جنونی ہوئی۔ اشعر مرتضٰی محض اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔ وہ مزید بول رہی تھی۔

"کل شام میری اور شاہد کی انگیجمنٹ ہے لیکن ایسا تبھی ہوگا جب تم مجھے وجہ بتاؤ گے ورنہ نہ انگیجمنٹ ہوگی نہ میں رہوں گی...... اینڈ آئی پرامس...... اگر تم نے وجہ نہ بتائی تو میں ایسا ضرور کروں گی۔" تلخی سے کہتی وہ جاچکی تھی۔

اشعر اس کی دھمکی سن کر دنگ رہ گیا تھا۔ اس کی خوشیوں کے لیے چپ سادھنا اب مشکل تھا۔ آدرش کو وہ جانتا تھا۔ وہ غصے میں کچھ بھی کرسکتی تھی۔ اور اب...... خود کو مارنے کی دھمکی...... اشعر باقی ساری رات سو نہیں سکا تھا۔

❁......❁......❁

صبح سے دوپہر تک کا وقت بے حد پریشانی اور ہزاروں سوچوں کے ساتھ گزر چکا تھا۔ اس دوران اس نے آدرش کے کمرے سے نکلنے کا انتظار کیا' اس سے بات کرکے

ماہم شہزادی

آداب عرض ہے جی مابدولت کو ماہم شہزادی کہتے ہیں میری دوست صبا مجھے ماہی' ماہو وغیرہ کہتی ہے۔ 4 ستمبر 1997ء کو اس دنیا میں رونق بخشنے آئی تو اس حساب سے میرا اسٹار ورگو ہے ہم پانچ بہن بھائی ہیں میں سب سے بڑی ہوں اور لاڈلی بھی (خوش فہمی)۔ سیکنڈ ائیر کی طالبہ ہوں' سب سے اچھی ٹیچر ثانیہ' صدف اور مس عدیلہ لگتی ہیں۔ کھانے میں بہت زیادہ نخرے کرتی ہوں ویسے بریانی' کباب پسند ہیں۔ خوبی یہ ہے کہ کچھ غلط کہہ دوں تو سوری کرتی ہوں۔ خامی یہ ہے کہ غصہ بہت کرتی ہوں' بات بات پر ناراض ہو جاتی ہوں۔ دوستوں کے معاملے میں خوش قسمت ہوں' بیسٹ فرینڈز میں صبا' سحرش رانی اور فروا شبیر ہیں اس کے بعد انعم' صنم' سونیا' نزہت' مریم' اقراء' فاریہ' عالیہ اعظم' زینت' عالیہ نورین اور عشرت شہزادی ہیں۔ کلر میں وائٹ اور ریڈ پسند ہیں' پھولوں میں گلاب اور موتیے کا پھول پسند ہے' کزنز میں آپی ام حبیبہ' بشریٰ' نادیہ' علیزہ' سماویہ' نورین' عائشہ' علیشہ' ثانیہ پسند ہیں۔ اپنی دونوں بہنوں کو بہت پیار کرتی ہوں' جی جناب تو جیولری میں ائیر رنگز اور چوڑیاں پسند ہیں۔ چلیے جی اب میں چلتی ہوں' رکیے رکیے...... پسندیدہ ناول "ایمان' امید اور محبت" ہے تمام رائٹرز پسند ہیں۔ آخر میں یہی کہوں گی ہمیشہ دوسروں کے لیے دعا مانگو' اپنے لیے مانگنے کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔ اللہ حافظ۔

اسے سمجھانے کی کوشش کا ارادہ کیا تھا مگر وہ کہیں بھی نظر نہیں آرہی تھی۔ دل کو بدترین دھڑکا لگا ہوا تھا۔ دماغ الٹے سیدھے خیالات کے مضبوط شکنجے میں تھا۔ بہت سوچنے کے بعد نا چاہتے ہوئے بھی بالآخر اس نے قلم کاغذ اٹھایا تھا۔ تمام تر بے بسی سمیت تمام حقیقت کو آدرش کو بتانے کے لیے اس نے خود کو تیار کرلیا تھا۔

کاغذ کو تہہ کرکے جیب میں رکھتا وہ باہر آیا...... شام کو انگیجمنٹ کا چھوٹا سا فنکشن تھا۔ آدرش کی کزنز وغیرہ بھی آئی ہوئی تھیں۔ افراتفری کا ماحول تھا۔ کوئی باتوں میں مصروف تھا تو کوئی شام میں ہونے والے فنکشن کو ڈسکس کررہا تھا۔ اس کے دل میں گویا جگہ ہی نہیں تھی۔ سب سے نظر بچاتا وہ آدرش کے کمرے کی طرف آیا' کچھ لمحے دروازے کے باہر خاموش' پرسوچ کھڑا رہا۔ اندر سے آدرش اور کسی لڑکی کی آوازیں آرہی تھیں۔ اگلے لمحے اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ تھوڑی ہی دیر میں آدرش دروازہ کھولے اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اشعر نے خالی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے خط اسے تھمایا۔ وہ سوالیہ اسے دیکھنے لگی۔ اندر کمرے میں اس کی کالج فرینڈ تھی جس کی موجودگی میں وہ احتیاطاً چپ رہی تھی۔

"حقیقت' مجبوری' وجہ...... ہر وہ جواب جو تمہیں چاہیے تھا۔" ٹوٹتے دھیمے لہجے میں کہتا اس سے نظریں چرائے وہ اگلے ہی پل سرعت سے پلٹ گیا تھا۔

آدرش مخالف سمت بڑھتے اس کے قدموں کو دیکھ کر ضبط کے مرحلے سے گزری تھی۔ آخری امید بھی اس بے رخی پر دل میں دم توڑ گئی تھی۔ کل رات کے بعد وہ انجانی خوش فہمی میں مبتلا تھی کہ شاید وہ خواب جو اس نے اشعر کی سنگت میں دیکھے تھے' سچ ہوجائیں گے مگر وہ لفظوں میں جواب دے کر جاچکا تھا۔ آنکھیں میچ کر بمشکل اس نے آنسوؤں کو روکا۔

"کون ہے آدرش......؟" اسے بت بنا دیکھ کر دوست نے پوچھا تو وہ ہوش میں آئی' سنبھلنے کی کوشش کی' خط کو دوپٹے تلے چھپایا اور واپس مڑی۔

"کوئی نہیں۔" سب کچھ جاننے کی جلدی کے باوجود بھی وہ دوست کے سامنے نارمل رہی لیکن دوست کے جانے کے بعد' اس پر جیسے بے یقینی و غم کا پہاڑ ٹوٹا تھا۔ خط کے ابتدائی حصے میں اس نے نہایت بے بسی سے اپنی اصل کو رقم کیا تھا۔ خود سے مانگی گئی ایک حقیر سی قربانی' اپنے ٹوٹنے کا ذکر کیا تھا۔ چچا چچی سے کیا وعدہ' شرط سب لکھے تھے۔

ٹوٹ تو ایک لمحے میں وہ بھی گئی تھی۔ مگر اشعر کی تکلیف کا اندازہ کرتی وہ یک دم رودی۔

"میں نے تم سے بے حد محبت کی آدرش' روح کی گہرائی سے تمہیں چاہا تھا۔ خدا سے مانگا تھا لیکن ستم ظریفی دیکھو میں چاروں شانے چت' ہر لحاظ سے بے بس ہوں' شاید جائز محبت کے لیے جائز ہونا شرط ہے۔ میں نے زندگی میں جائز محبت بھی پائی' جائز جذبات' جائز رشتے کو محسوس بھی کیا لیکن کیا معلوم تھا کہ میں جائز ہی نہیں ہوں۔ اس سب میں عقل دنگ ہے کہ کسے قصوروار ٹھہراؤں' ان گناہ گاروں کو جنہوں نے مجھے زندہ چھوڑ کر میرے ناکردہ گناہ کی سزا دی یا اپنی قسمت کو جس نے ماں باپ کی محبت کے سائے تلے تو رکھا مگر تپتی دھوپ میں بھی پھینکا...... مجھے کسی سے کوئی گلہ نہیں ہے۔ نہ ان دو افراد سے شکوہ ہے جن کی وجہ سے میں محبت سمیت بے مول ہوا ہوں۔ حتیٰ کہ میں ان کے بارے میں بات کرنا تو دور سوچنا تک نہیں چاہتا۔ اماں بابا کا وجود ہی میرے جینے کا جواز ہے۔ میں نہیں جانتا سب پڑھتے ہوئے تمہارے دماغ میں کیا سوچ ہوگی لیکن اپنی اصلیت میں نے جس کرب واذیت سے جھیلی تھی وہ لفظوں میں بیان کرنا مشکل ہے۔ میں خود کو تمہاری محبت کا قصوروار سمجھتا ہوں لیکن تم میری محبت کی امانت ہو' تمہیں محبت کی سچائی کی قسم اپنی جان کو کبھی نقصان نہیں دوگی۔ تمہاری ہر سانس میری محبت کی سچائی کی گواہ ہے' اسے دانستہ روکنا مت' میرا فیصلہ ہم دونوں کی بھلائی کے لیے ہے۔ مجھے تمہاری عزت عزیز ہے۔ اماں بابا کی زندگی عزیز ہے۔ اپنا تو اب

مجھے کوئی بھروسہ نہیں لیکن تم سے ایک وعدہ چاہیے۔ اگر میں رہوں یا نہ رہوں تم اماں بابا کو میری کمی محسوس نہ ہونے دینا...... تمہیں اور اماں بابا کو خوش دیکھوں گا تو ہر دکھ' غم اور قسمت کی ستم ظریفی کو بھول جاؤں گا' اپنا ہمیشہ خیال رکھنا۔

اشعر مرتضٰی۔"

خط پڑھنے کے بعد اس کے دماغ میں کیا سوچ تھی یہ تو وہ بھی نہیں جان پائی تھی لیکن آنکھوں سے متواتر امڈتے آنسو اشعر کے لیے دل میں موجود غم و غصے کو رفع کرنے میں محو ہوچکے تھے۔ ہر گلہ اسے دم توڑتا محسوس ہورہا تھا۔ سب جاننے کے بعد اسے اشعر سے بات کرنی تھی' اپنی پاک محبت اور اشعر کی ذات اسے معتبر لگنے لگی تھی۔

"میں امی اور ابو کو قائل کرسکتی ہوں۔" زیرلب بڑبڑاتی وہ بہت پریقین تھی۔ ہونٹوں پر ہلکی سی مسکان سمٹ آئی تھی۔

دوسری طرف اشعر مرتضٰی گویا دل سے بوجھ اتارے گھر سے باہر دور تک نکل آیا تھا۔ آنکھوں کے سامنے تین ہی چہرے تھے۔ تینوں کی والہانہ محبت تھی لیکن سماعتوں سے ایک ہی بازگشت مسلسل ٹکرائے جارہی تھی۔

تلخ' سچ' کڑوی......! چچی جان کا کہا ایک ایک لفظ......! شاہد کا تنفر بھرا لہجہ......! چچا جان کا تضحیک آمیز رویہ......!

سب کچھ گویا ایک لمحے کے لیے دل و دماغ پر حاوی ہوچکا تھا' اس کے خون کے ہر قطرے میں موجود اماں' بابا اور آدرش کی محبت جیسے شدید دھند کا شکار ہوچکی تھی۔

ناجائز...... ناجائز...... ناجائز......! ایک ہی صدا چاروں اطراف گونج رہی تھی۔ وہ کچھ بھی مثبت سوچنے سے قاصر تھا۔ آنکھوں کے سامنے گہری کالی رات سے زیادہ گھمبیر اندھیرا چھانے لگا تھا۔ دماغ بالکل خالی ہوچکا تھا۔ اتنے دنوں سے وہ خود کو مضبوط کیے سچائی تسلیم کرنے کے بعد برداشت کررہا تھا' لیکن آج ضبط کی تمام گرہیں اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی تھیں وہ پوری شدت سے نڈھال ہوچکا تھا۔

چلتے چلتے قدم مصروف سڑک پر اس کے بے حال ہوتے وجود کو سنبھالنے کے لیے رکے تھے۔ مگر وہ شاید برابر آچکا تھا۔ دوسری جانب سے آتی تیز رفتار گاڑی آناً فاناً اس سے ٹکرائی تھی' لمحوں میں اس کا وجود ہوا میں قلابازیاں کھاتا سڑک پر گرا تھا۔

اس کا وجود تڑپ رہا تھا۔ آنکھوں کے سامنے چھایا اندھیرا اور دھند ہٹ گئی تھی۔ پھر سے تین چہرے سامنے آئے تھے۔ دماغ ہوش میں واپس آیا تھا لیکن بہت جلدی بہت دیر ہوچکی تھی۔ اس کے لب خاموش تھے۔ سانسیں اکھڑ رہی تھیں' سب کچھ ختم ہورہا تھا۔ دکھ' درد' اذیت...... آنکھیں بند ہونے سے قبل سب اس کے ذہن سے مٹ چکا تھا لیکن خود کو وہ ان تینوں کی محبت کا مقروض کرگیا تھا۔

⁂

سب ختم ہوگیا تھا۔

گھر میں صف ماتم بچھ چکی تھی۔ مرتضٰی بخاری بیٹے کی جوان موت پر غم سے نڈھال کھڑے تھے۔ مطاہرہ بیگم بلک بلک کر رو رہی تھیں۔ وہ گہری خاموشی سے ان کے سامنے لیٹا تھا۔ تمام رشتے دار ہمدردیاں ظاہر کررہے تھے۔ راحیلہ بیگم اور رحمٰن بخاری کی آنکھیں بھی نم تھیں لیکن آدرش رحمٰن کی آنکھیں پتھرائی ہوئی تھیں۔ وہ بالکل بھی نہیں رو رہی تھی۔

ایک ہاتھ میں اس کا خط سختی سے بھینچے وہ بس اسے دیکھے جارہی تھی' دل میں قید محبت بکھر گئی تھی اور لب جیسے سل گئے تھے۔ اپنے دل کو اب کیسے سمجھا پائے گی وہ......؟

وجہ تو وہ جان گئی تھی اور تعلق...... خود بخود ٹوٹ گیا تھا...... یا شاید محبت اپنے انجام کو پہنچ چکی تھی۔

کرب کے شہر میں

کنیز ملہی

وقت کی عدالت میں
زندگی کی صورت میں
یہ جو میرے ہاتھوں میں
ایک سوال نامہ ہے
کس نے یہ بنایا ہے؟
کس لیے بنایا ہے؟
کچھ سمجھ میں آیا ہے؟
زندگی کے پرچے میں
سب سوال لازم ہیں
سب سوال مشکل ہیں!

"ماما وہ شخص کون تھا؟" شانزہ نے گم صم بیٹھی ماں کا گھٹنا ہلایا تو اس نے اسے یوں اجنبیت سے دیکھا جیسے اسے پہلی بار دیکھ رہی ہو۔

"انکل پلیز آپ ہی کچھ بتادیں کون تھے وہ؟ پلیز انکل۔" احمد کے لہجے میں صرف اصرار ہی نہیں بے چینی بھی تھی۔

"بیٹا وہ تمہارے انکل کے دوست تھے بس۔"

"بس......!" احمد نے حیرت سے نگاہ چراتی ماں کو دیکھا۔ "وہ شخص آپ سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ رہا تھا' رو رہا تھا اور جانے کیا کچھ کہہ رہا تھا اور آپ کہہ رہی ہیں انکل کا دوست تھا بس۔"

"بیٹا تم دونوں کو اس طرح باتیں نہیں سننی چاہیے تھیں۔"

"اس طرح کس طرح بڑی مما' ہماری جگہ کوئی بھی ہوتا تو یہی کرتا۔" شانزہ کی بات کچھ ایسی غلط بھی نہ تھی۔

"اس بات کو چھوڑیں آپ کہ کیوں اور کس لیے باتیں سنیں' حالانکہ میرے خیال میں اچھا ہی ہوا ورنہ جانے زندگی کے اس پہلو سے ہم کب تک انجان رہتے۔ خیر ماما آپ ہمیں یہ بتائیں کہ وہ شخص آپ سے معافی کیوں مانگ رہا تھا' اور اگر بابا نے اسے امریکہ میں دیکھ لیا تھا تو اس سب میں اس شخص کا کیا قصور؟ اور میرا نہیں خیال کہ اگر امریکہ میں بابا کا اور اس شخص کا سامنا ہوا تھا تو یہ بہت بڑی بات ہے۔"

"اور بابا نے آپ کے ساتھ کیا کیا تھا؟" احمد سانس لینے کو رکا تو شانزہ بول پڑی۔

"ماما......!" وہ ماں کے قدموں میں شانزہ کے ساتھ جا بیٹھا۔ "اتنی تکلیفیں سہی ہیں آپ نے ہمارے لیے' ہماری خوشی کے لیے' پلیز آج ہماری خوشی کے لیے ہمیں سچ بتادیں۔"

"مجھے ڈر لگتا ہے' خوف آتا ہے......"

"کیسا ڈر و خوف۔" احمد اور شانزہ ایک ساتھ حیرت سے بولے۔

"اگر تم دونوں نے بھی اپنے باپ کی طرح میرا اعتبار نہ کیا تو میں کہاں جاؤں گی' کیا کروں گی؟ تمہارے باپ کے بغیر رہنا میرے لیے مشکل تھا مگر اس کا ساتھ مشکل ترین تھا' مگر تم دونوں کے بغیر میں کیسے رہ پاؤں گی۔" اس نے پہلی بار ان کے باپ کے بارے میں یوں بات کی تھی۔ آج پہلی بار اس شخص کی دی ہوئی اذیتیں اس کے لہجے میں در آئی تھیں' ورنہ تو اس نے جب بھی ان کے باپ کے بارے میں بات کی تھی تو ہر دفعہ اپنے باپ کی محبت کو دلوں میں بڑھتا ہوا ہی محسوس کرتے تھے۔ آج وہ ماں کی بات پر تڑپ اٹھے تھے۔

"خدا کے لیے ماما' اس طرح کہہ کر ہمیں اپنی ہی نظروں میں مت گرائیں۔ ہمارا باپ جو بھی جیسا بھی تھا وہ اس کا اپنا فعل تھا۔ ہم نہیں جانتے انہوں نے آپ کے ساتھ کیا کیا مگر ہم اتنا جانتے ہیں کہ ہمیں آپ پر اعتبار ہے۔" احمد اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر رو پڑا۔

"اگر آپ نہیں بتانا چاہتیں تو نہ سہی ہمیں آپ کے بتائے بغیر بھی آپ پر اعتبار ہے کہ آپ کبھی غلط نہیں ہوسکتیں۔" شانزہ نے بمشکل اپنی بات مکمل کی۔

"سچائی جاننا تمہارا حق ہے۔ ہاں یہ ہے کہ وہ شخص ایک بار پھر انجانے میں ہی سہی مگر مجھے مشکل میں ڈال گیا ہے۔" اس نے ایک گہری سانس لے کر اپنے بچوں کی طرف دیکھا۔

"مگر کوئی بھی سچائی جاننے سے پہلے جو سب سے بڑا سچ ہے وہ جان لو تمہارا باپ مجھے بیاہ کر امریکہ لے گیا تھا۔ صرف ایک سال بعد میں تم دونوں کے ساتھ واپس آئی تو میں نے سب سے کہہ دیا کہ میں بیوہ ہوگئی ہوں مگر میرا خدا گواہ ہے کہ میں نے ایسا تمہارے لیے کیا کیونکہ میں نہیں چاہتی تھی کہ اپنے باپ کی وجہ سے کبھی تم دونوں کی نظریں جھکیں۔"

"ک......ک......کیا کہنا چاہ رہی ہیں آپ؟" احمد بہت مشکل سے بول سکا۔

"یہی کہ میں بیوہ نہیں طلاق یافتہ ہوں اور تمہارے باپ نے مجھے طلاق دی تھی مگر وہ اب زندہ ہے یا نہیں میں نہیں جانتی نہ ہی جاننے کی کوشش کی کبھی۔" احمد اور شانزہ اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی ایک جھٹکے سے اس کے قدموں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور وہ سمجھ نہیں سکی تھی کہ اس کی ساری زندگی کی مشکلات اور اس ایک سچ کو بیان کرنے کی مشکل دونوں میں سے کس کا پلڑا بھاری تھا۔

❁......❁......❁

اس نے پتھر کو یوں ٹھوکر ماری تھی جیسے وہ پتھر نہ ہو اس کی زندگی کی کوئی تلخی ہو مگر وہ پتھر ہی تھا کیونکہ وہ اپنی زندگی میں آنے والی تلخیوں کو کبھی بھی ٹھوکر نہیں مار سکا تھا بلکہ اس کی زندگی کی تلخیوں نے اسے ٹھوکروں پر رکھا تھا۔ اسے زندگی سے یا دنیا سے کبھی بھی محبت نہیں رہی تھی۔ یا شاید پچھلے کئی سالوں سے یہ محبت اس سے کھوگئی تھی مگر اس وقت اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کیا کر ڈالے۔

"اگر دنیا میرے سامنے مجسم ہوکر آجائے تو میں اسے قتل کر ڈالوں۔" رنج، نفرت، بے بسی اور غصے کی انتہا پر کھڑے ہوکر اس نے سوچا۔

"اف میرے خدا۔" کوئی بہت زور سے اس سے ٹکرایا تھا۔

"کیا مسئلہ ہے محترمہ آپ دیکھ کر نہیں چل سکتیں۔" اس کو ٹکرانے پر غصہ تھا یا سوچوں کا تسلسل ٹوٹنے پر یہ وہ خود نہیں جان پایا تھا۔

"وہ......وہ میرے پیچھے......کتا......" وہ لڑکی بے حد بوکھلائی ہوئی تھی۔

"کیا وہ......وہ لگا رکھی ہے اندھی ہیں یا آنکھیں کہیں گروی رکھ آئی ہیں۔" اس نے سفید یونیفارم میں سفید دوپٹہ اوڑھ کر کھڑی اس لڑکی کو گھورا۔

"جی؟" وہ حیران ہوکر اسے دیکھ رہی تھی۔ اتنی بڑی غلطی تو اس کی نہیں تھی۔

"جی اور پلیز یہ حیران ہونے کا ڈرامہ کسی اور کے سامنے جاکر کرو۔ جو عورت ذات کی گھٹیا فطرت کو جانتا نہ ہو ایسے ہی ڈرامے کرکے مردوں کو رجھاتی ہو تم سب یہ ڈرامے کسی اور کے ساتھ جاکر کرو بی میں پہلے ہی ناک تک بھرا ہوا ہوں۔" غصے میں بولتا ہوا وہ واقعی ایک نفسیاتی مریض لگ رہا تھا۔

"ارے میری بات سنیں آپ۔" وہ جیسے ہی بات مکمل کرکے آگے بڑھا اس لڑکی نے اسے آواز دے کر روکا۔ وہ شاید اپنی گھبراہٹ اور حیرت پر قابو پاچکی تھی۔

"بات سنیں میری مسٹر۔" وہ جیسے ہی پلٹا وہ زمین پر گری کتابیں اٹھا کر اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ وہ اس دوران اسے یوں اجنبیت سے دیکھتا رہا جیسے اسے خود پتہ نہ ہو کہ وہ کیوں کھڑا ہے۔ "مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے آپ سے جان بوجھ کر ٹکرانے کی غلطی سے اگر ٹکر ہوگئی ناں تو یہ لیں ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتی ہوں اور حیرت تو مجھے اس بات پر ہے کہ آپ جیسے انسان بھی ہوتے ہیں مجھے تو آپ کوئی نفسیاتی مریض لگتے ہیں خود کو ہیرو سمجھ کر بکواس تو آپ نے کی ہے میں تو آپ جیسوں پر تھوکتی بھی

نہیں۔ لعنت بھیجتی ہوں میں آ......!" وہ جانے اور بھی کیا کچھ کہتی کہ اس شخص کا ہاتھ اٹھا اور اس کے چہرے پہ نشان چھوڑ گیا تھا۔ لہو رنگ آنکھوں سے گھورتے ہوئے وہ اب بھی نارمل نہیں لگ رہا تھا۔ ہاں اب وہ اس کے چہرے پر پڑنے والے نشان کو عجیب سی نظروں سے دیکھ رہا تھا جبکہ وہ لڑکی خوف زدہ سی کھڑی تھی۔ پھر جانے اسے کیا ہوا کہ اس کا ہاتھ بے ساختہ ہی اس لڑکی کے گال پر پڑے نشان کو چھونے کے لیے آگے بڑھا۔ وہ جو خوف سے جم سی گئی تھی دو قدم پیچھے ہٹی اور سڑک پر یوں دیکھا جیسے کسی کو مدد کے لیے پکارنا چاہ رہی ہو مگر اس تپتی دوپہر میں سڑک دور دور تک ویران تھی۔ اس کے یوں پیچھے ہٹنے پر اس نے چونک کر اسے دیکھا، سفید دوپٹے کے ہالے میں سپید پڑتے چہرے پر پانیوں میں ڈوبی اماوس کی رات سی کالی آنکھوں میں جانے کیا تھا، جس نے اسے ہوش وحواس کی دنیا میں لا پٹخا۔

کیا تھا ان آنکھوں میں جو اسے تازیانے کی طرح لگا تھا؟ خوف، ہراس یا پھر پچھاوا؟ یا پھر وہ خوف جو کسی ہرنی کی آنکھوں میں کسی درندے کو دیکھ کر ابھرتا ہے؟

وہ وہاں سے نہایت ڈر کر بھاگ چکی تھی۔ لاکھ نڈر سہی مگر وہ لڑکی تھی اور اس میں تو اتنی ہمت نہیں بھی تھی کہ وہ آواز دے کر ہی اس کو روکنے کی کوشش کرتا کجا کہ اس کے پیچھے جاتا، وہ آگ برساتے سورج کے نیچے کھڑا پچھاور ہی سوچ رہا تھا۔

"کیا وہ واقعی ہوس کا مارا تھا؟ کیا بدکرداری اس کے چہرے پر یوں پھسکڑا مارے بیٹھی تھی کہ اس کا صاف کردار اس کے پیچھے چھپ کر رہ گیا تھا؟ کیا وہ واقعی ایک نفسیاتی مریض بن چکا تھا؟" سوالات کی ایک لہر تھی جو اس کے وجود کو بہا لے جانے پر تلی تھی۔ اس کا جی چاہا وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔

وہ گھٹنوں کے بل دہکتی سڑک پر گر سا گیا مگر اس پل اسے کسی چیز کا احساس نہ تھا۔ نہ آگ اگلتے سورج کا نہ دہکتی سڑک کا اور نہ ہی گھٹنوں سے رستے ہوئے خون کا، وہ بس رو رہا تھا۔ وہ لمبا چوڑا مرد بلک بلک کر رو رہا تھا۔ کئی سال پہلے جب اس کا باپ مرا تھا وہ تب بھی بہت رویا تھا مگر آج اس کے رونے میں اس سے کہیں زیادہ شدت تھی کیونکہ آج اسے لگ رہا تھا اس کی ماں مرگئی ہے۔

❁......❁......❁

"اب تو بیٹھ گیا ہے جان جگر تو لمبی لمبی دو تین سانسیں لے اور پھر شروع ہوجا۔"

"کیا شروع ہوجاؤں؟" احمر نے بےزاری سے کہا وہ اس بات پر غصے میں تھا کہ اسد اسے زبردستی اپنے گھر کیوں لے آیا تھا۔

"یہی کہ تو پچھلے ڈیڑھ ماہ سے گھر اور پچھلے پندرہ دن سے آفس کیوں نہیں گیا۔"

"گھر کیوں نہیں گیا تو جان چکا ہوگا اور رہی بات آفس کی تو وہاں اس لیے نہیں گیا کہ پچھلے پندرہ دن سے تو نوشہرہ سے واپس آچکا ہے اور تو چونکہ میرا دماغ خراب کرنے کے علاوہ اور کوئی مصروفیت نہیں رکھتا اس لیے تجھ سے جان چھڑانے کو آفس سے چھٹی لے لی تھی آج بھی ضروری ڈاکومنٹس لینے تھے۔"

"اس لیے پکڑا گیا؟" اسد نے دانتوں کی نمائش کی تو وہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔ "یہ بتاؤ کہ تم تھے کہاں؟"

"جہنم میں۔"

"وہ تو تم نے آخرکار جانا ہی ہے کیونکہ تیری حرکتیں پکی جہنمیوں والی ہیں۔ مجھ سے تو بھاگتا پھر رہا ہے آنٹی کو تو نے تنگ کر رکھا ہے تیرا بنے گا کیا؟"

"تمہاری آنٹی تنگ نہیں ہوتیں جبکہ میری زندگی تنگ کر رکھی ہے انہوں نے۔"

"کس طرح بات کر رہے ہو ماں ہیں وہ تمہاری۔" اسد نے اسے ٹوکا۔

"ہاں سنا ہے میں نے بھی کہ وہ میری ماں ہیں۔ ویسے وہ کافی شرمسار ہیں اس رشتے پر۔" اس کے لہجے میں خود اذیتی تھی۔

"ایسے نہیں کہتے احمر ان کی مجبوری کو بھی تو سمجھو کہ اگر

وہ اس طرح نہ کرتیں تو وہ شخص پورے شہر کو اکٹھا کرکے تم ماں بیٹے کو ذلیل کرتا۔" اسد نے اسے سمجھانے کی اپنی سی کوشش کی۔

"بہت لمبی فہرست ہے ان کی اپنی مجبوریوں کی، کوئی میری مجبوری کیوں نہیں سمجھتا۔" اس نے اسد کو دکھ سے دیکھا۔

"اچھا چھوڑو یہ بتاؤ ہوا کیا تھا۔" اسد نے بات بدلی۔

"جو تم جان چکے ہو اسی کو حقیقت سمجھ لو۔"

"دیکھ تو اچھی طرح جانتا ہے، میں یونہی تیرا پیچھا نہیں چھوڑوں گا اصل بات تو تجھے بتانی پڑے گی۔" اسد کی بات پر احمر گہری سانس لے کر رہ گیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اسد سچ کہہ رہا ہے، احمر نے جب تمام حقیقت بتا کر خاموشی اختیار کی تو اسد کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ وہ کیا بات کرے، اسد کی مشکل دروازے پر ہونے والی دستک نے آسان کی۔ دروازہ کھول کر جو ہستی اندر آئی اسے دیکھ کر احمر نے اسد کو بری طرح گھورا اور جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا، مگر سائرہ بیگم اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھیں پھر جانے وہ کتنی ہی دیر اپنی صفائی میں بولتی رہیں۔ جواب میں احمر نے کوئی لفظ کہنا تو دور کی بات ان کی طرف دیکھا بھی نہیں، وہ رخ موڑے یونہی کھڑا رہا۔

"یہ دیکھو احمر میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں، پلیز گھر چلو۔" یہ آخری اور واحد بات تھی جس پہ احمر نے ان کے چہرے کی طرف دیکھا تھا۔

"ٹھیک ہے میں آجاؤں گا واپس آپ کے گھر۔" اس نے بے تاثر سے انداز میں ان کے جڑے ہوئے ہاتھ کھولے اور کہتا ہوا اسد کے کمرے سے نکل گیا۔ اسد نے سائرہ بیگم کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے افسردگی سے مسکرادیں۔

❁......❁......❁

وہ تینوں اس وقت ڈنر کررہے تھے مگر ہر فرد دوسرے سے یوں لاتعلق بیٹھا تھا جیسے اس کے سوا وہاں کوئی موجود نہ ہو۔ صرف سائرہ بیگم تھیں جو گاہے بگاہے نظر اٹھا کر خفا سے بیٹھے احمر کو دیکھ لیتیں۔ اسے گھر آئے کئی دن ہوچکے تھے مگر اتنے دنوں میں یہ پہلی مرتبہ تھا کہ وہ ان کے ساتھ بیٹھا تھا۔

"پرسوں میرا بھتیجا آرہا ہے داؤد اور بہتر ہوگا کہ کوئی بدمزگی نہ ہو۔" ساجد کی آواز نے ماحول پہ چھائی خاموشی کو دور کیا۔

"ارے آپ فکر نہ کریں بدمزگی بھلا کیا ہونی ہے۔" سائرہ بیگم جلدی سے بولیں مبادا احمر جواب میں کوئی تلخ بات نہ کہہ دے۔

"فکر کیسے نہ کروں اور بدمزگی کی بھی خوب کہی، تم لوگوں کی طرح صرف امیر لگتا نہیں ہے، وہ ہے بھی بڑے باپ کا بیٹا اور جس قسم کی اوچھی حرکتیں یہاں ہوتی ہیں ناں وہ برداشت نہیں کرے گا۔" سائرہ بیگم سے شادی کے بعد ان کا بینک بیلنس ساجد کی توقعات کے مطابق نہیں نکلا تھا۔ جس کا غصہ وہ وقتاً فوقتاً نکالتا رہتا۔

"سمجھالیں آپ اس شخص کو بڑی مشکل سے کنٹرول کرتا ہوں میں خود کو جب یہ بکواس کررہا ہوتا ہے۔ یہاں اوچھی حرکتیں ہوتی ہیں یا اس کے رشتے دار ہی اوچھے ہیں؟ اتنا بڑا آدمی ہے اس کا بھائی تو چلا جائے اس کے پاس ہمارے گناہوں کی سزا کیوں بنا ہوا ہے۔" وہ جیسے ہی باہر نکلا احمر جو خود پر بمشکل کنٹرول کیے بیٹھا تھا پھٹ پڑا جبکہ اس کی آخری بات پر سائرہ بیگم کے چہرے پر سایہ سا لہرا گیا۔ ساجد سے رشتہ وہ اپنے گناہوں کی سزا سمجھ کر نبھا رہی تھیں مگر احمر کے منہ سے یہ بات سن کر وہ ایک نئی اذیت سے دوچار ہوگئی تھیں۔

"ایسے نہیں کہتے بیٹا سوتیلا ہی سہی مگر باپ ہے وہ تمہارا۔" سائرہ بیگم بھلا اور کیا کہتیں۔

"باپ......!" وہ زہرخندی ہنسی ہنسا۔ "معاف کیجیے گا آستین میں سانپ پالنے کا شوق آپ کو ہے مجھے نہیں۔ میرا باپ وہ تھا جو آپ کے طلاق لینے کے ایک سال بعد مرگیا تھا۔ ویسے میں کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ آپ کو ملا کیا؟ میرے باپ کو چھوڑ کر یہ ال مینرڈ شخص، میرا باپ اگر لفظوں

کا کھلاڑی نہیں تھا تو دھوکا دہی کے میدان میں بھی اناڑی تھا۔ مجھے تو آپ کو دیکھ کر افسوس ہوتا ہے لیکن آپ کو کیا..... نقصان تو میرا ہوا ہے ناں۔" وہ ساری فضا کو زہر آلود کر کے جا چکا تھا۔

"تم کیا جانو بیٹا میرا کتنا نقصان ہوا ہے۔" سائرہ بیگم نے اسی زہر آلود ماحول میں سانس لیتے ہوئے سوچا اور سسک پڑیں۔

❀......❀......❀

"یہ لیجیے جناب گرما گرم پکوڑے اور چائے۔"

"ارے واہ آج تو ہماری چڑیا کی چہچہاہٹ لوٹ آئی ورنہ اتنے دنوں سے تو ہمیں پریشان کر رکھا تھا۔" فاروق صاحب کائنات کے مسکراتے چہرے کو دیکھتے ہوئے خوش دلی سے بولے۔

"اوہو بابا آپ تو جانتے ہیں ناں کہ کالج میں ذرا نئی نئی انٹری ہے اوپر سے بخار بس کچھ نہ پوچھیے۔" کائنات نے چائے فاروق صاحب کو دیتے ہوئے سر ہلایا۔

"جو بھی ہے محترمہ پڑھائی کی اتنی ٹینشن پہلی بار لی ہے آپ نے کہ بیمار ہی پڑ گئیں۔" عرشیہ نے چائے لیتے ہوئے کہا۔

"کالج میں بھی تو پہلا سال ہے ناں میرا اوپر سے پرائیویٹ کالج میں کھپا دیا مجھے جو گرمیوں کی چھٹیاں بھی گرمیوں کے اختتام پر دیتے ہیں۔"

"اس قدر مبالغہ آرائی سے کام تو نہ لو بیٹا۔" فاروق صاحب مسکرائے۔

"چلیں تھوڑی رعایت دے لیں۔" کائنات چائے لے کر فاروق صاحب کے دائیں طرف بیٹھ گئی جبکہ بائیں طرف ان کی بڑی بیٹی عرشیہ بیٹھی تھی۔

"ویسے اتنی اچھی چائے اور پکوڑے پیش کرنے پر اتنی تفتیش مابدولت کو کچھ خاص پسند نہیں آئی۔"

"اتنی اچھی چائے اور پکوڑے پیش کرنے پر اتنی تفتیش پر ہم معافی کے خواست گار ہیں شہزادی صاحبہ۔"

"آپ معذرت فرما کر ہمیں شرمندہ کرنے کی ناکام کوشش فرما رہے ہیں بادشاہ سلامت۔" فاروق صاحب کی بات پر کائنات نے برجستہ کہا تو تینوں ہنس پڑے۔

❀......❀......❀

"ماشاء اللہ آج تو میرے دونوں بیٹے گھر آئے ہیں احمر بیٹے کو بھی وقت مل گیا ہم سے ملنے کا۔" احمر کو اسد کے ساتھ دیکھ کر آمنہ کو حقیقتاً خوشی ہوئی تھی۔ احمر صرف ان کی کزن اور عزیز از جان دوست کا بیٹا ہی نہیں تھا بلکہ دونوں کا آپس میں رضاعی بھائی کا رشتہ بھی تھا بالکل اسی طرح سائرہ بیگم بھی احمر اور اسد میں فرق نہیں کرتی تھیں اور پھر احمر تو اپنے والد حسن کی وفات کے دو سال بعد تک آمنہ کے پاس رہا تھا۔ بعد میں سائرہ بیگم اسے ساتھ لے گئی اگرچہ وہ جانا نہیں چاہ رہا تھا مگر سائرہ بیگم کی التجا پر آمنہ ہی نے احمر کو راضی کیا تھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے امی بس ان دنوں مصروفیت ذرا بڑھ گئی تھی۔" آمنہ کے سامنے جھک کر پیار لینے کے بعد احمر نے وضاحت دی اور پھر علی اصغر صاحب کو سلام کر کے آمنہ کے پاس آ بیٹھا۔

"اچھا کیا بیٹا جو چلے آئے میں بھی اتفاق سے گھر پر ہی تھا۔" علی اصغر صاحب کی بات پر احمر اور اسد نے معنی خیزی سے ایک دوسرے کو دیکھا اب یہ کوئی اتنے اتفاق سے بھی نہیں ہوا تھا۔

"بس بابا آج اسد نے مجھے جب یہ بتایا کہ امی نے بریانی پکائی ہے اس کی فرمائش پر تو میں نے سوچا یہ اکیلا کیوں عیش کرے۔ میں بھی شریک ہو جاتا ہوں۔" احمر کی بات پر علی اصغر صاحب نے مسکراتے ہوئے سر ہلا دیا کیونکہ احمر انہیں بھی عزیز تھا۔

"ارے اسد بیٹا تم کہاں چلے؟" اٹھ کر واپس باہر جاتے اسد کو دیکھ کر آمنہ حیرت سے بولیں۔

"آپ کو لگتا ہے امی کہ مجھے یہاں بیٹھنا چاہیے؟ جس بندے کی وجہ سے آپ دونوں مجھے اگنور کر رہے ہیں ناں اس کو میں بریانی کا لالچ دے کر لایا ہوں ورنہ تو یہ میرے آفس میں مجھ سے مل کر واپس جا رہا تھا۔" اسد مصنوعی خفگی

سے بولتے ہوئے واپس آن بیٹھا۔ تو ان تینوں کی ہنسی نے اسے خفیف سا کر دیا۔

"جھوٹے اور مظلوم انسان تمہارے اور میرے آفس میں فاصلہ ہی کتنا ہے۔ میں نے سوچا تھا آفس ٹائم ختم ہونے پر تمہارے ساتھ ہی چلا آؤں گا اس لیے واپس جا رہا تھا۔"

"لیکن بریانی کا سن کر رہ نہیں سکتے ہے ناں۔"

"ہاں تو ٹھیک کیا ناں میرے بیٹے نے۔ اب لڑنا بند کرو اور جاؤ جا کر منہ ہاتھ دھو کر آؤ جب تک میں کھانا لگاتی ہوں۔" آمنہ کی بات پر اسد احمر کو گھورتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا تو احمر نے بھی اس کی تقلید کی۔ پھر جب وہ دونوں واپس آئے تو وہ کھانا لگا چکی تھیں۔ احمر نے مزے سے جبکہ اسد نے احمر کو گھورتے ہوئے ٹھونگے لگاتے ہوئے اور بے چینی سے کھانا کھایا اور جب اسد کی شادی کا موضوع زیر بحث آیا تو احمر کے مشوروں پر اسد کی شکل دیکھنے والی تھی۔

"غدار انسان بے وفا اور دنیا کی ساری گالیوں کے اصل حق دار تجھے میں صرف بریانی کھلانے کے لیے لایا تھا نہ کہ ان فضول مشوروں سے نوازنے کے لیے۔" وہ دونوں جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئے اسد دروازہ بند کر کے اس پر برس پڑا۔

"نہیں یار زیادتی کر رہا ہے تو میں نے تیری شادی کے بارے میں کتنے مفید مشورے دیے ہیں اور میرے خیال میں اسی لیے تو مجھے لایا تھا۔" احمر کے اطمینان میں ذرا فرق نہیں آیا تھا۔ وہ اس گھر میں آ کر ایسا ہی ہو جاتا تھا اس کے اندر کا شرارتی، کھلنڈرا احمر اس گھر کے کسی کونے سے نکل کر جیسے اس کے اندر آ بستا تھا۔

"دیکھ احمر میں تیرا سر پھاڑ دوں گا۔ سیدھی طرح جو بات ہے وہ بک۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر اسے وارننگ دی۔

"ٹھیک ہے پھاڑ دے تو میرا سر میں باہر جا کر امی اور بابا سے کہہ دیتا ہوں کہ تو کسی لڑکی کے عشق میں گرفتار ہو کر لوگوں کے سر پھاڑتا پھر رہا ہے۔" احمر نے اس کی حالت سے مزہ لیا۔ "ویسے یار ایک بات تو ثابت ہو گئی تو صرف شکل سے بیوقوف نہیں لگتا تو ہے بھی بیوقوف یا پھر شاید عشق نے نکما کر دیا ہے تمہیں۔"

"تو دنیا کا سب سے گھٹیا انسان ہے۔"

"زہے نصیب۔" احمر ذرا سا جھک کر بولا۔

"خبردار اب مجھ سے بات کی تو۔" اسد نے بیڈ پر لیٹ کر تکیہ منہ پر رکھ لیا یہ ان دونوں کا ناراضگی دکھانے کا خاص انداز تھا۔

"ابے الو کی دم تجھے کیا لگتا ہے کہ میں اگر تیرے کہنے پر یہاں آ گیا تھا تو تیرے مشورے بلکہ بیوقوفانہ مشورے پر عمل کرنے کا ارادہ بھی تھا میرا۔"

"مطلب......؟" احمر نے اس کے منہ سے تکیہ ہٹایا تو وہ پھاڑ کھانے والے انداز میں بولا۔

"مطلب یہ بھولے بادشاہ کہ اس طرح ایک تو مجھے تاڑو سمجھا جاتا دوسرا مجھے دنیا کا سب سے بڑا بیوقوف سمجھا جاتا کہ اگر لڑکی تاڑنی ہی تھی تو میں اپنے لیے دیکھتا تا تیرے لیے کھپنے کی کیا ضرورت تھی؟ میرا مطلب ہے یار امی اور بابا سمجھ جاتے کہ میں تیرے کہنے پر یہ بات کر رہا ہوں۔" اسد کے گھورنے پر اس نے سیدھی بات کی۔

"پھر میں کیا کروں؟" اسد بے بسی سے بولا۔

"لڑکی بھگا کر لے جا بلکہ لڑکی کی کوئی بہن ہے تو میری بھی بات چلا۔" وہ پھر پٹری سے اترا تو اسد نے اسے بری طرح گھورا۔

"عشق نے تجھے واقعی نکما کر دیا ہے اس طرح کر تو امی کو سب بتا دے۔"

"کیا؟"

"یہی افسانہ عشق۔"

"یار تو سیدھی بات کرتے کرتے پھر گیا ہے تو جانتا ہے میں امی کو نہیں بتا سکتا۔"

"کیوں؟" احمر انجان بنا۔

"اس لیے کہ وہ اتنے زور و شور سے میرے لیے لڑکیاں دیکھ رہی ہیں ان کا دل ٹوٹ جائے گا اگر میں انہیں اپنی پسند بتاؤں گا۔" اسد زچ ہو کر بولا۔

''ہوں یہ تو ہے لڑکیاں تو وہ دیکھ رہی ہیں۔اب وہ ماما سے بھی اسی سلسلے میں مدد چاہ رہی ہیں۔''

''پھر؟'' اسد سوالیہ نشان بنا ہوا تھا۔

''پھر یہ کیا اگر ماما امی کو اس لڑکی کے گھر لے جائیں یہ کہہ کر کہ کسی فنکشن میں ملاحظہ فرمایا تھا تو......'' آخر احمر نے بلی تھیلے سے نکال ہی دی۔

''ارے ہاں۔'' اسد اچھل پڑا۔ ''یہ خیال میرے ذہن میں کیوں نہیں آیا؟''

''اس لیے جان جگر کہ تو عقل سے پہلے ہی پیدل ہے اور اب عشق نے تجھ کو مزید نکما کر دیا ہے۔''

''ماما سے بات کون کرے گا؟''

''ہم دونوں اور کون یا پھر میری ہونے والی بھابی سے کہہ۔''

''بکواس نہ کر۔ مجھے آرام سے پہلے ہی بتا دیتا تو موت پڑ جاتی تھی تجھے۔''

''پہلے بتا دیتا تو تیری درگت کیسے بناتا۔ تو نے کون سا روز روز عشق کرنا ہے؟'' احمر نے اسے چھیڑا۔

''جی نہیں خالص مشرقی لڑکا ہوں میں۔'' اسد نے آدھا تکیہ چبا ڈالنے کی کوشش کی۔

''اچھی طرح جانتا ہوں میں اس خالص مشرقی لڑکے کو جانے کتنی مرتبہ ڈیٹ مار چکا ہوگا۔''

''بکواس نہ کر میں نے تجھے بتایا ہے کہ وہ آفاق کی بہن کی دوست ہے اور وہیں دیکھا تھا میں نے اسے آفاق کے گھر میں......'' اسد نے مشترکہ دوست کا نام لیا۔ ''وہ تو مجھے ٹھیک سے جانتی بھی نہیں ہے یہ تو میں نے آفاق کی بہن سے بڑی چالاکی سے معلومات حاصل کی ہیں اور اس طرح کی ہیں کہ اسے شک بھی نہیں پڑنے دیا۔''

''جی ہاں تمہاری چالاکی کا ابھی تازہ تازہ مظاہرہ ہو چکا ہے۔ کم از کم آج کے دن تو شوخی نہ مار۔'' احمر کی بات پر اسد سر کھجا کر رہ گیا۔

❁......❁......❁

''السلام علیکم۔'' حسن نے سائرہ کے آئینے میں نظر آتے عکس پر نظر ڈالی۔

''وعلیکم السلام۔'' سائرہ حسن کی طرف مڑ کر بمشکل مسکرائی۔ یہ زبردستی کی مسکراہٹ بھی اس کے چہرے کو روشن کر گئی تھی۔ چھتیس سال کی عمر میں بھی وہ اتنی خوب صورت تھی کہ کوئی بھی دل والا اسے دیکھ کر دل تھام کر رہ سکتا تھا۔

''مگر یہ شخص!'' اس نے آئینے میں پہلے اپنے اور پھر صوفے پر بیٹھ کر شوز اتارتے حسن کے عکس کو دیکھتے ہوئے تنفر سے سوچا۔ ''جتنی اس کی شکل عام سی ہے اتنا ہی اس کا دل بھی۔ پتہ نہیں میرے ماں باپ کو اس میں کون سے سرخاب کے پر نظر آ گئے تھے۔''

''آج تو آپ بڑی تیار نظر آ رہی ہیں' کہیں جا رہی تھیں کیا ملکہ عالیہ؟'' حسن نے عام سے انداز میں پوچھا۔ وہ شروع دن سے اسے ملکہ یا ملکہ عالیہ کہتے تھے۔ ان کی تھی تو ارینج میرج مگر کہیں نہ کہیں ان کی بھی پسند شامل تھی اور شادی کے بعد انہوں نے سوائے سائرہ سے محبت کے جیسے ہر کام ہی چھوڑ دیا تھا۔ جو کام کیا محبت کے لیے اور سائرہ بیگم کی خواہش کو مدنظر رکھ کر' کوئی اور ہوتی تو اپنی قسمت پر رشک کرتی مگر یہ سائرہ تھی۔

''ہوں...... آج کل آپ کچھ جلدی نہیں آنے لگے؟'' سائرہ ان کا سوال گول کر گئی۔

''ہاں میرے خیال میں تمہیں اور احمر کو میں بہت کم وقت دے رہا تھا۔ سوچا آج اکٹھے کہیں باہر چلیں گے۔'' انہوں نے سائرہ کو پرسوچ انداز میں دیکھا۔

''لیکن......'' اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتیں دروازے پر ہونے والی دستک سن کر خاموش ہو گئیں۔

''السلام علیکم بابا۔'' احمر کمرے میں آیا اور حسن صاحب کو سلام کر کے ان کا گال چوما تو وہ سرشار سے ہو گئے۔

''آج آپ جلدی آ گئے بابا کہیں باہر چلیں۔''

''باہر تو چلیں گے مگر یہ تو پتہ چلے کہ میرا بیٹا آخر کہاں سے آ رہا ہے؟'' حسن صاحب احمر کو پاس بٹھا کر اس کے کندھے پر بازو پھیلاتے ہوئے بولے۔ احمر شروع سے ہی ان کے قریب تھا۔

''اسد کی طرف گیا تھا بابا! ابھی دینو بابا گئے تو انہوں نے بتایا کہ آج آپ گھر جلدی آ گئے ہیں تو میں گیم چھوڑ کر آ گیا۔''

''اچھا جی تو آپ ایسا کریں کہ جلدی سے تیار ہو جائیں میں فریش ہو لوں تو پھر باہر چلتے ہیں۔''

''آپ کے کام کا حرج ہوتا ہوگا بابا جلدی آنے سے۔'' پندرہ سالہ احمر جانے کیوں اپنی عمر سے بڑی باتیں کرنے لگا تھا۔

''کام کا کیا ہے بیٹا ساری زندگی ہوتا رہتا ہے البتہ رشتوں اور محبتوں کا حرج نہیں ہونا چاہیے۔'' انہوں نے سائرہ بیگم پر نظر ڈالی۔ ان کا کاروبار خسارے میں جا رہا تھا مگر وہ اس بات کی بھنک بھی سائرہ کے کانوں میں نہیں پڑنے دینا چاہتے تھے۔ جانے اس کا کیا ری ایکشن ہوتا۔ انہوں نے سوچا پھر احمر کی طرف متوجہ ہوئے۔ ''اب باتیں چھوڑ و یار اور جلدی سے تیار ہو جاؤ ورنہ میرا ارادہ بدل بھی سکتا ہے۔''

''آپ لوگ آپس میں ہی سب کچھ طے کیے جا رہے ہیں کوئی مجھ سے بھی تو پوچھے۔ میں نہیں جا سکوں گی' مجھے کہیں اور جانا ہے۔'' کب سے چپ بیٹھی سائرہ بیگم بول پڑیں۔

''کہاں جانا ہے آپ کو؟'' حسن نے سنجیدگی سے انہیں دیکھا۔

''اس سے پہلے تو آپ نے کبھی نہیں پوچھا۔''

''ضروری نہیں ہے کہ انسان ساری زندگی ایک غلطی دہراتا رہے۔ اب پوچھ رہا ہوں تو بتا دیں۔''

''ایک دوست کی طرف جا رہی ہوں۔''

''کون سی دوست۔''

''آخر آپ بال کی کھال کیوں اتار رہے ہیں۔'' سائرہ نے تنک کر کہا۔

''چلیں نہیں اتارتا بال کی کھال مگر ہم سب ڈنر باہر کریں گے اور میرے خیال میں آپ کے لیے دوست سے زیادہ اہم اپنی فیملی ہونی چاہیے۔'' ان کا انداز دو ٹوک تھا۔ جبکہ سائرہ بیگم حیران ہو کر انہیں دیکھ رہی تھیں۔ سولہ سالوں میں یہ پہلا موقع تھا جب حسن نے یوں بات کی تھی۔

''اور ہاں ایک بات یاد رکھیے گا بعض غلطیوں کا ازالہ انسان ساری زندگی نہیں کر پاتا اور میں نہیں چاہتا کہ آپ کوئی ایسی غلطی کریں۔'' وہ بات ختم کر کے فریش ہونے چلے گئے تو وہ غصے سے بل کھا کر رہ گئیں۔

''ماما۔'' احمر کی آواز پر انہوں نے چونک کر احمر کو دیکھا۔

''ماما آپ نے اس دن جھوٹ کیوں بولا تھا؟''

''کس دن؟'' انہوں نے دھیمی آواز میں بات کرتے پاس کھڑے احمر کو بغور دیکھا تھا۔

''جس دن آپ نے بابا سے کہا تھا کہ آپ امی (آمنہ) کے ساتھ کسی دوست کے گھر جا رہی ہیں۔ آپ کے جانے کے بعد وہ یہاں آئی تھیں۔ آپ سے ملنے کے لیے۔''

''کس کو بتایا تھا آمنہ نے۔''

''بابا کو۔ میں بھی وہیں تھا لیکن میں نے بابا کو یہ نہیں بتایا کہ آپ مجھے اسد کے گھر کھیلنے کے لیے بھیج کر ایک انکل کی گاڑی میں کہیں چلی گئی تھیں مگر آپ دوبارہ گئیں تو میں بابا کو بتا دوں گا۔'' وہ اس وقت کہیں سے بھی بے پروا اور نو عمر احمر نہیں لگ رہا تھا۔ پچھلے کئی ماہ سے وہ ان سے کھنچا کھنچا سا تھا۔ مگر وہ اتنا بڑا کب سے ہو گیا تھا۔ وہ سن سی بیٹھی تھیں جبکہ واش روم کے اندر دروازے کے قریب کھڑے حسن کا جی چاہا وہ ابھی باہر جا کر کوئی فیصلہ کر ڈالیں مگر وہ ایک بار پھر سچائی کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے تھے یا پھر وہ سائرہ بیگم کو ایک اور موقع دینا چاہتے تھے۔ احمر کی خاطر یا پھر شاید سائرہ بیگم کی خاطر۔ انہوں نے سختی سے مٹھیاں بھینچ لی تھیں۔

❁......❁......❁

کاغذ پر طلاق لکھتے حسن صاحب کو سائرہ بیگم نے اطمینان سے دیکھا مگر یہ کیسا اطمینان تھا جو انہیں بے چین

کررہا تھا۔ ان کی پچھلے ایک سال سے ساجد سے دوستی تھی مگر انہوں نے کبھی اپنے اور اس کے درمیان موجود فاصلے کو ختم نہیں کیا تھا یہ سوچ کر وہ اکثر پرسکون ہوجاتیں مگر جانے یہ کیسا سکون تھا جو انہیں بے سکون کیے دکھتا۔ انہوں نے سر جھٹک کر اپنی فتح محسوس کرنی چاہی۔

وہ احمر کے اسکول سے واپس آنے سے پہلے ہی گھر سے چلی گئی تھیں اور آمنہ کو کہہ دیا تھا کہ وہ احمر کو گھر لے جائے مگر وہ نہیں جانتی تھیں کہ حسن صاحب جلدی گھر آگئے تھے اور احمر اور اسد کی ضد پر انہیں آئس کریم کھلانے لے گئے۔ اسی پارلر میں جس میں وہ ساجد کے ساتھ تھیں۔ کسی غیر شخص کے ہاتھ سے آئس کریم کھاتی بیوی کو دیکھ کر ان کا خون کھول اٹھا مگر وہ نہیں چاہتے تھے کہ احمر اور اسد یہ منظر دیکھیں۔ وہ نہایت تیزی سے دونوں بچوں کو لے کر وہاں سے نکلے تھے۔ یہ جانے بغیر کہ احمر یہ منظر دیکھ چکا تھا۔ سائرہ بیگم جیسے ہی گھر پہنچیں حسن صاحب نے ان سے باز پرس کی تھی جس پر سائرہ بیگم نے بغیر کسی ندامت کے طلاق مانگ لی تھی۔

"یہ کاغذ لے لو مکمل کاغذات دو تین دن تک میں تمہیں دے دوں گا' یہ گھر تمہارے نام ہے تمہیں مبارک ہو۔ میں آج ہی احمر کو لے کر یہاں سے چلا جاؤں گا۔" وہ شخص محبت کی طرح نفرت بھی مکمل کرتا تھا۔ "اور تیسری طلاق میں ان ہی کاغذات میں بھجواؤں گا۔"

"احمر کو کیوں لے جاؤ گے' احمر میرے ساتھ رہے گا۔" احمر سائرہ بیگم کو بے حد عزیز تھا' ان کے خیال میں یہ احمر ہی تھا جس کی وجہ سے وہ اتنا عرصہ یہ رشتہ نبھا گئی تھیں۔

"یہ ناممکن ہے' احمر میرے ساتھ رہے گا۔ وہ میرے زیادہ قریب ہے اور پھر وہ میرے جیتے جی کسی اور کے ساتھ رہے مجھے یہ قبول نہیں۔"

"میں کوئی اور نہیں اس کی ماں ہوں۔"

"آپ کی زبان سے لفظ ماں اچھا نہیں لگتا۔" احمر جانے کس وقت دروازے میں آ کھڑا ہوا تھا۔

"آپ کو تو شکر گزار ہونا چاہیے ان کا۔" اس نے حسن صاحب کی طرف اشارہ کیا۔ "آپ جیسی ماں کا بیٹا ہوں میں' اگر یہ مجھے اپنا بیٹا ماننے سے انکار کردیتے تو میں اپنی ولدیت کا خانہ پر کرنے کے لیے آپ سے ہی کسی کا نام پوچھتا۔" سائرہ بیگم کو لگا ان پر جیسے کوئی بم آ گرا ہو۔ پندرہ سال انہوں نے حسن کے ساتھ ایمان داری سے گزارے تھے۔ جو بھی تھا صرف سوچوں تک محدود تھا۔ صرف ایک سال کی بے ایمانی کی اتنی بڑی سزا' وہ پندرہ سال کا بچہ اتنا بڑا الزام لگا گیا تھا ان پر' وہ اتنا بڑا کب ہوگیا تھا یا شاید انہوں نے ہی اس سے اس کا بچپن چھین لیا تھا۔ اتنی بڑی بات اس کے چھوٹے سے ذہن میں ڈالنے والی ان کی اپنی ذات تھی۔ وہ بیڈ پر گرسی گئی تھیں۔ حسن صاحب بھی سکتے میں آ گئے تھے پھر وہ اچانک آگے بڑھے اور احمر کو اتنی زور سے تھپڑ مارا کہ وہ لڑکھڑا کر زمین پر گر گیا۔

"آج یہ بات کی ہے تو تھپڑ مارا ہے دوبارہ ایسا سوچا بھی تو جان سے ماردوں گا۔" حسن صاحب کی دھاڑ پر وہ سکتے سے باہر آئی تھیں۔

"حسن مجھے طلاق نہیں چاہیے۔" ایک پل لگا تھا انہیں اور ان کے اندر کی عورت جیت گئی تھی۔

"طلاق نامہ تم نے ہاتھ میں پکڑا ہے اور تم کہہ رہی ہو مجھے طلاق نہیں چاہیے اچھا مذاق ہے۔" حسن نے انہیں طنز سے دیکھا۔

"پلیز حسن کوئی راہ نکالیں احمر کے لیے۔" ماں جیت رہی تھی۔

"احمر کے لیے۔" زمین پر بیٹھ کر روتا احمر جھٹکے سے اٹھا۔

"ہاں احمر تمہارے لیے۔" ممتا نے جیتنے کی ایک اور ناکام کوشش کی۔

"صرف احمر کے لیے۔" حسن صاحب نے انہیں دکھ سے دیکھا۔

"نہیں۔ آپ کے لیے اور اس گھر کے لیے بھی۔" ماں ہارنے سے ڈر رہی تھی۔ "صرف دو طلاقیں لکھ کر دی ہیں آپ نے' طلاق واپس لے لیں۔"

"تم جانتی ہو یہ ممکن نہیں ہے۔" وہ بیزاری سے بولے۔

"کچھ تو کریں۔" ماں نے جیت کے لیے زور لگایا۔

"اگر یہ عورت آپ کے ساتھ رہے گی تو میں نہیں رہوں گا' چلا جاؤں گا میں یہاں سے چاہے مجھے بھیک ہی کیوں نہ مانگنی پڑے۔" آپ کو احمر اور سائرہ بیگم میں سے کسی ایک کو چننا ہوگا۔" احمر جاچکا تھا اور ماں ہار گئی تھی۔

❁......❁......❁

سائرہ بیگم نے وہ گھر آمنہ کو فروخت کرکے ان کے گھر سے دور ایک گھر لے لیا تھا۔ آمنہ کے علاوہ ان کا کوئی اتنا خاص قریبی عزیز تھا نہیں' خود وہ اکلوتی تھیں۔ اچھے کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق تھا' خوب صورتی کی وجہ سے حسن کی زندگی میں شامل ہوئی تھیں جو اسٹیٹس میں ان سے بھی آگے تھے اور وہ بھی اکلوتے ہی تھے اور اب تو آمنہ کے علاوہ سب نے ہی ان سے قطع تعلق کرلیا تھا۔ ان سے علیحدگی کے ایک سال بعد ہی حسن نے دنیا سے منہ موڑ لیا تھا۔ وہ عام سا شخص بہت خاص تھا۔ یہ انہیں ساجد سے شادی کے دو سال بعد ہی پتہ چل گیا تھا۔ اس نے لالچ میں ان سے شادی کی تھی۔ صرف دو سال میں ہی وہ انہیں کنگال کرچکا تھا لیکن اس شخص کو انہوں نے سزا سمجھ کر قبول کیا تھا' اور یہ سزا وہ پچھلے دس سال سے خود کو دے رہی تھیں۔ حسن کا کاروبار مکمل طور پر ڈوب گیا تھا۔ وہ خود کو نہیں سنبھال پائے تھے تو کاروبار کو کیا سنبھالتے' جو باقی بچا تھا۔ وہ احمر کے نام کرگئے تھے۔ جو احمر کی تعلیم پر خرچ ہوگیا۔ حسن کی وفات کے بعد احمر دو سال تک آمنہ کے ساتھ رہا تھا۔ آمنہ اپنے بہن بھائیوں اور عزیزوں کی مخالفت کے باوجود دوستی نبھاتی رہی تھی اور اس کے شوہر نے اس کا بہت ساتھ دیا تھا۔ کیونکہ ان پر سائرہ کے کافی احسانات تھے۔ دو سال بعد سائرہ بیگم احمر کو لے آئی تھیں اور جتنی مشکل سے لائی تھیں۔ وہ جانتی تھیں یا ان کا خدا۔ سب نے احمر کو منایا اور پھر جب آمنہ کے گھر آنے والے اس کے عزیزوں کا رویہ بھی کچھ ایسا تھا کہ بمشکل ہی سہی مگر احمر مان گیا تھا پھر سب سے بڑا پلس پوائنٹ یہ بھی تھا کہ وہ گھر حسن صاحب کے پیسوں سے لیا گیا تھا۔ احمر ان کے پاس آ گیا تھا' مگر وہ اپنا اعتبار اس کی نظروں میں گنوا چکی تھیں۔

سائرہ بیگم نے آنسو صاف کیے اور سیدھی ہوکر لیٹ گئیں۔ پھر ذرا سی گردن گھما کر اپنے دائیں طرف دیکھا۔ بیڈ کا دوسرا کونا خالی تھا۔ ان کا شوہر اکثر راتیں باہر گزارتا تھا' مگر وہ بے بس تھیں۔ دور کہیں اذان کی آواز گونجی اور وہ گہرا سانس بھر کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ یہ رات بھی بہت سی راتوں کی طرح اپنے دامن میں یادیں اور پچھتاوے لے کر آئی تھی اور آنسو دے کر چلی گئی تھی۔

❁......❁......❁

"السلام علیکم!" فاروق صاحب نے با آواز بلند سلام کیا تو کائنات چونکی اور کتاب سے نظر ہٹائی۔

"وعلیکم السلام بابا۔"

"بیٹا ذرا پانی تو دینا۔" فاروق صاحب نے بیٹھتے ہوئے کہا تو کائنات دوپٹہ درست کرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"یہ لیجیے بابا پانی' آپ نے صبح دوا بھی نہیں لی' ناشتہ کرکے کہاں چلے گئے تھے۔" تھوڑی ہی دیر بعد وہ پانی لے آئی تھی۔

"السلام علیکم بابا۔" عرشیہ بھی کچن سے نکل آئی۔

"وعلیکم السلام بیٹا۔" فاروق صاحب نے گلاس کائنات کو واپس تھمایا۔

"کہاں چلے گئے تھے بابا آپ حالانکہ طے یہ پایا تھا کہ چھٹی کے دن آپ اسٹور پر نہیں جائیں گے۔ ہم آج پورا دن ساتھ گزاریں گے۔" دو سال پہلے فاروق صاحب کی بیوی سعدیہ انتقال کرگئی تھیں۔ تب سے ان کا یہی معمول تھا کہ وہ چھٹی کا دن کائنات اور عرشیہ کے ساتھ گزارتے اور اب تو وہ زیادہ کام بھی نہیں کرپاتے تھے کیونکہ پچھلے ایک سال سے وہ دل کے مریض تھے۔

"ارے میری پیاری شہزادیو! مجھے ذرا دم تو لینے دو' ناشتہ کرکے میں نکلا تھا ویسے ہی ذرا باہر کا چکر لگانے' سوچا

جب تک تم دونوں گھر کا کام ختم کروگی میں واپس آجاؤں گا۔ باہر نکلا تو فاروقی صاحب مل گئے وہ مجھ سے ہی ملنے آرہے تھے۔ پھر مجھے لے کر قریب ہی پارک میں چلے گئے اور پھر باتوں باتوں میں وقت گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلا۔" فاروق صاحب نے خوش دلی سے وضاحت دی تو وہ دونوں بھی ان کے پاس ان کے قدموں میں بیٹھ گئیں۔

"کیوں بابا خیریت فاروقی انکل کو کیا کام تھا؟" کائنات نے ہر بات سے باخبر رہنا ہوتا تھا۔

"ابھی بتادیتے ہیں بیٹے ذرا صبر کرو۔ عرشیہ بیٹا یہ بتاؤ کہ تمہارا قرآن پاک کب تک مکمل ہوگا؟" وہ کائنات کو جواب دے کر عرشیہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ عرشیہ ایف اے کے بعد قرآن پاک کا ترجمہ پڑھ رہی تھی۔

"بس بابا آخری پارہ ہے دعا کریں جلدی مکمل ہوجائے۔"

"ہاں ہاں بیٹا کیوں نہیں آخر کو دو سال سے تم اس نیک کام میں لگی ہوئی ہو۔"

"لیکن بابا آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟" عرشیہ نے پوچھا تو کائنات نے بھی سوالیہ نگاہیں ان پر ٹکادیں۔

"دراصل بیٹا میں چاہتا ہوں کہ تم ترجمہ پڑھ لو تو ہی تمہاری شادی کروں۔"

"یہ میری شادی کی بات درمیان میں کہاں سے آگئی؟" ان کی بات پر عرشیہ حیرت سے بولی۔

"آہا بڑا ہی مزہ آئے گا آپی کی شادی میں مگر بابا یہ شادی ہوگی کس سے کچھ مجھے بھی تو خبر ہو۔ اس دن جو لوگ آئے تھے کہیں انہیں ہی تو ہاں نہیں کررہے آپ۔"

"جی بیٹا جی فاروقی صاحب اسی سلسلے میں ملے تھے مجھے۔ آپ دونوں کو اعتراض تو نہیں ہے ناں کوئی اس رشتے پر؟" فاروق صاحب زبردستی کے قائل نہیں تھے۔

"بابا مجھے رشتے پر نہیں شادی پر اعتراض ہے۔ میں نے شادی نہیں کرنی۔" عرشیہ نروٹھے پن سے بولی۔

"لیں بابا بات کلیئر ہوگئی آپی کو رشتے پر کوئی اعتراض نہیں۔" کائنات نے پوری بات میں سے اپنی مرضی کی بات نکالی۔

"تم اپنا منہ بند رکھو۔" عرشیہ نے کائنات کو ڈپٹا اور فاروق صاحب کی جانب متوجہ ہوئی۔ "بابا میں آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔"

"ارے بیٹا ایسا کب ہوا ہے بھلا بیٹیاں تو پرایا دھن ہوتی ہیں۔"

"جی بالکل اس لیے آپ نے بھی جانا ہے اس گھر سے ہماری جان چھوڑ کر۔" کائنات نے پھر مسکا لگایا۔

"بابا......!" عرشیہ نے روتی صورت بنا کر انہیں دیکھا۔

"عرشیہ بیٹا اس میں رونے کی تو کوئی بات نہیں آخر کو ہماری گڑیا بھی تو بیٹی ہی ہے اس نے بھی تو رخصت ہونا ہے۔" فاروق صاحب نے ہونٹوں میں مسکراہٹ دبائی۔ وہ اور عرشیہ اسے اکثر گڑیا ہی کہتے تھے۔ وہ تھی بھی تو گڑیا جیسی۔

"بابا......" اب کائنات کی باری تھی۔ جبکہ فاروق صاحب اور عرشیہ کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"یہ توپوں کا رخ میری طرف کیوں کردیا آپ نے؟"

"نہیں بیٹا میں واقعی سنجیدہ ہوں۔ میں چاہتا ہوں تمہارا ایف اے مکمل ہونے کے بعد تمہاری شادی بھی عرشیہ کے ساتھ ہی کردوں۔"

"مطلب آپ بالکل اکیلے ہونا چاہتے ہیں۔" عرشیہ نے انہیں ناراضگی سے دیکھا۔

"نہیں بیٹا میں ایسا کب چاہتا ہوں لیکن کیا کروں تمہیں پتہ ہے میں دل کا مریض ہوں آج ہوں کل نہیں میں اپنی زندگی میں تم دونوں کے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتا ہوں۔"

"بابا اب ہم نے سچ میں ناراض ہوجانا ہے آپ سے۔" عرشیہ کی بات پر کائنات نے بھی زور وشور سے سر ہلایا۔

"میرے خیال میں یہ آگ فاروقی انکل کی لگائی ہوئی ہے۔"

"نہیں بھئی یہ میرا ذاتی خیال ہے۔" فاروقی صاحب کی متوقع حالت کے پیش نظر انہوں نے وضاحت دی۔

"جی جی اور یہ خیال آپ کو ان سے ملنے کے بعد آیا۔"

"جو بھی ہے بیٹا آپ کوئی الٹی سیدھی حرکت نہیں کریں گی۔" انہوں نے کائنات کو تنبیہہ کی ابھی پچھلے ہی دنوں دو ایسے واقعات پیش آئے تھے کہ وہ فاروقی صاحب کے بارے میں متفکر ہوگئے۔ کائنات سے کچھ بعید نہیں تھا۔

"میں نے کبھی کوئی الٹی سیدھی حرکت کی ہے بابا؟" کائنات نے احتجاج کیا۔

"تم کہاں الٹی سیدھی حرکتیں کرتی ہو تم تو بس الٹی الٹی حرکتیں کرتی ہو۔" عرشیہ جلی بیٹھی تھی۔

"جو بھی ہے بیٹا فاروقی صاحب خاصے معقول انسان ہیں۔"

"تو آپ یہ جانتے ہیں کہ میں صرف نامعقول انسانوں کو سبق سکھاتی ہوں۔" کائنات کی بات پر فاروق صاحب اور عرشیہ اسے دیکھ کر رہ گئے۔

❁......❁......❁

"اسد بیٹا آج کیسے رستہ بھول گئے تم۔" لان میں بیٹھی سائرہ بیگم اسد کو دیکھ کر خوش ہوئیں۔

"ارے ماما کافی دنوں سے آپ سے ملاقات نہیں ہوئی۔ اس دن آپ گھر گئیں بھی تو ملاقات نہیں ہوپائی۔ سوچا میں خود آپ سے مل آؤں اور آپ کے شہزادے سے بھی دوسرا دن ہے تفصیلی ملاقات نہیں ہوئی تھی آج اس کے بھی درشن ہوجائیں گے۔" اسد ان سے پیار لے کر ان کے پاس رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"ہاں بیٹا آخر کو تمہارا کام بھی تو کرنا تھا ناں۔"

"ماما یو آر گریٹ۔"

"بس بس زیادہ مکھن لگانے کی ضرورت نہیں۔" انہوں نے اسد کے سر پر چپت لگائی۔

"چلیں جیسے آپ کی مرضی نہیں لگاتے مکھن۔" اس نے شرارت سے کہا تو وہ دھیرے سے ہنس دیں۔

"ویری گڈ کبھی کبھی ہنس لینا چاہیے اس سے صحت اچھی ہوتی ہے۔ اب یہ بتائیں کہ احمر کہاں ہے آج تو وہ آفس بھی نہیں گیا۔"

"بیٹا تمہیں پتہ تو ہے وہ انیکسی میں ہوتا ہے دینو بابا کے ساتھ۔" انہوں نے پرانے ملازم کا نام لیا۔ جو حسن کے گھر ملازم تھے اور اب احمر ان کو اپنے ساتھ رکھتا تھا۔

"میں گئی تھی صبح دروازہ بند تھا اس کے کمرے کا۔ میں نے ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔" دینو بابا زیادہ کام نہیں کرتے تھے مگر اسد کے لیے وہ اپنے ہاتھوں سے چائے بناتے تھے۔

"آپ کے ہاتھوں سے بنی چائے یہاں کھینچ لانے میں مددگار ثابت ہوتی ہے بابا۔" اس نے چائے کا سپ لیتے ہوئے کہا تو دینو بابا مسکراتے ہوئے چلے گئے۔ جبکہ سائرہ بیگم نے اسے افسردگی سے دیکھا۔ اس کی باتیں انہیں ماضی کے احمر کی یاد دلا دیتی تھیں۔ وہ بھی تو ایسا ہی تھا۔

"آج کل مزاج کیسے ہیں صاحب بہادر کے خیریت سے تو ہیں ناں جناب؟" اسد کی آواز نے انہیں حال میں لا پٹخا۔

"وہ تمہاری سنتا ہے بیٹا اس سے کہنا جب وہ مجھ سے بات کرے تو اپنے چہرے کے تاثرات اتنے نرم تو رکھے کہ میں اس کی خیریت پوچھ سکوں۔" ان کی بات پر اسد نے بے ساختہ نظریں چرائیں۔ "وہ کہتا ہے وہ اس گھر میں رہتا ہے میں اسے ہی غنیمت جانوں۔ بقول اس کے کہ وہ اپنے باپ کی بات کا پابند ہے کیونکہ انہوں نے آخری دم اس سے کہا تھا کہ اپنی ماں کو اکیلا مت چھوڑنا کیونکہ وہ بہت جلد پچھتائے گی۔"

"آپ پچھتاتی ہیں اب؟" اسد جانے کیوں پوچھ بیٹھا۔

"نہیں بیٹا یہ کام مدت ہوئی چھوڑ دیا۔ لو احمر آگیا تم دونوں بیٹھو میں کچھ کھانے کو لاتی ہوں۔" وہ احمر کو آتا دیکھ کر آنسو چھپاتی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"اب سالوں کی دم میں ایکسی میں ہوتا ہوں وہیں آتا ناں تو بھی۔" احمر اس کے سامنے پڑی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ اس کا انداز عام سا تھا۔

"کیوں یہاں آتے ہوئے تجھے موت پڑتی ہے۔"

"روزانہ کے بارے میں تو کچھ نہیں کہا جاسکتا البتہ ابھی کوئی مسئلہ نہیں تھا' مجھے یہاں آنے میں۔ کیونکہ ساجد صاحب کی سواری پچھلے دو دن سے کہیں دفع ہوچکی ہے اور ان کے واپس آنے تک خاصے امن کا امکان ہے۔" احمر کے لہجے میں طنز ہی طنز تھا۔

"یار ماما سے تو ملنے آجایا کر میرے خیال میں تو ان سے بھی ٹھیک طرح سے بات نہیں کرتا۔" اسد نے اسے سمجھانا چاہا۔

"کیا کروں اسد میں انہیں دیکھتا ہوں تو احساس زیاں ستانے لگتا ہے انہوں نے سب کچھ چھین لیا مجھ سے حتیٰ کے میری ماں بھی۔"

"معاف کردے یار معاف کرنے والے کو خدا بھی پسند کرتا ہے۔"

"کردیا معاف اسی لیے یہاں ہوں۔"

"یوں معاف کیا جاتا ہے بھلا۔" اسد نے اسے تاسف سے دیکھا۔

"اور کیا کروں کچھ دن پہلے ساتھ ڈنر کیا تھا اس شخص کا منہ توڑتے توڑتے رہ گیا بس۔ وہ اسے چھوڑ کیوں نہیں دیتیں آخر؟" وہ الجھا۔

"شاید مزید بدنامی سے ڈرتی ہیں۔"

"ابھی کوئی کسر رہتی ہے کیا؟" وہ اذیت سے ہنسا۔

"اچھا چھوڑ یہ بتا منگنی میں آرہا ہے ناں۔"

"نہیں یار کراچی جانا ہے مجھے بہت ضروری میٹنگ ہے۔ آفس کے کچھ کام ہیں ایک ہفتہ تو کم از کم بھی لگ......"

"کیا بک رہا ہے۔" اسد نے اس کی بات کاٹ کر اسے گھورا۔ "ہوش میں تو ہے تو منگنی میں تو نہیں آئے گا تو میں منگنی ہی نہیں کروں گا۔"

"اسد سمجھا کرناں جانا ضروری ہے۔" اس نے منت بھرے لہجے میں کہا۔

"میں غیر ضروری ہوں؟"

"کیسی باتیں کررہے ہو دیکھو اصل چیز ہے شادی جس میں ہر صورت میں شامل ہوں گا۔"

"نہیں کیا ضرورت ہے شادی میں بھی شرکت کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"پلیز مان جاناں یار۔ مجھے تو خود اتنا افسوس ہورہا ہے مگر مجبوری ہے اور پھر ماما تیری منگنی پر آتو رہی ہیں ناں۔" اس نے قریب آتی سائرہ بیگم کو دیکھ کر کہا۔

"ہاں بھئی میں تو جاؤں گی مگر بیٹا تم کیوں نہیں جارہے؟"

"ان کو جانا ہے کراچی آفس کے کام کے لیے۔ ان کی طرف سے میں جاؤں بھاڑ میں۔"

"اچھا یار نوکری جائے بھاڑ میں۔ میں نہیں جاتا کراچی خوش۔" احمر نے خوش دلی سے کہا۔

"سوچ لے اچھی خاصی نوکری ہے تیری۔" اسد کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ جبکہ سائرہ بیگم کو ان دونوں کا انداز ایک بار پھر ماضی میں لے گیا۔

"اچھا بس زیادہ مسکا نہ لگا چلا جا' لیکن اگر شادی میں گڑبڑ کی تو بہت بری طرح پیش آؤں گا۔" اسد نے احسان کرنے والے انداز میں کہا۔

"نہیں یار تجھے خفا تو نہیں کرسکتا ناں میں۔"

"کہا ناں نہیں ہوں خفا چلا جا۔" اسد کی بات پر احمر نے اطمینان کا سانس لیا وہ اسے واقعی خفا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ اسے خفا کر ہی نہیں سکتا تھا۔

❁......❁......❁

تمام مہمان رخصت ہوچکے تھے ایک فاروقی صاحب تھے جو بیٹھے ہوئے تھے۔ عرشیہ چینج کرنے گئی تو کائنات چائے بنانے چلی گئی۔ وہ جانتی تھی کہ ابھی فرمائش ہوگی۔

"ہاں بھئی گڑیا! سننے میں آیا ہے کہ ہماری بیٹی ناراض ہے ہم سے۔" وہ چائے لے کر آئی تو فاروقی صاحب اس سے چائے لیتے ہوئے شفقت سے بولے۔ فاروق صاحب اور عرشیہ کی طرح وہ بھی اسے اکثر گڑیا ہی کہتے تھے۔

"نہیں انکل ایسی تو کوئی بات نہیں۔"

"اللہ کرے بیٹا ایسی کوئی بات نہ ہی ہو ورنہ تمہاری ناراضگی سے ڈر لگتا ہے۔" وہ مسکرا کر بولے تو فاروق صاحب بھی مسکرا دیے۔

"انکل آپ کو گڑیا کی ناراضگی سے کیوں ڈر لگتا ہے۔" عرشیہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے بولی۔ وہ ہلکے سبز رنگ کا سوٹ پہنے ہوئے خاصی کھلی کھلی سی لگ رہی تھی۔

"بس بیٹا مسز ہمدانی کی چیخیں یاد کرکے خوف زدہ ہوجاتا ہوں اور وہ کمال صاحب ان کے چاند پر تو کافی دنوں بعد بدلی چھائی تھی۔ کیونکہ کائنات بیٹی نے ان کے سر پہ الٹی انڈیل دی تھی۔ وہ دونوں تو آج تک اپنے مجرم کی تلاش میں ہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

"تو انکل ان کے ساتھ یہی ہونا چاہیے تھا ناں۔ مسز ہمدانی نے کیسے کہا تھا کہ میں ہر وقت کدکڑے لگانے والی بے پروا اور پھوہڑ لڑکی ہوں' اسی لیے میں نے ان کے پرس میں ربڑ کا سانپ رکھا تھا اور کمال انکل نے بھی تو بابا سے شکایت کی تھی کہ میں ان کے درخت سے کیریاں توڑتی ہوں۔" کائنات اپنی غلطی مانتی' ناممکن تھا۔ "اور ویسے بھی یہ اس وقت کی بات ہے جب میں 10th میں تھی۔ اب تو جس کو سبق سکھانا ہوا' ذرا میچور طریقے سے سکھاؤں گی' کیونکہ اب میں بڑی ہوگئی ہوں۔"

"اچھا بیٹا! اسی لیے تو کہتا ہوں مجھے محتاط رہنا چاہیے۔" فاروقی صاحب شرارت سے بولے۔

"انکل ایک منٹ رکیں میں ابھی آئی۔" تھوڑی دیر بعد جب وہ جانے کے لیے اٹھے تو کائنات ان سے کہہ کر یہ جا وہ جا۔

"یہ لیں انکل۔" کچھ دیر بعد وہ آئی تو اس کے ہاتھ میں سیاہ کور والی خوب صورت سی ڈائری تھی۔

"یہ تو میری ڈائری ہے کچھ دن پہلے کھو گئی تھی' بیٹا تمہارے پاس کیسے آئی؟" فاروقی صاحب ڈائری کھول کر دیکھتے ہوئے حیرت سے بولے تو کائنات نے ان کے ہاتھ سے ڈائری واپس لے لی جبکہ عرشیہ اور فاروق صاحب کا جی چاہا اپنا سر پیٹ لیں۔

"یہ ذرا پڑھیں انکل' یہ غزل آپ نے لکھی تھی۔" اب وہ ایک صفحے پر انگلی رکھے ان سے مخاطب تھی۔

"بیٹا رائٹنگ تو میری ہی لگتی ہے مگر یہ غزل......" وہ الجھ کر بولے۔

"یہ غزل آپ نے نہیں میں نے لکھی ہے اور اگر آپ دوبارہ کوئی رشتہ لے کر آئے میرے لیے' یا بابا کو میری شادی کا مشورہ دیا تو ایک خط لکھوں گی آپ کی طرف سے مسز ہمدانی کے لیے اور دے آؤں گی سعدیہ آنٹی کو۔" اس نے مسز فاروقی کا نام لیا۔

"لاحول ولا۔" فاروقی صاحب اچھل پڑے۔

"اس مرتبہ رعایت اس لیے دی ہے کہ آپ میرے بہت اچھے انکل ہیں۔" اس کی بات پر فاروق صاحب نے اسے بری طرح گھورا۔

"بہت مہربانی بیٹا' اس رعایت کے لیے۔" وہ بے بسی سے بولے اگر انہیں غصہ آیا بھی تھا تو کائنات کے انداز پر ختم ہوگیا اور عرشیہ جس نے بڑی مشکل سے ہنسی ضبط کی تھی اس کی ہنسی چھوٹ گئی۔

فاروقی صاحب نے ایک پل کے لیے فاروق صاحب کے خفا سے چہرے کی طرف دیکھا اور اگلے پل ان کے بے ساختہ قہقہے پر فاروق صاحب بھی ہنس پڑے۔

"آئندہ ایسی حرکت کی تو میں نے ناراض ہوجانا ہے بیٹا۔" فاروقی صاحب نے ہنستے ہوئے اس کے سر پر چپت لگائی تو اس نے زور و شور سے سر ہلایا۔ اسی پل فون کی گھنٹی نے سب کو اپنی طرف متوجہ کرلیا۔

"ہیلو۔" فاروق صاحب پاس ہی بیٹھے تھے اس لیے دوسری ہی بیل پر انہوں نے فون اٹھالیا۔

''پتہ نہیں کون ہے کوئی بول ہی نہیں رہا۔'' دو تین بار ہیلو کہنے کے بعد انہوں نے حیرت سے کہا پھر فون کریڈل پر رکھ دیا۔ جبکہ کائنات اپنی جگہ پر چور سی بن گئی۔ حالانکہ اس کا تو کوئی قصور بھی نہیں تھا۔

.....❁.....❁.....❁

اس کی اور سکون کی تو پہلے بھی نہیں بنتی تھی اس نے تو اپنا ناطہ بس بے چینیوں اور اضطراب سے جوڑ لیا تھا' مگر آج کل تو لگتا تھا یہ بے چینی اور اضطراب سوتے میں بھی اس کے ساتھ تھے۔ آج بھی وہ آفس سے جلدی اٹھ آیا تھا۔

''ارے بیٹا آج جلدی آ گئے؟'' دینو بابا اسے کمرے میں جانے سے پہلے ہی مل گئے۔

''بس بابا دل نہیں لگ رہا تھا آفس میں۔'' اب وہ انہیں کیسے بتاتا کہ اس کا دل تو اس گھر میں بھی نہیں لگ رہا تھا۔

''بیٹا اگر آفس سے واپس جلدی آ ہی گئے ہو تو بیگم صاحبہ سے جا کر مل لو۔ ایک ہفتہ ہو گیا تمہیں کراچی سے واپس آئے اس دن تو ان کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں تھی۔ اب بھی ان کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی...... جا کر مل لو۔'' دینو بابا تو اسے سمجھا ہی سکتے تھے۔ ''پورے ہفتے میں ایک بار ان سے ملے ہو تم۔''

''ان کی طبیعت کی خرابی کی وجہ ان کے ساتھ رہتی ہے' میرے ایک دو مرتبہ جانے سے وہ ٹھیک نہیں ہوں گی۔'' وہ تڑخ کر رہ گیا بالکل کسی سوکھی شاخ کی طرح۔

''بیٹا! کیوں خود کو بھی اذیت دے رہے ہو اور ماں کو بھی' معاف کر دو انہیں جو انسان غلطی کر کے پشیمان ہو جائے اور اپنی زندگی اپنے لیے سزا بنا لے۔ اس کو معاف نہ کرنا ظلم ہوتا ہے بیٹا ظلم۔''

''ان کی یہ غلطی میری خوشیاں' میرا باپ اور سب کچھ کھا گئی ہے بابا۔'' اس کا اپنا ہی گلہ تھا۔ دینو بابا نے اسے دکھ سے دیکھا تو اسے اپنے لہجے کا احساس ہوا۔ وہ پہلے ہی الجھا ہوا تھا۔ دینو بابا اور اسد ہی تو تھے جن سے وہ ہر قسم کی بات آرام سے کر لیتا تھا مگر اس وقت وہ برآمدے میں پڑی کرسی پر جیسے تھک کر بیٹھ گیا۔

''بیٹا معاف کر دو یہ نہ ہو کہ کل تمہیں معافی کی ضرورت ہو اور تم خدا سے معافی مانگتے ہوئے بھی شرماؤ۔''

''بددعا دے رہے ہیں بابا۔'' اس کی بات میں شکوہ تھا۔

''اللہ نہ کرے بیٹا کہ میں کبھی تمہیں بددعا دوں۔ بس میں چاہتا ہوں کہ تم خوش رہو۔'' وہ خفا سے ہو کر جانے لگے تو اس نے اٹھ کر ان کا راستہ روک لیا۔

''سوری بابا۔'' اس نے کہا تو وہ دکھ سے اسے دیکھتے رہ گئے۔

''اچھا یہ بتائیں آخر چکر کیا ہے' آج مجھے بیٹھنے بھی نہیں دیا اور نصیحتیں شروع کر دیں۔'' وہ انہیں کندھوں سے تھام کر کرسی پر بٹھا کر خود بھی کرسی ان کے قریب کر کے بیٹھ گیا۔

''کوئی چکر نہیں ہے بیٹا۔'' انہوں نے ٹالا۔

''اوں ہوں سچ سچ بتائیں۔'' وہ بضد ہوا۔

''بیگم صاحبہ نے تمہارے لیے اسد میاں کی ہونے والی سالی کو پسند کیا تھا پھر تم نے انکار کیوں کیا؟'' آخر کار انہوں نے اصل بات بتا ہی دی۔ ایک عرصہ ہو گیا تھا ان کی بیوی کو فوت ہوئے' ان کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ دونوں میاں بیوی احمر کو اپنی سگی اولاد کی طرح چاہتے تھے۔ دینو بابا کے گاؤں میں ان کے بہن بھائی تھے ان کی اولادیں بابا سے بہت محبت کرتی تھیں وہ ان کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھنے پر اصرار کرتے مگر یہ احمر ہی تھا جس کی وجہ سے وہ اسلام آباد نہیں چھوڑ پاتے تھے۔

''بابا کل اسد سے دو گز لمبا لیکچر سن چکا ہوں میں اس موضوع پر۔'' وہ اپنے لہجے کی تلخی کم کرنے کو ہلکے پھلکے انداز میں بولا۔

''ماں کی بات مان لیتے بیٹا تو خوش ہی رہتے۔''

''وہ اپنی مان کر خوش نہیں ہیں تو میں ان کی مان کر کیسے خوش رہتا۔'' وہ پھر تلخ ہوا۔

''پھر وہی بات۔'' انہوں نے اسے ناراضگی سے دیکھا۔ ''جانتے ہو بیٹا وہ تو تقریباً رشتہ دے ہی آئی تھیں اتنی خوش تھیں وہ اب انہیں کتنی شرمندگی اٹھانی پڑے گی کچھ اندازہ ہے تمہیں؟''

''لیکن بابا غلطی ان کی ہے' انہیں مجھ سے پوچھنا چاہیے تھا۔ اتنے اچھے تعلقات نہیں ہیں میرے ان کے ساتھ کہ وہ میرا رشتہ یونہی طے کر آئیں۔'' وہ استہزائیہ ہنسا۔ ''جب میں نے کبھی ان کے کسی معاملے میں دخل اندازی نہیں کی تو وہ کیوں میری زندگی کے فیصلے کرتی پھر رہی ہیں۔''

''ان کی زندگی کا ایک بڑا فیصلہ تم نے بھی کیا تھا بیٹا تمہارے کہنے پر حسن صاحب تیسری طلاق دینے سے رک سکتے تھے۔'' وہ نہ چاہتے ہوئے بھی برسوں بعد یہ بات کہہ گئے۔

''میں چاہتا تھا وہ اس شخص کو چھوڑ کر نہیں پاکر پچھتائیں۔'' وہ اپنی بات کہہ کر رکا نہیں تھا۔ دینو بابا اسے تاسف سے دیکھتے رہ گئے۔

وہ پہلے ہی الجھا ہوا تھا دینو بابا کی باتوں نے اسے مزید الجھا دیا۔ دینو بابا کے اصرار پر دو تین نوالے کھانے کے زہر مار کیے' پھر ان کے کہنے پر ہی وہ سائرہ بیگم سے ملنے چلا آیا۔ انہیں بے حد خوش ہوتا دیکھ کر وہ پل بھر کو شرمندہ ہوا اور پھر دوبارہ اپنے خود ساختہ خول میں بند ہو گیا۔ شاید یہ خول حالات کا عطا کردہ تھا۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ وہ ان کے ساتھ رہا حالانکہ اس کا ارادہ کھڑے کھڑے ان کی خیریت پوچھنے کا تھا۔ زیادہ دیر وہ ہی بولتی رہیں۔ اس نے چند ایک ہی باتیں کی تھیں۔ واپس آیا تو آمنہ کو فون کر کے ان کی خیریت معلوم کی پھر شاور لینے میں اچھا خاصا وقت لگا دیا' جانے وہ ان مصروفیات میں کس چیز سے فرار ڈھونڈ رہا تھا؟ شاور لے کر نکلا تو یونہی آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر بال بنانے میں کتنا وقت لگا دیا۔ پھر برش رکھ کر بیڈ کی طرف آیا اور جیسے تھک کر نیم دراز ہو گیا۔ اس کی کوئی بھی کوشش کامیاب نہیں رہی تھی۔ اس نے پلکیں موند لیں تو بند پلکوں کے پیچھے بھی جانے کہاں سے پانیوں میں ڈوبی دو سیاہ آنکھیں چھم سے آ بسیں' اس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں تو اسے یوں لگا جیسے کمرے میں جابجا وہی سیاہ آنکھیں ہوں' وہ ان آنکھوں کے سمندر میں ڈوبنے لگا تو ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھا۔

''یا میرے اللہ کیا ہو رہا ہے میرے ساتھ؟'' وہ دونوں ہاتھوں میں سر تھام گیا۔

''محبت ہمیشہ اسے آک کے پودے کی طرح لگی تھی جس پر کھلنے والے پھول کتنے ہی خوش نما کیوں نہ ہوں' ان میں خوش بو نہیں ہوتی اور نہ ہی وہ آک کی کڑواہٹ کو ختم کر سکتے ہیں' آک کا پودا کڑوا ہوتا ہے اور کڑوا ہی رہتا ہے۔ اس کو ذرا سا اگر کوئی چکھ لے تو اس کا حلق تک کڑوا ہو جاتا ہے اور دیر تک کڑوا رہتا ہے۔ بھلا محبت اور آک کے پودے میں کیا فرق' دونوں کا ذائقہ کڑوا ہوتا ہے۔ ایک عرصہ پہلے سوچی ہوئی بات ایک بار پھر اس کے ذہن میں ابھری تھی۔ وہ سوچوں کے بھنور میں پھنسا ہوا تھا۔

''میرے باپ نے میری ماں سے محبت کی اور میری ماں نے کسی اور سے دونوں کے مقدر میں نارسائی اور دکھ تھا۔ جو مجھے بھی چاٹ رہا ہے...... اے اللہ!'' اس نے بے ساختہ ہی اوپر دیکھا تھا۔ ''اس محبت نے پہلے میری ماں مجھ سے چھینی' پھر میرا باپ اور رہی سہی خوشیاں بھی چھین لیں۔ اب کی بار میں اس کے ہتھے چڑھا تو یہ مجھے نگل لے گی۔ اے اللہ مجھے اس محبت کے چنگل سے نکال دے' اب ہمت نہیں ہے مجھ میں۔ یا اللہ...... یا اللہ۔'' اس نے شدت کرب سے آنکھیں میچیں تھیں وہ محبت سے خوف زدہ تھا اور محبت اس کے پیچھے پڑ گئی تھی۔

دو سیاہ آنکھیں اس کے تعاقب میں تھیں اور وہ بھاگ رہا تھا اندھا دھند' اس نے اپنی کیفیت کو شرمندگی' تاسف' پچھتاوا' ہر نام دے کر دیکھ لیا تھا مگر دل کچھ اور ہی کہہ رہا تھا۔ اس نے زور سے سر جھٹک کر ان دو آنکھوں کو جھٹکنے کی کوشش کی۔ وہ ان آنکھوں کی طغیانی سے خوف زدہ تھا۔

''اے محبت دیکھ سکتی ہے تو دیکھ لے میں تیرے آگے

ہاتھ جوڑ رہا ہوں مجھے بخش دے۔ چھوڑ دے مجھے اب تو میرے پاس کھونے کے لیے بھی کچھ نہیں بچا۔" اسے پتہ ہی نہ چلا وہ کب بیڈ سے اتر کر زمین پر دوزانو ہو کر بیٹھ گیا۔ وہ محبت سے متنفر تھا اور محبت اس کے دل میں اتری جارہی تھی۔ وہ ہاتھ جوڑے زار زار رو رہا تھا اور اس کے کمرے کے باہر کھڑی سائرہ بیگم کو لگا کوئی انہیں کند چھری سے ذبح کررہا ہے۔ وہ جانے کب سے یہاں کھڑی تھیں۔ وہ جانے کیسے واپس اپنے کمرے تک پہنچی تھیں اور پھر کب درودیوار پر رات اتری اور گزر گئی یہ نہ احمر کو پتہ چلا نہ سائرہ بیگم کو۔

❁......❁......❁

دیکھیے محترمہ یہ آپ کی تیسری کال ہے اور میں نے آپ سے پچھلی دو کالز میں کافی نرمی سے بات کی ہے اور شاید یہی میری غلطی تھی آپ میری نرمی کا ناجائز فائدہ اٹھا رہی ہیں۔" اس کی طبیعت پچھلے دو دن سے خراب تھی اور آفس میں پورا دن گزارنے کے بعد اس کی بری حالت ہورہی تھی۔ اوپر سے کمرے میں داخل ہوتے ہی فون کی گھنٹی نے استقبال کیا اور بے دلی سے نمبر دیکھے بغیر فون ریسیو کرکے وہ جی بھر کے پچھتایا۔ دوسری جانب سے بات سنتے ہوئے اس کی کشادہ پیشانی شکن آلود ہوتی جارہی تھی۔

"دیکھیے میں نے آپ کو بتایا ناں یہ میرا پرسنل نمبر ہے میرے علاوہ اس نمبر کو کوئی بھی استعمال نہیں کرتا اور جب میں نے کال نہیں کی تو اس نمبر سے آپ کو کال کیسے جاسکتی ہے؟" اس نے بیڈ پر بیٹھ کر ٹائی کھولتے ہوئے بے زاری سے جواب دیا۔

"کیا مصیبت ہے محترمہ جب میں بکواس کررہا ہوں کہ میں نے کال ہی نہیں کی تو میں نمبر کیوں چیک کروں۔ آپ کو اگر بہت شوق ہے رانگ نمبرز پر بات کرنے کا تو یہ شوق کہیں اور پورا کیجیے۔" اس کے ہاتھ شوز اتارتے ہوئے رک گئے۔

"میں الزام لگا رہا ہوں نہ کردار کشی کررہا ہوں اور اگر کر بھی رہا ہوں تو اس کے لیے آپ مجھے مجبور کررہی ہیں۔ ایسی ہی باکردار ہیں تو اتنی چیپ حرکت کیوں کررہی ہیں؟" جانے کیا کہا گیا تھا کہ وہ پھٹ پڑا تھا۔

"اف میرے اللہ۔" اس کا جی چاہا اپنا سر دیوار پر دے مارے۔ "بھاڑ میں جائیں آپ اور آپ کا مسئلہ۔"

"او کے میں بھی بھاڑ میں جاؤں اب خوش ہیں آپ، بلکہ دونوں ساتھ ہی جائیں۔" وہ زچ ہوکر بولا۔

"اچھا جی میرے جیسے انسان کے ساتھ بھاڑ میں جانا بھی گوارا نہیں۔" نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے لبوں پہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"صحیح ہے میں اپنے الفاظ واپس لے لیتا ہوں۔ اب تو بخش دیں۔ لیکن اگر اب دوبارہ کال کی آپ نے، تو میں یہی کہوں گا کہ مجھے اپنے الفاظ پر کوئی افسوس نہیں، آپ واقعی اسی قابل ہیں۔" اس نے تپ کر کہا اور کال منقطع کردی۔

"کیا ہوا بیٹا کس کا فون تھا؟" دینو بابا کھانے کا پوچھنے آئے تو اسے اتنے غصے میں دیکھ کر پوچھ بیٹھے۔ بڑے دن ہوئے اسے غصے میں نہیں دیکھا تھا انہوں نے بلکہ اس غصے اور تلخی کی جگہ اب عجیب سی بے چینی تھی جو ان دنوں اس کے چہرے پر ہمہ وقت رقصاں رہتی تھی۔ ایک الجھن سی اس کی آنکھوں میں تیرنے لگی تھی ان دنوں۔

"پتہ نہیں بابا کون لڑکی ہے؟ دماغ کھا لیا ہے کوئی تیسری مرتبہ فون کرکے کہہ رہی ہے کہ میرے نمبر سے اسے کالز کی جارہی ہیں، آپ ہی بتائیں جب میں نے کال کی ہی نہیں تو اس کے نمبر پر کال گئی کیسے ہنہ؟" وہ شرٹ کے بٹن کھولتا ہوا واش روم کی جانب بڑھا۔

"ہوسکتا ہے بیٹا اسے کال کی گئی ہو۔"

"بابا......" وہ رکا اور پلٹ کر حیرت سے دیکھا۔ "میں آپ کو ایسا لگتا ہوں؟"

"نہیں بیٹا میرا مطلب ہے ہوسکتا ہے اس نمبر سے اسے کسی اور نے کال کی ہو۔" وہ کچھ بتاتے ہوئے رک گئے۔

"کیا مطلب بابا؟" اس کے لہجے میں الجھن سی تھی۔

"بیٹا وہ ساجد صاحب کا بھانجا شہریار......" وہ ہکلا گئے۔

"بھانجا......؟" اس نے حیرت سے دہرایا۔ "آخر بات کیا ہے بابا مکمل کر بتائیں۔ ایک تو میں اس شخص کے بھانجوں بھتیجوں سے تنگ ہوں روز ہی کوئی نہ کوئی منہ اٹھا کر چلا آتا ہے۔ انیکسی کی طرف بھی جب جی چاہتا ہے منہ اٹھا کر چلے آتے ہیں۔"

"یہی تو بات ہے بیٹا تم تو جانتے ہو میں اکثر انیکسی کھلی چھوڑ کر بیگم صاحبہ کی طرف چلا جاتا ہوں۔" انہوں نے لفظ ترتیب دیئے اس کے غصے سے وہ اچھی طرح واقف تھے۔

"تو پھر؟" اس نے کف الٹے۔

"وہ شہریار کو میں نے آج......"

"آج کیا...... بابا کیوں پہیلیاں بجھوا رہے ہیں؟" وہ انہیں الجھن میں دیکھ کر بولا۔

"بیٹا! آج جب میں آیا تو تمہارے کمرے سے باتوں کی آواز آرہی تھی۔ شہریار صاحب کسی سے فون پر بات کررہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی فون رکھ دیا اور جلدی سے چلے گئے۔"

"کیا......! کیا کہہ رہے ہیں بابا؟ آپ نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟" طبیعت کی خرابی اڑنچھو ہوگئی تھی۔

"خوامخواہ گھر میں جھگڑا ہوجاتا بیٹا۔ میں نے سوچا میں خود ہی اب احتیاط کروں گا میں تو اب بھی نہ بتاتا مگر......!"

"جھگڑا ہوتا ہے تو ہوتا رہے اس کمینے کی خبر تو میں ابھی جا کر لیتا ہوں۔" غصے سے کہتا وہ کمرے سے باہر نکل گیا تو دینو بابا اس کے پیچھے لپکے۔

"ارے بیٹا کیا کررہے ہو؟ اس وقت تو بیگم صاحبہ اور ان کے شوہر بھی گھر پر نہیں ہیں جب وہ آئیں تو آرام سے بات کرلینا۔" دینو بابا بات بتا کر پچھتائے۔

"یہ آرام سے سمجھنے والا نہیں ہے۔ جانتا ہوں میں اسے۔" وہ دینو بابا سے بازو چھڑا کر وہاں سے نکل گیا۔ بابا کی بوڑھی ٹانگوں میں کہاں اتنا دم تھا کہ اس تک پہنچ سکتے مگر وہ اس کے پیچھے تیزی سے گئے۔

"کیا بدتمیزی ہے یہ؟ کیا تمہیں کسی کے کمرے میں آنے کی تمیز بھی نہیں ہے۔" اس نے دروازہ اتنے زور سے کھولا کہ شہریار اچھل پڑا۔

"مجھے چھوڑو تم بتاؤ تم میرے کمرے میں کیا لینے گئے تھے؟" وہ سیدھا اس کے سر پہ جا کھڑا ہوا۔

"مجھے کیا ضرورت ہے تمہارے......" اس سے پہلے کہ وہ بات مکمل کرتا احمر نے اس کا گریبان پکڑ لیا۔

"بکواس بند کرو سیدھی طرح بتاؤ کیوں گئے تھے کمرے میں؟" بلیک پینٹ پہ وائٹ شرٹ پہنے کھلے گریبان، کہنیوں تک مڑی آستینوں، کچھ بخار اور اس سے کہیں زیادہ غصہ سے سرخ ہوتی آنکھوں کے ساتھ وہ شہریار کو خائف کرگیا۔ یہ نہیں کہ شہریار اس سے کمزور تھا، ہاں یہ ضرور تھا کہ وہ اس اچانک حملے کے لیے تیار نہیں تھا۔

"کیا بدتمیزی ہے؟ چھوڑو میرا گریبان۔" اس نے احمر کے ہاتھ جھٹکنے کی کوشش کی جواب میں احمر کا زوردار تھپڑ اس کے ہوش ٹھکانے لگا گیا۔

"سچ سچ بتاؤ کیوں گئے تھے اور کسے فون کیا تھا؟ ورنہ گریبان چھوڑ کر گردن پکڑ لوں گا اور اس وقت تمہیں کوئی چھڑانے والا بھی نہیں ہے۔" وہ دھاڑا۔

"بتاتا ہوں پہلے میرا گریبان چھوڑو۔" اب کے احمر نے ایک جھٹکے سے اس کا گریبان چھوڑا۔ "وہاں گیا تھا اور فون بھی کیا تھا ایک آدھ مرتبہ۔"

"کیوں؟" احمر نے بمشکل ضبط کیا۔

"دوسرا سیٹ خراب تھا اس لیے۔" وہ ایک نمبر کا ڈھیٹ تھا۔

"کیا نمبر تھا جس پر تم نے فون کیا تھا۔ جھوٹ مت بولنا۔" شہریار کو منہ نہ کھولتے دیکھ کر احمر نے ہاتھ اٹھا کر اسے وارننگ دی اور جیسے ہی شہریار نے نمبر بتایا احمر کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

❁......❁......❁

"خیریت تو ہے آپی بڑے لشکارے مار رہی ہیں؟" وہ پڑھ رہی تھی جب عرشیہ چائے لے کر کمرے میں داخل ہوئی۔

"بکومت۔" عرشیہ جھینپ کر مسکرائی۔

"اوئے ہوئے۔" اس نے چائے لی تو عرشیہ نے ایسی زوردار دھپ لگائی کہ ہائے ہائے کراٹھی۔ یہ تو اچھا ہوا کہ اس نے چائے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی تھی۔

"کیا ہے آپی جب بھی اپنے ان سے بات کرکے آتی ہیں پرتشدد واقعات میں ملوث پائی جاتی ہیں۔" اس نے دہائی دی۔

"تمہیں کیسے پتہ چلا کہ میں فون پر بات کررہی تھی۔" اس نے حیرت سے پوچھا۔ اب وہ کیا بتاتی کہ آج کل فون کی گھنٹی اسے کس قدر خوف زدہ کردیتی تھی۔ "تم تو کمرے میں تھیں ناں۔"

"ارے میری پیاری اور بھولی آپی فون پر ہمارے جیجاجی سے بات کرتے ہوئے آپ کی آنکھیں کام کرنا چھوڑتی ہیں اردگرد کے لوگوں کی نہیں۔" اس نے بات بنائی۔ "ویسے کیا ارشاد فرمارہے تھے محترم۔"

"کہہ رہے تھے ایک بار مل لوں ان سے۔" عرشیہ نے سر جھکا کر کہا۔ "مگر میں نے منع کردیا۔"

"وہ کیوں بھلا سنا نہیں ہے...... ایک ملاقات ضروری ہے صنم اک ملاقات سوری غیر ضروری ہے۔" عرشیہ کے گھورنے پر اس نے ٹریک بدلا۔ "ویسے میں مدد کرسکتی ہوں آپ دونوں کی۔"

"کوئی ضرورت نہیں۔"

"ایویں ہی ضرورت نہیں۔ اب مجھ سے کیا پردہ آپی۔" اس نے عرشیہ کے کندھے پر بازو رکھ کر بڑے اسٹائل سے کہا مگر جب عرشیہ نے جھٹکے سے کندھا پیچھے کیا تو وہ اپنی ہی جھونک میں بیڈ پر سجدے کے بل گرگئی۔

"تم یہاں خیالی پلاؤ پکاؤ میں کھانا پکانے جارہی ہوں۔" عرشیہ دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ پھر کچھ خیال آنے پر اچانک پلٹی۔ "ارے ہاں یاد آیا گڑیا اس نمبر سے دوبارہ تو کوئی کال نہیں آئی۔"

"نہیں...... نہیں تو آپی پھر تو کوئی کال نہیں آئی۔" وہ گڑبڑا گئی۔ اب وہ انہیں کیا بتاتی کہ بندہ بدل گیا تھا کال کرنے والا سوتا سمنگ بھی کال کی خراب ہوئی تھی۔ ورنہ تو ان دونوں کی غیر موجودگی میں ہی کال آتی تھی۔

"شیور؟" عرشیہ نے اسے بغور دیکھا۔

"ہنڈرڈ پرسنٹ شیور آپی خیر دفع کریں یہ بتائیں آج پکے گا کیا؟" اس نے فوراً ہی بات بدلی۔

❁......❁......❁

موسم تھا بے قرار تمہیں سوچتے رہے
کل رات بار بار تمہیں سوچتے رہے
بارش ہوئی تو گھر کے دریچے سے لگ کے ہم
چپ چاپ سوگوار تمہیں سوچتے رہے

وہ جانے فرار کا راستہ ڈھونڈ رہا تھا یا اس آواز میں واقعی کوئی ایسی بات تھی کہ وہ معافی مانگنے کے لیے پانچویں بار فون کررہا تھا۔ دوبار تو اس کے بجائے کسی اور نے فون اٹھایا تھا ایک بار اس نے فون اٹھایا تو بغیر بات کیے رانگ نمبر کہہ کر فون بند کردیا۔ آخری بار جب اس نے کال کی تو اچھی خاصی سننی پڑی تھیں۔

"السلام علیکم!" جیسے ہی اس کی کال ریسیو ہوئی ہیلو کے جواب میں اس نے جلدی سے سلام کیا۔

"جی فرمائیے کیا تکلیف ہے؟" وہ بھی شاید آواز پہچان گئی تھی۔

"دیکھیں پلیز میں نے اس دن ساری بات واضح کردی تھی میرے خیال میں آپ کو مجھے معاف کردینا چاہیے۔"

"بڑا نیک خیال ہے چلیں معاف کردیا مگر دوبارہ کال مت کیجیے گا۔" اس نے جان چھڑائی۔

"دیکھیے مس کائنات میں......"

"آپ کو میرا نام کیسے پتہ چلا بلکہ کس سے پتہ چلا؟" وہ یک دم چونکی۔

"اسی سے پتہ چلا جس سے باقی ساری حقیقت پتہ چلی۔ ویسے میرا نام احمر ہے۔" اس نے لگے ہاتھوں اپنا تعارف بھی کرادیا۔

"دیکھیے مسٹر احمق۔"

"جی......" وہ اچھل پڑا۔ "ایکسکیوزمی مس میرا نام احمر ہے احمر۔"

"چلیں جو بھی ہے بس اس بدتمیز انسان کو سمجھادیں کہ اپنی حد میں رہے ورنہ اس سے کہیں زیادہ اسے ذلیل کروں گی جتنا میں نے اس کی کالج سے گھر ڈراپ کرنے کی آفر پر اور اس کی بے ہودہ بکواس پر کیا تھا۔ ایسے لوفر قسم کے امیرزادوں کو ٹھیک کرنا آتا ہے مجھے۔"

"یعنی آپ اسے دیکھ چکی ہیں؟" اس نے بات سے بات نکالی۔

"نہیں وہ اس وقت برقعے میں تھا۔" وہ بھی اپنے نام کی ایک ہی تھی۔

"پھر موصوف فرماتے ہیں میرا نام احمر ہے احمر۔" اس کی بڑبڑاہٹ اتنی اونچی تو ضرور تھی کہ موصوف نے آسانی سے سن لی۔

"میرا مطلب ہے اس کے پاس آپ کا نمبر کیسے پہنچا۔" اس نے اپنی خجالت مٹائی۔

"آپ کو کیوں بتاؤں آپ میرے ماموں لگتے ہیں۔" اس کی بات پر احمر نے بے ساختہ لاحول پڑھی۔

"خیر کیا یاد کریں گے بتادیتی ہوں اس کی کوئی جاننے والی ہے جو میری کلاس میں پڑھتی ہے اسی نے جانے کیسے اپنے سگے کے لیے میرا نمبر حاصل کرلیا۔"

"او...... اچھا اچھا۔" وہ کہہ کر سوچنے لگا کہ اب کیا بات کرے۔

"ویسے گفتگو طوالت اختیار کرتی جارہی ہے مگر ایک بات ہے۔" اس نے طوالت پر خاصا زور دے کر کہا۔

"کیا بات ہے؟" احمر نے پوچھا۔

"مجھے لگتا ہے میں نے پہلے بھی آپ کی آواز کہیں سنی ہے۔" وہ پرسوچ انداز میں بولی۔

"اچھا اگر میں بھی یہ ہی بات کہوں تو......" وہ مسکرایا۔

"لو جی رولا ہی مک گیا۔ آپ تو تیار بیٹھے تھے۔" وہ اپنی جون میں آگئی۔ "خیر...... آپ نے معافی مانگ لی اور میں نے دے دی اب بہتر ہوگا آپ دوبارہ فون نہ کریں۔"

"اگر میں کہوں کہ میں دوبارہ آپ کی آواز سننا چاہتا ہوں تو؟" اس نے جیسے اجازت مانگی۔

"تو لعنت ہے آپ پر مسٹر احمق۔" اس نے کھٹاک سے فون بند کیا تو احمر سر پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔ گھڑی پر نگاہ ڈالی تو حیران رہ گیا وہ اتنی دیر سے کیسے ایک لڑکی سے بات کررہا تھا وہ بھی اتنے اچھے موڈ میں حالانکہ ایک عرصہ ہوا عورت ذات کے لیے اس کے دل سے اعتبار احترام اور لہجے سے نرمی ختم ہوگئی تھی۔

"پہلے وہ آنکھیں اور اب یہ آواز۔" وہ الجھ گیا۔ پھر اسی آواز کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنے لگا جبکہ دو سیاہ آنکھیں اس کی توجہ بھٹکا رہی تھیں۔

❁......❁......❁

"قنات بی بی آپ سے کوئی ملنے آیا ہے۔" ملازمہ نے آکر بتایا تو کائنات نے اسے جھنجلا کر دیکھا۔

"کتنی بار کہا ہے کائنات نام ہے میرا کائنات۔" اس نے کائنات پر زور دیا۔

"اچھا جی اب کائی نات بی بی کہوں گی۔" اس نے نام کا بالکل ہی بیڑا غرق کردیا تو کائنات سر پیٹ کر رہ گئی۔

"یہ لے خدا کی بندی۔" اس نے ہاتھ جوڑے۔ "میرے نام کا قیمہ نہ بنا۔ تم مجھے بس چھوٹی بی بی ہی کہہ لیا کرو۔"

"مگر آپ کو تو بی بی کہنے پر بھی غصہ آتا ہے ناں؟" وہ بھی اسی کی ملازمہ تھی۔

"آتا ہے مگر اتنا نہیں آتا جتنا قنات اور کائی نات پر آتا ہے۔" کائنات نے بے چارگی سے کہا۔

"اوہو بی بی جی دفع کریں جو بھی نام ہے۔" اس کی بات پر کائنات نے اسے بری طرح گھورا۔ "میرا مطلب

ہے جی اصل بات تو آپ نے مجھے بھلا ہی دی‘ باہر آپ سے کوئی ملنے آیا ہے۔"

"مجھ سے کون ملنے آیا ہے بھلا؟"

"وہ جی کوئی احمر صاحب ہیں کہہ رہے تھے آپ سے ملنا ہے۔" ملازمہ نے اس بار اس کا نام لینے سے پرہیز کیا۔

"ہیں احمر صاحب۔" کائنات کو جیسے پانچ سو والٹ کا کرنٹ لگا۔ گود میں رکھی چپس سے بھری پلیٹ دور جا گری۔

"جی! مگر آپ کو کیا ہوا؟" ملازمہ نے اسے حیرت سے دیکھا۔

"کچھ نہیں ہوا تم جاؤ۔" اسے بھیج کر وہ خود سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ پچھلے دو ماہ سے احمر اسے فون کر رہا تھا۔ وہ ہر کال کے اختتام پر اسے دوبارہ کال کرنے سے منع کرتی مگر اس کی گفتگو اس قدر شائستہ اور بے ہودگی سے پاک ہوتی تھی کہ وہ اس کی ہر کال ریسیو کر لیتی۔ وہ عام سے موضوع پر بات کرتا تھا مگر اس کے لہجے میں جانے کیا خاص بات ہوتی تھی کہ وہ چونک جاتی۔ اس کی پوری گفتگو میں کوئی ایک آدھ جملہ ایسا ضرور ہوتا تھا کہ اس کے اگلی کال تک وہ خوابوں کے جھولے میں جھولتی رہتی۔

"یااللہ اب کیا کروں میں؟ مجھے پتہ ہوتا کہ میرے ملنے سے انکار پر وہ میرے گھر چلا آئے گا تو..... تو بھی بھلا کیا کرتی میں۔" اس نے سر جھٹکا۔ "لیکن ہوسکتا ہے وہ بابا سے ملنے آیا ہو اور انہیں نہ پا کر میرا نام لے لیا ہو۔ ہاں یہی بات ہوگی‘ بابا سے ملنے کا کہہ بھی تو رہا تھا۔ بابا سے ملنے ہی آیا ہوگا ورنہ اسے کیا پتہ کہ میں گھر میں اکیلی ہوں؟ ویسے ملنے میں حرج بھی کیا ہے۔ ویسے بھی جس بندے کی آواز اتنی شاندار تھی وہ خود کیسا ہوگا‘ پتہ تو چلے؟" اچانک در آنے والی سوچ پر وہ خود کو سرزنش کرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

لان میں آ کر اس نے نظر دوڑائی۔ وہ کرسیوں کے پاس ہی کھڑا تھا۔ میرون شلوار قمیص میں کندھے پر بلیک شال ڈالے اس کی کائنات کی طرف پشت تھی۔

"مسٹر احمر آپ کو یوں منہ اٹھا کر میرے گھر......" دل میں جو بھی تھا اس کے لہجے میں اچھا خاصا غصہ تھا۔

احمر اس اچانک حملے کے لیے تیار نہیں تھا گھبرا کر پلٹا۔

"تم......" دونوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا تھا۔ کچھ دیر کے لیے تو وہ دونوں ساکت کھڑے رہ گئے تھے۔ پھر کائنات کا چہرہ تیزی سے سرخ ہوا تھا۔

"میں نے اپنے رب سے بڑی دعائیں کی تھیں مسٹر احمر کہ ذلت اس شخص کا بھی مقدر بنے جس نے سڑک کے بیچ کھڑے ہو کر مجھے ذلیل کیا تھا۔ میں اپنی تذلیل کبھی نہیں بھول سکتی۔ میں نے خود سے عہد کیا تھا کہ اگر زندگی نے مجھے موقع دیا تو میں آپ کا تھپڑ آپ کو ضرور لوٹاؤں گی مگر میں نہیں جانتی تھی کہ تقدیر ہمیں یوں روبرو لے آئے گی کہ میں خود سے کیا عہد بھی نباہ نہیں پاؤں گی لیکن میں آپ کو کبھی بھی معاف نہیں کرسکتی۔ بہتر ہوگا کہ آپ دوبارہ مجھے اپنی شکل نہ دکھائیں۔ ورنہ میں بھول جاؤں گی کہ آپ میں اور مجھ میں بے نام سا ہی سہی مگر کوئی تعلق رہا تھا۔" وہ اپنی بات مکمل کر کے تیزی سے پلٹی اور بھاگتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ جبکہ احمر ابھی تک ساکت کھڑا تھا۔ تقدیر نے اس کے تھپڑ کا جواب بڑے بھرپور انداز میں دیا تھا۔ وہ سیاہ آنکھوں کے طلسم سے نکلتا تو بڑی آسانی سے آواز میں مشابہت ڈھونڈ لیتا اور اب ان سیاہ آنکھوں کا پھیلتا کاجل اسے بے کل کر گیا تھا۔

❁......❁......❁

"کیا؟ یعنی اتنے عرصے سے تو اس لڑکی سے ٹیلی فونک عشق فرما رہا تھا جسے تو نے تھپڑ مارا تھا؟" اسد کی آنکھیں حیرت سے پھٹنے کے قریب تھیں وہ دونوں اس وقت احمر کے بیڈ روم میں بیٹھے تھے۔ "اور تو مجھے آج بتا رہا ہے؟"

"یار کوئی مناسب وقت ہی نہیں ملا بتانے کو۔"

"ہاں ہاں اب ہم دونوں کو ایک دوسرے کو بتانے کے لیے مناسب وقت دیکھنا پڑے گا پھر تو فٹے منہ ہم دونوں کا‘ خاص طور پر میرا۔" اس کی بات نے اسد کو تپا دیا تھا۔ "آج

بھی اگر میں نہ آتا تو‘ تو نے نہ مجھ سے ملنا تھا اور نہ مجھے کچھ بتانا تھا۔ ذرا سوچ کر بتا اس سے پہلے کبھی اتنے دنوں بعد ہم ملے ہیں۔"

"اچھا بابا معاف کردے۔" اس نے کان پکڑے۔

"اب مجھے بتا میں کیا کروں؟ پچھلے ایک ماہ سے اس سے رابطے کے لیے کی جانے والی ساری کی ساری کوششوں کا نتیجہ صفر رہا۔"

"کیوں میں کیوں بتاؤں مجھ سے پوچھ کر یہ کھڑاگ پالا تھا یا میں نے کہا تھا کہ کسی بھی راہ چلتی لڑکی کو تھپڑ مار کر اپنا غصہ ٹھنڈا کر۔ نہ بتا ناں ہیرو یہ حقیقی زندگی ہے اور اس میں ہیروئن کا دماغ اتنا کھسکا ہوا نہیں ہوتا کہ تھپڑ کھانے کے بعد ہیرو کے نرم اور شرمندہ رویے سے متاثر ہو کر محبت شروع کردے۔" اسد کا اپنی لاعلمی پر غصہ کسی صورت کم نہیں ہو رہا تھا۔

"یعنی تو میری کوئی مدد نہیں کرے گا۔" احمر نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"نہیں۔" اس نے ہری جھنڈی دکھائی۔

"ٹھیک ہے پھر میرا پیچھا چھوڑ مرنے دے مجھے اور خبردار مجھے روکنے کی کوشش مت کرنا۔" اس نے ایک تکیہ اٹھا کر اسد کو مارا اور دوسرا منہ پر رکھ کر بیڈ پر لیٹ گیا۔

"اچھا چھوڑ اب‘ زیادہ ٹریجڈی فلموں کا ہیرو نہ بن‘ پہلے الٹی سیدھی حرکتیں کرتا ہے اور پھر رونی صورت بنا لیتا ہے۔ پہلے ہی صورت ماشاءاللہ ہے اس طرح مزید پھٹکار برسنے لگتی ہے۔" اسد نے اس کے منہ سے تکیہ زبردستی ہٹا کر دور پھینکا۔

"میری شکل کو کچھ نہ کہہ یار ماما ناراض ہوجائے گی۔" وہ افسردگی سے مسکرایا۔

"اب یوں مسکرا کے مجھے غصہ نہ دلا۔ میں نے تمہیں ہمیشہ کہا ہے اپنے غصے کو کنٹرول کیا کر۔ ورنہ تیرا جذباتی پن تجھے نقصان پہنچائے گا۔" اسد کے لہجے میں تاسف تھا۔

"یار میں کوئی جان بوجھ کر تھوڑی کرتا ہوں۔ میرے حالات تیرے سامنے ہیں۔ آخر کو میں بھی انسان ہوں فرشتہ تو نہیں۔"

"ارے جان جگر تجھے کون کہتا ہے کہ تو فرشتہ بن‘ لیکن برداشت بھی تو کسی چیز کا نام ہے ناں‘ خیر چھوڑ بس کیا ہے کہ جب تجھے یوں دیکھتا ہوں ناں تو مجھے دکھ ہوتا ہے یار۔" اسد کے خلوص پر احمر کو ذرا سا بھی شک نہیں تھا۔ یہ کمرہ اس کے آنسوؤں کا‘ اس کے رت جگوں کا گواہ تھا مگر اسے لگا کہ آج اسے ایک کندھے کی ضرورت ہے جس پہ سر رکھ کر وہ سارے آنسو نکال دے۔ پھر وہ اس کے گلے لگ کر شدت سے رو پڑا تھا۔ اسے اس لمحے بابا کی یاد شدت سے آئی تھی اور چپکے سے اپنی گمشدہ ماں کا خیال بھی باپ کی یاد کے ساتھ آ کھڑا ہوا تھا۔ جبکہ اسد حیران رہ گیا تھا۔

"ارے پاگل ہوگیا ہے کیا ایک لڑکی کے لیے رو رہا ہے۔" احمر کے آنسوؤں کی نمی اسد کی آواز میں گھلی ہوئی تھی۔ وہ دونوں ہی جانتے تھے کہ احمر کے آنسو ایک لڑکی کے لیے نہیں محبت کے لیے تھے جو کبھی احمر کو راس نہ آئی تھی۔

"نہیں......" احمر نے اس سے الگ ہو کر آنسو صاف کیے۔ "بس ویسے ہی۔"

"بس ویسے ہی۔" اسد نے اس کی نقل اتاری تو احمر بھی دھیرے سے ہنس دیا۔

"اچھا اب یہ سوچ کہ کرنا کیا ہے۔ ٹھیک ڈیڑھ ماہ بعد میری شادی خانہ آبادی ہے یا پھر خانہ بربادی کہہ لے تو میں چاہتا ہوں کہ اس دن تیرا یہ چہرہ سوجا ہوا نہ ہو۔ بلکہ تو میری شادی کو انجوائے کرے۔"

"میرے خیال میں تمہاری شادی تک میں مزید اپنے طور پر کوشش کرتا ہوں۔"

"ہاں تو اپنے طور پر کوشش کرتے رہنا اور میں شادی کی تیاریاں کرتا رہوں گا۔ پہلے ہی میری چولیں ہل گئی ہیں‘ کام کر کر کے لگتا ہی نہیں ہے کہ ما بدولت دلہا ہیں۔ اگر یہی حال رہا ناں تو شادی تک میں نہیں بچنے والا۔ تجھے تو اپنے سوگ سے فرصت نہیں۔" اسد کا مقصد اسے شرمندہ

کرنا نہیں محض اسے اس دکھ کی کیفیت سے نکالنا تھا مگر احمر اچھا خاصا شرمندہ ہوگیا۔ واقعی اسے تو اپنے ہی غموں سے فرصت نہیں تھی۔

''اوکے یار تو بن جا دولہا۔ میں سارے کام سنبھال لوں گا اب لیکن ایک بات طے ہے کہ اگر اپنی شادی کے فوراً بعد تو نے میری شادی کا انتظام نہ کیا تو میں نے بھابی کو تیرے خلاف کردینا ہے۔'' احمر نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا تو اسد نے اسے بغور دیکھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کے اعصاب کم از کم کچھ عرصہ تو پرسکون رہیں۔

''سوچ لے یہ نہ ہو کہ میری شادی تک تو مجھے کوستا رہے۔''

''سوچ لیا جان جگر تو ویسے بھی اتنا خود غرض نہیں تھا کہ اپنے دوست کی خوشی خراب کرتا۔''

❁......❁......❁

''کائنات......'' عرشیہ کے دوبار پکارنے پر بھی جب وہ اپنی سوچوں سے باہر نہ نکلی تو تیسری بار پکارتے ہوئے اس نے کائنات کا کندھا ہلایا۔

''آں ہاں جی آپی۔'' وہ بری طرح چونکی۔

''کیا بات ہے گڑیا۔ کس سوچ میں گم ہو؟'' عرشیہ نے فکرمند انداز میں پوچھا۔

''کچھ نہیں آپی بس ایسے ہی۔'' اس نے اپنے ہاتھوں پر نگاہیں ٹکائیں۔

''ادھر دیکھو میری طرف کیا بات ہے؟'' عرشیہ نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر اوپر کیا۔

''وہ آپی آپ اور بابا مجھے فورس کر رہے تھے ناں کہ دو ہفتہ پہلے آنے والے رشتے کے لیے ہاں کردوں۔''

''ہاں تو پھر؟'' عرشیہ نے اسے بغور دیکھا۔

''انہیں ہاں کردیں۔'' اس نے عرشیہ کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام کر نیچے کیے اور انہیں دیکھتے ہوئے یہ مشکل مرحلہ بھی سر کرلیا۔ جانے وہ کس کو سزا دینا چاہ رہی تھی۔ اتنی اذیت پسند تو وہ کبھی نہ تھی۔

''یہ تو بہت خوشی کی بات ہے۔ اس میں اتنا اداس ہونے کی کیا بات ہے۔'' عرشیہ کے لیے اس کا جواب غیر متوقع تھا۔

''اپنے رشتے کی بات پر آپ بھی اداس ہوئیں تھیں آپی یاد کیجیے۔'' اس نے زبردستی اپنے لہجے میں بشاشت پیدا کی۔

''مگر تم خوش ہوئی تھیں۔'' عرشیہ نے اس کے سر پر چپت لگائی۔ پھر سنجیدگی سے بولی۔ ''دیکھو گڑیا بابا کو یوں اکیلے چھوڑنے پر میرا دل بھی آمادہ نہیں ہے لیکن بابا اس رشتے پر اس قدر مطمئن تھے کہ مجھے ان کا ساتھ دینا پڑا۔ رشتہ ہے بھی بہت اچھا۔ ٹھیک ہے اس لڑکے کا اس دنیا میں سوائے باپ کے کوئی نہیں ہے اور تمہیں جوائنٹ فیملی پسند ہے مگر اس بے وقوفانہ سی بات پر اتنے اچھے رشتے کو رد تو نہیں کیا جاسکتا ناں۔'' وہ عرشیہ کی بات پر دھیرے سے مسکرائی کہ اس نے اس رشتے سے انکار کرتے ہوئے یہ ہی دلیل دی تھی۔

''اور پھر تم کراچی جاؤ گی ناں بیاہ کر میں تو یہیں پر ہوں گی۔ میں بابا کا پورا پورا خیال رکھوں گی۔'' عرشیہ نے اسے تسلی دی۔

''آپی میری بس ایک شرط ہے۔''

''وہ کیا؟'' عرشیہ نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''یہ کہ آپ بابا کو اپنے طور پر راضی کریں گی کہ میری اور آپ کی شادی ایک ہی دن ہوگی۔'' اس کی غیر متوقع بات پر عرشیہ ایک بار پھر حیران رہ گئی۔

''کوئی بات ہے ضرور کائنات۔'' عرشیہ متفکر ہوئی۔

''نہیں آپی کوئی بات بھی نہیں ہے جو کام کرنا ہے تو پھر وہ کل کا ہوتا آج ہوجائے۔'' اس نے عرشیہ سے زیادہ خود کو تسلی دی۔

''کچھ چھپا رہی ہو مجھ سے؟''

''کیا ہے آپی پہلے انکار پر پریشان تھیں اب اقرار پر۔'' وہ چڑی تو عرشیہ خاموش ہوگئی۔ ''سوری آپی بس میں نہیں چاہتی کہ بابا ہم دونوں کو رخصت کرتے وقت بار بار اداس ہوں جو اداسی پھیلنی ہے وہ ایک بار ہی پھیل جائے۔''

''اوکے۔'' عرشیہ نے نہ چاہتے ہوئے بھی ہتھیار ڈال دیے۔ ''جیسے تمہاری مرضی لیکن اگر تم تصویر دیکھنا چاہو یا بات کرنا چاہو تو......''

''نہیں آپی اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ بس آپ بابا تک میری بات پہنچادیں۔'' اس نے عرشیہ کی بات کاٹ کر کہا تو عرشیہ ایک بار پھر سوچ میں پڑ گئی۔ اس نے تو نام تک نہیں پوچھا تھا۔

❁......❁......❁

اس نے واقعی ساری ذمہ داریاں اپنے سر لے لی تھیں۔ آج بھی جب وہ اسد کے گھر پہنچا تو آمنہ اور علی اصغر صاحب کسی کو دعوت دینے کے لیے جانے ہی والے تھے۔ آمنہ نے مسکراتے ہوئے بتایا کہ اسد سسرال گیا ہوا ہے اسے آرام کی تلقین کرکے آمنہ اور علی اصغر تو وہ اپنے لیے چائے بنا کر اسد کے کمرے میں آگیا۔ اس وقت وہ ایک کتاب دیکھتے ہوئے چائے پی رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی وہ سمجھا شاید چوکیدار ہو کسی کے ملنے کی اطلاع دینے یا کسی اور کام سے آیا ہو۔ اس نے دروازے کی طرف پشت کیے ہوئے ہی ''یس'' کہا تو دروازہ تیزی سے کھلا۔

''ارے اسد بھائی یہ دیکھیں اپنی شاپنگ اتنا خوار ہونا پڑا مجھے......'' وہ اپنی ہی دھن میں بولتی ہوئی اندر آئی تھی جب احمر پر نگاہ پڑی تو بات ہی بھول گئی۔ ان کی ہر ملاقات ہی پہلی ملاقات سے مختلف ہوتی تھی احمر بھی حیران تھا۔

''آپ یہاں؟'' اس خاموشی کو احمر نے توڑا۔

''سوری میں سمجھی یہ اسد بھائی کا کمرہ ہے تو وہی ہوں گے یہاں۔'' وہ بھی اپنی حیرت پر قابو پاچکی تھی۔

''مجھے یہاں دیکھ کر حیرت ہو رہی ہے یا افسوس؟'' اس نے کپ ٹیبل پر رکھتے ہوئے اسے دیکھا۔

''اگر یہی بات میں آپ سے پوچھوں تو؟'' کائنات نے اسے تیکھی نظروں سے دیکھا۔

''اس میں پوچھنے کی کون سی بات ہے آپ کو لگ نہیں رہا کہ مجھے خوشی ہوئی ہے؟ ہاں حیران ہونا میں نے اب چھوڑ دیا ہے۔'' پینٹ کی جیبوں میں دونوں ہاتھ پھنسا تا وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ ''میں پوچھ سکتا ہوں اسد سے آپ کا کیا رشتہ ہے؟''

''یہ بات میں نے تو آپ سے نہیں پوچھی۔''

''چلیں میں آپ کو بتا دیتا ہوں کہ میں اسد کا دوست بھی ہوں اور بھائی بھی غالباً آپ اس کی کوئی کزن ہیں۔''

''حیرت ہے اسد بھائی کا دوست اور بھائی ان کی کزنز کو نہیں جانتا۔ خیر آپ بتانا پسند کریں گے کہ آنٹی اور اسد بھائی وغیرہ کہاں ہیں کہاں۔''

''میں تو بتانا پسند کروں گا مگر شاید آپ کو یہ جان کر کوئی خاص خوشی نہ ہو کہ اس وقت اس گھر میں میرے سوا اور کوئی نہیں۔'' دو قدم اس کی جانب بڑھتے ہوئے اس نے کہا تو وہ حقیقتاً سٹپٹا گئی۔

''کیا......! آپ نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟'' اس نے نظروں ہی نظروں میں دروازے تک کا فاصلہ ناپا۔

''آپ نے پوچھا ہی نہیں۔'' احمر کو اس کی حرکت پر ہنسی آگئی۔

وہ تیزی سے دروازے کی جانب بڑھی تھی اور اس سے کہیں پھرتی سے احمر دروازے تک پہنچا اور دروازہ بند کرکے اس سے ٹیک لگا کر کھڑا ہوگیا۔ وہ اس سے ٹکراتے ٹکراتے بچی تھی۔

''کک...... کیا بدتمیزی ہے۔ راستہ چھوڑیں میرا۔'' اب کے وہ اپنی گھبراہٹ پر قابو نہ رکھ سکی وہ اس شخص کی جنونیت دیکھ چکی تھی۔

''اچھا جی اب میری حرکت بدتمیزی لگ رہی ہے تو کیا چوکیدار نے نہیں بتایا تھا کہ اس وقت گھر میں میرے علاوہ کوئی نہیں؟'' طنز کرتے ہوئے وہ سینے پہ ہاتھ باندھ گیا۔

''اس شخص کی بدگمانیوں کی واقعی کوئی حد نہیں ہے۔'' کائنات نے اسے تاسف سے دیکھا۔

''آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ چوکیدار گیٹ پر نہیں تھا۔'' وہ ضبط کرگئی۔

''اور اس کے لیے تو مجھے چوکیدار کا ساری عمر شکر گزار رہنا چاہیے کہ اس نے مجھے موقع دے دیا آپ سے معافی

مانگنے کا۔" اس نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تو وہ بے اختیار نگاہ چرا گئی۔

"میں نے آپ کو معاف کیا پلیز مجھے جانے دیں۔" وہ اور کہتی بھی تو کیا۔

"اس طرح تو معاف نہیں کرتے ناں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"تو پھر کس طرح معاف کرتے ہیں۔" وہ حقیقتاً زچ ہوئی۔ "آپ ہی بتا دیں۔"

"میرا طریقہ شاید تمہیں پسند نہ آئے۔" اس نے آپ سے تم تک کا سفر طے کرلیا تھا اور کائنات چاہتے ہوئے بھی اسے روک نہ سکی۔

"تم ایک بار میری بات سن لو تو تم خود ہی معاف کردو گی۔" وہ سنجیدہ ہوا۔

"یقین مانو اس وقت میں دنیا سے متنفر تھا اور مجھ سے پوری کائنات آ ٹکرائی۔"

"میں نے کچھ نہیں سننا۔" اس کے زیرلب مسکرانے پر کائنات نے چڑ کر کہا۔

"ٹھیک ہے کچھ نہ سنو مگر ایک بات کا جواب ہی دے دو۔" وہ پل بھر کو رکا تو اس نے بے چینی سے اسے دیکھا۔ "دل یو میری می؟"

"نو نیور۔" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"کیوں؟" وہ مچلا۔

"میں نہیں جانتی کہ کس کے برے کردار نے آپ کو اس قدر بے اعتبار انسان بنا دیا ہے لیکن میں نہیں چاہتی کہ کسی کی بدکرداری یا گناہوں کی سزا میں ساری عمر بھگتوں۔" کائنات نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات شروع کی مگر بات کے اختتام تک جاتے احمر کے چہرے پر کون سا تاثر نمایاں ہوا کہ وہ خائف ہو کر اس کی طرف سے رخ موڑ گئی۔ مگر اگلے ہی پل اسے لگا جیسے اس کی جان نکل گئی ہو۔ احمر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک جھٹکے سے اس کا رخ اپنی جانب کیا اور اس سے ٹکرانے سے بچنے کے لیے کائنات نے بے ساختہ ہی اس کے سینے پہ ہاتھ رکھا تھا۔ اس کی گرفت اس قدر سخت تھی کہ کائنات کی کلائی پہ موجود چند چوڑیاں ٹوٹ گئی تھیں اور کانچ کچھ احمر کی ہتھیلی میں چبے تھے اور کچھ کائنات کی کلائی میں، مگر احمر کو ہوش کہاں تھا۔ کائنات ایک نظر اس پر ڈال کر اپنی کلائی کو چھڑوانے کے لیے مچلی، اس کی آنکھوں میں جگنوؤں کی جگہ سرخی نے لے لی تھی۔

"ہر بار مجھے غصہ دلاتی ہو اور پھر مجھے الزام دیتی ہو۔ تمہارے دل کی عدالت میں میرے لیے ذرا سی بھی رعایت نہیں ہے تو کیوں نہ میں ایسا کروں کہ آج میں بھی کوئی رعایت نہ برتوں۔" اس کے لہجے کی ٹھنڈک کائنات کے رگ و پے میں اتر گئی تھی۔

"پلیز چھوڑ دیں مجھے۔ کیا بگاڑا ہے میں نے آپ کا؟" اس نے آنسوؤں سے بھری آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا اور احمر پھر ہار گیا، اس کا دل جیسے ان آنکھوں میں ڈوب کے ابھرا تھا۔

"ہر بار مجھے ان سمندروں کے حوالے کردیتی ہو۔ میں نے کیا بگاڑا ہے تمہارا؟" اس نے آہستگی سے اس کا ہاتھ چھوڑ کر بے بسی سے کہا۔ کائنات نے آنسوؤں سے بھری آنکھیں اٹھا کر اسے حیرت سے دیکھا اور اس کی نظروں میں جانے کیا تھا جو اسے نظریں جھکانے پر مجبور کر گیا۔

"جنگلی......" اس کیفیت سے باہر نکلنے کے بعد وہ اپنی خون آلود کلائی پر ہاتھ رکھتے ہوئے زیرلب بولی۔ اس کا مقصد احمر کو سنانا نہیں تھا مگر دو قدم کے فاصلے پر کھڑا احمر نہ سنتا یہ ممکن نہ تھا۔

اس نے دو قدم کا فاصلہ سمیٹ کر ایک قدم کیا پھر بایاں ہاتھ اس کے کندھے پہ رکھ کر دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت اور انگوٹھے سے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر چہرہ اونچا کیا۔

"جب تم آنسوؤں سے بھری آنکھیں اٹھا کر مجھے دیکھتی ہو ناں تو میرا جی چاہتا ہے ان سے چھلکاتی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر انہیں محسوس کروں۔ کبھی جو میں نے دل کی مان لی تو تمہیں برا لگے گا سو مجھے یوں نہ دیکھا کرو۔"

اس کی بات پر وہ سختی سے آنکھیں میچ گئی اور احمر کو یوں لگا جیسے ساری سے چھلک گئی ہو۔ اس نے ان موتیوں کو گالوں پہ لڑھکتے دیکھا اور اپنے دونوں ہاتھ پیچھے کر کے دو قدم پیچھے ہٹتے ہوئے رخ موڑ گیا۔

"آئم سوری میں نے تمہاری کلائی زخمی کردی۔" وہ اسے کیسے بتاتی کہ اس نے صرف کلائی زخمی نہیں کی تھی۔ "تم بیٹھو میں دوا لگا دیتا ہوں۔"

کائنات نے آنکھیں کھول کر حیرت سے رخ موڑ کر کھڑے اس شخص کو دیکھا کیسا دھوپ چھاؤں سا مزاج رکھتا تھا وہ، پہلے زخم دیتا اور پھر مرہم لگانے کی ضد کرتا تھا۔

"پلیز مجھے جانے دیں۔" وہ اگر اس وقت غائب ہوسکتی تو وہاں سے غائب ہوجاتی۔ اس نے چند پل اسے دیکھا پھر افسردگی سے مسکرا دیا۔

"بلھے شاہ لوکی ہس کے یار منالیندے ساڈا رونڑاں وی نا منظور ہویا۔" وہ کہتے ہوئے دروازے کے سامنے سے ہٹا اور اسے لگا وہ کبھی یہاں سے ہل نہیں سکے گی وہ سن سی کھڑی تھی وہ اسے کیسے بتاتی کہ اس کے پاس وہاں رکنے کا بھی کوئی جواز نہیں تھا۔

"جاؤ مگر اس یقین کے ساتھ جاؤ کہ میں ایک دن ان آنکھوں کو پورے استحقاق سے محسوس کروں گا۔" اس نے اسے یونہی کھڑے دیکھ کر خود دروازہ کھول کر اسے رستہ دیا۔ کائنات کو لگا کہ وہ چند پل بھی اور رکی تو یہ خیانت ہوگی۔ وہ تیر کی طرح وہاں سے نکلی اور احمر کو لگا اب اس کی منزل اتنی دور نہیں اور پھر وہ وہیں بیٹھ کر ٹوٹی چوڑیاں چننے لگا۔

......☆☆☆......

اس نے آئینے میں خود کو بغور دیکھا۔ سفید شلوار قمیص، ہاتھ میں سیاہ گھڑی اور پاؤں میں سیاہ جوتے۔ چہرے پر عجیب سی سوگواریت لیے وہ بشاش نظر آنے کی کوشش میں تھا۔ بخار کے اثرات چہرے پر نمایاں نہ سہی مگر بغور دیکھنے سے ضرور پتہ چلتا تھا کہ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ لاکھ مطمئن سہی مگر کوئی احساس تھا جو اسے بے چین کر رہا تھا۔ اس نے شادی کی تیاریوں میں اپنے دل کی حالت چہرے سے عیاں نہیں ہونے دی تھی اور اسی ذہنی اور جسمانی تھکاوٹ کا نتیجہ تھا کہ وہ عین شادی کے دنوں میں بیمار پڑ گیا اور اس قدر سخت بیمار کہ شادی کی مختلف رسومات میں شرکت تک نہ کرسکا بلکہ بستر کا ہو کر رہ گیا۔

وہ تو شاید بارات میں شرکت نہ کرتا مگر اسد نے صاف کہہ دیا تھا کہ اگر وہ نہیں آئے گا تو وہ بارات لے کر ہی نہیں جائے گا اور اسد سے کچھ بعید نہ تھا۔ اب بھی آمنہ اور علی اصغر صاحب کے فون پر فون آرہے تھے کہ بارات ایک گھنٹہ لیٹ ہوچکی تھی اور اسد اس کے بغیر جانے پر آمادہ ہی نہیں تھا اور وہ مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق بمشکل اٹھ کر تیار ہوا۔

فون کی بیل پہ اس نے فون کی جانب قدم بڑھائے اور مسکراتے ہوئے جیسے ہی ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا اسد کی گالیوں نے اس کی مسکراہٹ ہنسی میں بدل دی۔

"کچھ تو لحاظ کر اتنے دن تیری شادی میں بھنگڑا ڈالا ہے۔ یار ہنسوں نہ تو کیا کروں، تیری حرکتیں ہیں انسانوں والی۔ ماما نے تجھے بتایا نہیں کہ میری طبیعت کس قدر خراب ہے نہ میرے یار اسٹریچر کی ضرورت نہیں ہے۔ میں گھر سے نکل رہا ہوں۔ تو فون رکھے گا تو نکلوں گا ناں دنیا کے آخری بیوقوف انسان۔ اچھا میرے باپ احتیاط سے چلاؤں گا گاڑی۔ ارے نہیں تو نا میں خود آ جاؤں گا۔"

اس نے فون بند کیا تو اس کے چہرے پر محبت بھری مسکراہٹ تھی۔ وہ گاڑی کی چابی اٹھا کر باہر نکلا اور ٹھیک بیس منٹ بعد جب وہ اسد کے گھر نہایت ریش ڈرائیونگ کے بعد پہنچا تو اسد کے گھر والوں نے جہاں اطمینان کا سانس لیا۔ وہیں اسد نے اس کی طبیعت کو نظر انداز کر کے اسے سب کے سامنے بے نقط سنائیں جبکہ سائرہ بیگم نے چپکے سے دل ہی دل میں اس کی نظر اتاری۔

❁......❁......❁

وہ لوگ جب ہال پہنچے تو اسد کی سالی کے سسرال والے بارات لے کر ان سے کافی پہلے پہنچ چکے تھے۔

''دیکھا گدھے وہ شہریار کا بچہ تجھ سے پہلے بارات لے کر پہنچ چکا ہے۔'' اسد ہال میں پہنچتے ہی شروع ہوگیا تھا۔

''تو تجھے کیا تکلیف ہے وہ اپنی والی کی بارات لے کر آیا ہے اور تو اپنی والی کی۔'' احمر نے بھی آواز دھیمی رکھ کر اس کی طبیعت صاف کی۔ اس دوران اسٹیج پر ذرا سا رخ موڑ کر بیٹھے شہریار نے چہرہ سامنے موڑا تو احمر بری طرح چونکا۔

''یہ یہاں کیا کررہا ہے؟'' وہ بڑبڑایا۔

''جھاڑو لگانے آیا ہے احمق۔ تجھے پتہ نہیں ہے یہاں ایک نہیں دو شادیاں ہورہی ہیں۔'' اسد اس کی بڑبڑاہٹ سن کر تپا۔

''ابے او...... اس سے ہورہی ہے بھابی کی بہن کی شادی؟'' مارے حیرت کے اس نے اسد کو وہیں روکا۔

''کیا کرتا ہے سب متوجہ ہورہے ہیں۔'' اسد نے دانت پیستے ہوئے اسے گھورا۔

''اب بک کیا تکلیف ہے تجھے اور اس میں کیا خرابی ہے۔'' اسٹیج پر پہنچنے کے تھوڑی دیر بعد جیسے ہی اسد کو موقع ملا اس نے دھیمی آواز میں احمر سے پوچھا۔ اس کے دائیں طرف احمر بیٹھا تھا اور بائیں طرف جگہ خالی تھی۔ تھوڑے سے فاصلے پر دوسرے دلہا دلہن کے لیے صوفہ رکھا گیا تھا۔ دونوں صوفوں کے درمیان بمشکل چند انچ کا فاصلہ تھا۔

''ارے یہی تو ہے وہ شہریار جو کائنات کو فون کرتا رہا تھا میرے کمرے سے۔'' احمر نے ذرا سا جھک کر دھیمے لہجے میں بتایا۔ ''ویسے یار بھابی کی بہن بری جگہ پھنسی ہے۔ اب خدا ہی اس کا بیڑا پار لگائے۔''

''کک کون کائنات؟'' احمر کچھ اور بھی کہہ رہا تھا مگر اسد کی سوئی اسی نام پر اٹکی تھی۔ خطرے کی گھنٹی اس کے اندر کہیں زور سے بجی تھی۔

''وہی یار روٹھی حسینہ پلس تیری ہونے والی بھابی اور کون؟ بالکل گھامڑ ہے تو۔'' احمر بات اس سے کررہا تھا اور مسکراتے ہوئے دیکھ سب کی طرف رہا تھا۔ ''ویسے اس میں تیرا اتنا قصور نہیں ہے جان جگر غلطی میری ہی ہے نیا پھر اتفاق کہہ لے میں نے تیرے سامنے ایک مرتبہ بھی اس کا نام نہیں لیا۔ خیر اب سارا کام تو میں نے تیرے ذمے ہی لگانا ہے۔ تجھ سے اچھا وکیل میرا کون ہوگا بھلا۔''

''تیرے چہرے پر ہوائیاں کیوں اڑ رہی ہیں اچھا جی تو بھابی صاحبہ اسٹیج پر تشریف لارہی ہیں۔ اٹھ جا اب کھڑا بھی ہو پھر کہے گا کہ وہ شہریار کا بچہ پہلے کھڑا ہوگیا۔'' احمر نے بات کرتے کرتے اسد کی طرف دیکھا تو حیرت سے پوچھا اور پھر اسٹیج کی طرف آتی دلہنوں پر اس کی نظر پڑی تو خود ہی نتیجہ بھی اخذ کرلیا اور گم صم بیٹھے اسد کو بازو سے پکڑ کر کھڑا کیا تو وہ کسی بے جان بت کی طرح کھڑا ہوگیا۔ دونوں دلہنیں آگے پیچھے تھیں۔ آگے والی دلہن نے پنک جوڑا پہن رکھا تھا اور پیچھے چلنے والی دلہن نے شاید سرخ جوڑا پہنا ہوا تھا مگر اس کا چہرہ سامنے والی دلہن کی وجہ سے بالکل نظر نہیں آرہا تھا اور کچھ لڑکیوں کا جھرمٹ بھی تھا۔

''یہ سامنے والی عرشیہ بھابی ہیں ناں۔'' اس نے اسد کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا اور اسد نے جواباً اسے جن نظروں سے دیکھتے ہوئے سر ہلایا۔ احمر کا دل بری طرح دھڑکا۔ اس نے دلہنوں کی طرف نگاہ کی اور اسی وقت سامنے چلتی دلہن رک گئی۔ احمر کو جانے کیوں لگا کہ جیسے ہر چیز اپنی جگہ ساکت ہوگئی ہو اور اسد نے بے اختیار آنکھیں بند کرلی تھیں۔ جیسے اس کی آنکھیں کھلیں گی تو منظر بدل جائے گا۔ اسی پل پیچھے چلتی دلہن دو قدم آگے بڑھ کر عرشیہ کے ساتھ آ کھڑی ہوئی تھی۔ اور احمر کو لگا کہ جیسے ہال کی چھت اس کے اوپر گری ہو۔ وہ بری طرح لڑکھڑایا تھا۔ اسد اسے سہارا نہ دیتا تو شاید وہ گر پڑتا۔ احمر کو سہارا دیتے اسد کی نگاہ اس وقت اچانک شہریار کی جانب اٹھی اور شہریار کے چہرے پر موجود فاتحانہ مسکراہٹ اسے بہت کچھ باور کرا گئی۔ سب اس وقت اسٹیج کی طرف آتی دلہنوں کی طرف متوجہ تھے۔

''احمر یار سنبھال خود کو۔'' اس نے غیر محسوس سے انداز میں احمر کو سہارا دے رکھا تھا اور احمر نے بمشکل خود کو سنبھالا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کرکے انہیں اس قدر زور سے

مسلا تھا کہ آنکھیں دکھ گئیں اور پھر اس نے اس امید پر آنکھیں کھولیں تھیں کہ شاید سامنے کوئی الوژن ہو لیکن کچھ چیزیں تقدیر میں لکھ دی جاتی ہیں اور وہ ہو کر رہتی ہیں جیسے آدم کا جنت سے نکالا جانا ان کی پیدائش سے پہلے لکھ دیا گیا تھا۔ جب وہ اعلیٰ مقام پیغمبر تمام انسانوں کے جد امجد کچھ نہ کرسکے تقدیر کے آگے تو وہ کیا کرسکتا تھا وہ تو کچھ بھی نہ تھا۔ مگر اس وقت وہ کچھ بھی سوچنے کے قابل نہ تھا۔ اسد ذرا سا اس کی جانب جھکا تھا۔

''خموش اے دل بھری محفل میں چلانا نہیں اچھا
ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں۔''

اس نے اسد کی مدھم سی آواز پر اسے دیکھا' اسد کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ اس لمحے احمر کو احساس ہوا تھا کہ اسد اس کے دکھ کو پا گیا ہے۔ اس کی مسکراہٹ میں اس وقت احمر کا دکھ جھلک رہا تھا۔ اس کی مسکراہٹ میں کیسی اذیت تھی کہ احمر کا جی چاہا اسے مسکرانے سے منع کردے۔

بات تو عام سی ہے لیکن اتنی بھی عام نہیں
سب کو خوشیاں مل جاتی ہیں میرا حصہ کھو جاتا ہے

اس نے جس طرح اسد کو دیکھ کر کہا تھا۔ اسد کو لگا اس کے دل میں کسی نے زہر سے بجھا خنجر اتار دیا ہو۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا دونوں دلہنیں قریب آچکی تھیں۔ احمر اسد کے قریب سے ہٹ کر ذرا دور جا کھڑا ہوا۔ اس طرح وہ سامنے سر جھکا کر کھڑی کائنات کو آرام سے دیکھ سکتا تھا اور جس وقت کائنات شہریار کے پہلو میں بیٹھی وہ اس پر ایک آخری نظر ڈال کر ہال سے نکلتا چلا گیا۔ اسد اسے روکنے کے لیے بے اختیار اٹھا تب ہی آمنہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے تنبیہہ کی اور موقع کی نزاکت کا احساس دلایا۔ وہ خود احمر کے پیچھے چلی گئیں مگر جب تک وہ باہر پہنچیں احمر جاچکا تھا۔ وہ متفکر سی واپس آگئیں۔ انہیں اکیلا آتے دیکھ کر اسد بے بسی سے پہلو میں بیٹھی عرشیہ کو دیکھ کر رہ گیا۔ جبکہ شہریار کے پہلو میں بیٹھی کائنات نے دائیں آنکھ کے گوشے میں ٹھہرا آنسو دھیرے سے ہاتھ میں پکڑے ٹشو سے صاف کیا تھا۔

❁......❁......❁

گھر پہنچنے کے بعد بھی کتنی ہی دیر مختلف رسموں میں لگ گئی تھی۔ اسد بڑی مشکل سے بہانہ کرکے نکلا تھا۔ وہ فوری طور پر احمر سے ملنا چاہتا تھا۔ جذبات میں آکر احمر اس وقت کچھ بھی کرسکتا تھا جب وہ احمر کے گھر پہنچا تو دروازے پر ہی پریشان سے کھڑے دینو بابا سے سامنا ہوگیا۔

''بابا احمر کہاں ہے؟'' پریشانی اس کے لہجے سے عیاں تھی۔

''اسد بیٹا' احمر تو چلا گیا۔'' دینو بابا کے لہجے کی پریشانی کے سامنے اسد کو اپنی پریشانی کم لگی۔

''کہاں...... کہاں چلا گیا ہے وہ؟''

''پتہ نہیں بیٹا بہت پریشان تھا وہ۔ گھر آنے کے بعد وہ ڈیڑھ گھنٹے تک اپنے کمرے میں بند رہا۔ میری دستک کا جواب بھی نہ دیا۔ پھر جب وہ باہر نکلا تو اس کے پاس بیگ اور کچھ سامان تھا۔ میں نے لاکھ روکا مگر وہ نہیں رکا۔ مجھ سے ملا اور یہ خط آپ کے لیے دے کر چلا گیا۔'' دینو بابا نے اس کی طرف خط بڑھاتے ہوئے تفصیل سے آگاہ کیا تو اس نے جھپٹنے والے انداز میں لیا۔ ''پورے تین گھنٹے ہوگئے ہیں اسے گئے ہوئے بیٹا۔''

''اسد بیٹا میرے بیٹے کو واپس لے آؤ۔ بہت جذباتی ہے وہ۔ جانے کہاں گیا ہے اور جس حالت میں وہ گھر سے نکلا ہے کہیں وہ کچھ کر نہ بیٹھے۔'' خط کھولتے ہوئے اسد نے چونک کر دینو بابا کو دیکھا تھا جن کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری تھیں پھر اسد کو اپنے گھر والوں کی احمر کے لیے فکر یاد آئی۔

''اتنی محبتوں کی موجودگی میں تیری تشنہ لبی کو کیا نام دوں میرے یار' یہ ساری محبتیں تیری ہمیشہ منتظر رہیں اور تو انہیں کبھی پورا ملا ہی نہیں۔'' اس نے کرب سے سوچتے ہوئے خط کی تہہ کھولی۔

جان جگر! مجھے پتہ ہے تو میرے پیچھے ضرور آئے گا اور

اتنی جلدی آئے گا جتنی جلدی تجھ سے ممکن ہوا۔ اسی لیے میں بغیر وقت ضائع کیے یہاں سے جارہا ہوں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اگر تو نے مجھے روکا تو میں جانہیں سکوں گا اور اگر یہاں رہا تو رہ نہیں پاؤں گا۔ اس شہر کی فضائیں زہر آلود ہوگئی ہیں۔ مجھے ڈھونڈنے کی کوشش مت کرنا کیونکہ ڈھونڈا انہیں جاتا ہے جو کھو جائیں جو خود سے چلے جائیں ان کے لیے دعا کرنی چاہیے اور تو میرے لیے بھی دعا کرنا کہ دنیا کے کسی کونے میں مجھے محبت مل جائے ورنہ آج تک تو میں محبت کو ملا رہا ہوں۔ اس کا جو جی چاہتا ہے میرے ساتھ سلوک کرتی ہے میں نے تجھ سے کہا تھا ناں اسد محبت کے سینے میں دل نہیں ہوتا ورنہ اسے کبھی تو کسی پر رحم آہی جاتا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ تو جسے گڑیا کہتا ہے وہ وہی کائنات ہے جسے میں تیری کوئی کزن سمجھتا رہا کیونکہ میں نے اسے تیرے گھر میں دیکھا تھا۔ اس دن کوئی شاپنگ کرکے لائی تھی وہ شاید۔ میں نے سوچا تمہاری شادی کے بعد تمہیں بتا کر سرپرائز دوں گا مگر اس سے کہیں بڑا سرپرائز میرے لیے تقدیر لیے بیٹھی تھی۔"

اسد کو بے اختیار وہ شاپنگ بیگز یاد آئے جن کے بارے میں کائنات نے کہا تھا کہ گھر میں کوئی نہیں تھا سو وہ انہیں کمرے میں رکھ آئی تھی۔ اسد نے خط پر دوبارہ نگاہ ڈالی۔

"شاید تمہیں میرے خط میں تقدیر کا لفظ پڑھ کر حیرت ہوئی ہو لیکن ایسا ہی ہوتا ہے جو تقدیر کو نہیں مانتا تقدیر اس سے اپنا آپ منوا لیتی ہے۔ میں نے بھی اپنی ماں کو برسوں سولی پر لٹکائے رکھا تھا اس گناہ پر جو اس کی تقدیر میں اس کی پیدائش سے پہلے لکھ دیا گیا تھا لیکن میں اپنی ماں کو اس گناہ سے بری الذمہ نہیں کرتا' کیونکہ کوئی گناہ کرنا اور یہ سوچ کر مطمئن ہوجانا کہ یہ گناہ اس کی تقدیر میں تھا۔ پہلے گناہ سے بھی زیادہ بڑا گناہ ہے۔ حضرت علیؓ سے پوچھا گیا کہ انسان کو کس قدر اختیار ہے؟ آپؓ نے فرمایا اپنا ایک پاؤں اٹھاؤ' سائل نے اٹھالیا۔ پھر آپؓ نے فرمایا' دوسرا بھی اٹھاؤ' سائل نے عرض کیا! ایسے تو میں گر جاؤں گا پھر آپ نے فرمایا کہ بس یہ اس طرح ہے (یعنی نہ پورا مجبور ہے نہ پورا اختیار) اس لیے ماما بے قصور نہیں تھیں۔ وہ قصور وار تھیں' لیکن......" اسد نے صفحہ بے چینی سے پلٹا۔

"توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس کا کوئی گناہ ہو ہی نہیں۔ (الحدیث) اور میری ماں نے پچھلے دس سال سے خدا سے توبہ کرنے' مجھ سے معافی مانگنے اور خود کو سزا دینے کے علاوہ کچھ نہیں کیا تھا' آسمان کے خدا نے انہیں معاف کردیا تھا اور میں زمین کا خدا بن بیٹھا تھا اور زمین کے خدا کا ظرف اتنا بڑا نہیں تھا۔ کسی ایسے معاملے پر جس سے اس کے کرنے والے نے توبہ کرلی ہو' موسیٰ ملامت نہیں کرسکتے تھے' پھر میں کس گنتی میں تھا۔ میرا تجھے یہ سب بتانے کا مقصد یہ ہے کہ تو ماما سے میری طرف سے معافی مانگ لے انہیں کہنا کہ میں نے انہیں معاف کیا وہ مجھے معاف کردیں اور انہیں یہ بھی بتانا کہ ان کا وہ بیٹا جو تقدیر کو نہیں مانتا تھا تقدیر نے اپنا آپ اس سے منوالیا۔ ہاں یہ تھا کہ قصوروار میں بھی تھا۔ ماما کا خیال رکھنا' اور وہ جو اب کسی اور کی ہوچکی ہے' خدا اسے ہمیشہ خوش رکھے لیکن اگر خدانخواستہ اس پر کوئی مشکل آئے تو صرف عرشیہ بھائی کی بہن سمجھ کر اس کا ساتھ نہ دینا' بلکہ یہ سوچنا کہ وہ احمر جو تجھے ہر وقت پریشان کیے رکھتا تھا وہ جاتے جاتے بھی تجھے ذمہ داری سونپ گیا ہے' جس کی خوشی کی خاطر تو اس کا ساتھ دے رہا ہے۔

"تیری دی ہوئی پریشانیاں بھی مجھے عزیز تھیں پاگل۔" اسد نے آنسوؤں سے دھندلائی آنکھیں بے دردی سے پونچھیں اور آگے پڑھنے لگا۔

"اسد مجھے معاف کردینا لیکن میں کیا کروں اس کرب کے شہر میں رہنے کا اب میرے پاس حوصلہ نہیں۔ سو یہ شہر چھوڑ رہا ہوں ہاں کرب کو ساتھ لیے جارہا ہوں کیونکہ اسے چھوڑنا میرے بس میں نہیں' کبھی حوصلہ ہوا تو لوٹ آؤں گا۔ لیکن اس کرب کے شہر کو چھوڑ کر میں کہاں جارہا ہوں یہ میں بھی نہیں جانتا۔ بس تم میرے لیے دعا کرنا کہ زندگی جو مجھے یہاں راس نہ آئی' کہیں اور راس

آجائے' اور وہ راز جو تیرے اور میرے درمیان ہے اس میں کسی تیسرے کو شامل مت کرنا۔ گر میری دعاؤں میں اثر ہوتا تو سب سے پہلی دعا میں تجھے دیتا لیکن میں تجھے کیا دعا دوں میں تو خود کسی کی بددعا کی زد میں ہوں۔"

فقط تمہارا جان جگر احمر

خط کے آخری الفاظ دھندلائے ہوئے تھے جنہیں اسد کے آنسوؤں نے مزید دھندلا کردیا۔

اس نے بے دردی سے اپنے آنسو صاف کیے اور خط کو تہہ کرکے جیب میں رکھا اور پھر پژمردہ قدموں سے گاڑی میں جا بیٹھا اور دینو بابا جو اتنی دیر سے اسے منتظر نگاہوں سے دیکھ رہے تھے اس کی گاڑی کو گیٹ سے نکلتا دیکھتے رہ گئے۔

❁......❁......❁

عرشیہ اپنے گھر میں خوش تھی' فاروق صاحب کا اکیلا پن دور کرنے کی اپنی سی کوشش عرشیہ اور اسد دونوں کرتے تھے۔ عرشیہ اسد کے رویے پر اکثر الجھ سی جاتی۔ شادی سے پہلے والا شوخ سا اسد جانے کیوں کبھی کبھی اتنا اداس ہوجاتا تھا۔

کائنات ایک تو بیاہی دوسرے شہر میں تھی پھر شہریار اسے اور اپنے والد کو لے کر یو ایس اے چلا گیا مگر اس کا فون جب بھی آتا وہ یہی بتاتی کہ وہ بہت خوش ہے یہ اور بات تھی کہ اس کا فون مہینے میں ایک آدھ بار ہی آتا تھا۔ ان دونوں کو خوش اور مطمئن دیکھ کر فاروق صاحب بھی مطمئن اور خوش تھے اور پھر "سب خوش اور مطمئن زندگی گزارنے لگے۔"

یہ جملہ کانوں کو بھلا تو بہت لگتا ہے لیکن اگر ہمیشہ ایسے ہونے لگے تو پھر رونا کس بات کا۔ حضرت انسان دکھی کیوں نظر آئے۔ فاروق صاحب کی خوشی اور اطمینان بھی عارضی ہی تھے۔ یہ بھی اس دن رخصت ہوگئے جس دن ایک سال بعد لٹی پٹی سی کائنات دو جڑواں بچوں احمد اور شانزہ کے ساتھ بیوگی کا روگ لگا کر واپس آگئی۔ زندگی کسی نہ کسی طرح اچھی ہی گزر جاتی مگر فاروق صاحب کائنات کا یہ دکھ برداشت نہ کرسکے اور اپنا دکھ بھی اس کی جھولی میں ڈال منوں مٹی اوڑھ کر سو گئے۔

❁......❁......❁

"بابا کو ہم سے بچھڑے ہوئے اتنے دن ہوگئے اور تم ابھی تک خود کو سنبھال نہیں پائی ہو۔ مانا کہ دکھ بہت بڑا ہے لیکن اس طرح کب تک چلے گا۔ اپنے لیے نہ سہی شانزہ اور احمد کے لیے ہی خود کو سنبھال لو۔" اسد نے کائنات کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے سمجھانے کی کوشش کی تو وہ اس کے کندھے سے لگ کر شدت سے رو پڑی اور اس کا یوں رونا اسد کو ماضی کے کسی پل کی یاد دلا گیا۔ اس نے اسے آہستگی سے خود سے الگ کرکے صوفے پر عرشیہ کے قریب بٹھایا اور خود بھی اس کے دوسری جانب بیٹھ گیا۔

"دیکھو گڑیا اتنی لمبی زندگی پڑی ہے تمہارے سامنے...... تمہیں خود کو سنبھالنا ہوگا۔" اب کے عرشیہ نے اسے مخاطب کیا۔

"میں کیا کروں آپی مرنے والوں پر تو صبر کیا جاسکتا ہے' مگر جو زندہ ہوں۔" وہ بے چینی سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"کیا مطلب؟" اسد نے اسے الجھ کر دیکھا۔

"مطلب یہ کہ شہریار زندہ ہے میں بیوہ نہیں ہوئی اس نے مجھے طلاق دی ہے۔" کائنات کے انکشاف پر عرشیہ اور اسد یوں اچھلے جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔

"کیا کہہ رہی ہو تم......! ہوش میں تو ہو؟ تم نے ہمیں پہلے کیوں نہیں بتایا؟" عرشیہ نے اسے جھنجوڑا۔

"کیا بتاتی میں؟ یہ کہ میں اپنے شوہر کی نظروں میں بدکردار تھی یا یہ بتاتی کہ اس نے میرے بچوں کو اپنے بچے ماننے سے انکار کردیا تھا' کیا بتاتی میں آپی کیا کیا بتاتی؟" وہ پھٹ پڑی۔ "وہ کہتا تھا میرا احمر سے تعلق شادی سے پہلے بھی تھا اور اب بھی ہے۔ جانے شادی کے بعد اس نے احمر کو کہاں دیکھ لیا تھا۔ جس وقت تک اس کا باپ زندہ تھا وہ مجبور تھا۔ میری بدقسمتی کے اس کا باپ ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں گزر گیا اور اس نے مجھے گھر سے نکال دیا۔

بچوں کی پیدائش تک میں ایک ماہ وہاں موجود ایک پاکستانی گھرانے کے پاس رہی پھر انہوں نے ہی مجھے واپس بھجوانے کا بندوبست کیا۔ میں مرگئی تھی آپی صرف ان بچوں کی خاطر زندہ رہی۔ اس نے میرے اندر کی عورت کو ماردیا تھا۔ وہ احمر کے نام کا خنجر روز میرے دل میں اتارتا تھا۔" آخر میں اس کے لہجے میں تھکن اتر آئی تھی وہ ڈھے سی گئی۔ "وہ شادی نہیں تھی بلکہ ایک مرد کا انتقام تھا جو پورا ہوا۔"

"کک کون احمر؟" عرشیہ نے پوچھا اور اسد گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ اور پھر کائنات نے ساری بات بتادی۔

"اس نے احمر کو مجھ سے فون پر بات کرتے ہوئے سنا تھا اور چونکہ احمر نے بھی اس کی بے عزتی کی تھی' اس لیے شہریار نے ہم دونوں سے اپنی بے عزتی کا بدلہ لیا تھا' میں نہیں جانتی تھی کہ میں جس سے شادی کے لیے ہامی بھر رہی تھی وہ شہریار تھا' میری تقدیر یوں مجھے دغا دے جائے گی مجھے اندازہ نہیں تھا۔" وہ افسردگی سے بولی۔

"تقدیر کو الزام مت دو کائنات' ایسا رستہ جس کا پتہ ہو کہ اس میں اندھے کنویں ہیں' اس رستے پر آنکھیں بند کرکے چلنا اور پھر کسی کنویں میں گر کر تقدیر کو کوسنا تقدیر کے ساتھ زیادتی ہے۔ تم کم از کم ہمیں شادی کے بعد ہی کچھ بتادیتیں۔" دکھ حیرت اور غصے کی زیادتی سے عرشیہ پھٹ سی پڑی۔

"میں بابا اور آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔" کائنات کی آواز پست تھی۔

"ہاں اب تو جیسے کوئی پریشان ہوا ہی نہیں۔ جب لڑکیاں خود کو عقل کل سمجھ کر بات چھپا جاتی ہیں ناں تو ان کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے اور شہریار اسے تو خدا ہی سمجھے۔" بات کرتے کرتے عرشیہ کی آواز میں نمی اتر آئی۔

"جن راستوں کا مسافر شہریار بنا ہوا ہے ان پر چلنے والوں کا انجام شرمناک موت اور تباہی کے سوا کچھ نہیں ہوتا آپی۔" کائنات نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں تو سمجھا تھا احمر ہی جذباتی اور پاگل ہے مگر تم تو اسے بھی پیچھے چھوڑ گئیں۔" کتنی دیر سے خاموش بیٹھا اسد بولا بھی تو کیا؟ عرشیہ نے اسے ناسمجھی سے دیکھا۔

"شادی سے پہلے جو بھی تعلق رہا ہو مگر شادی کے بعد تو میں نے احمر کا تصور بھی خود پر حرام کرلیا تھا مگر شہریار مانتا تب ناں۔"

"یہ آپ دونوں کیا پہیلیاں بھجوا رہے ہیں۔ آخر احمر کا آپ سے کیا......؟" عرشیہ یک دم چونکی۔ "کہیں احمر بھائی تو......" اس نے کہا تو اسد نے اثبات میں سر ہلادیا۔

"اف میرے خدا۔" وہ سر تھام کر بیٹھ گئی' احمر کا ذکر جس طرح اس گھر میں ہوتا تھا' وہ احمر کا غائبانہ ہی سہی مگر مکمل تعارف حاصل کرچکی تھی۔

"جس دن اس نے کائنات کو تھپڑ مارا تھا' وہ خود اپنی ماں سے تھپڑ کھا کر آیا تھا اور وہ بھی اس جرم کی پاداش میں جو اس نے کیا ہی نہیں تھا۔ کچھ دن پہلے اس کے سوتیلے باپ کی کوئی سگی آئی ہوئی تھی' اس کے ہاں۔" وہ تلخ ہوا۔ "اس نے احمر کو بھٹکانے کی ہر ممکن کوشش کی' جب احمر اس کے جھانسے میں نہ آیا تو اس نے احمر پر نہایت بے ہودہ الزام لگادیا۔ اس نے احمر سے جھوٹ بولا کہ احمر کی ماما کی طبیعت بہت خراب ہے۔ انہیں جلد از جلد ہاسپٹل نہ پہنچایا گیا تو وہ خدانخواستہ جان سے بھی جاسکتی ہیں۔ احمر جب ایکسی کے گھر کی طرف گیا تو وہ اسے مین ڈور پر ہی مل گئی اور احمر کو یہ کہہ کر اپنے کمرے میں لے گئی کہ ماما اس کے کمرے میں ہیں۔ وہ بدحواسی میں کیا سمجھتا' بھلا؟ سیدھا اس کے کمرے میں چلا گیا۔ احمر جیسے ہی اس کے کمرے میں پہنچا اس لڑکی نے پھرتی سے دروازہ بند کیا اور چلانا شروع کردیا۔ اس سے پہلے کہ احمر کچھ سمجھتا اور وہاں سے نکلتا ماما اور ان کا شوہر وہاں پہنچ چکے تھے اور ان کے پہنچنے تک وہ لڑکی اپنی اور کمرے کی حالت اس قدر بگاڑ چکی تھی کہ احمر کو مجرم سمجھنا کچھ مشکل نہ تھا۔ ماما نے نہ صرف احمر کو تھپڑ مارا بلکہ اسے برا بھلا بھی کہا' احمر کا خیال تھا۔ وہ مجرم نہیں تھا پھر کیوں بھاگتا' مگر اس کی سگی ماں نے اس کا اعتبار نہیں کیا اور اس کی ماما کا کہنا تھا کہ وہ اگر اس وقت احمر کا ساتھ دیتیں

تو ان کا شوہر آدھا شہر اکٹھا کرکے ان دونوں ماں بیٹے کو بے عزت کرتا سو وہ مجبور تھیں۔" اس نے احمر کی زندگی کے اور کئی پہلو کائنات اور عرشیہ کے سامنے کردیئے۔ آخر میں وہ تھک کر خاموش ہوا تو اس کی آنکھوں میں ہی نہیں کائنات اور عرشیہ کی آنکھوں میں بھی آنسو تھے۔

❁......❁......❁

ان دونوں کا حق ہے مجھ پر کون کسے سمجھائے
درد میرے بچپن کے ساتھی زخم میرے ہمسائے
ان سے جیسے تیسے جاناں ہم کو نبھانا ہوگی
اشک میرے ازل کے ساتھی خواب میرے ماں جائے

وقت بھی کسی کے لیے نہیں رکا۔ اس کا کام گزرنا ہے سو وہ گزر جاتا ہے۔ وقت احمر پر بھی گزرا اور اسے یو ایس اے میں رہتے ہوئے اٹھارہ سال گزر چکے تھے۔ اس وقت احمر کے ساتھ اس کے اپارٹمنٹ میں کون ہے؟ آیئے دیکھتے ہیں۔

"سر آپ پاکستان جارہے ہیں؟"

"ہاں آخر ماما سے کیا عہد بھی تو نبھانا ہے۔" اس نے گہرا سانس لیا۔

"آپ نے اپنی ماما سے ایک اور عہد بھی کیا تھا سر۔ آٹھ سال ہوگئے انہیں اس دنیا سے گئے مگر آپ ابھی تک اکیلے ہیں۔ وہ عہد کیوں نہیں نبھاتے؟"

"جو میرے بس میں ہے وہ کررہا ہوں' جو نہیں ہے وہ کیسے کروں؟ اور میں تمہیں کوئی خوشی نہیں دے سکوں گا۔" وہ بے بسی سے بولا۔

"چلیں اگر مجھے کوئی خوشی نہیں دے سکتے تو نہ سہی' کسی اور سے شادی کرلیں۔" وہ سچائی سے بولی تھی۔

"میں کسی کو بھی خوش نہیں رکھ سکوں گا۔ چاہے تم ہو یا کوئی اور آنے والی مجھ سے محبت مانگے گی جو میرے پاس نہیں ہے۔"

"اتنی تھوڑی محبت تھی آپ کے پاس کہ صرف ایک ہستی کو دے دی اور جہاں تک میرا سوال ہے تو میں نے تو آپ سے کبھی محبت نہیں مانگی۔ ہمیشہ آپ سے آپ کی خوشی مانگی ہے' میری محبت تنگ نظر نہیں سر جو صرف اپنی ہی سنے۔" وہ اسے ہمیشہ لاجواب کردیتی تھی۔

"میں کبھی کبھی سوچتی ہوں سر۔ کیا تھا ان چند ماہ کی محبت میں جو میرے دس سالوں کی محبت پر بھی بھاری ہے۔ یقین مانیے میں نے کبھی ان سے حسد نہیں کیا مگر پھر بھی جی چاہتا ہے ان سے مل کر ایک بار تو ان سے دل جیتنے کا ہنر سیکھوں۔" وہ نہ بھی کہتی تو احمر جانتا تھا' اس نے کبھی کائنات سے حسد نہیں کیا تھا۔ وہ حسد کر ہی نہیں سکتی تھی۔ عجب لڑکی تھی وہ بھی۔

"محبت کو ماہ و سال میں کب سے ناپنے لگی ہو تم؟" احمر کے لب ہلکے سے مسکائے۔ وہ اس لڑکی سے محبت نہیں کرتا تھا مگر اس سے اپنا ہر چھوٹے سے چھوٹا دکھ بھی شیئر کیا تھا۔ جانے کس جذبے سے؟

"آپ کھل کر ہنستے کیوں نہیں؟" احمر کی بات نظر انداز کرکے اس نے پوچھا بھی تو کیا؟

"کھل کر ہنستے ہوئے تو میں نے بھی تمہیں پچھلے دس سال سے نہیں دیکھا۔"

"جس دن آپ خوش ہوکر ہنسے ناں سر میری کھلکھلاہٹ آپ کی ہنسی سے زیادہ اونچی ہوگی۔" وہ افسردگی سے مسکرائی' نرالی منطق تھی اس کی۔ "لیکن شاید ہم دونوں کو محبت راس نہیں آئی۔"

"صرف اٹھائیس سال عمر ہے تمہاری' مگر محبت نے تمہیں بہت بڑا کردیا ہے اور اسی لیے تو میں کہتا ہوں کہیں اور شادی کرلو۔ شاید تمہیں محبت راس آجائے۔ یہ محبت کا روگ برا ہوتا ہے اس سے جان چھڑالو۔" وہ اسے سمجھا سمجھا کر تھک گیا تھا۔

"آپ نے چھڑالی جان؟" احمر نے بے ساختہ نظریں چرائیں۔ "اور پھر محبت کرنا یا نہ کرنا ہمارے بس میں کہاں ہوتا ہے یہ تو دلوں پر اترتی ہے اور یہ روگ بھی نہیں ہوتی۔ یہ تو جینے کا ڈھنگ سکھاتی ہے اور جو محبت جینے کا ڈھنگ نہ سکھا سکے' وہ محبت نہیں ہوتی۔" سنہری خوشیوں کا رنگ مزید سنہری ہوا۔ رنگت اس نے اپنے

باپ سے لی تھی۔ احمر نے اس کے اسکارف میں لپٹے گندمی رنگت والے چہرے کو دیکھا۔ ان دونوں کے درمیان محبت جب بھی زیر بحث آتی۔ اختلاف ضروری ہوتا اور احمر چاہتے ہوئے بھی اس کی باتیں رد نہیں کرسکتا تھا جانے کیوں۔

"چھوڑیں اس بحث کو بس دعا کریں کہ جب آپ پاکستان جائیں تو آپ کو محبت اور اس کا سکھ مل جائے۔ آپ کو آپ کی خوشی مل جائے۔"

"پاگل ہو تم' بھلا یہ ممکن ہے اب؟" احمر دھیرے سے ہنسا۔

"یہ ہی تو میری زندگی کا المیہ ہے سر کہ آپ مجھے پاگل سمجھتے ہیں۔" اس نے پرس اٹھایا اور باہر کی جانب قدم بڑھا دیے۔

"خدیجہ۔" احمر نے دھیرے سے اسے پکارا تو وہ رک گئی مگر پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا شاید پتھر ہوجانے سے ڈرتی تھی۔

"میں تمہاری محبت تمہیں لوٹانے کی کوشش کروں گا۔" وہ دھیرے سے پلٹ کر احمر تک آئی۔ ان دس سالوں میں پہلی بار احمر کے کسی جملے میں خدیجہ کے لیے امید کی کرن تھی مگر خدیجہ کی آنکھوں میں پھر بھی آنسو جھلملا رہے تھے۔

"میں نے محبت کی ہے قرض نہیں دیا آپ کو جسے آپ لوٹائیں گے۔ آپ جو چاہیں کریں میں تو آپ کی خوشی کے لیے دعا کروں گی۔" وہ احمر کو پتھر کا کر گئی تھی' وہ ہر بار یوں ہی کرتی تھی۔

❁......❁......❁

اسد' عرشیہ اور کائنات اس وقت ڈرائنگ روم میں بیٹھے باتیں کررہے تھے۔ وقت نے سب کو ہی صبر دے دیا تھا۔ اسد اور عرشیہ نے کائنات کا بہت ساتھ دیا تھا عرشیہ اور اسد نے فاروق صاحب کی چھوڑی ہوئی کسی بھی چیز میں سے حصہ نہیں لیا تھا۔ اسد نے آدھی رقم خود لگا کر اور آدھی فاروق صاحب کا اسٹور بیچ کر کائنات کے نام سے کاروبار شروع کیا تھا جس نے تیزی سے ترقی کی تھی۔ عرشیہ نے بچوں کو سنبھالا تو کائنات نے اپنی ادھوری تعلیم مکمل کرلی۔ اب وہ ایک کالج میں لیکچرار تھی۔ آمنہ اور علی اصغر صاحب نے بھی اسے ہمیشہ اپنی بیٹی سمجھا تھا۔ اسد اور عرشیہ سے زیادہ ان دونوں نے اسے اپنے گھر رہنے پر مجبور کیا تھا۔ جانے کس پاک مٹی کے بنے تھے وہ سب؟ کائنات اکثر سوچتی تھی کہ دنیا رہنے کے لیے اتنی بری جگہ نہیں ہے کچھ دن ٹھہرا جاسکتا ہے اس میں۔ اسد اور عرشیہ کے تین بچے تھے بڑا بیٹا سعید شانزہ وہ احمد سے ایک ماہ بڑا تھا۔ جبکہ امبرین ان تینوں سے چار سال چھوٹی تھی اور امبرین سے پانچ سال چھوٹا عمر تھا۔ تینوں بڑے بچے اس وقت اپنے اپنے کوچنگ سینٹر گئے ہوئے تھے جبکہ امبرین اور عمر پڑوس میں کھیلنے گئے ہوئے تھے۔ اسی وقت ملازم نے اسد کے کسی دوست کے آنے کی اطلاع دی تو عرشیہ اور کائنات اٹھ کر کچن کی طرف چلی گئیں۔ تھوڑی دیر بعد ملازم اسد کے دوست کو لے آیا تھا۔

"احمر تم۔" اسد کو لگا جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہو۔

"جان جگر گلے سے نہیں لگے گا کیا؟" احمر اس کے قریب آ کر بولا تو اسد بے اختیار اس کے گلے سے لگ گیا۔ دونوں کے آنسو جانے کتنے عرصے سے کس کس دکھ پر جمع تھے۔

"احمر کہاں تھا تو اتنا عرصہ؟ کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا میں نے تجھے۔ تو نے ماما کو بھی پاس بلا لیا اور وہ بھی تمہارے جانے کے آٹھ ماہ بعد خاموشی سے چلی گئیں۔ جانے سے پہلے وہ ہم سے ملنے آئی تو تھیں لیکن ہم نہیں جانتے تھے کہ وہ کہیں جا رہی ہیں۔" اسد کی گفتگو بے ربط سی تھی۔

"بس بس یار ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ ڈالے گا بیٹھ تو سہی۔" احمر اسے صوفے پر بٹھا کر خود بھی اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ "امی' بابا' عرشیہ بھابی سب کہاں ہیں اور اب تک تو تو خیر سے والد محترم بھی بن گیا ہوگا۔"

"امی اور بابا کا پوچھ رہا ہے اگر میں جو ماما کا پوچھ لوں تو؟" احمر نے بے ساختہ نظریں چرائیں۔

"تو ماما کو لے کر آیا جب دس سال پہلے مجھ سے ملنا تو درکنار مجھے بتایا تک نہیں میں ماما کا آخری دیدار ہی کرلیتا۔" اسد کے لیے میت اور دفنانے کے الفاظ کہنا شاید مشکل تھا۔ انسان ہمیشہ حقیقت سے بھاگتا ہے اور حقیقت اس کے پیچھے بھاگتی ہے۔ "تو انہیں سیدھا ان کے گاؤں لے گیا اور پھر اسی دن شام کو خاموشی سے واپس چلا گیا۔ بڑا نقصان کیا ہے تو نے جان جگر۔"

"میں خود بھی نقصان میں رہا ہوں یار' ماما کو لے کر جب گاؤں گیا تو پتہ چلا دینو بابا بھی دو سال پہلے گزر چکے تھے۔"

"صرف دینو بابا نہیں احمر اور بھی کوئی اس دنیا کو چھوڑ گیا ہے۔" اسد کی آواز میں نمی تھی۔

"ک...... ک...... کیا مطلب؟" احمر بری طرح چونکا۔

"امی اور بابا۔" اسد کے تین لفظوں نے فضا سے ساری آکسیجن ختم کردی تھی۔

"کب؟" بہت دیر بعد احمر کے منہ سے سرسراتا ہوا لفظ نکلا تھا۔

"امی تمہارے جانے کے چھ سال بعد اور بابا کو ہم سے بچھڑے دوسرا سال ہے۔" اسد نے آنسو پونچھے۔

"اچھے لوگوں کو خدا جانے کیوں اتنی جلدی بلا لیتا ہے۔"

"خیر یہ بتا تو اکیلا آیا ہے' مطلب بھابی اور بچے وغیرہ؟"

"تجھے لگتا ہے میں نے شادی کرلی ہے؟" احمر نے اگلے ہی پل اس کے بدترین خدشے کو سچ ثابت کردیا تھا۔

"نہیں یار یہ دلوں کے سودے ہوتے ہیں۔ ان میں کھوٹ انہیں اذیت ناک بنا دیتا ہے۔"

"یہ تو نے کیا کیا احمر؟ اپنی ساری زندگی مٹی میں رول دی۔ ایک بار پلٹ کر تو دیکھا ہوتا۔"

"پلٹ کر دیکھتا تو...... تو پلٹ آتا جو میرے بس میں نہیں تھا۔" احمر نے بے بسی سے نفی میں سر ہلایا۔

"تو پلٹ کر دیکھتا تو خود ہی پلٹ آتا۔ تم نے اپنی ساری زندگی اپنی انتہاپسندی کی نظر کردی۔" اسد نے جیسے کف افسوس ملا۔

"کیا مطلب؟" احمر الجھا۔

"مطلب یہ کہ تمہارے جانے کے صرف ایک سال بعد کائنات ہمیشہ کے لیے واپس آگئی تھی۔" اسد نے جیسے اس کے سر پر بم دے مارا تھا۔

"کیا؟" وہ بے ساختہ اٹھ کھڑا ہوا اور پھر جیسے اس کی ٹانگوں میں سکت نہ رہی وہ ڈھے سا گیا۔ اسد نے اسے ساری حقیقت بتا دی۔

"دو ماہ بعد یہ ملک چھوڑ دیا تھا میں نے۔ یو ایس اے میں مجھے ایک شاپنگ مال میں شہریار اور کائنات کا شک پڑا تھا اور میں نے اسے اپنا الوژن سمجھ کر سر جھٹک دیا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ شہریار مجھے دیکھ چکا ہے' دیار غیر میں بھی میں اس لڑکی کو دکھ کے علاوہ کچھ نہ دے سکا۔ میری ذات ہمیشہ اس کے لیے اذیت کا سبب ہی بنی۔ میں خود کو کبھی معاف نہیں کرسکوں گا۔" اسد کی بات کے اختتام پر اس نے کہا اور اپنی بات کے اختتام پر جب اس نے چہرہ اٹھا کر دیکھا تو جانے کب سے بت بن کر کھڑی کائنات پر نظر پڑی۔ وہ شاید اسد سے چائے وغیرہ کا پوچھنے آئی تھی۔ اس سے پہلے کہ کوئی کچھ کہتا عرشیہ' کائنات کے اتنی دیر لگانے پر خود ہی چلی آئی اور احمر کو دیکھ کر وہ بھی شاکڈ رہ گئی تھی۔ وہ احمر کی اتنی تصویریں دیکھ چکی تھی کہ اتنے سال بعد بھی اسے احمر کو پہچاننے میں دشواری نہیں ہوئی۔ احمر دھیرے سے قدم اٹھاتا کائنات کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ اس کو یوں لگا جیسے وقت اٹھارہ سال پیچھے چلا گیا ہو۔ اب بھی ان سیاہ آنکھوں کے سمندروں نے اس کی ہستی کو ڈانواں ڈول کردیا تھا۔ اس کا دل پانیوں میں ڈوبے دو نینوں میں ڈوب کے ابھرا تھا۔

❁......❁......❁

پچھلے کئی دنوں سے گھر میں ایک ٹینشن چل رہی تھی۔

کائنات اپنے موقف سے ایک انچ ہٹنے کو تیار نہیں تھی۔ جبکہ سب گھر والوں شانزہ اور احمد سمیت اب کا اس پر دباؤ تھا کہ وہ احمر کا پرپوزل قبول کرلے۔ اس وقت بھی وہ اسٹڈی میں بیٹھی تھی جب شانزہ اور احمد دستک دے کر اندر چلے آئے۔

"ماما ہمیں آپ سے بات کرنی ہے۔" کچھ دیر خاموشی سے کھڑے رہنے کے بعد آخرکار شانزہ نے ہی ہمت پکڑی۔

"اگر وہی فضول سی ضد لے کر آئے ہو تو فوراً واپس چلے جاؤ۔" اس کی نظریں بدستور کتاب پہ تھیں۔

"ماما پلیز صرف ایک بار ہماری بات سن لیں۔" احمد نے لجاجت سے کہا۔

"تمہاری ماما تمہاری بات ماننے والی نہیں ہیں تم دونوں جاؤ۔ انہیں ہم منانے کی کوشش کرتے ہیں۔" عرشیہ کے ساتھ اندر داخل ہوتے ہوئے اسد نے بچوں کو وہاں سے بھیجا اور پھر کائنات کی طرف متوجہ ہوا۔ "ہاں بھئی ہماری گڑیا ہماری بات کیوں نہیں مان رہی؟" وہ آج بھی کائنات کو گڑیا کہتا تھا۔ مگر صرف اس کے سامنے یا پھر ان لوگوں کے سامنے جو جانتے تھے کہ کائنات کو گڑیا بھی کہا جاتا ہے۔

"اس لیے کہ آپ کی گڑیا اب بڑھیا بن گئی ہے۔" وہ اب اکثر اسد کے گڑیا کہنے پر ہنس دیتی تھی۔

"اتنی خاص عمر نہیں ہے تمہاری۔ تمہاری عمر میں کئی لوگ شادیاں کرتے ہیں۔" اب کے عرشیہ نے کہا۔

"آپی ان لوگوں کی جوان ہوتی اولادیں نہیں ہوتیں۔" وہ خفگی سے بولی۔

"تمہاری اولادیں تمہیں خود اجازت دے رہی ہیں۔" عرشیہ نے دلیل دی۔

"لیکن میرا ذہن اس کی اجازت نہیں دیتا۔"

"اور دل؟" عرشیہ نے اسے بغور دیکھا۔

"دل کا کیا ہے اگر صرف کائنات کا دل ہوتو یہ تو کھیلن کو چاند مانگے' مگر یہ ایک ماں کا دل بھی ہے جو نہیں چاہتی کہ کل کوئی اور احمر کسی اور سائرہ بیگم کی سزا بن جائے۔" اس کے دل کا خوف زباں پہ آ گیا۔

"ان کے اور تمہارے معاملے میں فرق ہے۔" اسد نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"چلیں مان لیا مگر احمر کی انتہا پسندی اور جذباتیت سے آپ واقف ہیں۔ نفرت کی تو دس سال ماں کو اور خود کو سولی پہ لٹکائے رکھا اور محبت کی تو اٹھارہ سال تیاگ دیئے اور میری جذباتیت سے بھی آپ ناواقف نہیں۔ ہم دونوں کا ایک ہونا ناممکن ہے۔" وہ اپنی بات سے ہٹنے والی نہیں تھی۔

"یہ انکار کی کوئی ٹھوس وجہ نہیں کائنات۔" عرشیہ نے کہا۔

"جب آپ کو ٹھوس وجہ نظر نہیں آئے گی' تو مجھے اس قسم کی وجوہات بتانی پڑیں گی۔" اس کا اشارہ بچوں کی طرف تھا۔ "اور سیدھی بات تو یہ ہے کہ میں شادی نہیں کروں گی۔"

"تمہارے دل میں احمر کے لیے ذرا سی جگہ بھی نہیں......؟" اسد نے ایک اور کوشش کی۔

"دل میرے پاس ہوتا تو کسی کو جگہ بھی دیتی وہ تو جانے کب کا کھو گیا۔" اس نے دل میں سوچا۔

"تمہارے ہاتھ تو کچھ نہ آیا ناں۔" عرشیہ صرف بہن بن کر سوچ رہی تھی۔

"آپی......؟" کائنات نے حیرت سے اسے دیکھا۔ "آپ کو لگتا ہے میں خالی ہاتھ رہ گئی نہیں آپی میرے پاس آپ سب ہیں۔ میرے بچے ہیں اور احمر کے اٹھارہ سال بھی تو میرے پاس ہی ہیں ناں' خالی ہاتھ تو وہ شخص رہا ہے کیا ہے اس کے پاس کچھ بھی نہیں' میں ساری زندگی اس شخص کو اپنا گناہ گار سمجھتی رہی مگر جب حقیقت کھلی تو میں اس کی گناہ گار نکلی اور جب تک اسے تنہا دیکھتی رہوں گی یہ احساس بڑھتا رہے گا۔"

"تو پھر......"

"نہیں اسد بھائی۔" اس نے اسد کی بات کاٹی۔ "میری بات کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا۔ میں اس سے شادی کرکے دنیا والوں کی نظروں میں تماشہ نہیں بننا چاہتی۔"

"تم دنیا والوں کی پروا کیوں کرتی ہو۔"

"اس لیے آپی کہ میں نے اسی دنیا میں رہنا ہے اور یہ کوئی افسانہ یا خیالی پلاؤ نہیں' جس میں ہم اپنی مرضی سے ردوبدل کرتے رہیں۔ یہ زندگی ہے۔ جس میں ہماری غلطیوں اور جذباتیت کا انجام ہمیں ملتا ہے۔ ہاں البتہ میری ایک التجا ہے آپ دونوں سے۔" اسد اور عرشیہ نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"پلیز آپ احمر سے کہیں وہ شادی کرلے۔ میری خواہش سمجھ کر ہی پوری کردے۔ ورنہ میں اسے جب بھی دیکھوں گی احساس جرم میں گھر جاؤں گی اس کے اٹھارہ سالوں کا قرض مجھے بے چین رکھے گا۔" اس کی بات پر اسد اور عرشیہ ایک دوسرے کو دیکھتے رہ گئے۔ جبکہ باہر کھڑا احمر دکھ سے مسکرا دیا۔

کسی متروک رستے پر
بہت دن بعد
کوئی چل کے آئے تو
بکھرتے خشک پتے پاؤں کے نیچے
سسکتے ہیں
بتاتے ہیں
یہ پچھلے موسموں کا عشق
کیسا عشق ہوتا ہے
دسمبر کے مہینے سی
نہ اس میں گرم جوشی ہے
نہ اس میں سرد مہری ہے
نہ پالینے کی خواہش ہے
نہ کھودینے کا دھڑکا سا
یہ پچھلے موسموں کا عشق
جیسے رات کی بارش
جو چپکے سے برس جائے
زمین دل کو نم کردے......!!

❁......❁......❁

سائرہ بیگم ساجد سے طلاق لے کر اور گھر کو فروخت کرکے گئی تھیں۔ اس لیے اسد نے احمر کو زبردستی اپنے پاس ٹھہرا لیا تھا۔ وہ اپنی ہی سوچوں میں گم تھا جب دروازے پر دستک ہوئی۔ کائنات کمرے میں داخل ہوئی تو وہ جو نیم دراز تھا ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھا۔ ان کا سامنا کئی دنوں سے نہیں ہوا تھا۔ کچھ دن پہلے شہریار آیا تھا۔ ایڈز کے مرض میں مبتلا۔ معافی مانگتے ہوئے وہ رو پڑا تھا۔ کچھ گناہوں کی سزا انسان کو دنیا میں بھی ملتی ہے۔ چاہے وہ اصل سزا کا کچھ حصہ ہی کیوں نہ ہو۔ کائنات نے کہہ دیا کہ اگر بچے معاف کریں گے تو وہ بھی معاف کردے گی مگر احمد اور شانزہ نے اسے معاف کرنا تو درکنار اسے اپنا باپ ماننے سے ہی انکار کردیا تھا۔ شہریار پر وقت اپنی چال الٹ گیا تھا۔ سو وہ نامراد واپس لوٹ گیا۔ کائنات کائی دنوں سے اپنے کمرے میں بند تھی۔ اب اس کا احمر کے کمرے میں آنا احمر کو حیرت میں ڈال گیا تھا۔

"آپ یہاں میرے کمرے میں' بیٹھیے پلیز۔" وقت دوبارہ ان کے درمیان آپ جناب کا تکلف لے آیا تھا۔

"آپ سے ضروری بات کرنی تھی۔" وہ کرسی پر ٹکی۔

"جی کہیے۔" احمر کا ہر عضو کان بن گیا۔

"اسد بھائی نے مجھے خدیجہ کے بارے میں بتایا تھا۔" اس کی بات پر احمر نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"ہوں اس کے والد پاکستانی ہیں جنہوں نے یو ایس اے میں خدیجہ کی والدہ سے شادی کی۔ دونوں کے درمیان علیحدگی ہوگئی تو خدیجہ کو ہاسٹل میں بھیج دیا وہ مجھ سے اردو سیکھنے آتی تھی۔ اب تو اس کی اردو اتنی امپرو ہوگئی ہے کہ مجھے بھی پیچھے چھوڑ جاتی ہے۔" جانے کیوں وہ وضاحت دینے لگا۔

"اس کی ماما سے بہت دوستی ہوگئی تھی۔"

"آپ سب سے اہم بات بتانا بھول گئے ہیں۔ وہ آپ سے محبت بھی کرتی ہے۔"

"پاگل ہے وہ...... وہ تو تمہارا ذکر بھی اتنے احترام سے کرتی ہے کہ مجھے حیرت ہوتی ہے۔" وہ پھر آپ سے تم پہ آیا۔ "اس نے تم سے بھی کبھی حسد محسوس نہیں کیا۔"

"اتنی اچھی ہے وہ کہ آپ نے اس سے اپنی زندگی کی ہر بات شیئر کی ہے تو آپ اس سے شادی کیوں نہیں کر لیتے۔" اس نے وہ بات کی جس کے لیے وہ آئی تھی۔

"یہ ناممکن ہے۔" وہ بے چینی سے اٹھ کھڑا ہوا تو وہ بھی کھڑی ہوگئی۔

"کیوں ناممکن ہے کیا آپ چاہتے ہیں کہ جب بہت سا وقت گزر جائے تو آپ بھی میری طرح خدیجہ کے کمرے میں جا کر اسے کسی اور سے شادی کے لیے رضامند کر رہے ہوں۔ اس احساس جرم کے ساتھ کہ کسی نے آپ کی خاطر زندگی رول دی۔" کیا بات کہ گئی تھی وہ؟ یہ احساس تو اسے بھی اکثر مضطرب کرتا تھا۔

"میں نے اس سے نہیں کہا ہے کہ وہ میرے لیے زندگی رول دے۔" خفا خفا سا احمر ماضی کے احمر سے کچھ خاص مختلف نہیں لگ رہا تھا۔ وہ دکھ سے مسکرائی۔

"کہا تو میں نے بھی نہیں تھا آپ سے۔ مگر پھر بھی میں آپ کو اکیلا دیکھتی ہوں تو مجھے اذیت محسوس ہوتی ہے۔" وہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ اور وہ اس کی آنکھوں میں دیکھنے سے آج بھی ڈرتا تھا۔ سو رخ پھیر گیا۔ "محبت کا دامن اتنا تنگ نہیں ہوتا احمر۔ میں آپ سے نہیں کہتی کہ محبت کرنا چھوڑ دیں۔ بس محبت کا رخ موڑ دیں خدیجہ کی جانب۔"

"میں یہ نہیں کر سکتا۔" وہ اسے کیسے بتاتا کہ وہ خدیجہ کی محبت سے خوف زدہ تھا اسے ڈر تھا کہ خدیجہ اسے کائنات کی محبت نہ بھلا دے اور اسی ڈر سے بھاگ کر وہ پاکستان آیا تھا اسے اپنی محبت عزیز تھی۔

"پلیز احمر میری خواہش جان کر ہی اسے پورا کر دیں۔ میری خاطر یا اس محبت کی خاطر جو آپ نے کی اور جو خدیجہ نے کی آپ سے۔" وہ اسے منانے کے لیے ساری دلیلیں ساتھ لائی تھی۔

"اور تم...... تم نے کبھی محبت نہیں کی۔ بہت پتھر دل ہو تم۔" اس نے شکوہ کیا۔

"یہ الزام نہ دیں احمر۔ کوئی جذبہ تو تھا ناں جو مجھے اس کمرے تک لے آیا۔" اس نے تڑپ کر احمر کی آنکھوں میں دیکھا اور یہیں احمر ہار گیا۔

"بلھے شاہ کی ہس کے یار منالیندے ساڈا روڑاں وی نامنظور ہویا۔" اس نے برسوں پہلے کہا گیا فقرہ دہرایا اور کائنات کا جی چاہا وہ چیخ اٹھے۔ کیسا ظالم شخص تھا وہ ہمیشہ اسے کانٹوں پہ گھسیٹ لیتا۔ "تو یہ طے ہوا کائنات بی بی کہ آپ ہمارا نصیب بننے کو تیار نہیں۔ تو پھر ٹھیک ہے ہم آپ کی خواہش پوری کر دیتے ہیں۔ زندگی کچھ تو بامقصد لگے۔"

"کائنات......" وہ دروازے کے پاس پہنچی تھی جب اس کی آواز نے اس کے پاؤں جکڑ لیے۔ وہ بمشکل پلٹی۔ اس کے ہاتھ میں مخملیں کیس تھا سرخ رنگ کا۔ "برسوں سے ایک امانت پڑی ہے میرے پاس۔" اس نے الجھن بھرے انداز میں وہ کیس لے لیا۔ مگر جیسے ہی اسے کھولا بری طرح لڑکھڑائی۔ اگر کرسی کا سہارا نہ لیتی تو شاید گر پڑتی۔

"یہ...... چوڑیاں......؟" وہ برسوں پرانی چوڑیاں تھیں جو اسد کے کمرے میں ٹوٹی تھیں وہ کرسی پر ڈھے سی گئی۔ وہ اکثر سوچتی تھی کہ اسد نے ان ٹوٹی چوڑیوں کے بارے میں کبھی کچھ کیوں نہیں پوچھا۔

"آپ انہیں اب پھینک دیں۔" بہت دیر بعد وہ سنبھلی تھی۔

"اس شہر میں گر پھینکیں تو یہ ٹوٹے کانچ مجھے چین نہیں لینے دیں گے۔ میں چاہتا ہوں میں کراچی سے خدیجہ کو لینے یو ایس اے جاؤں تو انہیں وہیں سمندر میں ڈال دوں مگر میری ایک خواہش ہے۔" وہ جیسے کسی فیصلے پر پہنچ کر مطمئن تھا۔

"کیسی خواہش؟" کائنات نے بے ساختہ پوچھا اس شخص سے کچھ بعید نہیں تھا کہ کیا کہہ دے۔

"کہ تم میرے ساتھ جاؤ' ہم دونوں مل کر انہیں سمندر کے حوالے کر دیں۔" عجیب دکھ میں ڈوبا لہجہ تھا اس کا' کائنات نے نظریں چرائیں۔

"کیا جذباتی پن ہے۔ صرف چوڑیاں ہی تو ہیں کہیں بھی پھینک دیں۔" وہ اور کیا کہتی۔

"تمہارے لیے صرف چوڑیاں ہیں۔ میرے اٹھارہ سالوں کی ساتھی ہیں یہ' مگر تم کیا جانو۔" احمر کا جی چاہا اسے جھنجوڑ ڈالے۔ "تم اگر میرے ساتھ نہیں جاؤ گی تو میں تمہاری بات نہیں مانوں گا۔"

"جھوٹ کہتے ہیں لوگ کہ وقت انسان کو بدل دیتا ہے۔" اس نے بے بسی سے کہا اور کھڑی ہوگئی۔

"میں بدلنا چاہتا بھی نہیں اب۔ بس اتنا چاہتا ہوں کہ اگر کبھی زندگی سے تھکنے لگوں تو اس سمندر کے کنارے جا کر تھکن اتاروں۔ جہاں میرے اور تمہارے قدموں کے نشان ایک ساتھ بنے ہوں۔" کیسا ٹوٹے کانچ سا لہجہ تھا اس کا۔ کائنات نے ایک نظر ہاتھ میں پکڑے کیس میں پڑی چوڑیوں پہ ڈالی۔

"ٹھیک ہے میں تیار ہوں۔" وہ کیس اس کے ہاتھ میں پکڑاتے ہوئے جیسے ہار گئی۔

"تھینکس۔" احمر نے ایک پل کو اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔ ان میں نمی تیر رہی تھی۔

"ایک بات کہوں کائنات۔" کائنات نے اس کی طرف دیکھا اور وہ نظریں چراتے ہوئے بولا تو اس کے لہجے میں بے بسی تھی۔

"میرا آج بھی جی چاہتا ہے میں ان اماوس کی رات سی کالی آنکھوں کو محسوس کروں۔"

"اور میرا جی چاہتا ہے ان آنکھوں کو پھوڑ لوں' جنہوں نے اپنی سیاہی کسی کے مقدر پہ مل دی۔" اس نے بے اختیار اسے روکنا چاہا تھا کہ وہ ان آنکھوں کو برا نہ کہے مگر وہ اپنی بات کہہ کر جا چکی تھی۔ کائنات کے جانے کے بعد وہ تھکے تھکے سے قدموں سے بیڈ پر آ بیٹھا۔

"تو طے ہوا خدیجہ کہ تمہاری محبت میری محبت سے زیادہ طاقت ور نکلی۔" اس نے سرخ مخملیں کیس پر نظریں جماتے ہوئے جیسے خدیجہ کو مخاطب کیا۔

"محبت تو کسی کی بھی ہو محبت ہوتی ہے' محبت اگر سچی ہو تو کمزور یا طاقتور کا کیا قصور۔ ہاں بس میں نے مایوسی' جذباتیت اور ناامیدی یا پھر ایسے کسی بھی جذبے کے لیے محبت کو شاہراہ عام نہیں بننے دیا۔ محبت میں بے اعتباری نہیں ہونی چاہیے سر' چاہے یہ محبت کے ملنے کے لیے ہو یا محبوب کے لیے دونوں صورتوں میں خطرناک ہے۔" خدیجہ کی آواز کہیں اردگرد سے آئی تھی۔ اس نے مخملیں کیس کو سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

اور اسی گھر کے کسی کمرے میں احمر کی دائمی خوشیوں کی دعا کرتے ہوئے کسی کی سیاہ آنکھوں کے سامنے دھند سی چھا گئی تھی۔

اتنا ہی یاد رکھ مجھے
جیسے کسی کتاب میں
بیتے دنوں کے دوست کا
اک خط پڑا ہوا ملے
لفظ مٹے مٹے سہی
رنگ اڑا اڑا سا ہو
لیکن وہ اجنبی نہ ہو
اٹھ کر تیرے گلے لگے
بھولے ہوئے تمام سکھ
بیتے ہوئے تمام دکھ
تجھ سے کہے......
اور رو پڑے......
اتنا ہی یاد رکھ مجھے
بیتے دنوں کے دوست کا
جیسے کہ کوئی خط ہوں میں
رکھا ہوا کتاب میں......!!

حصہ 4

تیرے لوٹ آنے تک

سلمیٰ فہیم گل

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

طعینہ اپنے بھائی تورہا کے ساتھ بزنس میٹنگ کے سلسلے میں شہر سے باہر جانا نہیں چاہتی اس لیے وہ اپنے والد حسن احمد بخاری سے سفارش کے لیے کہتی ہے لیکن حسن احمد بخاری اپنے بیٹے تورہا کی عادت سے واقف تھے اس لیے وہ خاموش ہوجاتے تھے۔ آغامینا یونیورسٹی میں ارقام کو تلاش کررہی ہوتی ہے جب ہی اس کی ملاقات فیصل سے ہوجاتی ہے آغامینا فیصل کے بارے میں کچھ نہیں جانتی جب کہ کچھ فاصلے پر موجود زاویار کو آغامینا کا فیصل کے ساتھ کھڑا ہونا سخت ناگوار گزرتا ہے اسے آغامینا کی خود اعتمادی اور لڑکوں کے ساتھ جلد فری ہوجانے والی عادت پسند نہیں تھی جبکہ وہ فیصل کو بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ فیصل کس طرح لڑکیوں کے ساتھ فلرٹ کرنے اور انہیں اپنے مقاصد میں استعمال کرتا ہے۔ اس لیے زاویار آگے بڑھ کر آغامینا کو سمجھانے کی کوشش کرتا ہے۔ سالار کے گھر پارٹی تھی تورہا میٹنگ سے فارغ ہوکر اس کے گھر پہنچتا ہے لیکن زری کو سالار کے گھر دیکھ کر اسے حیرت ہوتی ہے لیکن دوستی کا خیال کرتے ہوئے تورہا زری کو نظر انداز کرجاتا ہے اور یہ ہی بات زری کو بری لگتی ہے جبکہ سالار ان دونوں کو قریب لانا چاہتا ہے۔ طعینہ کی گاڑی واپس آتے ہوئے خراب ہوجاتی ہے اور وہ ٹیکسی کے انتظار میں کھڑی ہوجاتی ہے لیکن اسے ٹیکسی نظر نہیں آتی تب ہی ارقام کا گزر وہاں سے ہوتا ہے اور وہ طعینہ کو دیکھ کر اپنی گاڑی میں بیٹھنے کے آفر کرتا ہے جو کچھ کشش و پنج کے بعد طعینہ قبول کرلیتی ہے۔ آغامینا ارقام کو یونیورسٹی میں طعینہ کے بارے میں بتا کر سکون سے ہوجاتی ہے اس کے خیال میں اس نے ارقام کے لیے ایک بہت اہم کام انجام دیا ہے جبکہ زاویار کو یہ بات اچھی نہیں لگتی۔ طعینہ اپنے والد حسن احمد بخاری سے تورہا اور ان کے درمیان پیدا ہوئے اختلاف کے حوالے سے پوچھتی ہے تو وہ کچھ بھی نہ بتاتے جس پر طعینہ کو دکھ کے ساتھ افسوس ہوتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

......☆☆☆......

ذری نے نظریں چرالی تھیں۔ جبکہ تورع کی نظریں مسلسل اس کے چہرے کا طواف کررہی تھیں۔ ذری اسے نظر انداز کرتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔ تورع نے سرعت سے اس کی کلائی گرفت میں لی تھی۔

"ہاؤ آر یو مسز؟" گہری نگاہوں سے اس کے صبیح چہرے کو دیکھا اور زیر لب مسکراتے ہوئے استفسار کیا۔

اس کے بشاشت بھرے انداز پر ذری بری طرح چونکی تھی۔ حیرت سے اس کی جانب دیکھا تھا۔ وہ گزشتہ بی ہیویئر سے ہٹ کر چہرے پر نرم و ملائم تاثرات لیے بہت پیار بھری نظروں سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ شاید اسی لیے ہمیشہ کی طرح وہ اس سے نظریں بھی نہ چرا سکی تھی۔ اس پل آنکھوں میں حیرانگی کے سوا اور کوئی تاثر پنہاں نہیں تھا۔ ان دنوں وہ تورع کے رویے کو سمجھنے سے قاصر تھی۔

کبھی تو ایسے سرد اور کٹھور انداز میں مخاطب ہوتا کہ ایسا محسوس ہونے لگتا تھا کہ جیسے زندگی کی تمام اذیتیں اس کے الفاظ میں سمٹ آئی ہوں۔ اتنا روڈ ہوجاتا کہ لگتا ہی نہیں تھا کہ اب کبھی بھی وہ اس سے بات کرے گا اور کبھی ایسے شبنم کی بوندوں کی مانند برستا کہ نظریں ملانا دشوار ہوجاتا۔ سالار کے ہاں جو کچھ ہوا جو رویہ اپنایا وہ اس کے

لیے کسی حد تک حسب حال اور صحیح بھی تھا' لیکن جہاں وہ مطمئن ہوئی تھی وہیں کہیں نہ کہیں ہرٹ بھی ہوئی...... اور پھر سے......!

"کیا ہوا؟ تم نے جواب نہیں دیا۔" اس کی آنکھوں کے سامنے چٹکی بجاتے ہوئے وہ زیرلب مسکرایا۔ اس نے دانستہ نظریں چرائی تھیں۔

"اوں ہوں...... کچھ نہیں۔" ہاتھ چھڑانے کی سعی کی تھی مگر تورع ایسا نہیں چاہتا تھا۔

"زیکی!" گہری نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔ وہ سٹپٹا سی گئی۔

"پلیز ہاتھ چھوڑیں میرا۔" اس کی معنی خیزی سے خود کو دیکھتی ہوئی نگاہوں کو نظر انداز کرتے ہوئے ہاتھ چھڑانا چاہا۔

"نہ چھوڑوں تو۔" وہ اس کی مزاحمت سے خاصا محظوظ ہو رہا تھا۔

"تورع پلیز۔"

"فاتنی' کتنے عرصے بعد مجھے لگا میں تورع ہوں۔" اس کے انداز پر وہ جھینپ سی گئی۔

"ہاتھ چھوڑیں پلیز۔ ام اکیلی ہیں۔ مجھے ان کے پاس جانا ہے۔" انداز گریزانہ تھا۔

"اور میں کتنا اکیلا ہو گیا ہوں' کیا اس کا احساس ہے تمہیں؟" گہرے لہجے میں گلہ کیا۔ وہ نا چاہتے ہوئے بھی اس کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔ آنکھوں میں ان کہے جذبوں کی لپک تھی۔ اس نے سرعت سے نظریں چرائی اور جھٹکے سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا تھا۔

"بھلا آپ کی تنہائی کا احساس مجھے کیوں ہونے لگا؟" وہ ایک دم کٹھور ہوئی۔

"ہاں صحیح کہہ رہی ہو میری تنہائی کا احساس بھلا تمہیں کیوں ہونے لگا۔ جو خود تنہا کردیں' کیا انہیں بھی احساس ہوتا ہوگا...... اور پھر جہاں احساسات اور جذبات پر پہرے بٹھا دیے گئے ہوں وہاں احساسات تو مردہ ہو ہی جاتے ہیں۔ غلط کیا ہے اس میں؟" تورع نے اس کی بات پر کرب سے اپنے لب بھینچے اور طنزاً گویا ہوا۔

"مجھ پر کوئی پہرے نہیں ہیں۔" وہ اپنی صفائی میں بولی۔

"او...... زیکی۔" اس کے لہجے میں تمسخر تھا۔ ذری نے اذیت سے اپنی آنکھیں موندھی تھیں۔

"مجھے جانا ہے۔" دھیرے سے کہا۔

"میرے کہنے سے رک جاؤ گی کیا؟" بڑی آس سے دیکھا۔

ذری نے اپنے لب بھینچے اور اپنے جذبات کا گلا گھونٹتے ہوئے سختی سے دوٹوک انداز میں گویا ہوئی۔

"نہیں' بالکل نہیں۔" اور سرعت سے قدم آگے بڑھا دیے۔

تورع نے تیزی سے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنی جانب کھینچا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ اس کے شانوں پہ رکھتے ہوئے بمشکل خود کو اس سے چند انچ کے فاصلے پر روک پائی تھی۔ دزدیدہ نظروں سے تورع حسن بخاری کے سرخ و سفید چہرے کی جانب دیکھا۔ تورع کو پروا نہیں تھی۔

"میری نرمی کو میرا جھکنا یا سرینڈر کرنا مت سمجھنا۔ شاید میرے اندر تھوڑی سی مروت باقی ہے۔ اسی لیے بنا کچھ جتائے تمہیں جانے دیتا ہوں۔ اسے میری ہار مت سمجھنا' اور نہ ہی یہ سمجھنا کہ میں پیچھے ہٹ گیا ہوں۔ ہرگز نہیں۔ خود سے ریلیٹڈ اشیاء کو یوں چھوڑ دینا میری سرشت میں شامل نہیں ہے۔ پیچھے ہٹنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہزار پہروں میں بھی تمہیں حاصل کرسکتا ہوں' لیکن میں ایسا نہیں کررہا۔ اپنے اصولوں کے خلاف جانا مجھے گوارا نہیں اور کچھ تمہارے احساسات کا احساس ہے' تمہارے جذبوں کی قدر کرتا ہوں' جو شاید اب میرے لیے نہیں ہیں' یا شاید پہلے بھی تھے یا نہیں۔" اس کی اس بات پر ذری نے بے یقینی سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

تورع استہزائیہ ہنسا۔

"کیوں...... کچھ غلط کہا کیا میں نے؟"

ذری نے نخوت سے سر جھٹکا اور ساتھ ہی خود کو چھڑانے کی سعی کی۔ تورع نے جھٹکے سے اسے چھوڑ دیا۔ وہ بمشکل سنبھلی تھی۔ تورع نے چند پل اسے دیکھا اور مزید کچھ کہے بغیر سرعت سے ہٹ گیا۔ ذری بہت دیر تک اس کی چوڑی پشت کو دزدیدہ نظروں سے دیکھتی رہی تھی۔

تبھی اسے اپنے گال نم ہوتے محسوس ہوئے تھے۔ اس نے بے ساختہ اپنے گال پر ہاتھ رکھا تھا۔ تبھی اسے علم ہوا کہ وہ رو رہی ہے۔

"لیکن کیوں؟" وہ ایک دم بے چین سی ہو اٹھی۔

"یہی تو وہ چاہتی تھی تو پھر یہ رونا کس لیے؟" وہ اپنے ہی سوال پر الجھ کر رہ گئی۔ تبھی وہ بری طرح چونکی اور اردگرد دیکھتے ہوئے اپنے گال بے دردی سے رگڑ ڈالے تھے۔ ام کے پاس جانے کی غرض سے قدم آگے بڑھائے مگر پھر رک گئی۔

وہ یوں روتی ہوئی شکل لے کر ام کے پاس نہیں جاسکتی تھی۔ وہ یقیناً پریشان ہو جاتیں اور اس کے یوں بنا بات کے رونے کا سبب وہ ایک سیکنڈ میں جان جاتیں۔ اسی لیے وہ دوبارہ سے شگفتہ کے روم میں چلی آئی۔ واش روم میں گھس کر چند چھینٹے چہرے پر مارے اور باہر نکل آئی۔ ہال میں داخل ہوتے ہی اس نے ام کی تلاش میں نظریں دوڑائیں اور یہ دیکھ کر مطمئن ہوگئی کہ وہ اکیلی نہیں تھیں' ابھی کچھ دیر پہلے ہوئی باتوں کو ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کرتے ہوئے وہ ام کی جانب بڑھ گئی۔

❁......❁......❁

موسم بہت سہانا ہو رہا تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ گو وہ اس وقت بہت تیز ڈرائیو کررہا تھا' اس کے باوجود وہ موسم کی خوب صورتی کو انجوائے کررہا تھا۔ خوب صورت سی سوچوں کے ہمراہ۔

لبوں پر دھیمی سی مسکان تھی...... آنکھیں روڈ پر مرکوز تھیں۔ جبکہ ذہن کہیں اور پہنچا ہوا تھا۔

اسے پندرہ منٹ میں ایئرپورٹ پہنچنا تھا اسی لیے وہ

بہت فاسٹ ڈرائیونگ کررہا تھا۔ ایئرپورٹ پہنچ کر وہ تیزی سے اندر کی جانب بھاگا تھا۔ اسے تلاش کرنے میں اسے زیادہ وقت نہیں ہوئی تھی۔ چند پل میں ہی اس کی متلاشی نگاہوں نے اسے ڈھونڈ لیا تھا۔ اسے دیکھتے ہی اس کے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔

وہ بیزار سی بیٹھی تھی۔ چہرے پر خفگی کا تاثر تھا۔ اردگرد سے بے نیاز ایک ہی نقطے پر نظریں جمائے اضطراری انداز میں پاؤں کو جھلا رہی تھی۔ وہ اکیلی بیٹھی تھی' اردگرد کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ آہستگی سے چلتا ہوا اس کے قریب آن رکا۔

"ہیلو!" اس کے قریب قدرے جھکتے ہوئے آہستگی سے کہا۔ وہ بری طرح اچھلی اور چہرہ موڑ کر دیکھا۔

"تم......!" زور سے چلائی۔ وہ اس کے یوں بے اختیاری میں آپ کی بجائے تم کہنے پر مسرور ہوا تھا۔

"جی جناب میں۔" وہ سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے قدرے جھکا۔

"آپ یہاں......"

"آں ہاں' آپ نہیں تم' آپ کے منہ سے تم کہنا بہت اچھا لگا ہے اور ویسے بھی اگر ابھی آپ نے بے اختیاری میں ہی سہی' تم کہہ ہی دیا ہے تو مستقل کہنے میں بھلا کیا حرج ہے۔ میں بھی آپ کہتے کہتے بور ہوگیا ہوں جان پہچان بھی اچھی خاصی ہوگئی ہے۔ تو پھر کیا خیال ہے آپ سے تم تک کا سفر طے کر ہی لینا چاہیے۔" اس نے اس کی بات پر چند پل بغور اس کی جانب دیکھا تھا۔

"ویل! سوچوں گی کہ اب آپ کو تم کہنے میں کوئی حرج ہے یا نہیں۔ فی الحال تو آپ مجھے یہ بتائیں ناں کہ آپ یہاں کیا کررہے ہیں؟ کہیں یہاں بھی میرا پیچھا کرتے ہوئے تو نہیں آئے؟" اس نے کسی قدر مشکوک سے انداز میں بھنویں اچکاتے ہوئے استفسار کیا۔

"آپ کو لگتا ہے میں آپ کا پیچھا کرتا ہوں؟"

"بالکل! آپ اکثر میرا پیچھا کرتے ہوئے پائے گئے ہیں۔" وہ یکلخت گڑبڑا سا گیا۔

"کہاں؟ میں نے کب آپ کا پیچھا کیا' وہ تو بس اتفاقیہ ملاقات ہوجاتی ہے۔"

"او...... اتفاقیہ' بائی داوئے یہ اتفاقیہ ملاقاتیں آپ سے ہی کیوں ہوتی ہیں مسٹر ارقام۔" وہ استہزائیہ گویا ہوئی۔

شرمندہ کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی تھی۔ مگر وہ بھی ارقام تھا۔ شرمندہ ہوتے ہوئے بھی ظاہر نہ کرنا یہ اسی کی خاصیت تھی۔

"شاید اس کی کوئی خاص وجہ ہو۔" اس کی بات پر اس نے چونک کر ارقام کی جانب دیکھا۔ وہ بہت گہری نگاہوں سے اس کو ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ جانے کیوں بے ساختہ نظریں چرا گئی تھی۔ ارقام خاصا محظوظ ہوا تھا۔

"جی نہیں' جان بوجھ کر کی گئی حرکت کے پیچھے کوئی خاص وجہ نہیں ہوسکتی۔"

"آں آں' جان بوجھ کر کی گئی حرکت کی بہت سی خاص وجوہات ہوتی ہیں۔" اس نے فوراً جواب دیا۔

"ہوسکتا ہے ایسا ہو مگر میرا خیال اس کے برعکس ہے' آپ یہاں کیسے؟"

"سچ کہوں یا جھوٹ؟" اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے گہرے لہجے میں استفسار کیا۔

"سچ کہیں یا جھوٹ مجھے اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" انداز استہزائیہ تھا۔

"کیا واقعی؟" معنی خیزی سے پوچھا۔ اس کے انداز پر طعینہ نے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"بالکل!" اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پورے وثوق سے گویا ہوئی اور وہ دل ہی دل میں مسکرا دیا۔

"اوکے' ویسے میں اپنے ایک دوست کو سی آف کرنے آیا تھا۔"

"تو کرآئے سی آف دوست کو؟"

"آں' نہیں ابھی نہیں' ابھی اس کے جانے میں ٹائم ہے۔"

"تو پھر آپ یہاں کیا کررہے ہیں؟ اپنے دوست

کے پاس جائیے ناں' وہ بیچارہ اکیلا کھڑا آپ کو کوس رہا ہوگا' اور آپ یہاں کھڑے لوگوں سے باتیں بھگار رہے ہیں۔" اس کے یوں چبا کر لوگوں کہنے پر اس نے بے ساختہ اس کی جانب دیکھا اور دھیرے سے مسکرا دیا۔

"تصحیح کرلیجیے' آپ لوگوں میں شمار نہیں ہوتیں۔" لہجہ بہت خاص تھا اور الفاظ معنی خیز بھی۔ طعینہ دانستہ نظرانداز کرگئی اور پورے اعتماد سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے گویا ہوئی۔

"تصحیح آپ کرلیجیے مسٹر ارقام ملک! میں لوگوں میں ہی شمار ہوتی ہوں۔" ارقام کا دل اس کی بات پر ایک پل کو آزردہ ہوا تھا۔ دوسرے ہی پل اپنے دل کی افسردگی کو بھگاتے ہوئے مسکرا دیا۔

"آپ خود کو میرے لیے لوگوں میں شمار کیجیے' اور میں آپ کے لیے کیا سوچتا ہوں اسے مجھ پر چھوڑ دیجیے۔ آئی تھنک آپ اتنی کشادہ دل تو ہوں گی کہ اس بات پر اعتراض نہ کرسکیں۔"

"آف کورس۔ میں خاصی کشادہ دل ہوں' مگر قابل اعتراض باتوں پر اعتراض نہ کرنا' اس میں کشادہ دلی کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ بلکہ یہ دوسروں کو کھلی چھوٹ دینے کے زمرے میں آتا ہے' جو کہ مجھے اپنے لیے دینا پسند نہیں ہے۔" پورے اطمینان سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ارقام کے چہرے پر سایہ سا لہرا گیا تھا۔

"مت دیجیے' مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن میری سوچ پر تو پابندی نہیں لگا سکتیں ناں؟" اس کی بات کے اثر کو زائل کرتے ہوئے بشاشت سے استفسار کیا۔

"میں بھلا کیوں پابندی لگاؤں گی آپ کی سوچ پر' مجھے اس سے کیا غرض کہ آپ کیا سوچتے ہیں اور کیا نہیں؟ ان فیکٹ یہ آپ کی سوچ ہے' جو دل چاہتا ہے سوچیں' مگر اپنی سوچ کو بے جا خوش فہم مت بنائیے گا۔ کہیں نقصان نہ اٹھا بیٹھیں' یہ میری طرف سے آپ کے لیے مخلصانہ مشورہ ہے کوئی اعتراض یا پابندی نہیں۔"

"آپ کے مشورے کا بہت بہت شکریہ۔ غور کروں گا اس بات پر' بائی داوے کتنے روز کے لیے جارہی ہیں آپ؟" اس نے فوراً بات کا رخ موڑا اور اصل بات کی جانب آیا۔

پہلے ہی اس کی باتیں اس کے دل پر بوجھ ڈال رہی تھیں۔ بات طویل ہوجاتی تو اندیشہ تھا کہ کہیں پہلے ہی مرحلے پر دل ٹوٹ نہ جائے اور وہ ایسا ہرگز نہیں چاہتا تھا۔ اسے امید تھی کہ سفر لاحاصل نہیں' بات بس اتنی سی تھی کہ......!

منزل پر پہنچنے کے لیے سفر لازمی ہوتا ہے اور سفر پر قدم رکھ دیا جائے تو بہت سی مشکلات اور تکالیف راہ میں آن کھڑی ہوتی ہیں۔ جنہیں منزل پر پہنچنا ہوتا ہے وہ ہر طرح کی مشکلات اور تکالیف کا مقابلہ کرنا جانتے ہیں' جو سفر پر روانہ ہونے سے قبل ہی گھبرا جائیں' انہیں منزلیں کب ملتی ہیں بھلا؟ جبکہ ارقام کو منزل چاہیے تھی' اس لیے تو وہ سفر کے لیے تیار تھا اور اس پر چلنے کے لیے قدم رکھ چکا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ یہ سفر طے کرلے گا۔ ہر مشکل و تکلیف کا سامنا کرنے کی سکت رکھتا تھا۔ اور پھر خود پر اتنا بھروسہ تو ہونا ہی چاہیے۔

"آئی تھنک دو تین روز لگ جائیں گے۔" ارقام اس کی آواز پر بری طرح چونکا تھا۔ وہ اس کی بات کا جواب دے رہی تھی۔ وہ سر ہلا گیا۔

"آپ یونیورسٹی سے آرہے ہیں کیا؟" اس نے ارقام سے پوچھا۔

"آں...... ہاں۔ ایک گھنٹے کا آف لے کر آیا ہوں۔"

"آغا مینا سے ملاقات ہوئی آپ کی؟" طعینہ کی بات پر اس نے چونک کر بغور اس کی جانب دیکھا۔

"آں...... نہیں۔ آج میری ان سے ملاقات نہیں ہوئی۔ ایکچوئلی ٹائم ہی نہیں ملا آپ کے ڈیپارٹمنٹ کی طرف جانے کا۔"

"رئیلی! یقین نہیں آرہا آپ کو ہمارے ڈیپارٹمنٹ میں جانے کا ٹائم نہیں ملا۔" اس نے بے یقینی سے اس کی

جانب دیکھا۔ انداز جانچنے والا تھا۔

وہ ایک لمحے کو گڑبڑاتے ہوئے نظریں چرا گیا تھا۔ دوسرے ہی پل گویا ہوا۔

"بہت بری بات ہے ظعینہ جی! اتنی بے یقینی بھی اچھی نہیں ہوتی۔" اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے زیرلب مسکرایا۔

"آپ نے اب تک یقین دلانے والا کام کیا ہی کب ہے مسٹر ارقام ملک؟" اس نے درپردہ اس روز والی بات جتائی۔ غالباً شرمندہ کرنے کی کوشش تھی۔ جبکہ وہ بنا شرمندہ ہوئے محظوظ کن انداز میں مسکرایا۔

"کسی کی ہیلپ کرنے کے لیے اتنا رائٹ تو بنتا ہے ناں کہ ذرا سا کھیلا کرلیا جائے۔ کیا خیال ہے؟"

"کیا یہ ضروری ہے کہ میں آپ کی ہاں میں ہاں ملاؤں؟" اس نے سوال کیا۔

"نہیں' ایسا خاص بھی نہیں۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"اوکے' تو میرے خیال میں......" اس سے پہلے کہ وہ جملہ مکمل کرتی کوئی تیزی سے اس کے قریب چلا آیا۔ دونوں نے ہی ایک ساتھ اس کی جانب دیکھا۔ وہ تورع تھا۔

"چلیں ظعینہ' فلائٹ کا ٹائم ہوگیا ہے۔" ظعینہ کو مخاطب کرتے ہوئے اچانک اس کی نظر اس کے ساتھ کھڑے لڑکے پر پڑی' وہ چونکا۔

"آپ کون؟" حیرت سے استفسار کیا۔

"ارقام ہیں اخ۔ میرے یونیورسٹی فیلو۔ اپنے فرینڈ کو سی آف کرنے آئے ہیں اور ارقام یہ میرے بھائی اخ ہیں۔"

"اخ......" ارقام نے ناسمجھی سے دیکھا۔

"آئی مین تورع۔"

"اوہ نائس ٹو میٹ یو سر۔" اس نے سرعت سے ہاتھ آگے بڑھایا۔ اس کی پرسنالٹی خاصی متاثر کن تھی۔ ارقام خاصا متاثر ہوا تھا۔

"تھینکس' چلیں ظعینہ ہم لیٹ ہورہے ہیں۔"

"جی اخ۔" وہ بددلی سے گویا ہوئی۔

"اوکے مسٹر ارقام۔ امید ہے آپ سے پھر ملاقات ہوگی۔" وہ اس کی جانب متوجہ ہوا۔

"آف کورس سر۔" اس نے مسکرا کر مودب انداز میں کہا۔ تورع آگے بڑھ گیا۔

"بائے ارقام۔" ظعینہ بھی اس کی جانب ہاتھ ہلاتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔

"ایک منٹ ظعینہ۔" تبھی ارقام نے پکارا۔ وہ حیرت سے پلٹی تھی۔

"یس۔"

"ایکچوئیلی مجھے کچھ کہنا ہے۔"

"واپسی پر کہہ دیجیے گا ارقام۔ مجھے دیر ہورہی ہے۔"

"پلیز ظعینہ' صرف ایک سیکنڈ۔"

"اوکے...... کہیے۔" وہ پوری طرح اس کی جانب متوجہ ہوئی۔

"ایکچوئیلی میں نے جھوٹ بولا تھا کہ میں اپنے فرینڈ کو سی آف کرنے آیا ہوں۔"

"تو......؟" اس نے یوں بھنویں اچکائیں جیسے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

"تو یہ کہ میں کسی اور کو نہیں بلکہ آپ کو سی آف کرنے آیا تھا۔" ظعینہ نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔

"مجھے......!" شہادت کی انگلی سے اپنی جانب کرتے ہوئے حیرت سے دیکھا۔ ارقام نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

"آپ کو کیسے علم ہوا کہ میں کہیں جارہی ہوں؟" وہ حیران ہوئی۔

"مجھے آغا مینا نے بتایا تھا۔ ایکچوئیلی میں......"

"اوکے فائن' لیکن کیوں؟"

"کیوں؟ کیا مجھے ابھی بھی واضح کرنے کی ضرورت ہے ظعینہ؟ کہ میں آپ کو سی آف کرنے کیوں آیا؟" ارقام نے معنی خیزی سے دیکھتے ہوئے گہرے لہجے میں

کہا۔ حیرت بھی ہوئی تھی۔

وہ بے ساختہ ناچاہتے ہوئے بھی نظریں چرا گئی تھی۔

"ہاں ہے' مجھے کوڈ ورڈز میں کی گئی باتیں سمجھ میں نہیں آتیں۔" اس کی جانب دیکھتے ہوئے پورے اعتماد سے کہا۔ ارقام نے ایک پل کو اپنے لب بھینچے تھے۔ تبھی ظعینہ کو تورع نے دوبارہ سے پکارا۔ وہ دونوں ایک ساتھ چونکے تھے۔

"ایم سوری ارقام' آپ سے پھر بات ہوگی' گڈ بائے۔" اس نے ارقام کو دیکھتے ہوئے دھیمے سے لہجے میں کہا اور سرعت سے آگے بڑھ گئی۔ ایسے کہ چاہنے کے باوجود ارقام اسے دوبارہ پکار نہیں سکا۔

ارقام کے دل پر بوجھ آن پڑا تھا۔ وہ افسردگی سے واپسی کے لیے مڑنے لگا تبھی ظعینہ نے مڑ کر اس کی جانب دیکھا تھا۔ وہ دھیرے سے مسکرادیا۔ مگر ظعینہ مسکرا نہ سکی اور تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

ارقام نے بھی واپسی کے لیے قدم موڑ لیے تھے۔ دل میں کسک لیے کہ وہ اپنی بات نہیں کہہ سکا تھا۔ مگر پھر یہ سوچ کر مسکرادیا کہ آج نہیں کہا تو کیا' شروعات تو ہوگئی تھی۔ اب آگے کا راستہ آسان تھا' اسے امید تھی وہ طے کرلے گا۔

❁......❁......❁

"تم نے بات کی اس سے؟" اس وقت وہ بریک فاسٹ میں مصروف تھا تبھی بابا نے اسے مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ وہ چونکا ضرور مگر سر نہیں اٹھایا۔

"نہیں!" آہستگی سے جواب دیا۔

"ڈھائی ماہ تو ہوگئے ہیں تمہیں یونیورسٹی جاتے ہوئے۔ اتنے عرصے میں تم نے اس سے بات نہیں کی۔ آخر کر کیا رہے ہو تم؟" وہ خاصے برہم ہوئے تھے مگر وہ بے تاثر بیٹھا تھا۔ آہستگی سے ان کی بات پر گویا ہوا۔

"ابھی میری اس سے ملاقات نہیں ہوئی۔"

"ملاقات نہیں ہوئی یا تم نے اس سے ملنے کی کوشش نہیں کی؟" انہوں نے طنزاً استفسار کیا۔ وہ ہونٹ بھینچ کر رہ گیا۔

یہ سچ تھا۔ وہ جان بوجھ کر اس کے ڈیپارٹمنٹ میں نہیں جاتا تھا' حتی الامکان اس کی کوشش یہی ہوتی تھی کہ اس کا سامنا نہ ہو' مگر یہ بات وہ بابا کو نہیں بتاسکتا تھا۔ اسی لیے چپ سادھے بیٹھا رہا۔

"ڈھائی ماہ میں تمہاری اس سے ملاقات نہیں ہوئی۔ ملنے میں تم نے اتنے دن لے لیے' بات کرنے میں تو شاید ایک سال لگاؤ گے' تو منانے میں کتنا عرصہ لو گے برخوردار؟"

"میں اس سے بات کرنے کی کوشش کروں گا۔" ان کے طنزیہ انداز پر ضبط کرتے ہوئے دھیرے سے کہا۔

"ہنہ کوشش' صرف کوشش۔" وہ اخبار ٹیبل پر پٹختے ہوئے غصے سے اٹھ کھڑے ہوئے اور چیئر کو دھکیلتے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔

اس نے گہرے ضبط سے اپنے لب بھینچے اور جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ جہاں ٹیبل پر موجود دو افراد نے دزدیدہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا تھا۔ وہیں ٹیبل کے آخر میں بیٹھی ہوئی ہستی نے گہرے دکھ اور ملال سے اپنا سر جھکا لیا تھا' اور سختی سے لب بھینچ لیے تھے۔ اس سب کی ذمے دار وہی تو تھی' جس ناپسندیدہ کام کو وہ ناچاہتے ہوئے بھی کرنے پر مجبور تھا وہی تو اس کی وجہ تھی۔

وہ چاہتے ہوئے بھی کچھ بول نہیں پاتا تھا' صرف اس کی وجہ سے۔ بابا کے غلط فیصلے پر آواز نہیں اٹھا رہا تھا' صرف اسی کی وجہ سے' وہی تو تھی اس سب کی ذمہ دار' گو وہ اسے کچھ کہتا نہیں تھا مگر وہ تو دل میں پشیمان تھی ناں' اسے دکھ ہوتا تھا۔

❁......❁......❁

"اف...... آہ کیا مصیبت ہے دیکھ کر گاڑی نہیں چلاسکتے کیا؟" وہ جلدی جلدی چل رہی تھی' تبھی پیچھے سے آتی ہوئی گاڑی کے ٹائر اس کے قریب چرچرائے تھے۔ بروقت بریک لگانے کے باوجود اس کا بازو گاڑی سے ٹکرا گیا تھا' درد سے کراہ نکلی تھی۔ اس نے غصے سے

پیچھے مڑ کر دیکھا۔

”آپ؟“ زادیار کو ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان دیکھ کر اس نے ناگواری سے اپنے لب بھینچے۔ اسے بھی جانے کیسے احساس ہوا تھا کہ اس وقت وہ غلط ہے‘ تبھی گاڑی کا ڈور کھول کر باہر نکل آیا۔

”ایم سوری میں آپ کو دیکھ نہیں سکا۔“ اس کے معذرت خواہانہ انداز پر آغا مینا کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔ وہ استہزائیہ مسکرائی تھی۔

”بقول آپ کے میں ہمیشہ جان بوجھ کر آپ سے ٹکراتی ہوں‘ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہوتا‘ مگر آپ کو ایسا لگتا ہے‘ کیونکہ آپ ایسا ہی سوچتے ہیں اور کوئی بھی کسی کی سوچ بدل نہیں سکتا‘ تو آج آپ کا اپنے بارے میں کیا خیال ہے مسٹر زادیار؟ یہ جملہ جان بوجھ کر ان دنوں آپ پر کچھ زیادہ ہی فٹ نہیں ہو رہا۔“ وہ طنزیہ اس سے استفسار کر رہی تھی‘ انداز میں تمسخر بہت نمایاں تھا۔

زادیار نے کسی قدر ناگواری سے اس کی جانب دیکھا وہ کوئی سخت سا جواب دینا چاہتا تھا مگر غلطی اس وقت چونکہ اس کی تھی اس لیے برداشت کر گیا۔

”دیکھیے مس! میں آپ سے سوری کہہ چکا ہوں‘ میں حقیقتاً آپ کو دیکھ نہیں پایا تھا۔“ بہت ضبط کرتے ہوئے بنا اس کی جانب دیکھے آہستگی سے گویا ہوا۔

”او...... رئیلی‘ کیا آپ واقعی میں مجھے نہیں دیکھ سکے تھے‘ مجھے یقین نہیں آیا۔ ایک انسان آپ کے سامنے چل رہا ہے اور وہ آپ کو دکھائی نہ دے۔“ طنز ہنوز قائم تھا۔

”دیکھیے میں اس وقت ڈیپریس تھا اسی لیے آپ کو دیکھ نہیں سکا۔ آپ خوامخواہ میں بات کو کیوں بڑھاوا دے رہی ہیں۔“ وہ جھنجلایا اور جھنجلاہٹ میں ہی نا چاہتے ہوئے بھی سچ کہہ گیا تھا حالانکہ ایسا وہ بالکل نہیں چاہتا تھا۔ جبکہ دوسری جانب آغا مینا ازحد مسرور ہوئی تھی۔

”میں خوامخواہ میں بات کو بڑھا رہی ہوں۔“

”پلیز آغا مینا‘ میں اس وقت جھگڑے کے موڈ میں بالکل نہیں ہوں۔“ آغا مینا نے چونک کر اس کی جانب دیکھا وہ واقعی میں اس وقت ڈسٹرب لگ رہا تھا۔ تبھی تو اتنی بے تکلفی سے کہہ گیا تھا۔ مگر اسے کیا پروا تھی۔

”مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے آپ سے جھگڑا کرنے کا‘ مگر میری اس چوٹ کا کیا‘ جو آپ کی اس بے پروائی کی مرہون منت ہے۔“ اس نے ہاتھ آگے کیا اور خود ہی چونک گئی‘ چوٹ تو کافی زیادہ لگی تھی۔

اس کی بات پر زادیار نے اس کی جانب دیکھا‘ اس کے دائیں ہاتھ کی سائیڈ سے کافی خون بہہ رہا تھا‘ وہ چند قدم چلتا ہوا فوراً اس کے قریب آیا تھا۔ جبکہ اسے قریب آتے دیکھ کر وہ دو قدم مزید پیچھے ہٹی تھی۔

”اپنا ہاتھ دکھائیے مجھے۔“ لہجے میں نرمی لانے کی کوشش کی تھی مگر بے سود‘ سختی ہنوز برقرار تھی۔

”اٹس اوکے۔“ اسے حیرت ہوئی تھی۔

”اپنا ہاتھ دکھائیے آغا مینا۔“

”میں نے کہا ناں‘ میں ٹھیک ہوں‘ میں مینج کر لوں گی۔“ اس نے اسی کے انداز میں بے نیازی سے جواب دیا۔

”اپنا ہاتھ دکھائیے آغا مینا۔ پلیز خون بہت بہہ رہا ہے۔“ اب کہ وہ ذرا سختی سے گویا ہوا تھا۔

”یہ میری پرابلم ہے مسٹر زادیار‘ آپ اپنی حد میں رہیے پلیز۔“

”حد...... مائی فٹ‘ ہاتھ دکھاؤ اپنا۔“ اس نے نہایت غصے سے اس کا ہاتھ کھینچا اور ہاتھ کھینچے جانے سے وہ دو قدم آگے بڑھ آئی تھی۔ زادیار نے اس کا ہاتھ الٹ پلٹ کر دیکھا تھا۔

زخم کافی گہرا لگ رہا تھا‘ اور خون بھی بہہ رہا تھا۔ اس نے ایک پل اس کے چہرے کی جانب دیکھا‘ ناگواریت اور غصے کے ملے جلے تاثرات تھے۔ اس کی ناگواریت کو نظرانداز کرتے ہوئے وہ اس کا ہاتھ تھامے گاڑی کی جانب بڑھ آیا تھا۔ تبھی آغا مینا نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ کھینچا تھا۔

”یہ کیا کر رہے ہیں آپ‘ کیا مسئلہ ہے آپ کو؟“

زادیار نے پلٹ کر گھور کر اسے دیکھا اور پھر سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”آپ کے ہاتھ میں چوٹ لگی ہے‘ خون بھی بہہ رہا ہے میرا خیال ہے آپ کو دکھائی دے رہا ہے اور میں آپ کے ہاتھ کی بینڈیج کرنے جا رہا ہوں۔ یو گیٹ دیٹ۔“

”مسٹر زادیار......“

”شٹ اپ‘ چپ چاپ میرے ساتھ چلو۔“ اب کے وہ درشتگی سے گویا ہوا اور تیزی سے اسے گاڑی کی جانب لے آیا۔ فرنٹ ڈور کھول کر اسے زبردستی اندر بٹھایا‘ اور خود بھی دوسری جانب سے آ کر بیٹھ گیا۔ آغا مینا غصے سے پیچ و تاب کھا رہی تھی۔

زادیار کے چہرے پر سرد تاثرات تھے‘ ہمیشہ کی طرح سنجیدگی سے بنا اس کی جانب متوجہ ہوئے فرسٹ ایڈ بکس نکالا‘ اور فرسٹ ایڈ کی چیزیں نکالنے لگا۔ پھر اس کا ہاتھ تھام کر تیزی سے بینڈیج کرنے لگا‘ بینڈیج کرتے ہی اس نے فوراً اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔ آغا مینا نے خاصی ناپسندیدگی سے اس کی جانب دیکھا اور بنا کچھ کہے غصے سے دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔

”ایک بات کہوں آپ سے؟ آپ بہت غلط سوچتے ہیں اور بہت غلط کرتے ہیں‘ اس کا اندازہ مجھے ہر بار آپ سے مل کر ہوتا ہے‘ کیا آپ کو فیل نہیں ہوتا۔“ طنزیہ استفسار کیا تھا۔

”یہ میرا مسئلہ ہے مجھے اس کے لیے دوسروں کو ڈکٹیٹ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“ ہاتھ اسٹیئرنگ پر جمائے سامنے دیکھتے ہوئے سرد انداز میں کہا تھا۔

”مجھے بھی کسی کی ڈکٹیشن کی ضرورت نہیں ہے‘ میں محض آپ کی غلطی کی نشاندہی کر رہی تھی تاکہ...... اوکے تھینک یو سو مچ‘ چوٹ دینے کے لیے بھی اور اس پر مرہم رکھنے کے لیے بھی۔ گڈ بائے۔“ تمسخرانہ اس کی جانب دیکھا اور طنزاً کہہ کر رکی نہیں سرعت سے آگے بڑھ گئی۔

زادیار نے سختی سے اپنے لب بھینچے اور جھٹکے سے گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی۔

❁......❁......❁

ان دنوں سیلاب کی وجہ سے اچھی خاصی تباہی ہوئی تھی اور مزید ہو رہی تھی۔ کروڑوں لوگ بے گھر ہو گئے تھے۔ مالی نقصان کے علاوہ جانی نقصان بھی بہت ہوا تھا۔ لوگ بے یار و مددگار بے بسی اور لاچاری کی تصویر بنے ہوئے تھے اور اپنے ہم وطن اور ہم مذہب‘ بہن بھائیوں کی امداد کے منتظر تھے۔ کہیں بیماریوں نے دھاوا بول دیا تھا تو کہیں خوراک میسر نہیں تھی۔ کسی کو خیمے کا سہارا تھا تو کوئی کھلے آسمان تلے امداد کا منتظر۔

آس و نراس کی کیفیت میں ارد گرد دیکھتے ہوئے لوگ‘ اس امید پہ کہ شاید کہیں سے کوئی ان کا پرسان حال چلا آئے۔ بین الاقوامی طور پر امداد گھٹتی ہو رہی تھی۔ ہر فیلڈ سے تعلق رکھنے والے افراد اپنے اپنے شعبے سے وابستہ لوگوں کے ساتھ مل کر فنڈز اکٹھے کر رہے تھے۔ اس نیک کام میں اسٹوڈنٹس بھی پیچھے نہیں تھے۔ زادیار اور ارقام نے یونیورسٹی کے بہت سے اسٹوڈنٹس کے ساتھ مل کر کیمپین شروع کی تھی۔ ہائی سوسائٹی کے اسٹوڈنٹس نے اپنی اپنی کمیونٹی کے لوگوں سے اچھا خاصا فنڈ اکٹھا کیا تھا۔ چونکہ سب ایک دوسرے کو پرسنلی جانتے تھے اور انہیں یقین تھا کہ ان کی امداد کسی غلط کام میں صرف نہیں ہوگی بلکہ صحیح کام میں لگائی جائے گی۔ اسی لیے فنڈ دینے میں کسی بھی قسم کا تعامل نہیں کیا گیا تھا۔ سبھی نے دل کھول کر سیلاب زدگان کے لیے امداد میں حصہ ڈالا تھا۔

خوراک‘ ادویات‘ خیمے وغیرہ کافی مقدار میں خریدے گئے تھے اس کے علاوہ فلڈ ایریاز میں پانی کا نکاس نہ ہونے کے باعث لوگوں اور خصوصاً بچوں کو جو بیماریاں اور انفیکشنز ہو رہے تھے اس کے لیے ڈاکٹرز کی ایک ٹیم بھی تیار کر لی گئی تھی جن میں لیڈی ڈاکٹرز بھی تھیں۔

وہ سب حیران تھے اور بے پناہ خوش بھی‘ کہ لوگوں نے بنا کسی رد و کد کے اپنے اپنے فنڈز جمع کروائے تھے اور تو اور ڈاکٹرز نے بھی بنا کسی پس و پیش کے فوراً سیلاب

زدگان کی مدد کی ہامی بھرلی تھی۔ اسی طرح کا جذبہ اگر ہر پاکستانی اور ہر مسلمان میں ہو تو کسی بھی آفت سے نمٹنا کوئی مشکل نہیں تھا۔ تمام انتظامات مکمل تھے۔ اب بس وہاں پر جانے کے لیے کچھ سورسز چاہیے تھیں‘ اس کے لیے بھی انہیں زیادہ مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ سر احمد نے وہاں کے انچارج سے رابطہ کرکے یہ مشکل بھی آسان کردی تھی۔ اسٹوڈنٹس کو متفقہ طور پر گروپس کی شکل دے دی گئی تھی۔ ہر گروپ میں لڑکیاں بھی شامل تھیں۔ ہر گروپ کو الگ الگ ایریاز میں جانا تھا۔ ان کا یہ پروگرام پندرہ دن سے لے کر ایک ماہ تک کا تھا۔ کچھ اسٹوڈنٹس امداد فراہم کرنے جارہے تھے اور کچھ کو یہیں رہ کر مزید فنڈز اکٹھا کرنے تھے۔ ارقام نے آغا مینا کو بھی اس ریلیف کیمپ میں حصہ لینے کو کہا تھا‘ جواباً اس نے حیرانگی سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

”میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے ارقام‘ میں ان کو کیا دوں گی۔“ اس کی اس معصومانہ بات پر ارقام دھیرے سے مسکرادیا تھا۔

”تمہارے پاس امن کی فاختہ تو ہے ناں۔ بس اسی کو لے کر ہمارے ساتھ چلو اور مدد ضروری نہیں کہ مالی ہی کی جائے‘ مالی امداد تو کئی لوگ کرتے ہیں اور کریں گے‘ ان شاء اللہ لیکن کسی کو انہیں سپورٹ بھی تو کرنا ہے‘ ان کی ہمت بھی تو بندھانی ہے‘ انہیں اس آزمائش کی گھڑی میں ثابت قدم رکھنے کے لیے بھی تو کچھ اقدامات ضروری ہیں ناں۔ بہت سے مواقع ایسے ہوتے ہیں جہاں مردوں کے بجائے خواتین کو کام کرنا پڑتا ہے‘ اسی لیے ہم لڑکیوں کو بھی ساتھ لے کر جارہے ہیں۔ اور تم جانتی ہو کہ ایسے موقعوں پر باہمت لیڈیز کی کتنی ضرورت ہوتی ہے‘ تاکہ ضرورت پڑنے پر انہیں خواتین کی مدد کے لیے آگے رکھا جائے۔ اور آغا مینا جیسا باہمت تو شاید ہی کوئی ہو۔ اور پھر تم اکیلی تو نہیں ہوگی‘ بہت سی اور بھی لڑکیاں ہمارے ساتھ جارہی ہیں۔ پلیز آغا مینا انکار مت کرنا۔“

”لیکن...... امی......“

”ڈونٹ وری آغا‘ وہ اکیلی نہیں ہیں یہ تم بھی جانتی ہو۔“ اس کی بات پر اس نے چند ثانیے سوچا۔

”اوکے‘ میں آپ کے ساتھ چلوں گی۔“ ایک فیصلے پر پہنچ کر اس نے فوراً حامی بھری تھی۔ ارقام پرسکون سا مسکرادیا۔

آغا مینا نے حامی بھر تو لی تھی مگر اب شش و پنج کا شکار تھی‘ اس کا جانے کو دل بھی چاہ رہا تھا اور امی کی وجہ سے پریشانی بھی ہورہی تھی۔ ظعینہ بھی یہاں نہیں تھی کہ اسی سے بات کرکے کچھ مشورہ لے لیتی۔

”کیا بات ہے بیٹا۔ اتنی گم صم سی کیوں ہو بیٹا‘ طبیعت تو ٹھیک ہے ناں۔“ ٹیبل پر کھانا لگاتے ہوئے انہوں نے اسے الجھے ہوئے پایا تو چونک سی گئیں۔

”آں...... ہاں، جی امی! آپ نے کچھ کہا۔“ وہ ان کی آواز پر بری طرح چونکی تھی۔

”کیا بات ہے بیٹا‘ کوئی پریشانی ہے کیا؟“

”نہیں امی‘ پریشانی تو نہیں ہے‘ لیکن......“

”لیکن کیا بیٹا......“

”مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے امی۔“

”تو کہو ناں بیٹا۔ میں منتظر ہوں۔“

”امی ایکچوئیلی آپ ملکی حالات سے تو آگاہ ہیں ناں‘ سیلاب کی وجہ سے کتنے بڑے پیمانے پر تباہی ہوئی ہے۔ کروڑوں لوگوں کو بے گھر کرگیا ہے یہ سیلاب۔ کتنے ہی لوگوں کی جان چلی گئی ہے‘ اس میں کتنے ہی لوگ بھوک و افلاس سے مر رہے ہیں‘ ہر کسی کو مشکلات کا سامنا ہے۔“

”ہاں تو۔“ انہوں نے ناسمجھی سے اس کی جانب دیکھا۔

”امی‘ ہماری یونیورسٹی کچھ روز کے لیے آف ہورہی ہے‘ کچھ ٹیچرز‘ اسٹوڈنٹس کے ساتھ مل کر volunter کے طور پر مختلف ایریاز میں جاکر بے گھر اور مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرنا چاہتے ہیں‘ لڑکوں کے ساتھ ساتھ لڑکیاں بھی جارہی ہیں۔ مجھے بھی ساتھ چلنے کو کہا گیا ہے۔“

”ہاں تو چلی جاؤ ناں بیٹا‘ اس سے بڑھ کر اور کیا ثواب کا کام ہوگا۔“

”لیکن امی‘ میں آپ کو اکیلے چھوڑ کر کیسے جاسکتی ہوں۔ جبکہ آپ کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے۔“ وہ تذبذب کا شکار تھی۔ وہ مسکرادیں۔

”اکیلی کہاں ہوں بچے اللہ ہے ناں۔ اور پھر بیٹا اس مشکل کی گھڑی میں ہمیں اپنی استطاعت کے مطابق اپنے مجبور لاچار اور بے بس بہن بھائیوں کی مدد کرنی چاہیے ناکہ مدد کرنے کے بجائے پہلے شش و پنج میں مبتلا ہونا چاہیے۔ میرا خیال ہے تمہیں جانا چاہیے۔ شاید آج ہم کسی کے لیے وسیلہ بنیں تو کل خدا ہمارے لیے بھی وسیلہ بھیج دے۔ ان کے طفیل ہماری بھی مدد ہوجائے۔“

”جی امی۔ آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ لیکن اگر میں جاؤں تو آپ کو کوئی پریشانی تو نہیں ہوگی ناں۔“ وہ ابھی بھی ان کی جانب سے مطمئن نہیں ہوئی تھی۔

”کوئی پریشانی نہیں ہے بچے تم بے فکر ہوکر جاؤ۔ میرے ساتھ یہاں بہت سے لوگ ہیں۔ اور وہ ہر طرح سے میرا خیال رکھتے ہیں۔ اور پھر سب سے بڑھ کر اللہ تو ہے ناں‘ جو ہر کسی کا محافظ ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے ہمیں پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے ہاں۔“

”جی امی‘ اللہ ہے ناں۔ میں جاؤں گی امی‘ تھینک یو سوچ۔ آپ نے میرے دل کا بوجھ ہلکا کردیا۔“ وہ ایک دم ہلکی پھلکی ہوکر ان کے گلے لگ گئی تھی۔ جبکہ وہ دھیرے سے مسکرادی تھیں۔

❁......❁......❁

”او ایم سو سوری‘ رئیلی ویری سوری سر۔ میں آپ کو دیکھ نہیں پائی۔“ وہ کچھ دیر کے لیے یونہی گھومنے پھرنے کے لیے باہر نکل آئی تھی۔ اتنے دنوں میں اسے یہاں کے راستے کچھ کچھ ازبر ہوچکے تھے۔ اردگرد کے مناظر سے لطف اندوز ہوتے ہوئے لوگوں کو دلچسپی سے اپنے اپنے کاموں میں مصروف دیکھتے ہوئے اسے اندازہ ہی نہ ہوا کہ اسے باہر گھومتے ہوئے کتنی دیر ہوچکی ہے۔ اندازہ تو تب ہوا جب اس کا سیل فون بجا اور بند ہوگیا‘ اس نے دیکھا تو وہ آغ کی مسڈ بیل تھی۔ شاید وہ بزی تھے اس لیے اسے محض مسڈ بیل دے رہے تھے۔ اگر فارغ ہوتے تو کال کرکے اسے اچھا خاصا سناتے‘ مسڈ بیلز سے بھی اسے اندازہ ہورہا تھا کہ وہ کتنے ناراض ہورہے ہوں گے۔ سیل پر اس نے جلدی آنے کا میسج لکھا اور تورع کو سینڈ کردیا‘ اور واپسی کے لیے قدم موڑ دیئے۔

برق رفتاری سے چلتے ہوئے وہ اچانک کسی شخص سے بری طرح ٹکرائی تھی۔ وہ بمشکل خود کو سنبھال پائی تھی۔ اس شخص کے ہاتھ میں پکڑا ہوا بریف کیس ایک جھٹکے میں زمین پر آن گرا تھا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے ان کی جانب دیکھا تھا۔ ان کی پرسنالٹی اتنی رعب اور دبدبے والی تھی کہ ظعینہ جیسی لڑکی بھی گھبرا سی گئی تھی۔ وہ جو نیچے گرے ہوئے اپنے چھوٹے سے بریف کیس کو دیکھ رہے تھے اس کے معذرت خواہانہ انداز پر چونک اٹھے تھے۔ سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا تھا۔

اس کے چہرے پر جھجک اور کہیں نہ کہیں ہلکا سا ڈر پنہاں تھا‘ جو اس کے چھپانے کے باوجود ان سے چھپا نہیں رہ سکا تھا۔ انہوں نے بے ساختہ امنڈ آنے والی مسکراہٹ کو اپنے لبوں میں دبالیا تھا۔ یہ پہلی بار ان کے ساتھ نہیں ہوا تھا بلکہ اکثر ایسے اتفاقات ہوتے تھے۔

”کیا بات ہے بیٹا؟ میں بہت سخت اور ظالم و جابر قسم کا انسان دکھائی دیتا ہوں کیا؟“ چہرے پر مصنوعی خفگی طاری کرتے ہوئے انہوں نے بچوں کی سی معصومیت سے استفسار کیا۔

ظعینہ نے حیرت سے ان کی جانب دیکھا تھا۔ وہ اس کی جانب شریر سے انداز میں دیکھ رہے تھے۔ وہ جھینپ سی گئی۔

”آپ نے بتایا نہیں بیٹا‘ کیا میں بہت ڈراؤنا یا پھر ظالم و جابر دکھائی دیتا ہوں کہ ذرا سی غلطی پر کوئی مجھے دیکھ کر یوں سہم جائے کہ میں اسے پھانسی پر لٹکادوں گا۔“ ان کے لہجے میں ابھی بھی شرارت پنہاں تھی جبکہ چہرے پر

بھرپور سنجیدگی کا تاثر تھا۔ ظعینہ نے ان کے انداز پر گہری سانس خارج کی تھی۔

"سچ کہوں؟" اس نے پورے اعتماد کے ساتھ ان سے پوچھا۔

"بالکل۔" وہ اس کے انداز پر خاصے محظوظ ہوئے تھے۔

"ہوں...... بظاہر تو آپ ایسے ہی دکھائی دیتے ہیں۔" اس نے بھی انہی کے انداز میں مصنوعی سنجیدگی سے انہیں سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب بھئی؟ کیا میں ظالم وجابر لگتا ہوں۔" انہوں نے کسی قدر برا مانتے ہوئے اس سے استفسار کیا۔ وہ ایک دم گڑبڑا سی گئی۔

"نن...... نہیں...... میں نے ایسا تو نہیں کہا۔ میرے کہنے کا یہ مطلب ہے کہ آپ پرسنالٹی وائز خاصے رعب ودبدبے والے دکھائی دیتے ہیں۔ اسی لیے شاید بندہ بنا غلطی کیے بھی آپ سے بات کرنے سے قبل گھبرا جاتا ہوگا۔ ویسے آپ خاصے سویٹ اور نائس ہیں۔ اور اس بات کا اندازہ دوسروں کو آپ سے بات کرنے کے بعد ہوتا ہوگا۔" اس نے پوری سچائی اور سنجیدگی سے کہا۔

"اچھا؟ پہلے تو کسی نے ایسا کمنٹ نہیں دیا۔" وہ پرسوچ انداز میں یوں گویا ہوئے جیسے اس کے جملے پر انہیں بہت حیرت ہوئی ہو۔

"کیسا کمنٹ؟" وہ چونکی۔

"یہی کہ میں بہت سویٹ اور نائس ہوں۔" انہوں نے بے نیازی سے اپنے کالر اکڑائے تھے۔ وہ بے ساختہ کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

"آپ سویٹ اینڈ نائس ہیں سر۔"

"رئیلی؟" انہوں نے بے یقینی سے دیکھا۔

"آف کورس۔ بائی دا وے آپ کو یقین کیوں نہیں آرہا۔" اس نے بھنویں اچکاتے ہوئے استفسار کیا۔

"کیونکہ میرے صاحب زادے کو یقین نہیں ہے۔ اس کا خیال ہے کہ مجھ جیسا ظالم اور جابر باپ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔" لہجے اور انداز میں کسی قدر بے چارگی تھی۔

"کیوں؟"

"کیونکہ اسے لگتا ہے کہ میں نے اس کے ناتواں کندھوں پر بے جا ذمہ داریوں کا بوجھ ڈال دیا ہے۔"

"اوآئی سی۔ یعنی میرے والا معاملہ ہے یہاں بھی۔"

"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"آپ کو پتا ہے آپ بزنس مین لوگ کتنے ظالم ہوتے ہیں۔"

"ہائیں...... کیا ہوا بھئی؟ اتنی جلدی بیان بدل دیا۔ کیا خطا ہوگئی ہم بزنس مین سے؟"

"خطا نہیں خطائیں کہیں، آپ بزنس مین لوگ خود تو ذمہ داریوں کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہوتے ہیں، ہم بچوں پر بھی ابھی ذمہ داریوں کا بوجھ لاد دیتے ہیں اور اتنا برڈن ڈال دیتے ہیں کہ احساس تک نہیں ہوتا کہ ہم بیچاروں پر کیا بیت رہی ہوگی۔ ہم اس کے اہل ہیں بھی یا نہیں۔"

"بچے یہ بچے کس کو کہا آپ نے؟ میرا بیٹا بچہ بالکل نہیں ہے چوبیس سال کا بندہ بچہ ہوتا ہے کیا؟" وہ ایک دم گڑبڑا سی گئی۔

"نہیں، وہ میں آپ کے بیٹے کو نہیں خود کو کہہ رہی ہوں۔ اب دیکھیں ناسر کیا یہ ضروری ہے کہ ایک بزنس مین اپنے بچوں کو یا اپنے چھوٹے بہن بھائی کو بزنس مین ہی بنائے چلو ٹھیک ہے اگر آپ انہیں بزنس مین بنانا ہی چاہتے ہیں تو کیا یہ ضروری ہے کہ اس بیچارے یا بیچاری پر ایک دم ہی برڈن ڈال دیا جائے کہ بیچارہ سر اٹھانے کے قابل بھی نہ رہے۔ ایٹ لسٹ تھوڑا بہت ریلیف تو دینا ہی چاہیے۔ ہے ناں؟"

"بالکل دینا چاہیے۔" انہوں نے فوراً ہی اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کیا آپ اپنے بیٹے پر بے جا بوجھ ڈالتے ہیں۔" اب کہ اس نے سوال کیا، وہ ایک دم گڑبڑا سے گئے۔

"نہیں، زیادہ تو نہیں، لیکن جب کام کا بوجھ مجھ پر

زیادہ ہوتو پھر اسے انوالو کرنا ہی پڑتا ہے۔"

"یہی تو، اسی لیے تو ہم جیسے مسکین لوگ آپ جیسوں کو ظالم وجابر کہتے ہیں۔ آئی مین، ہمیں اسی لیے تو آپ سے شکایت ہوتی ہے۔" ان کے اس طرح گھور کر اسے دیکھنے پر اس نے فوراً ٹپٹا کر اپنا جملہ بدلا تھا۔ وہ سر جھکاتے ہوئے مسکرا دیے تھے۔

"کیا بات ہے بیٹا جی، لگتا ہے آپ پر کچھ زیادہ ہی ظلم ہوتا ہے۔"

"بہت زیادہ ظلم سر، بس کیا بتاؤں میں تو......"

"ایک منٹ بیٹا، میں نے آپ کو بیٹا کہا ہے اور آپ مجھے بار بار سر کہہ کر مخاطب کررہی ہو۔" انہوں نے ایک دم اس کی بات کاٹتے ہوئے شکایتی انداز میں کہا۔

"تو انکل کہہ سکتی ہوں؟" اس نے استفسار کیا۔

"آف کورس کہہ سکتی ہو۔"

"تھینک یو انکل۔ بائی دا وے میں ظعینہ ہوں۔"

"نائس نیم، میرا نام مہران سکندر ہے، کیا آپ یہیں قریب ہی کہیں رہتی ہیں۔"

"نہیں انکل! میں یہاں اپنے بھائی کے ساتھ آئی ہوں میٹنگ اٹینڈ کرنے۔"

"اسی لیے شکایت ہورہی ہے ناں۔"

"اور نہیں تو کیا؟ اب دیکھیے ناں انکل، ابھی میں پڑھ رہی ہوں، اور اخ مجھے زبردستی بزنس میں بھی کسی نہ کسی طرح انوالو کرتے رہتے ہیں۔ سچ بتاؤں تو مجھے بالکل انٹرسٹ نہیں ہے بزنس وزنس میں، میں تو بس ان کا دل رکھنے کے لیے ان کے ساتھ ساتھ گھسٹ رہی ہوں۔ کیونکہ میں ان سے بہت محبت کرتی ہوں۔"

"آپ کے فادر کا کیا نام ہے بیٹا؟" انہوں نے اس کی بات سنتے ہوئے اچانک پوچھا۔

اور اس سے پہلے کہ وہ جواب دیتی اس کا سیل بج اٹھا، اس نے اسکرین پر نام دیکھا اور اس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔

"اوہ۔"

"کیا ہوا بیٹا؟"

"نہیں کچھ نہیں انکل، میرے بھائی کی کال ہے۔"

"تو ریسیو کرو ناں۔" انہوں نے کہا۔

"توبہ کریں انکل، میرے بھائی بہت غصے والے ہیں، اگر میں نے ان کی کال ریسیو کرلی ناں تو سمجھ لیں میرے کان عالم بالا پہنچ چکے ہوں گے، وہ کیا ہے ناں کہ میں ان کو بتائے بغیر باہر آگئی اوپر سے اچھی خاصی لیٹ ہوگئی ہوں۔ پہلے بھی وہ ایک بار کال کرچکے ہیں۔ میں انہیں جلدی پہنچنے کا کہہ کر آپ سے گپیں لڑا رہی ہوں۔" اس نے ان کا بریف کیس اٹھایا اور ان کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"تھینک یو بیٹا۔"

"کوئی بات نہیں انکل۔ بائی دا وے نائس ٹو میٹ یو۔ آئی ہوپ کہ آئندہ بھی ایسے ہی کہیں ملاقات ہوجائے۔"

"کسی اتفاقی حادثے کے طور پر۔" وہ شریر ہوئے تھے۔

"اللہ نہ کرے انکل، کسی اچھے سے موقع پر۔ اوکے انکل اب میں چلوں گی۔ اللہ حافظ۔"

"اللہ حافظ بیٹا۔"

❁......❁......❁

"ذری، عائشہ آنٹی نے مجھے بلایا ہے۔ کچھ شاپنگ کرنی ہے۔ تم تو جانتی ہو مجھے کتنی جھجک ہوتی ہے آنٹی کے سامنے جاتے ہوئے۔ اور تنہا تو میں کسی طور بھی ان کے سامنے نہیں جاسکتی۔ تم پلیز میرے ساتھ چلو ناں۔" وہ بیڈ پر نیم دراز سیل فون کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کررہی تھی، غالباً اس کی جانب سے لاتعلقی برتی جارہی تھی۔ جبکہ تاباں اس کی لاتعلقی کو درخور اعتنا جانتے ہوئے مسلسل اسے منانے کی کوشش کررہی تھی۔ اور وہ مان کر نہ دے رہی تھی۔

"عائشہ آنٹی نے مجھے بلایا ہے ذری۔" اب کہ وہ کسی قدر چلائی تھی۔

"تو؟" پروا کیے بغیر تھی آرام سے پوچھا۔

"تو؟" تاباں نے شکایتی نظروں سے دیکھا۔

"یہی تو پوچھ رہی ہوں تو؟" اس نے اسے مزید چڑایا۔ تاباں نے چند پل لب بھینچے اسے گھور کر دیکھا تھا۔

"تم میرے ساتھ چل رہی ہو یا نہیں؟" دوٹوک انداز میں استفسار کیا۔

"میں تمہارے ساتھ نہیں جاسکتی تابی۔ یہ تم جانتی ہو" اب کہ وہ ذرا سنجیدگی سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے گویا ہوئی تھی۔

"کیوں؟ کیوں نہیں جاسکتیں تم' پاؤں میں مہندی لگی ہے کیا؟" وہ تمسخرانہ انداز میں گویا ہوئی۔

"لگی ہوئی تو نہیں ہے۔" مسکراہٹ لبوں میں دباتے ہوئے کندھے اچکائے تھے۔

"ذری! پلیز یار' میرے ساتھ جانے میں آخر تمہیں پرابلم کیا ہے؟"

"اوں ہوں۔ مجھے تمہارے ساتھ جانے میں کوئی پرابلم نہیں ہے' بلکہ مجھے تمہارے ساتھ وہاں جانے میں پرابلم ہے۔"

"لیکن کیوں؟" وہ احتجاجاً چلائی۔

"کیا تم نہیں جانتیں؟" اس کی جانب دیکھتے ہوئے بھنویں اچکائیں تھیں۔

"نہیں' میں نہیں جانتی' تم بتاؤ۔" اس نے بلاتوقف نفی میں سر ہلایا۔

"تم فضول میں ضد کیوں کررہی ہو تابی۔" وہ جھنجلائی۔

"تم فضول میں منع کیوں کررہی ہو ذری؟" اس نے بھی اسی کے انداز میں استفسار کیا۔

"میں وہاں نہیں جاسکتی۔" اسے پھر سے نظر انداز کرتے ہوئے اس نے سیل فون اٹھایا۔

"تمہیں وہاں جانے میں کیا اعتراض ہے؟" تاباں نے فوراً اس کے ہاتھ سے سیل چھین کر سائیڈ میں رکھ دیا۔

"تم جانتی ہو۔" اب کے اس نے پورے یقین سے اس کی جانب دیکھا تھا۔ تاباں کا دل چاہا تھا اپنا سر پیٹ لے۔

"یار وہ یہاں نہیں ہے؟"

"تمہیں کیسے پتا؟" اس نے جرح کی۔

"الہام ہوا تھا۔" اس نے تمسخرانہ اس کی جانب دیکھا۔

"آف کورس یار' سالار نے بتایا تھا' اس کے علاوہ طعینہ کی کال بھی آئی تھی۔ وہ اور تورع ان دنوں آؤٹ آف سٹی ہیں۔ کچھ روز کے لیے۔ اینڈ بائی دا وے اگر وہ یہاں ہے بھی تو' تم کیوں اس سے چھپتی پھر رہی ہو؟ پہلے تو......"

"پہلے کی بات اور تھی تابی! بہت کچھ چینج ہوگیا ہے۔ اب جانے اسے کیا ہوگیا ہے۔ عجیب جنونی قسم کا لگنے لگا ہے' پہلے اگر وہ کہیں مل بھی جاتا تھا تو میرے رویے پر شکایتی نظروں سے دیکھتا تھا' ہلکا پھلکا سا طنز بھی کرلیتا تھا مگر اب...... اب یار میں برداشت نہیں کرپاتی اس کے شدت پسندانہ رویے کو۔ اس کے جنونی انداز کو۔ اسی لیے میں ہر اس جگہ جانے سے انکار کررہی ہوں جہاں اس کے ایک فیصد بھی موجود ہونے کے امکانات ہوں اور سالار کے ہاں تو قطعی نہیں جاسکتی۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں اس کی موجودگی کے چانسز بہت زیادہ ہوتے ہیں۔" اس کے زور دینے پر اس نے بالآخر سچائی اگل ہی دی تھی۔ تاباں نے چند پل بغور اس کی جانب دیکھا اور پھر گویا ہوئی۔

"تمہیں کیا لگتا ہے' کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرکے بیٹھ جاؤ گی تو سارے مسائل حل ہوجائیں گے۔ وہ تمہارے راستے میں آنا چھوڑ دے گا۔ ہنہہ...... کیا تم اسے جان نہیں پائی ہو؟"

"ذری...... وہ تورع حسن بخاری ہے' تورع حسن بخاری۔" اس نے کسی قدر تمسخرانہ انداز میں دیکھا اور طنزاً گویا ہوئی تھی۔ انداز ایسا تھا جیسے اسے اس کی دماغی حالت پر شبہ ہو۔ جبکہ ذری ہونٹ بھینچ کر رہ گئی۔

"تو اور میں کیا کروں تابی؟ اس کے علاوہ میرے

پاس اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ میں کچھ نہیں کرسکتی' نہ خود کو روک سکتی ہوں اور نہ اس کے منہ زور جذبوں کی شدت کو' نہ میں خود کے لیے کیے گئے فیصلے سے روگردانی کرسکتی ہوں اور نہ میں تورع کی شدت پسندی کو سہہ سکتی ہوں۔ کیا کروں میں؟ اس کے علاوہ میرے پاس اور کوئی راستہ نہیں ہے کہ کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرکے راہ فرار اختیار کرلوں۔ جس راستے سے وہ گزرتا ہے میں وہ راہ ہی بدل دوں۔"

"ایسا کرنے سے کیا مسائل حل ہوجائیں گے ذری؟" اس نے استفسار کیا۔

"میں نہیں جانتی۔" اس کے لہجے میں محسوس کی جانے والی لاچاری تھی۔

"لیکن میں جانتی ہوں' لسن ذری' بھاگ جانے سے یا آنکھیں بند کرلینے سے پرابلمز حل نہیں ہوتیں' بلکہ اور بڑھ جاتی ہیں۔ تمہیں کیا لگتا ہے کہ وہ تمہارے اس رویے کو محسوس نہیں کرتا ہوگا۔ اور تمہیں کیا لگتا ہے کہ تمہارے یوں اس کو اگنور کرنے سے وہ چپ کرکے بیٹھ جائے گا' پیچھے ہٹ جائے گا۔ نہیں ہرگز نہیں؟ یہ تم بھی جانتی ہو اور یہ میں بھی جانتی ہوں' اگر تم اس کے سامنے جانے سے کتراؤ گی تو وہ کوئی اور راہ اپنالے گا۔ اور تمہیں یہ بھی علم......"

"تو میں کیا کروں' تابی؟ میں تھکنے لگی ہوں' میں تو دونوں طرف سے بھنور میں پھنسی ہوئی ہوں' نہ پیچھے ہٹ سکتی ہوں اور نہ آگے جاسکتی ہوں۔ تم ہی بتاؤ میں کیا کروں؟"

"ابھی سے تھکنے لگی ہو ذری! ابھی تو تمہیں علم بھی نہیں ہے کہ تمہیں کہاں تک سفر کرنا ہے؟ جس راہ کی مسافر تمہیں بنادیا گیا ہے' اس کی مسافت کتنی طویل ہے' اور تم کہہ رہی ہو کہ تھکنے لگی ہو۔"

"صحیح کہہ رہی ہو' جس راہ کی مسافر مجھے بنادیا گیا ہے اس کی مسافت کتنی طویل ہے' میں نہیں جانتی بلکہ شاید کوئی بھی نہیں جانتا' انجان منزلوں کے مسافران بنجاروں کی مانند ہوتے ہیں جو چلتے چلے جاتے ہیں' مگر انہیں منزل نہیں ملتی' مسافت طے نہیں ہوپاتی' کیونکہ انہیں منزل کا علم نہیں ہوتا۔ وہ اپنے لیے طے کیے ہوئے راستے پر چل تو پڑتے ہیں مگر اس بات سے انجان ہوتے ہیں کہ ان کا اگلا پڑاؤ کہاں ہوگا' وہ کہاں جاکر رکیں گے اور پھر کب' کیسے وہاں سے دوبارہ سفر کی شروعات کرنی ہے' وہ جانتے ہیں کہ ان کی کوئی منزل نہیں مگر پھر بھی چلتے چلے جاتے ہیں' کیوں؟ کیونکہ انہیں سفر کے لیے چنا گیا ہے۔ انہیں یہ طویل مسافت طے کرنی ہوتی ہے ہزار کٹھنائیوں ومشکلات کے باوجود انہیں سفر کرنا ہوتا ہے' باوجود اس کے کہ ان کی کوئی منزل نہیں ہوتی۔"

"میرا حال بھی تو کچھ ایسا ہی ہے۔ میرے لیے سفر کا کوئی تعین نہیں کیا گیا مگر مسافر بنادیا گیا ہے' منزل کہاں ہے نہیں پتا' کب ملے گی' کون جانے؟ لیکن مجھے اس انجان منزل کی یہ طویل مسافت طے کرنی ہے۔ صحیح کہہ رہی ہوں تابی' میری منزل شاید بہت دور ہے اور اس کی مسافت نہایت طویل' اور میں ابھی سے تھکنے لگی ہوں' ایسے میں کیسے کہہ سکتی ہوں' مجھے کیا حق ہے کہ میں کہوں' میں تھکنے لگی ہوں۔ نہیں مجھے ایسا نہیں کہنا چاہیے۔ میں نے بہت غلط کہا۔" وہ کھوئے کھوئے سے انداز میں جانے کیا کیا بولے جارہی تھی۔ تاباں کو اپنی بات پر افسوس ہوا تھا۔

"میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں ہے ذری۔ میں تو صرف اتنا کہہ رہی ہوں کہ حالات کو فیس کرو' اس کا سامنا کرو' یوں چھپ کر' راہ فرار اختیار کرنے سے کچھ بھی نہیں ہونے والا' پرابلمز کا حل تبھی نکلتا ہے جب ان کا سامنا کیا جائے' جب انہیں سولو کرنے کی کوشش کی جائے۔ نا کہ ہتھیار پھینک کر اور نظریں چرا کر بیٹھ جایا جائے کہ خود ہی حالات بدل جائیں گے' سب خود بخود حل ہوجائے گا' ایسا ہرگز نہیں ہوتا۔"

"ہاں' میں جانتی ہوں یار لیکن میں......" اس نے سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا اور پھیکے سے انداز میں

مسکرادی۔ ”اوکے...... میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔“

”تو...... تو صرف میرے ساتھ چلنے کی بات نہیں ہورہی۔ تمہاری پرابلمز کو سولو کرنے کے لیے میں نے ایک تجویز دی ہے۔ تمہیں اس پر سوچنا ہے بلکہ سوچنا ہی نہیں عمل بھی کرنا ہے۔“ اس نے فوراً اسے ٹوکا۔

”اوکے...... میں کوشش کروں گی۔“

”اب فٹافٹ تیار ہوجاؤ‘ ہمیں چلنا ہے۔“ اس کی بات پراس نے برا سامنہ بنایا۔

”اوہ نو...... یار کیا ضروری تھا تم سالار سے ہی شادی کے لیے ہامی بھرتیں۔“

”نہیں یہ بیچ تو نہیں‘ لیکن کیا کیا جائے دل کا معاملہ ہے اب باڈی میں جڑے اس اہم حصے کی بات ماننا ہی پڑتی ہے‘ نہ مانو تو چارہ ہی نہیں۔ تم سے بہتر بھلا اور کون سمجھ سکتا ہے۔“ اسے آنکھیں دکھاتے ہوئے طنزاً گویا ہوئی۔

ذری نے بمشکل اپنی مسکراہٹ کو لبوں میں دبایا اور اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

❁......❁......❁

یہاں آ کر انہیں اندازہ ہوا تھا کہ تباہی کتنے بڑے پیمانے پر ہوئی ہے۔ نیوز چینلز پر جو دکھایا جاتا تھا‘ وہ تو شاید اس کا بیس پرسنٹ بھی نہیں تھا۔ جگہ جگہ پر لوگوں کی بھیڑ تھی۔ کچھ لوگوں نے اپنی مدد آپ کے تحت لکڑیوں کی مدد سے چھت بنائی ہوئی تھی‘ جن کے پاس یہ سہولت بھی نہیں تھی وہ بیچارے یونہی کھلے آسمان تلے پڑے ہوئے تھے۔ لوگوں کو بھوک سے مجبور ہو کر ہاتھ پھیلاتے اور روتے دیکھ کر ان کے دل دکھ سے بھر گئے تھے۔

بھوک سے تڑپتے ہوئے بچے! بے بسی کی تفسیر بنی ہوئی مائیں! چاہتے ہوئے بھی کچھ نہ کرپانے والے مرد‘ اپنی اپنی جگہ بے بس اور لاچار بیٹھے امداد کے منتظر تھے۔

وہ لوگ جب سے یہاں آئے تھے انہیں ایک پل کو بھی فرصت نہیں ملی تھی‘ آرمی والوں نے ان کا بھرپور ساتھ دیا تھا‘ ان کے یہاں تک پہنچنے میں اور یہاں آ کر اپنا کام کرنے میں‘ وہ بھرپور ساتھ دے رہے تھے۔

ریلیف کیمپ کے باہر لوگوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی۔ جہاں اشیاء خورد ونوش کے لیے لوگ ترس رہے تھے وہیں بیماریوں اور انفیکشنز کی وجہ سے میڈیکل کیمپ میں مریضوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی۔ ان میں بچوں اور بزرگوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ دور دور تک میڈیکل ٹیم نہ ہونے کے باعث رش بہت زیادہ تھا۔ ان سب کو ایک ساتھ تو ٹریٹ نہیں کیا جاسکتا تھا‘ جبکہ سچویشن اتنی نازک تھی کہ انہیں بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ کب صبح‘ شام اور رات ہوتی تھی انہیں کچھ خبر نہ تھی۔ مسلسل مصروفیت تھی‘ تمام اسٹوڈنٹس‘ آرمی والے اور ڈاکٹرز جی جان سے اپنے کام میں مصروف تھے اور اپنے اپنے کام کو انتہائی خوش اسلوبی سے نبھا رہے تھے۔

”کیا بات ہے آغا مینا آر یو اوکے؟“ وہ تھوڑی دیر کے لیے یونہی ڈاکٹر علینہ کے پاس آ کر بیٹھ گئی تھی۔ وہ اپنے مریضوں کو ٹریٹ کررہی تھیں۔ کبھی کبھی سرسری سا اس کی جانب بھی دیکھ لیتی تھیں‘ اور جب بھی دیکھتیں وہ انہیں گم صم سی دکھائی دیتی‘ ساتھ ساتھ اپنی پیشانی کو بھی مسل رہی تھی۔ مریض اتنے تھے کہ انہیں اس سے بات کرنے کا موقع ہی نہیں مل رہا تھا۔

ایک تو وہ بہت حسین تھی دوسرا وہ بہت خوش اخلاق اور نیک سیرت تھی‘ بات اتنے دھیمے سروں میں کرتی کہ دل چاہتا وہ بولتی رہے اور دوسرے سنتے رہیں۔ جس سے بھی ملتی تھی وہی اس کا اسیر ہوجاتا تھا‘ انہی اسیروں میں ایک ڈاکٹر علینہ بھی تھیں۔

”آں ہاں۔ آپ نے کچھ کہا ڈاکٹر علینہ۔“ وہ اس کی بے خبری پر دھیرے سے مسکرائیں تھیں۔

”میں نے پوچھا آپ ٹھیک تو ہیں ناں۔“

”جی میں ٹھیک ہوں۔“

”لیکن مجھے تو آپ ٹھیک نہیں لگ رہی ہیں۔“ انہوں نے تردید کی۔

”آں ہاں‘ کچھ خاص نہیں‘ تھوڑی غنودگی سی طاری

ہورہی ہے اور سر میں ہلکا سا درد ہے۔“ وہ کنپٹی کو دباتے ہوئے دھیرے سے گویا ہوئی۔

”دکھائیے ذرا مجھے۔“ ڈاکٹر علینہ نے اس کی کلائی تھامی۔

”اوگاڈ! آغا مینا آپ کو تو بہت تیز بخار ہے اور آپ نے کسی کو بتایا تک نہیں۔ مسلسل کام کررہی ہیں۔“

”اٹس اوکے ڈاکٹر بخار اتنا زیادہ نہیں ہے‘ میں نے ٹیبلٹس لے لی ہیں۔ کچھ دیر میں ٹھیک ہوجاؤں گی۔“ وہ ابھی بھی پیشانی دبا رہی تھی۔

”آپ نے پین کلر لی؟“ انہوں نے پوچھا۔

”نہیں‘ ٹمپریچر کے لیے میڈیسن کھائی تھی۔ مگر پین کلر نہیں لی۔“ وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔

”یہ پین کلر لیجیے اور تھوڑا سا ریسٹ کرلیجیے کیونکہ اگر آپ ریسٹ نہیں کریں گی تو آپ مزید بیمار ہوسکتی ہیں۔“

”ریسٹ کے لیے تو بالکل ٹائم نہیں ہے ڈاکٹر علینہ۔ البتہ یہ پین کلر لے لیتی ہوں۔“

”یس آئی نو آغا مینا‘ لیکن دوسروں کو آرام دینے کے لیے ہمیں اپنی صحت کا بھی تو خیال رکھنا چاہیے ناں۔ جب تک ہم خود ٹھیک نہیں ہوں گے تو دوسروں کا خیال کیسے رکھ پائیں گے۔ ہم یہاں آرام کرنے نہیں آئے سیلاب زدگان کی مدد کے لیے آئے ہیں‘ لیکن ہمیں ان کی مدد کرنے کے لیے خود کی صحت کا خیال بھی تو رکھنا چاہیے ناں۔ اگر ہم خود ہی بیمار پڑ جائیں گے تو ان کی مدد کیسے کرپائیں گے؟ کسی بھی چیز کی زیادتی صحیح نہیں ہوتی‘ دوسروں کو ریلیف دینے کے ساتھ ساتھ ہمیں ایک دوسرے کو بھی ریلیف دینا چاہیے تاکہ ہم خوش اسلوبی سے دوسروں کی مدد کرسکیں‘ دوسروں کا خیال رکھ سکیں اور دوسروں کا خیال رکھنے کے لیے ہمیں اپنا خیال رکھنا ہوگا۔“

”ڈاکٹر علینہ بالکل صحیح کہہ رہی ہیں آغا مینا! تمہیں ریسٹ کی ضرورت ہے۔ تم مسلسل ورک کررہی ہو‘ ریسٹ لے لوگی تو بہتر محسوس کروگی۔“ اس پل اس کی کلاس فیلو دیبا اندر داخل ہوئی تھی اس نے ڈاکٹر علینہ کی بات سنتے ہوئے ان کی تائید کی تھی۔

”لیکن دیبا میں کیسے......؟“

”کیوں تم کیسے ریسٹ نہیں کرسکتیں‘ ابھی ڈاکٹر علینہ نے کہا ناں کہ ہمیں ایک دوسرے کو بھی ریلیف دینا چاہیے۔“ اس کے استفسار پر اس نے اثبات میں سرہلایا تھا۔

”تو ڈیئر تم جا کر ریسٹ کرو‘ تب تک تمہارے حصے کی ڈیوٹی میں کرلوں گی اور جب مجھے ریسٹ کرنا ہوگا تب تم میری ہیلپ کردینا‘ اوکے۔ اب تم جاؤ اور ڈونٹ وری میں ہوں ناں؟“ اس کے سمجھانے پر اس نے سرہلایا اور سرجھکا کر بیٹھ گئی۔

”تو...... اب جاؤ ناں یہاں کیا کررہی ہو؟“ دیبا اسے یونہی بیٹھے دیکھ کر چونکی اور حیرت سے پوچھا۔

”کہاں؟“ اس نے حیرانگی سے اس کی جانب دیکھا۔

”یہاں بیٹھے بیٹھے ریسٹ کروگی کیا؟“ اس نے بھنویں اچکائی۔

”وہی تو پوچھ رہی ہوں‘ کہاں جاؤں‘ یہاں بیٹھنے کے علاوہ کوئی اور جگہ ہے کیا‘ جہاں میں ریسٹ کرسکوں؟ کیا تم لاعلم ہو؟“ وہ دھیرے سے مسکراتے ہوئے تمسخرانہ انداز میں گویا ہوئی تھی‘ وہ دونوں اس کے انداز پر ایک دوسرے کی جانب دیکھتے ہوئے مسکرادی تھیں۔

”ہے تو نہیں‘ لیکن ایک سیکنڈ...... ویسے تو یہاں ریسٹ کرنے کے لیے کوئی مناسب جگہ نہیں ہے اور جو ہم لوگوں نے بندوبست کیا ہوا ہے وہ بھی تقریباً اس وقت بک ہے‘ لیکن ایک جگہ ایسی ہے جہاں کوئی نہیں ہوتا اور نہ ہی کسی کے جانے کے امکانات ہیں۔“ دیبا کو اچانک یاد آیا تھا۔ آغا مینا اور ڈاکٹر علینہ دونوں چونکی تھیں۔

”کہاں؟“ آغا مینا نے استفسار کیا۔

”تم آؤ میرے ساتھ‘ میں تمہیں لے چلتی ہوں‘ یوں بھی تمہیں کافی تیز بخار ہے۔ اکیلے چل کر تو جا نہیں سکوگی‘ مجھے ہی تمہیں لے کر جانا پڑے گا۔ اٹھو شاباش۔“ آغا مینا

نے اسے منع کرنا چاہا مگر جونہی وہ چیئر سے اٹھی اسے ایک دم چکر سا آ گیا تھا۔ اسی لیے وہ چاہتے ہوئے بھی اسے منع نہ کرسکی تھی۔

دیا اس کا ہاتھ پکڑے پکڑے ایک ٹینٹ کی جانب چلی آئی تھی اور اسے ساتھ لیے اندر داخل ہوگئی۔ اندر آتے ہی آغا مینا بری طرح چونکی تھی۔

"یہ! یہاں تم مجھے لے کر آئی ہو دیا؟ یہاں ریسٹ کروں گی میں؟" اس نے کسی قدر حیرت سے دیا سے استفسار کیا۔

"ہاں تو' کیا حرج ہے؟"

"دیا! میں یہاں ہرگز نہیں رہ سکتی۔ تم پلیز چلو یہاں سے۔" دوٹوک انداز میں کہتے ہوئے اس نے باہر کی جانب قدم بڑھائے تھے۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے' تم کچھ دیر کے لیے یہاں آرام کرسکتی ہو۔ میں تمہیں اتنا بتادوں کہ شام تک کوئی نہیں آنے والا۔ تمام بوائز لوگ یہاں سے کچھ دور ایک بستی ہے وہاں گئے ہوئے ہیں اور زیادہ امکان یہی ہے کہ وہ شام کیا رات تک بھی شاید ہی واپس آسکیں۔"

"لیکن دیا میں یہاں نہیں رہ سکوں گی۔ مجھے الجھن فیل ہورہی ہے۔ اور پھر......" اس نے کوفت محسوس کرتے ہوئے بے چارگی سے کہا۔

"پریشان مت ہو آغا مینا' میں وقتاً فوقتاً آتی رہوں گی تمہیں دیکھنے او کے۔"

"تم سمجھ نہیں رہی ہو دیا میں......"

"میں نے کہا ناں آغا مینا' کوئی پرابلم نہیں ہے' تم یہاں بے فکر ہوکر آرام سے رہ سکتی ہو۔ اور پلیز ختم کرو اس بحث کو اور ٹیبلٹ لے کر سکون سے سو جاؤ او کے میں چلتی ہوں' تھوڑی دیر بعد پھر چکر لگاؤں گی۔ ٹھیک ہے۔ پریشان تو نہیں ہوگی ناں؟" آخر میں اس نے استفسار کیا۔

وہ ناچاہتے ہوئے بھی نفی میں سر ہلاگئی تھی حالانکہ وہ دل ہی دل میں خاصی کوفت کا شکار ہورہی تھی۔

❁......❁......❁
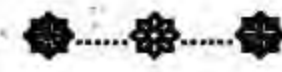
"زادیار!"

"ہاں کیا ہوا؟" وہ اس وقت لوگوں کو خوراک کے پیکٹس تھما رہا تھا انہوں نے بھاری بھر کم مقدار میں بڑے بڑے پیکٹس بنالیے تھے جس میں کھانے پینے کی تمام اشیاء موجود تھیں' چاول' آٹا' دالیں' گھی' چینی' صابن وغیرہ اس کے علاوہ ایک ایک روز کے لیے سبزی بھی علیحدہ سے رکھی گئی تھی۔ برتن بھی کوئی کوئی ہی لے کر آسکا تھا۔ وہ بھی بہت کم۔ انہوں نے برتنوں کا مسئلہ بھی حل کرنے کی کوشش کی تھی اور سب کو ان کی ضرورت کے برتن مہیا کیے تھے' یہ لوگ خود بھی بہت ہمت والے تھے' کھانا پکانے کے لیے انہوں نے خود ہی چولہے بنالیے تھے اور لکڑیاں وغیرہ ایندھن کے لیے جو کچھ بھی درکار ہوتا ہے اس کا بندوبست انہوں نے خود ہی کرلیا تھا' باقی سب یہ کرنے کی کوشش کررہے تھے۔ اس وقت بھی زادیار لوگوں کو پیکٹس تھما رہا تھا۔ تبھی ارقام نے اسے دھیرے سے پکارا تھا۔ زادیار نے مصروف سے انداز میں استفسار کیا تھا۔

"یار ہمیں اشیاء خورد ونوش اور دیگر ضروریات کے لیے مزید چیزیں درکار ہیں۔" اس نے آہستگی سے کہا۔

"ہاں تو وہ تو آف کورس ضروری ہیں۔" وہ سمجھ نہیں پایا تھا کہ ارقام کیا کہنا چاہتا ہے۔

"وہ تو ضروری ہیں ہی' لیکن ابھی ہم میں سے کسی کو لے کر آنا پڑیں گی یہ سب اشیاء۔" اس کی بات پر وہ چونکا۔

"مطلب؟"

"یار متاثرین کی تعداد مسلسل بڑھتی جارہی ہے' جو سامان ہم اپنی طرف سے مکمل کرکے لائے تھے وہ کم پڑ رہا ہے اور اس سے پہلے کہ سامان ختم ہوجائے اور لوگوں کے چہروں پر مایوسی چھانے لگے ہم میں سے کسی کو جاکر مزید سامان لے کر آنا ہوگا تاکہ ان کی ضروریات پوری کی جاسکیں۔" اس نے پوری تفصیل سے ساری صورت حال سے آگاہ کیا۔

"تو ٹھیک ہے' تم ساجد اور اشرف کو بھیج دو وہ لے آئیں گے۔"

"مگر وہ یہاں نہیں ہیں یار' انہیں خبر ملی تھی کہ یہاں سے دو میل کے فاصلے پر چند متاثرین بیٹھے ہوئے ہیں' انہوں نے سر چھپانے کے لیے لکڑیوں اور چارپائیوں کی مدد سے چھت سی بنا رکھی ہے' مگر کتنے ہی روز سے وہ بھوکے پیاسے بیٹھے ہیں۔ انہیں کھانے کو کیا پینے کے لیے صاف پانی تک میسر نہیں ہے' اسی لیے میں نے آرمی والوں کے ساتھ انہیں وہاں بھیج دیا ہے یا تو وہ ادھر آجائیں یا اگر وہ یہاں نہیں آنا چاہتے تو ان کے لیے رہنے کا بندوبست تو کیا جائے' انہیں خیمے وغیرہ مہیا کیے جائیں اور ان کی خوراک کا انتظام کیا جائے تاکہ ان کے لیے زندگی تھوڑی سی آسان ہوجائے۔"

"ٹھیک کیا تم نے' تو پھر اب؟" اس نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے مشورہ لیا۔

"ایسا کرو تم چلے جاؤ۔"

"او کے تو پھر میں ہی چلا جاتا ہوں۔ بندوبست تو کرنا ہی ہے ناں۔ اگر تمہیں یہاں کوئی پریشانی نہ ہو تو میں کچھ لڑکوں کے ساتھ جاکر تمام سامان لے آتا ہوں۔ کوانٹیٹی کا حساب تم بتادو۔"

"یار کوانٹیٹی کا تو یہاں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تمہیں فی الحال جتنا مناسب لگے اتنا لے آؤ باقی پھر دیکھتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے' تم یہاں سب سنبھال لینا ہم جلدی لوٹ آئیں گے۔"

"میں سنبھال لوں گا' ویسے تو تمہارے آنے تک اور جانے کے دوران یہ سامان کافی ہوگا' لیکن تم ذرا جلدی آنے کی کوشش کرنا۔" وہ اپنے چند ساتھی اسٹوڈنٹس اور دو آرمی والوں کو لے کر کیمپ کے لیے روانہ ہوگیا تھا۔ اسے ڈیڑھ گھنٹہ لگا تھا پہنچنے میں' گاڑی آل ریڈی لوڈ تھی۔ چونکہ اس نے کال کرکے پہلے ہی انفارم کردیا تھا' اس لیے انہیں زیادہ وقت نہیں لگنا تھا یہاں۔

روانہ ہونے سے پہلے اس نے خود پر ایک تنقیدی نگاہ ڈالی تھی۔ وائٹ شرٹ مٹی سے بالکل اٹی پڑی تھی۔ اسے چینج کرنے کی غرض سے وہ اپنے ٹینٹ کی طرف آ گیا۔ شرٹ کے بٹن کھولتے ہوئے وہ ٹینٹ کے اندر گھس آیا تھا۔ شرٹ اتارتے ہوئے وہ اپنے بیگ کی جانب بڑھا تبھی اسے ایک جھٹکا سا لگا تھا۔ اس کا پاؤں کسی چیز سے ٹکرایا تھا' اس نے لڑکھڑا کر بمشکل خود کو سنبھالا تھا۔ اور حیرانگی سے نیچے پاؤں کے ساتھ ٹکرا جانے والی چیز کو دیکھنا چاہا تھا۔ ایک جھٹکا اسے اس سے ٹکرانے سے لگا تھا اور اب ایک اور جھٹکا لگا تھا۔ اس کی نظروں کے سامنے لحاف کے اندر سے جھلکتے سفید دودھیا پاؤں دکھائی دیے تھے۔ وہ ایک دم رک سا گیا تھا۔

وہ جو کوئی بھی تھا' اس نے خود کو لحاف میں کچھ اس طرح سے لپیٹا ہوا تھا کہ اندر داخل ہوتے ہی پہلی نظر میں کوئی اندازہ بھی نہیں لگا سکتا تھا کہ یہاں کوئی اور بھی موجود ہے۔ یہی زادیار کے ساتھ بھی ہوا تھا' اسے بالکل احساس نہیں ہوا تھا کہ یہاں اس کے علاوہ کوئی اور بھی موجود ہے۔ وہ چند ثانیے کشمکش و پیچ میں جتلا اپنے ٹینٹ میں اپنے ہی لحاف میں کسی کو مدہوش دیکھتا رہا پھر کچھ سوچ کر آگے بڑھ آیا' شرٹ اس نے ابھی تک اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تھی۔

"ایکسکیوزمی' کون ہے یہاں؟" اس نے آہستگی سے اس کے قریب جاکر پکارا تھا۔ مگر جواب ندارد۔ جواب تو کیا' اس وجود میں کوئی جنبش تک نہ ہوئی تھی۔

"ہیلو! کون ہے یہاں؟" اب کے اس نے قدرے اونچی آواز میں پکارا مگر جواب ندارد۔

اس کے ماتھے پر شکنیں نمودار ہونے لگی تھیں' اس نے چند پل سوچا اور پھر جھٹکے سے لحاف اس کے چہرے سے ہٹادیا۔ اگلے ہی پل وہ ساکت سا رہ گیا۔ وہ آغا مینا تھی۔

اس کے یوں ایک دم لحاف کھینچ لینے سے وہ ذرا سا ڈسٹرب ہوکر کسمسائی تھی اور پھر سے غافل ہوگئی۔

"یہ یہاں کیا کررہی ہے؟" وہ دھیرے سے

بڑبڑایا۔
ساتھ ہی ناگواری سے ہاتھ میں پکڑی ہوئی مٹی میں اٹی ہوئی وہی شرٹ دوبارہ سے پہن لی جسے چینج کرنے کی غرض سے وہ یہاں آیا تھا۔ آستین بازو پر چڑھاتے ہوئے اچانک اس کا ہاتھ اس کے ماتھے سے ٹچ ہوا تھا۔ وہ ایک دم چونک سا گیا تھا۔
"اوہ......اس کو تو شدید ٹمپریچر ہے۔" وہ پرسوچ انداز میں بڑبڑایا۔
"پانی...... پانی پینا ہے۔ پانی......" تبھی وہ آہستگی سے بڑبڑائی تھی۔
ایک تو وہ اس کے قریب بیٹھا تھا' دوسرا یہاں دبیز خاموشی تھی اسی لیے اسے با آسانی سنائی دے گیا تھا۔
اس نے پانی کی تلاش میں اردگرد نظریں دوڑائی تھیں تبھی اسے ایک سائیڈ پر رکھی ہوئی منرل واٹر کی بوتل دکھائی دے گئی وہ تیزی سے اس کی جانب بڑھا اور بوتل اٹھا کر دوبارہ اس کی جانب آ گیا۔ اور اس کا سر ہلکا سا اونچا کر کے بوتل اس کے منہ کے ساتھ لگادی۔ اس کی آنکھیں ابھی بھی بند تھیں وہ نیم غنودگی میں تھی۔ پانی پلانے کے بعد اس نے دوبارہ اسے واپس لٹایا اور اس کے قریب سے اٹھنے لگا۔
"میرے سر میں بہت درد ہو رہا ہے امی' پلیز میرا سر دبا دیں۔" وہ چونکا اور جھٹکے سے اس کی جانب دیکھا۔ دوسرے ہی پل نخوت سے سر جھٹک دیا۔
"ہنہہ...... میں اب اس کا سر دباؤں گا' حد ہوگئی' اسٹوپڈ گرل' اتنی ہی نازک مزاج تھی تو یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی؟" اسے ازحد ناگواریت محسوس ہوئی۔ وہ باآواز بلند بڑبڑایا اور سرعت سے اٹھ کھڑا ہوا' کچھ سوچ کر ٹینٹ سے باہر نکل آیا' کسی کی تلاش میں نظریں دوڑائی تھیں۔ تبھی اسے دیبا دکھائی دے گئی۔ وہ تیزی سے اس کی جانب بڑھا۔
"ایکسکیوزمی مس دیبا۔" وہ چونک کر مڑی۔
"ارے زادیار' آپ ابھی تک یہیں ہیں۔ میں تو سمجھی تھی' آپ جا چکے ہوں گے۔" اسے دیکھتے ہوئے وہ حیرت سے گویا ہوئی۔
"جی' ہم بس نکل ہی رہے تھے' ایکچوئیلی میں یہ کہنے آیا تھا کہ مس آغا مینا کو شدید ٹمپریچر ہے' آپ ڈاکٹر سے ان کا چیک اپ کروا لیجیے گا۔" اس کے لہجے میں اور انداز میں کوفت بہت نمایاں تھی انداز ایسا تھا کہ مجبوراً اطلاع دے رہا ہو۔ اس کی بات پر دیبا نے حیرانگی سے اس کی جانب دیکھا تھا۔
زادیار کو اس کی آنکھوں میں پنہاں حیرت صاف دکھائی دے گئی تھی۔ مگر فی الحال اس کے پاس ٹائم نہیں تھا کسی بھی قسم کی وضاحت دینے کا اور نہ ہی وہ ضرورت سمجھتا تھا' چونکہ وہ ان کے ساتھ آئی تھی ان کی ایک دوسرے پر ذمہ داری تھی اسی لیے اس نے انفارم کرنا ضروری سمجھا تھا' سو اس نے کر دیا' اور مزید بات کیے وہاں سے چلا گیا' دیبا دیکھتی رہ گئی۔

❀......❀......❀

"یار کہاں ہو تم لوگ' آدھے سے اسٹوڈنٹس غائب ہیں۔"
"تم فون ریسیو کیوں نہیں کر رہیں؟ اتنی دیر سے کال کر رہی ہوں۔"
"کیا؟" دوسری جانب سے دیے گئے جواب پر اس نے چونک کر کہا تھا۔
"اب تمہاری طبیعت کیسی ہے؟" وہ ایک دم فکرمندی ہوئی اور آہستگی سے دریافت کیا۔
"تھینک گاڈ اب مجھے بتاؤ ناں ذرا مجھے انفارم کیے بنا کہاں غائب ہو گئے ہو تم لوگ۔" اس کی خیریت سے آگاہ ہونے کے بعد اس نے فوراً اپنی ٹون بدلی اور کڑے لہجے میں استفسار کیا۔
"جی نہیں۔ میں نے اس کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا۔ میں تمہارا پوچھ رہی ہوں فضول مت بولو۔" اس کی بات پر وہ ایک پل کو چونکی تھی' دوسرے ہی لمحے گڑبڑا کر کسی قدر خفگی سے کہا تھا۔

"ایسا کچھ نہیں ہے آغا' میں نے یونہی کہا ہے' اور تم لوگوں کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم اسے شمار کرو' تم لوگوں میں ہماری کچھ اور کلاس فیلوز بھی ہیں۔ انہی کے بارے میں کہہ رہی تھی اسٹوپڈ۔" اس نے شپٹاتے ہوئے وضاحت کی۔
"شٹ اپ آغا مینا' اینی وے یار مجھے بھی وہاں آنا ہے۔" اسے ڈانٹ کر چپ کرواتے ہوئے اس نے بچوں کی سی معصومیت سے کہا۔
"واٹ! ارقام کے ساتھ۔ ہرگز نہیں۔" وہ چلائی' اس کی بات سن کر۔ "لیکن یار میں اس کے ساتھ نہیں آسکتی۔"
"اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ نہیں ہے وہاں آنے کا؟" اس نے منہ بناتے ہوئے استفسار کیا۔
"اوکے' تم اسے کہہ دینا کہ وہ مجھے یہاں سے لے جائے۔ اور پلیز اس کے سامنے میرا نام مت لینا۔ وہ پہلے ہی خاصا خوش فہم سا بندہ ہے کہیں مزید خوش فہمیوں میں مبتلا نہ ہو جائے۔" دوسری جانب اس نے جانے کیا کہا تھا کہ وہ ہلکا آ خرمان گئی تھی۔
"اوکے......تم سے وہیں ملاقات ہوگی۔ بائے اینڈ ٹیک کیئر۔" سیل آف کرتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر خاصی خوب صورت سی مسکان تھی۔
"طلعینہ بی بی طلعینہ بی بی جلدی چلیے بڑے صاحب کو جانے کیا ہو گیا ہے؟" تبھی گھبرائی ہوئی زینب تقریباً بھاگتے ہوئے اس کے پاس چلی آئی تھی۔ اس کے لبوں کی مسکراہٹ پل میں معدوم ہوئی اور وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔
"کیا ہوا ہے پاپا کو؟" وہ ان کے کمرے کی جانب بھاگی۔
"پتا نہیں بی بی' میں جب ان کے کمرے میں گئی تو وہ بے ہوش پڑے تھے۔"
"کیا پاپا بے ہوش ہیں۔" اس کی بات پر اس کے چہرے کی رنگت ایک دم زرد ہوئی تھی۔ وہ برق رفتاری

اروی' مختار

السلام علیکم! تمام ریڈرز اینڈ رائٹرز کو میرا پُرخلوص سلام۔ میں نے ۲۷ جنوری کو اس دنیا میں آکر اپنے گھر کو رونق بخشی' میرا تعلق میاں چنوں سے ہے اور میں ایم اے انگلش کی اسٹوڈنٹ اور ساتھ میں بی ایڈ بھی کر رہی ہوں۔ ہم دو بہنیں اور تین بھائی ہیں اور میں سب سے بڑی ہوں۔ مطالعہ کرنے اور ڈائجسٹ پڑھنے کا بہت شوق ہے اور آنچل کے علاوہ بھی کبھی ڈائجسٹ پڑھتی ہوں لیکن آنچل میرا موسٹ فیورٹ ہے اب بات ہو جائے خوبیوں اور خامیوں کی تو سنئے جناب! میں بہت حساس طبیعت کی مالک ہوں' بہت چھوٹی چھوٹی باتوں کو دل پر لے لیتی ہوں اور کسی کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی اور خامیاں تو بہت زیادہ ہیں جن میں چند ایک' غصے کی بہت تیز ہوں بقول کزن لڑتی بہت ہو' بولتی کم ہوں اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر رونا شروع کر دیتی ہوں۔ میری موسٹ فیورٹ اور بیسٹ فرینڈ بابرہ ہے اور بھی بہت ساری فرینڈز ہیں اگر نام لکھنے پہ آؤں تو پورا صفحہ ہی ختم ہو جائے گا اور بیسٹ کزن میں عائشہ ہے جو کہ فرینڈ بھی ہے اور میری بیسٹ ٹیچر فائزہ افتخار ہیں چلو بات ہو جائے پسند نہ پسند کی تو مجھے خوب صورت مناظر بہت پسند ہیں۔ چاندنی راتیں اور سردیوں کی بارش بھی بہت پسند ہے۔ پسندیدہ رنگوں میں بلیک' آف وائٹ اور پنک شامل ہیں۔ لباس میں مجھے فراک اور چوڑی دار پاجامہ پسند ہے اور ساتھ میں بہت بڑا سادہ دوپٹہ پسند ہے' میری موسٹ فیورٹ شخصیت مولانا طارق جمیل' ڈاکٹر عافیہ' حافظ ابوبکر (نعت خواں) اور مولانا اعظم طارق شہید ہیں۔ محبت پر یقین رکھتی ہوں' ہر رنگ اور ہر روپ میں محبت خوب صورت ہے۔ فیورٹ رائٹرز نازیہ کنول نازی اور سمیرا شریف طور ہیں۔ آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے والدین اور بہن بھائیوں اور سب کو قدم قدم پر خوشیاں عطا کرے اور ہمیں خلفائے راشدین جیسا حکمران عطا کرے آمین ثم آمین۔

سے دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوئی تھی۔ حسن احمد بخاری بیڈ پر اوندھے پڑے تھے اس کی چیخ نکل گئی تھی۔

"پاپا!" وہ ہذیانی انداز میں چلاتے ہوئے ان کے قریب آئی۔

"پاپا...... کیا ہوا پاپا؟" زینب کی مدد سے اس نے انہیں بمشکل سیدھا کیا تھا۔ وہ ہوش وخرد سے بالکل بیگانہ پڑے تھے۔ وہ حواس باختہ سی ہوگئی۔

"کیا ہوگیا پاپا پلیز اٹھیے' کیا ہوا ہے آپ کو؟" وہ روتے ہوئے انہیں جھنجوڑ رہی تھی مگر ان کے وجود میں کوئی جنبش نہیں ہوئی تھی۔ وہ بے انتہا پریشان سی ہوگئی۔

"زینب شیرازی انکل کو کال کرو' ہری اپ۔" اس نے جلدی سے پاس کھڑی زینب سے کہا اور خود اپنے سیل فون پر تورع حسن بخاری کا نمبر ملانے لگی' جونہی اس نے ریسیو کیا وہ جھٹ سے بول اٹھی۔

"پاپا کو پتا نہیں کیا ہوگیا ہے اخ' آپ پلیز جلدی سے گھر آجائیں۔" اس نے روہانسی آواز میں کہا تھا۔

دوسری جانب تورع حسن بخاری نے ایک پل کو لب بھینچے تھے دوسرے ہی پل انتہائی سرد سے انداز میں گویا ہوا۔

"میں اس وقت بہت بزی ہوں ظعینہ' تم شیرازی انکل کو کال کرکے بلالو۔" اس کی بات پر ظعینہ ششدر سی چند پل کچھ بول ہی نہ سکی اسے یقین نہیں آیا تھا کہ یہ جو کچھ بھی کہا گیا ہے تورع نے کہا ہے تبھی بے یقینی سے گویا ہوئی تھی۔

"پاپا بے ہوش ہیں اخ اور آپ......" وہ اپنی بات پر زور دے کر گویا ہوئی تھی۔

"میں نے کہا ناں ظعینہ' میں اس وقت میٹنگ میں ہوں' تم شیرازی انکل کو کال کرلو اور ہاں اگر وہ ہاسپٹل کے لیے کہیں تو انکل کے ساتھ ظہور کو بھی لے جانا میں فارغ ہوکر وہیں آجاؤں گا' او کے۔ اور پلیز اب مجھے ڈسٹرب مت کرنا۔ میرے لیے یہ بہت امپورٹنٹ میٹنگ ہے۔" وہ اسے کہہ رہا تھا اور وہ گہرے دکھ اور تاسف سے لب بھینچے سن رہی تھی۔

"تھینک یو' تھینک یو ویری مچ' اگر آپ اتنا بھی نہ کہتے تو بھی میں ہینڈل کرلیتی اور میں جانتی ہوں کہ مجھے انہیں ہاسپٹل کیسے لے کر جانا ہے اور کیا کرنا ہے' آپ کی اتنی ہیلپ کا بھی بہت شکریہ' آپ اپنی میٹنگ اٹینڈ کیجیے' ایم سو سوری کہ میں نے آپ کو ڈسٹرب کیا' اگین سوری۔" اس نے خود کو بمشکل کنٹرول کیا اور بڑے ضبط سے طنزیہ کہہ کر جھٹ سے موبائل آف کردیا۔

تورع کے رویے نے اسے بہت تکلیف دی تھی بہت ہرٹ ہوئی تھی وہ' اس کی آنکھوں میں آنسو جمع ہونے لگے تھے' اس پل اسے لگا تھا وہ بھری دنیا میں بالکل تنہا ہوگئی ہو' اس کی ساری حسیں مفلوج ہوگئی تھیں اسے سمجھ نہیں آرہی تھی وہ کیا کرے' وہ یک ٹک بے ہوش پڑے حسن احمد بخاری کو تکے گئی' آنکھوں سے آنسو نکل پڑے' اس سے اتنا نہ ہوسکا تھا کہ وہ آگے بڑھ کر پاپا کو پکار سکتی' یا انہیں ہوش میں لانے کی کوشش ہی کرلے۔ اسی پل زینب اندر داخل ہوئی تھی۔

"شیرازی صاحب آگئے ہیں ظعینہ بی بی۔" وہ یکلخت چونکی اور برق رفتاری سے دروازے کی جانب لپکی۔ اسی پل وہ بھی اندر داخل ہوئے تھے۔

"شیرازی انکل دیکھیے ناں پاپا کو کیا ہوگیا ہے' مسلسل بے ہوش پڑے ہیں۔ میں نے کتنی بار آوازیں دیں مگر کوئی ریسپونس نہیں دے رہے۔"

"ڈونٹ وری بیٹا۔ میں دیکھتا ہوں۔" اسے تسلی دیتے ہوئے وہ فوراً حسن بخاری کی جانب بڑھے اور چند پل ان کا چہرہ تھپتھپا کر دیکھا' پھر ان کی کلائی تھامی۔ پریشان چہرہ لیے ظعینہ کی جانب دیکھا۔

"حسن کو ہاسپٹل لے کر جانا پڑے گا بیٹا۔" ان کے کہنے پر اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔

"کیا ہوا انکل پاپا ٹھیک تو ہیں ناں؟" روہانسی آواز میں استفسار کیا۔

"کچھ نہیں ہوا بیٹا' ان شاء اللہ سب ٹھیک ہوجائے

گا۔ زینب ظہور کو بلاؤ' حسن کو گاڑی تک لے کر جانا ہے۔" اسے تسلی دیتے ہوئے وہ غیر محسوس انداز میں زینب سے مخاطب ہوئے تھے۔ وہ تھوڑی دیر میں ہی ظہور کو بلا لائی تھی' شیرازی انکل نے ظہور کے ساتھ مل کر انہیں گاڑی میں لٹایا۔

ظعینہ ان کے ساتھ ساتھ تھی۔ ہاسپٹل پہنچتے ہی انہیں آئی سی یو میں شفٹ کیا گیا تھا۔ انہیں آئی سی یو میں لے جاتے دیکھ کر وہ بے انتہا پریشانی سے شیرازی انکل کی جانب لپکی تھی۔

"انکل! آپ نے تو کہا تھا کہ پاپا ٹھیک ہیں' تو پھر انہیں آئی سی یو میں کیوں......؟"

"وہ ٹھیک ہے بیٹا' ڈونٹ وری۔" انہوں نے اسے بہلانا چاہا مگر وہ بچی تو نہ تھی۔

"کہاں ٹھیک ہیں انکل' اگر ٹھیک ہوتے تو آپ انہیں آئی سی یو میں کیوں لے جاتے۔" وہ رونے والی ہوگئی۔

"ظعینہ! پریشان مت ہو حسن کو کچھ نہیں ہوگا۔ میں کہہ رہا ہوں ناں۔ پلیز پریشان مت ہو۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں ناں انکل؟" وہ بچوں کی سی معصومیت لیے ان سے استفسار کررہی تھی۔ انہیں اس پر ٹوٹ کر پیار آیا تھا۔

"ان شاء اللہ' حسن کو کچھ نہیں ہوگا' اللہ سب بہتر کرنے والا ہے۔ تورع کو انفارم کردیا؟" تورع کے نام پر اس نے سختی سے اپنے لب بھینچے تھے۔ اس کی خاموشی سے انہوں نے یہی اخذ کیا تھا کہ اس نے تورع کو انفارم نہیں کیا' تبھی گویا ہوئے تھے۔

"تورع کو انفارم کردو بیٹا۔" ان کے لہجے میں کچھ تو تھا کہ وہ بے ساختہ ان کی جانب دیکھنے لگی تھی۔ انہوں نے نظریں چرالیں تھیں۔

"مجھے صحیح صحیح بتائیں انکل پاپا کو کیا ہوا ہے؟"

"یہ ان باتوں کا وقت نہیں ہے بیٹا تم پلیز......"

"انکل مجھے بتائیں' پاپا کو کیا ہوا ہے' آپ پلیز پریشان مت ہوں' میں سچ سن سکتی ہوں اور اسے برداشت بھی کرسکتی ہوں۔ اخ کے ساتھ رہ رہ کر اتنا تو میں نے سیکھ ہی لیا ہے۔" آخری جملہ دل ہی دل میں کہتے ہوئے اس نے ان کی جانب دیکھا۔ انہوں نے بغور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ پھر گہری سانس خارج کرتے ہوئے گویا ہوئے۔

"حسن کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے بیٹا۔ مجھے ایسا لگتا ہے۔" وہ جو بڑے حوصلے سے ان سے استفسار کررہی تھی ایک دم ڈھے سی گئی۔

"ڈونٹ وری بیٹا! سب ٹھیک ہوجائے گا' ابھی میں اس کا پراپر چیک اپ کرنے جارہا ہوں' پھر ہی پتا چلے گا کہ حسن کو ہوا کیا ہے۔" وہ اسے دلاسا دے کر آئی سی یو کی جانب بڑھ گئے۔

وہ دل ہی دل میں اپنے پاپا کے لیے دعائیں کرنے لگی۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش ہونے لگی تھی۔ وہ اس وقت بالکل خود کو تنہا محسوس کررہی تھی' وہ تورع حسن بخاری کو بہت مس کررہی تھی۔ شیرازی انکل کے کہنے کے باوجود اس نے تورع کو انفارم نہیں کیا تھا' اگر وہ کٹھور ہوگئے تھے تو اس وقت وہ بھی کٹھور ہوگئی تھی۔ ہزار چاہنے کے باوجود اس نے انہیں انفارم کرنے کی کوشش نہیں کی تھی اور خود ہی سب کچھ جھیل رہی تھی۔ وہ پریشان سی وہیں گھٹنوں میں سر دے کر بیٹھ گئی۔

(جاری ہے)

محبت ہم سفر ہوتی

سمیرا غزل صدیقی

وہ ایک گرم دن تھا' سورج سوا نیزے پر پہنچا آگ اگل رہا تھا اور اس آگ میں جھلستی وہ اردگرد سے بے نیاز میلی کچیلی چادر میں اپنا زخمی وجود چھپائے نقاہت سے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اپنی منزل کی جانب رواں دواں تھی کون جانے وہ منزل بھی تھی یا......؟ اس سے آگے اس کی سوچ کی رسائی نہ تھی اس نے گھر کے سامنے پہنچ کر اپنا سانس بحال کیا اور چھوٹا سا سفری بیگ اٹھاتے ادھ کھلے دروازے سے اندر داخل ہوگئی۔ سامنے ہی چارپائی پہ اماں دال چن رہی تھیں اسے ضبط کرنا محال لگا اماں نے بھی اسے دیکھ لیا تھا لپک کے اس کی طرف آئیں مگر اس کے چہرے پہ موجود نیل کا نشان اور چال میں واضح لڑکھڑاہٹ دیکھ کر ایک درد کا سایہ ان کے جھریوں زدہ چہرے پہ آ کے ٹھہر گیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ ماں کی شفیق آغوش میں سر چھپائے چیخ چیخ کے اپنے اوپر گزری داستان کرب سنا رہی تھی اس کی چیخوں سے گھر کے درودیوار ہل گئے تھے ساتھ ہی کمرے میں سوئی اس کی چھوٹی بہن شاہین ملگجے حلیے میں اپنے لباس کی شکنوں کو دور کرتے ہوئے سرخ و نیند سے بوجھل آنکھوں میں حیرانی و پریشانی سمو کر یک ٹک اپنی لاڈلی و عزیز از جان آپا کو اس شکستہ حال دیکھ رہی تھی۔ ایک ایک کرکے اس پہ آگہی کے در وا ہوئے تو بھاگ کے کچن میں رکھے کولر سے پانی لے آئی۔

"مت رو آپا بس کرو اماں سمجھاؤ نہ آپا کو ہم اب نہیں جانے دیں گے آپا کو وہاں جہنم میں۔" سولہ سالہ شاہین نے زبردستی پانی کا گلاس ماہین کو تھمایا وہ اب کافی کچھ سمجھنے لگی تھی۔

"تم اندر جاؤ شاہین یہ تمہارا معاملہ نہیں ہے۔" اگلے ہی لمحے اماں نے اسے سختی سے گھورتے ہوئے اندر جانے کا عندیہ دیا تو وہ منہ پھلائے اندر آ گئی مگر کان برآمدے سے آتی آوازوں پہ لگے تھے جہاں اماں آپا کو سمجھانے کی کوشش کررہی تھیں کہ وہ کسی طرح اپنے سسرال واپس چلی جائے۔ شاہین نے نہایت کرب سے آپا اور اماں کو دیکھا اور آنکھیں موند لیں۔

............*

چار نندوں دو جیٹھ بمعہ جیٹھانیوں اور ان کے بچوں سے بھرے پرے گھر میں ماہین رفیق اس گھر کے سب سے چھوٹے اور سب سے لاڈلے تیز مزاج اور نکھٹو بیٹے حیدر سے بیاہ کر آئی تھی۔ خوش حال آسودہ گھرانے میں بیاہتے وقت پل بھر کو اس نے یہ سوچ لیا تھا کہ جس سفید پوشی کا بھرم رکھتے رکھتے اس نے اٹھارہ سال گزار لیے تھے وہ شاید اب ختم ہوگئے اب اسے چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لیے اماں کی پھٹکاریں نہیں سننی پڑے گی وہ اپنے ابا کی بے حد لاڈلی تھی' رفیق حیات اور نائمہ رفیق جب اولاد کی حسرت لیے مایوس ہوچکے تھے تو شادی کے آٹھ سال بعد اللہ نے ان کی گود میں ماہین کو ڈالا تھا۔ پھر اس کے تین سال بعد شاہین نے ان کے گھرانے کو مکمل کر دیا تھا۔ دونوں بیٹیاں رفیق صاحب کی متاع حیات تھیں لہٰذا جب بنا کسی پریشانی کے پچھلے گھر میں رہتے نثار صاحب اپنے بیٹے حیدر کا رشتہ لے کر ان کے گھر آئے تو بیٹی کا فرض ادا کرنے کے لیے انہوں نے جلدی سے اس کی شادی کردی یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ مزاج کا تیز ہے مگر انہیں اپنی بیٹی کی تربیت پر پورا بھروسہ تھا۔

............*

اس نے کہیں سنا تھا کہ پیسوں سے خوشیاں نہیں خریدی جاسکتیں مگر اسے اس مقولہ پر رتی برابر بھروسہ نہ تھا مگر شادی کے بعد اسے یہ مقولہ درست لگنے لگا تھا وہ جو یہ سوچ رہی تھی اچھی خوش حال زندگی گزارے گی یہ محض اس کی خام خیالی ہی ٹھہری تھی۔ حیدر کا رویہ اس کے ساتھ اول روز سے ہی خراب تھا وہ آج تک اسے سمجھ نہ پائی تھی۔ وہ پل میں غصہ ہوجاتا تو پل میں مان جاتا۔ تھکا ہارا آتا اس پہ غصہ نکالتا وہ جو رومانوی کہانیوں کی فین تھی اب اسے اپنی ازدواجی زندگی میں رومان نام کی کوئی چیز نظر نہ آتی تھی۔ اس کے سسر کا شادی کے ایک ماہ بعد ہی انتقال ہوگیا تھا۔ جب تک وہ تھے حیدر کنٹرول میں تھا مگر ان کے اس دنیا سے جاتے ہی حیدر اپنی من مانیوں پہ اتر آیا تھا۔ اس کی ساس اور جیٹھانیوں کا رویہ اس کے ساتھ قدرے بہتر تھا مگر جب شوہر ہی ساتھ نہ دے تو کچھ بھی اچھا نہیں لگتا" ستم ظریفی تو یہ ٹھہری کہ شادی کے پانچ ماہ بعد بھی وہ اولاد کی خوش خبری نہ سنا سکی تھی۔ اس کی ساس ہاجرہ کا کہنا تھا کہ اولاد ہوجائے گی تو حیدر خود بخود ٹھیک ہوجائے گا۔ حیدر کا اپنا ایک جنرل اسٹور تھا جبکہ اس کے دونوں بڑے بھائی مشینوں کا کام کرتے تھے۔ ابا کے ساتھ حیدر کی گرم مزاجی کے باعث اکثر ان کی اس کے ساتھ نہ بنتی تھی۔ اس لیے ابا نے اسے الگ ہی دکان کھول دی تھی ان کے گھر میں کوئی بھی عورتوں کے ساتھ برا سلوک نہیں کرتا تھا نجانے کیوں حیدر ایسا تھا' یہی بات ان کی ساس کی سمجھ سے باہر تھی۔

"دیکھ ماہین بیٹا حیدر غصے کا تیز ہے جب اسے غصہ آیا کرے تو چپ ہوجایا کر کام میں لگ جایا کر' اگر اس وقت کچھ بولے گی تو الٹا تجھ پر ہی سارا غصہ اترے گا۔" اس کی ساس سمجھاتیں اور وہ کٹ کے رہ جاتی بھلا چپ ہونا کہاں اس کے بس میں تھا۔ حیدر کی حرکتیں دن بدن خراب ہوتی جارہی تھیں اس روز تو حد ہی ہوگئی تھی۔ وہ کپڑے دھو رہی تھی' عین اسی وقت حیدر چلا آیا تھا۔ ماہین نے اسے نہ چائے دی نہ پانی' کپڑے دھونے میں لگی رہی' حیدر نے جھٹکے سے اس کا ہاتھ پکڑا اور کمرے میں لے گیا۔

"تجھ سے کوئی بھی کام ڈھنگ سے ہوتا ہے کہ نہیں۔" وہ طیش میں تھا۔

"تمہیں تو ہر وقت مجھ میں ہی خامیاں نظر آتی ہیں۔ اب کیا کردیا میں نے۔" وہ مسلسل اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بولنے میں مصروف تھی حیدر کا پارہ فوراً ہائی ہوا تھا۔

"بدتمیز عورت ایک تو غلطی کرتی ہے اوپر سے زبان چلاتی ہے۔" حیدر کا زوردار طمانچہ اس کے گال پہ نیل کا نشان چھوڑ گیا وہ لڑکھڑا کے نیچے گری۔ حیدر کمرے سے نکل گیا تھا' ماہین نے خوب واویلا کیا نہ ساس کی سنی نہ جیٹھانیوں کی' حیدر تو جاچکا تھا ماہین نے سامان باندھا اور گھر چلی آئی' وہ نادانی میں ہی سہی غلط فیصلہ کرچکی تھی اور اب قدرت ہی اسے بچاسکتی تھی۔

............*

"بیٹا جا کے لے آ ماہین کو اتنا غصہ ٹھیک نہیں۔" حیدر کی اماں شکیلہ اسے بڑے آرام سے سمجھا رہی تھیں۔

"نہ اماں نہ وہ اپنی مرضی سے گئی ہے آئے گی بھی اپنی مرضی سے اسے سمجھا دے اس کی یہ گورنروں والی اکڑ میرے آگے نہیں چلے گی جا کے اس کے ابا کو بھی سمجھا دے۔" حیدر کسی کی بات ماننے کو تیار نہ تھا شکیلہ جانتی تھیں ماہین بھی زبان کی تیز ہے جب ہی وہ اسے سمجھاتی رہتی تھی مگر وہ کسی طور نہ مانتی وہ اسی دن سے ڈرتی تھیں کہ کہیں حیدر کا ہاتھ نہ اٹھ جائے اور آج وہی ہوا تھا۔ مرد چاہے کتنا بھی غصہ کرے لیکن اسے غصے میں زبان چلاتی ہوئی عورت نہیں پسند بلکہ ایک عورت ہی ہوتی ہے جو چاہے تو مرد کے غصے کو بڑھا بھی سکتی ہے اور رام بھی کر سکتی ہے۔

"حیدر بیٹا مان جا نہ میں سمجھا دوں گی ماہین کو بس تو ایک بار جا کے لے آ اسے۔" وہ اب بھی اس کی منت کر رہی تھیں۔

"نہ اماں نہ اب میں اپنے فیصلے سے ایک انچ پیچھے نہ ہٹوں گا۔" حیدر نے کہا اور اٹھ کے چلا گیا۔ شکیلہ سر تھام کے رہ گئی تھیں۔ ادھر ماہین کی اماں نسرین کا بھی کچھ ایسا ہی حال تھا۔

............*

حیدر کی صرف ایک ہی بری عادت تھی اور وہ یہ کہ وہ غصے کا بہت تیز تھا۔ ماہین اس کی چھوٹی سے چھوٹی بات کا بھی خوب واویلا مچاتی' میکے جا کے ایک کی چار لگاتی' خود مظلوم اور اسے ظالم بنا دیتی جبکہ حقیقتاً حیدر اتنا برا نہ تھا اور یہاں تو صد شکر کہ اس کا سسرال اچھا تھا ماہین ذرا الگ ٹائپ کی لڑکی تھی وہ بس یہی چاہتی تھی کہ حیدر ہر وقت اسی کے گن گائے اس کی تعریفیں کرے کبھی نہ اسے ڈانٹے یہ سب تو صرف فلموں ڈراموں میں ہوتا ہے حقیقتاً ہر مرد ہی سنجیدہ ہوتا ہے ماہین سے یہیں غلطی ہوئی تھی اسے حیدر کے مزاج کو سمجھنا چاہیے تھا وہ مرد تھا اور وہ عورت چاہے کتنی ہی خوب صورت کیوں نہ ہو مرد کے اوپر حکمرانی اس وقت تک نہیں کر سکتی جب تک وہ اس کے مزاج سے آشنا نہ ہو۔ حیدر کو چٹ پٹے کھانے پسند تھے تو ماہین کی کھانا پکانے سے اتنی ہی جان جاتی تھی' گھر پہ بھی وہ حیلے بہانے بنا لیتی تھی یہاں بھی اس کی جٹھانیاں پکا دیتی تھیں وہ صرف صفائی ہی کرتی تھی یا برتن دھو دیتی تھی۔ پھر بھلا حیدر کیوں اسے چاہے گا جب وہ اس کی خدمت ہی نہ کرتی ہو وہ تھکا ہارا گھر آتا اس کا موڈ ہوتا تو چائے کا پوچھ لیتی ورنہ اپنے کاموں میں لگی رہتی بھابیاں بے چاری سوچتی کہ اب اس کی بیوی آ گئی ہے وہ خود اسے دیکھ لے گی یوں وہ بھوکا بیٹھا رہتا' غصہ میں کچھ کہہ دیتا تو وہ الٹا رو پڑتی' واویلا کرتی' ایسا نہیں تھا کہ حیدر کو وہ پسند نہ تھی' حیدر تو بس اس کے کاہل پن سے پریشان تھا اور وہ نادان اپنی ہی نادانیوں میں اپنا گھر برباد کرنے چلی تھی۔

............*

ایک مہینہ ہو چلا تھا حیدر نے پلٹ کے اس کی خبر تک نہ لی وہ جو یہ سوچ رہی تھی کہ اس کے یوں ناراض ہو کے آ جانے سے حیدر واپس چلنے کے لیے اس کی منتیں کرے گا' سب سوچیں غلط ثابت ہو گئی تھیں ابا الگ بیٹی کے یوں گھر بیٹھ جانے سے پریشان تھے' اب تو وہ بھی حیدر سے بات کرنے کا سوچ رہے تھے۔ نسرین الگ پریشان تھی۔

"دیکھ ماہین اب بہت ہو گیا ہے تو چل میں چھوڑ کے آ دوں گی تجھے پاگل ہو چلی ہے کیا' اگر وہ نہیں آ رہا تو تو چلی جا، گھر مت برباد کر اپنا تیری ساس جٹھانیاں کتنی اچھی ہیں ورنہ تو آج کل ہر گھر میں فساد ہو رہا ہے۔ صرف حیدر ہی غصے کا تیز ہے نہ تو بیٹا تو پیار سے رہا کر یوں برباد نہ کر اپنا گھر میری بچی۔" اماں اسے سمجھے کے در پے تھیں اب تو وہ بھی حیدر کو یاد کر کے تھک چکی تھی وہ اپنی غلطیوں پہ بھی سوچنے پہ مجبور تھی مگر حیدر کے نہ آنے پر وہ روز کڑھتی تھی اماں کی بات اس کے دل کو لگی تھی' شاہین چھوٹی تھی مگر وہ بھی اماں کی سکھائی بات سمجھ گئی تھی' ماہین ان ہی سوچوں میں گم تھی کہ اس کی ساس چلی آئی تھیں۔ وہ حیران پریشان حیدر کو ڈھونڈ رہی تھی' اس کی آنکھوں میں محبت بھی تھی درد بھی تھا' آخر وہ اس کا شوہر تھا۔ شکیلہ فوراً سمجھ گئی تھیں کہ وہ بھی نادم ہے۔

"حیدر نہیں آیا' اس کی ضد ہے کہ تم خود گئی ہو خود آؤ گی۔" شکیلہ نے فوراً کہا' نسرین کے لیے تو سمدھن کی آمد ہی کافی تھی۔ شاہین بھاگ کر ان کے لیے شربت بنا لائی تھی۔

"دیکھو بیٹا میں جانتی ہوں میں تمہاری ساس ہوں لیکن بیٹا ہر ساس ایک جیسی نہیں ہوتی میں تو بس اپنے بچوں کا گھر آباد دیکھنا چاہتی ہوں' بہن جی آپ بھی معاف کیجیے گا مجھے لیکن یہ جو کچھ ہوا اس میں زیادہ تر قصور ماہین کا خود کا ہے۔ اسے میں نے بارہا سمجھایا تھا کہ حیدر غصے کا تیز ہے اسے جب غصہ آئے تم چپ ہو جانا' جواب مت دینا دیکھو بیٹا وہ کسی غلط سرگرمی میں ملوث نہیں ہے پہلے تو وہ غیر ذمے دار تھا' لیکن اب تو دکان بھی خود سنبھالتا ہے۔ پھر میں کیسے اسے ڈانٹوں' وہ تھکا ہارا گھر آتا ہے تو تم اپنے کاموں میں لگی رہتی ہو نہ اسے کھانا دیتی ہو نہ چائے پھر وہ غصہ کرتا ہے تو تم بھی برابر سے جواب دینے لگتی ہو نہ بھی اس کے لیے تیار ہوئیں' بس ہر وقت لڑائی لڑائی' وہ ذرا سنجیدہ مزاج کا ہے۔ زیادہ گھومنے پھرنے کا شوقین نہیں' تم تھوڑا برداشت کر و گی اسے ٹائم دو گی جب ہی تو وہ تمہارے گن گائے گا نہ الٹا تم تو گھر ہی چھوڑ کے آ گئیں۔ وہ مرد ہے انا پسند وہ اب نہیں آئے گا لینے اور اگر اس عرصے میں وہ کسی اور لڑکی کا ہو گیا تو تم کیا کر لو گی۔" نسرین کو یہ سب نہیں پتا تھا وہ تو بس یہی جانتی تھیں کہ حیدر نے ان کی بیٹی پہ ہاتھ اٹھایا اصل مسئلہ کیا تھا یہ انہیں آج پتا چلا تھا' لڑکیاں نجانے کیوں اتنا واویلا کرتی ہیں یہ اب ان کی بھی سمجھ سے باہر تھا۔ نسرین اپنی تربیت پہ بے حد شرمندہ تھیں۔

"بہن جی اس کی طرف سے میں آپ سے معافی مانگتی ہوں۔" شکیلہ نے بڑھ کر انہیں گلے لگا لیا تھا۔

"کیسی باتیں کرتی ہیں بہن جی ماہین میری بیٹی ہے اور بیٹیوں کو ماں ہی سمجھاتی ہے۔" ان کا ظرف بڑا تھا' ماہین سخت ندامت میں مبتلا تھی۔ قصور اس کا بھی تھا وہ عورت تھی اسے برداشت کرنا چاہیے تھا اس نے ساس سے معافی مانگ لی۔ انہوں نے دست شفقت اس کے سر پہ رکھا' اس نے فوراً اپنا سامان باندھا تھا۔ عورت کا اصل گھر پیا کا دل ہوتا ہے۔ یہ بات اسے آج سمجھ آ گئی تھی۔ ابھی تو اسے گھر جا کے اپنی غلطیوں کا ازالہ بھی کرنا تھا اور اب کی بار اسے یقین تھا کہ وہ ضرور کامیاب ہو گی۔

............*

"ماہین کتنی دیر لگاتی ہو یار تم تیار ہونے میں۔ ابھی ہمیں ڈاکٹر کے پاس بھی جانا ہے۔ پھر تم شاپنگ بھی کر لینا۔" وہ اپنی چادر صحیح کر رہی تھی' حیدر نرم لہجے میں اس سے مخاطب گھڑی پہن رہا تھا۔

"ہو گئی ہوں تیار بھئی چلیں اب۔" وہ مسکرائی تھی۔ وہ ماں بننے والی تھی۔ دونوں کے لیے یہ نعمت بہت بڑی تھی۔ نسرین' شکیلہ سب خوش تھے' یہ وہی حیدر تھا جو ہر وقت غصہ کرتا تھا مگر ماہین نے اب کے اپنی زبان پر تالا لگا لیا تھا' وہ جو کہتا وہ چپ رہتی' اس کا خیال رکھتی گھر واپس آ کے اس نے کھانا پکانا بھی شروع کر دیا تھا وہ بدلی تو حیدر بھی ٹھیک ہو گیا' گھر سے نکلتے وقت ماہین کی چال میں فخر تھا ایک ذرا سے ظرف سے محبت اس کی ہم سفر ہوئی تھی اور یہ ہم سفری بہت ہی خوشنما تھی اس نے مسکرا کے سوچا تھا۔

دل احسن سے ملا

سمیہ عقیلی

یادِ ماضی عذاب ہے یارب
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

ہاسپٹل کے کوریڈور سے گزرتے ہوئے اچانک ڈاکٹر احسن کی نظر اس پر جا ٹھہری اور ساتھ ہی ایمرجنسی کی طرف تیزی سے اٹھتے قدم بھی رک گئے تھے۔ وہ آج بھی صالحہ مبارک کو سینکڑوں میں نہیں لاکھوں میں پہچان سکتا تھا۔ جبکہ گھر سے نکلنے کے بعد اس نے کئی بار چاہا تھا کہ وہ ماضی سے جڑی ہر یاد کو اپنے ذہن و دل کے ورق سے ہمیشہ کے لیے مٹا دے گا مگر جب بھی کوشش کی ہر بار کی طرح ماضی کسی بارش کے بعد کے منظر کی طرح صاف و شفاف ہو کر آنکھوں کے سامنے چمکنے لگتا تھا۔

وہ اسے دیکھنے کے ساتھ ششدر بھی رہ گیا تھا عام سے حلیے میں وہ نجانے کس کے ساتھ کھڑی زارو قطار رو رہی تھی وہ سمجھنے سے قاصر تھا لیکن دل میں اٹھنے والی ہوک مسلسل اس کی طرف بڑھنے پر مجبور کر رہی تھی اور وہ کسی مقناطیسی کیفیت پر اس کی طرف کھنچا چلا جا رہا تھا کہ اچانک اس کے اور صالحہ مبارک کے درمیان رہ جانے والے کم فاصلے کو ایک نرس نے آ کر صدیوں پر محیط کر دیا تھا۔

"ڈاکٹر احسن! آپ یہاں ہیں، آپریشن تھیٹر میں ڈاکٹر عائشہ آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔" احسن نے نرس کو دیکھنے کے بعد صالحہ کی طرف دیکھا، اس کے رونے میں اور شدت آ گئی تھی۔ اس کے تواتر سے بہتے آنسوؤں نے احسن کے دل کی دھڑکنوں کو تلاطم کا انداز دے دیا تھا۔ وہ اب اپنے حواسوں میں نہیں رہا تھا، ایمرجنسی میں بھی گم صم کھڑا نجانے کیا سوچ رہا تھا۔ اس کے سامنے آٹھ نو سال کی بچی زندگی اور موت کے درمیان کھڑی تھی اور وہ اپنے تمام تر فرائض بھول کر پچھلی محبت میں الجھا ہوا تھا۔

"ڈاکٹر احسن پلیز!" ڈاکٹر عائشہ نے مریض کی طرف ڈاکٹر احسن کا بڑھتا ہوا ہاتھ جھٹکا۔

"مجھے آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی، آپ بیٹھ جائیں۔"

"نہیں میں ٹھیک ہوں۔" اس نے فوراً ہی اپنی کیفیت پر قابو پایا اور اس بچی کی ٹریٹمنٹ کرنے لگا۔ کچھ دیر میں ہی بچی خطرے سے باہر تھی۔ وہ ہاتھ واش کرنے کے بعد اپنے کمرے میں آیا تو اس کے پیچھے ڈاکٹر عائشہ بھی آ گئی۔

"کیا ہوا ہے احسن؟" عائشہ اس کے سامنے کرسی پر بیٹھتی ہوئی فکرمندی سے بولی۔ "آج تم موجود ہوتے ہوئے بھی موجود نہیں تھے۔ طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟"

"ہاں بس ذرا سر میں درد ہے۔" وہ نظریں چراتا ہوا بولا کیونکہ وہ اپنا ماضی کسی پر بھی عیاں نہیں کرنا چاہتا تھا۔

دراز سے ٹیبلٹ نکال کر میز کے اوپر رکھ کر انٹرکام اٹھاتا ہوا عائشہ سے چائے کا پوچھا تو اس نے منع کر دیا پھر اپنے لیے چائے منگوا کر وہ سیدھا ہو بیٹھا۔

"ہم بھی انسان ہیں۔ سر درد اور دوسری تکالیف ہمیں بھی ہو سکتی ہیں۔"

"بالکل ہو سکتی ہیں لیکن ہمیں ان تکلیفوں کو خود پر طاری نہیں کرنا چاہیے ورنہ ہمارا تو کچھ نہیں جائے گا کسی اور کا نقصان ضرور ہو جائے گا۔" ڈاکٹر عائشہ مبہم سی مسکراہٹ کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی اور دروازے کے پاس رک کر اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

"آپ کو اب شادی کر لینی چاہیے۔"

"ہاں اب سنجیدگی سے سوچ رہا ہوں۔" اس نے بھی مسکرا کر جواب دیا تو ڈاکٹر عائشہ روم سے نکل گئیں۔ وہ پھر سے صالحہ مبارک کے بارے میں سوچنے لگا۔ دس سال کا عرصہ گزرنے کے بعد بھی وہ ابھی بھی ویسی ہی حسین و پرکشش تھی اس لیے وہ بھی روزِ اول کی طرح اسے دیکھ کر اپنی جگہ جم گیا تھا اور اب بند کمرے میں وہ بہت خاموشی سے اس کے ذہن و دل پر حاوی ہونے کے ساتھ اس کا ہاتھ تھام کر ماضی میں لے آئی تھی۔

⌘......❁......⌘

"صالحہ میری بات تو سنو!" احسن ساحلِ سمندر پر اس کا راستہ روک کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا اور اس کی خوب صورت آنکھوں میں دیکھنے لگا۔ "میں کہہ تو رہا ہوں کہ ہم......"

"نہیں احسن۔" صالحہ اس کی بات کاٹ کر سختی سے بولی۔

"میں کورٹ میرج نہیں کر سکتی، تم اگر اپنے والدین کو راضی نہیں کر سکتے تو مجھے بھول جاؤ۔" اس نے اپنی آنکھوں میں آئی نمی کو چھپانے کے لیے احسن کی طرف سے رخ موڑا تو وہ اضطرابی کیفیت میں ادھر ادھر ٹہلنے لگا قدرے توقف کے بعد اس کے قریب آ کر اسے بازوؤں سے تھام کر بولا۔

"کیا تم میرے بغیر رہ سکتی ہو؟" وہ کچھ نہیں بولی، نظریں جھکائے ہونٹ کاٹتی رہی کیونکہ اس سے جدا ہو کر جینے کا تصور سوہانِ روح تھا۔

"تم شاید جی لو لیکن میں زندہ نہیں رہ سکوں گا، کیونکہ میں نے تم سے جنون کی حد سے گزر کر محبت کی ہے اور جب محبت تمام حدوں سے گزر جائے تو پھر اسے عشق کہا جاتا ہے اور عشق دل میں نہیں روح میں بستا ہے اس لیے اگر صنم روٹھ جائے تو پھر زمین پر نہیں اس کے اندر سکون ملتا ہے۔" احسن کی بات پر وہ لرز کر رہ گئی تھی، آنکھوں سے آنسو ایک تواتر سے بہہ نکلے تھے۔ جبکہ وہ اسے ایک نظر دیکھ کر تیز قدموں کے ساتھ وہاں سے چلا گیا تھا۔ وہ دھندلائی آنکھوں سے اسے دور جاتا دیکھ رہی تھی۔ محبت کب ذات و نسل اور حیثیت دیکھتی ہے، وہ بہت خاموشی سے فریقین کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے اور انہیں اپنا غلام بنا کر دنیا کی ستم ظریفی سہنے پر مجبور کر دیتی ہے لیکن کسی کسی پر یہ مہربان ہو کر اسے خوش قسمت بنا دیتی ہے مگر اس وقت محبت دو ایسے فریقین کے درمیان تھی جن کے گھروں میں دیوار کھڑی کرنے کے ساتھ دلوں میں بھی دیوار کھڑی کر گئی تھی۔

⌘......❁......⌘

سلمان حسن اور وقار حسن دو بھائی ہونے کے ساتھ بہترین دوست بھی تھے۔ دونوں کے درمیان اتنی محبت تھی کہ محلہ مثال دیتا تھا۔ والدین ان کے درمیان محبت و پیار کا رشتہ برقرار رکھنے کے لیے ایک ہی گھر سے دو لڑکیاں بیاہ کر لے آئے تھے لیکن شاید وہ بھول گئے تھے کہ دیورانی و جیٹھانی سوکن کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان دونوں بھائیوں کے درمیان دیوار کھڑی کرنے میں ان کی بیویوں نے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ سلمان حسن کے گھر شادی کے دو سال بعد احسن اور خرم کی پیدائش نے انہیں مسرور کر دیا تھا

تو دوسری طرف شادی کے دو سال گزرنے کے بعد بھی وقار حسن اولاد کی نعمت سے محروم تھے۔ لوگ ان کے وجود کو اب عجیب نظروں سے دیکھنے لگے تھے۔ بظاہر تو سب ٹھیک تھا لیکن نجانے کیوں خدا کی طرف سے دیر ہو رہی تھی۔ شاید خدا وقار حسن کے صبر کو آزما رہا تھا' ہزار دعاؤں منت کے بعد جا کر شادی کے چار سال بعد ان کے آنگن میں صالحہ نے جب آنکھ کھولی تو ان کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا تھا۔ اس وقت کون جانتا تھا کہ جو دیوار دونوں بھائیوں کے گھروں کے ساتھ دل میں پڑی ہے اس دیوار کو احسن وصالحہ کراس کر جائیں گے اگر دونوں کے ماں باپ کو ذرا سا بھی شک ہوتا تو شاید بچپن سے ہی انہیں ایک دوسرے سے نفرت کرنے پر مجبور کر دیتے مگر انہوں نے ایسا کچھ نہیں کیا تھا بلکہ ایک دوسرے کی ضد میں بچوں کو ایک ہی اسکول سے تعلیم دلوائی۔

بچپن میں تو ہر بچہ خود کو اہمیت دیتا ہے لیکن جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی دل بھی اپنی آنکھیں کھول کر دنیا دیکھنے لگتا ہے۔ ایسا ہی ان دونوں کے ساتھ بھی ہوا تھا ایک گھر میں دیوار ہونے کے باوجود وہ اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے گریزاں تھے کہ ہمارے ماں باپ کے درمیان پیدا کی گئی رنجش ہمیں کبھی ایک ہونے نہیں دے گی' بلکہ وہ اپنی تعلیم کے ساتھ ہر روز اپنی محبت کو پروان چڑھا رہے تھے' چھت سے ملنا شروع ہوا تو پھر یونیورسٹی سے کلاس آف کر کے ایک دوسرے سے ملتے تھے۔ احسن میڈیکل کا اسٹوڈنٹ تھا' جبکہ صالحہ بی ایس کر رہی تھی صالحہ سے ملنے کے لیے احسن اپنی یونیورسٹی سے منٹوں میں اس تک پہنچنے کی کوشش کرتا تھا' ان دونوں کی محبت اب اس ڈگر پر تھی جہاں ایک دوسرے کے بغیر جینا محال تھا مگر بیچ میں کھڑی دیوار کو وہ دیکھنے کے ساتھ سمجھ بھی رہے تھے اور اسے گرانے کی ناکام کوشش بھی کر رہے تھے کیونکہ وقت کے ساتھ وہ دیوار کمزور ہونے کے بجائے مضبوط ہوتی چلی گئی تھی۔

⌘......❁......⌘

پورے چاند کو وہ ہمیشہ چھت پر دیکھنے ضرور آیا کرتی تھی اور اپنے دل کی باتیں آنکھوں سے اس تک پہنچا کر خود کو پھر سکون سے سو جایا کرتی تھی۔ اس وقت بھی وہ چاند سے باتیں کرنے چھت پر آئی تھی اسے خبر ہی نہیں ہوئی کہ کب احسن بھی چھت پر آ کر اسے بغور دیکھنے لگا تھا۔

"آہم!" اس نے کھنکھار کر صالحہ کو اپنی طرف متوجہ کیا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"میں تمہیں ڈسٹرب کرنا نہیں چاہتا تھا لیکن مجھے اس چاند کا اپنے چاند کو دیکھنا اچھا نہیں لگا۔" وہ کچھ نہیں بولی نظریں جھکا گئی تو قدرے توقف کے بعد وہ پھر کہنے لگا۔

"صالحہ ہمارے گھروں کی آپس کی ناچاقی ہماری محبت کو کھا جائے گی' ایک ذرا سی بات پر دلوں میں ایک دوسرے کے لیے بیر پالنے والے ہماری خوشی کے لیے اپنی انا کو قربان نہیں کریں گے یہ نہیں ہے کہ میں نے کوشش نہیں کی ہزار منتیں کی ہیں یہاں تک کہ مرنے کی دھمکی بھی دی مگر بے سود۔" صالحہ نے بے چین ہو کر اسے دیکھا تھا۔ آنکھوں میں محبت کی یقین دہانی لیے وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ کتنے ہی پل یونہی ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے گزر گئے۔

"میں تمہاری محبت پر شاکی نہیں ہوں۔" وہ آنسوؤں کا گولا حلق سے نیچے اتارتے ہوئے بولی۔ "بلکہ میں تو دنیا کے چند خوش قسمت لوگوں میں خود کو شمار کرتی ہوں کہ مجھے بھی کسی شخص کی بے لوث محبت ملی مگر میں مجبور ہوں اگر دہلیز کے پار قدم رکھتی ہوں تو ماں باپ کی عزت مٹی میں مل جائے گی' تم بتاؤ میں کیا کروں؟" بات ایک ہی خاندان کی تھی اس لیے دونوں اپنی جگہ مجبور کھڑے تھے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں۔

احسن نے تو کئی بار اپنے ممی بابا سے بات کر کے انہیں قائل کرنے کی کوشش کی تھی مگر وہ سرے سے توجہ ہی نہیں دے رہے تھے۔ اس نے آخری حربہ یہ اختیار کیا کہ کھانا پینا ہی چھوڑ دیا تھا لیکن اس بات کا بھی ان پر کوئی اثر نہیں ہوا گو کہ پہلوٹھی کی اولاد ہونے کی وجہ سے وہ ممی بابا دونوں کا ہی

لاڈلا تھا مگر یہاں ان کی بھی انا اور خودسری آڑے آ رہی تھی۔ گو کہ اس نے اپنی محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنے چچا وقار حسن سے اپنے اور صالحہ کے رشتے کی بات کی اور یہاں معاملہ دوسرا تھا بھتیجے اور بیٹی کی محبت نے انہیں مجبور کر دیا تھا لیکن انہوں نے شرط یہی رکھی کہ بیٹی کا باپ ہونے کی وجہ سے بڑے بھائی کو خود چل کر آنا پڑے گا اور دونوں ہی سولی پر چڑھے تھے' اپنی اپنی جگہ بے بسی کی تصویر بے قسمت پر آنسو بہا رہے تھے۔ انسان ہزار تدبیر کرتا ہے لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتا ہے اور پھر مایوس ہو کر قسمت کو الزام دے کر چپ ہو جاتا ہے۔ اس سے کیوں نہیں مانگتا جس نے قسمت لکھی ہے اس نے ہی ازل سے انسان کو سوالی بنا کر اپنا محتاج کر دیا ہے پھر انسان اسے کیوں نہیں پکارتا دوسروں سے کیوں امید باندھ لیتا ہے' جیسے احسن اور صالحہ ہر موڑ پر انہیں مایوسی مل رہی تھی اور وہ اب قسمت کو الزام دے رہے تھے۔

⌘......❁......⌘

احسن جلدی جلدی اپنے ایک بیگ میں کچھ ضروری سامان رکھنے کے ساتھ چند کپڑے رکھ کر کمرے سے نکل کر لاؤنج میں آیا تو ممی کچن سے نکل کر اسے دیکھنے لگیں۔

"کہاں جا رہے ہو؟"

"یہاں سے بہت دور۔" وہ ایک لمحے کو رک کر انہیں دیکھتا ہوا بولا۔ "جب آپ لوگوں کو میری خوشی ہی عزیز نہیں تو پھر میں یہاں کیوں رہ رہا ہوں۔"

"فضول کی بکواس نہیں کرو۔" ممی دوٹوک انداز میں بولیں۔ "اب تم بچے نہیں رہے جو تمہاری فضول سی خواہشات کو ہم پورا کرتے پھریں گے بڑے ہو گئے ہو۔"

"بڑا ہو گیا ہوں جب ہی بات کر رہا ہوں کہ آپ ناحق میرے ساتھ غلط کر رہے ہیں' میں صالحہ کے علاوہ کسی اور سے شادی کا سوچ بھی نہیں سکتا اس لیے یہاں سے ہمیشہ کے لئے جا رہا ہوں۔"

"اگر تم یہ سوچ رہے ہو کہ میں ٹیپیکل ماؤں کی طرح تمہارے آگے ہاتھ جوڑ کر تمہیں روکوں گی تو یہ تمہاری بھول

ہے' میں ایسا کچھ بھی نہیں کروں گی' بس دروازے کی دہلیز پار کرتے ہی یہ سمجھ جانا کہ آج سے ہم تمہارے لیے اور تم ہمارے لیے مر چکے ہو۔" اس نے ایک نظر اپنی ماں کو دیکھا تھا اس کی ہر خواہش پوری کرنے کے ساتھ اسے زندگی کی ہر آسائش سے بھی نوازتی آئیں تھیں اور آج کس قدر کٹھور پن کا مظاہرہ کر رہی تھیں وہ اس کی طرف سے رخ موڑ کر کھڑی تھیں۔ جب ہی وہ نہیں جان سکا کہ وہ رو رہی ہیں یا اپنے غصہ کو ضبط کر رہی ہیں۔ وہ بہت خاموشی سے چلتا ہوا گھر سے نکل گیا تھا لیکن اگلے ہی لمحے وہ ٹھٹک کر رک گیا صالحہ دروازے پر اس کی منتظر کھڑی تھی آنکھوں میں آنسو اور چہرے پر کئی سوال لیے اسے روکنا چاہتی تھی مگر وہ فیصلہ کر چکا تھا۔

"میں جا رہا ہوں صالحہ یہاں سے بہت دور۔" اس کے الفاظ تیر بن کر صالحہ کے اندر اترے تھے۔ آنکھوں سے دو موتی ٹوٹ کر رخسار پر آئے تھے جنہیں فوراً ہی احسن نے اپنی انگلیوں کی پوروں میں جذب کر لیا تھا۔

"میں نے بارہا کوشش کی کہ اپنے گھر والوں کو راضی کرلوں مگر میں ہار گیا اور اب یہاں سے مایوس ہو کر جا رہا ہوں' ہمیشہ کے لیے۔ مجھے روکنا نہیں ورنہ میں جی نہیں پاؤں گا۔" وہ رکا نہیں تھا لمبے لمبے قدم اٹھاتا اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا' اور اسے لگا تھا کہ صرف وہی نہیں گیا بلکہ اس کے ساتھ اس کی روح اور دل بھی ساتھ چل دیئے تھے۔

احسن میڈیکل کے لاسٹ ایئر میں تھا' اس کے لیے اب زندگی کا مقصد صرف ڈاکٹر بن کر لوگوں کی خدمت کرنے کے ساتھ پیسہ کمانا بھی تھا کیونکہ ممی بابا کا صالحہ کو نظر انداز کرنا صرف وقار حسن کی غریبی کی بناء پر تھا ان کا اسٹیٹس اپنے بھائی کے برابر نہیں تھا اور نہ ہی وہ بڑے بھائی کی طرح زیادہ قابل تھے۔ اس لیے انہوں نے اپنے ہی جیسے لوگوں میں صالحہ کو بیاہ دیا تھا اور یہ خبر احسن پر کسی بجلی کی طرح گری تھی۔ میڈیکل کمپلیٹ کرتے ہی وہ ملک سے باہر چلا گیا تھا' کہاں یہ کسی نے جاننے کی کوشش نہیں کی تھی' یہاں اس کے پیچھے پے درپے کتنے حادثے ہوئے' چھوٹا بھائی خرم خون کے الزام میں جیل جا پہنچا' بابا ایک کار ایکسیڈنٹ میں دنیا فانی سے رخصت ہو گئے تو ممی اس بہن کے در پر آ بیٹھیں جس سے ایک عرصہ دراز تک ناراض رہی تھیں۔ وہ ان سب باتوں سے بے خبر نہیں تھا لیکن وہ ہر ایک بات سے بے خبر ہو کر جینا چاہتا تھا لیکن زندگی بہت مشکل ہے یہ اس پر ادراک ہو چکا تھا۔

⌘......۞......⌘

ماضی بہت تلخ اور خوب صورت یادوں کے ساتھ پروان چڑھتا ہے مگر دونوں ہی یادیں عذاب دیتی ہیں کیونکہ انسان بھی ہمیشہ ساتھ نہیں رہتے بچھڑ جاتے ہیں اور پھر ان سے جڑی ہر بات ماضی کا حصہ بن کر رہ جاتی ہے۔ احسن نے بھی بہت کوشش کی کہ وہ یادوں سے نکل کر نارمل زندگی گزارے مگر جب بھی کوشش کرتا ناکام ہو جاتا شاید وہ اندر سے بہت کمزور انسان تھا یا پھر بچپن کی محبت نے ہی اسے اب تک اپنے حصار میں لے رکھا تھا کہ وہ کسی اور کا ہو ہی نہیں سکا۔

ایسا بھی نہیں تھا کہ کبھی کسی اور لڑکی نے اس کی طرف دوستی کا ہاتھ نہیں بڑھایا تھا اس جیسا مردانہ وجاہت کا حامل شخص تو ہر لڑکی کا خواب ہوتا ہے لیکن اس نے جو اپنے گرد ماضی کی دیوار کھینچ رکھی تھی اسے کوئی بھی لڑکی گرانے میں کامیاب نہیں ہوئی تھی۔ اس نے ایک نظر گھڑی کو دیکھا اور پھر اپنی کچھ ضروری چیزیں اٹھا کر راؤنڈ کی غرض سے روم سے نکلا تھا کہ اچانک صالحہ بے قراری سے اس کی طرف آئی تھی۔

"میری بیٹی' پلیز میری بیٹی کو بچالو۔" اس کے دل کی دھڑکن جو صالحہ کے قریب آنے پر عجیب سے انداز میں دھڑکی تھی اب ایک دم تھم گئی۔

"کہاں ہے آپ کی بیٹی؟" اس نے پوچھا تو صالحہ تیزی سے ایمرجنسی کی طرف بڑھ گئی۔ وہ بھی اس کے پیچھے چلنے لگا۔ اسے یوں لگا وقت نے کروٹ لی ہو اور ماہ و سال لوٹ آئے ہوں' وہ جس کا ہاتھ تھام کر محبت کی راہ پر چلنا

سیدہ فرزین حبیب

السلام علیکم! آنچل کے دوستوں! کیسے ہیں آپ سب؟ میں نے بھی اپنی خاموشی کو زبان دی اور آپ کی محفل میں شریک ہوگئی۔ نام سے تو واقف ہو گئے کچھ دوست اور دل کے قریب لوگ پنکی بھی کہتے ہیں۔ اکیس اپریل کی پُر بہار اور روشن صبح اس دنیا میں جلوہ افروز ہوئی لہٰذا ہمارا اسٹار ٹورس ہے' خامیاں بے شمار ہیں مثلاً بہت زیادہ جذباتی' غلط بات برداشت نہ کرنا' اپنی امی کو تنگ کرنا وغیرہ وغیرہ مگر خوبیاں صرف گنتی کی ہیں بقول دوستوں کے ملنسار' معاون اور پُر خلوص ہوں' جس سے دل مل جائے اس سے ہر بات شیئر کر لیتی ہوں اور جو ہم مزاج نہ ہو اس سے زیادہ بے تکلفی پسند نہیں۔ تعلیمی قابلیت صرف' ایم اے' ایم ایس سی اور بی ایڈ میں پوزیشن ہولڈر ہوں اور پچھلے تین سال سے گورنمنٹ سیکٹر میں سائنس کے شعبہ تدریس سے وابستہ ہوں۔ تمام طالبات کی ہر دلعزیز ٹیچر ہوں (آہم) فارغ اوقات میں اچھی سی شاعری کی کتاب یا آنچل پڑھنا پسند ہے۔ پسندیدہ شاعر وصی شاہ' احمد فراز' آر جے سید محفوظ احسن اور پروین شاکر ہیں۔ فلموں اور انڈین ڈراموں سے کوئی لگاؤ نہیں' پی ٹی وی اور پاکستانی ڈرامے شوق سے دیکھتی ہوں۔ کھانے میں بریانی' اچار گوشت' دال چاول اور آئس کریم بہت رغبت سے کھاتی ہوں۔ پنک اور بلیک فیورٹ کلرز ہیں' ہر وہ لباس جو مشرقی روایت کے ساتھ حیا کا عنصر بھی لیے ہو' پہننا اچھا لگتا ہے۔ مذہب سے بہت لگاؤ ہے' پانچ وقت کی نماز پابندی سے پڑھتی ہوں' اس کے علاوہ اکثر نفلی روزے اور نماز دلی سکون کا باعث بنتی ہے۔ دوست کوئی خاص نہیں' میری بہن فرحانہ اور اللہ پاک ہی بہترین دوست ہے۔ میرے پاپا کی دعائیں اور امی کی قربانیاں میری کامیابیوں کا اصل خزانہ ہیں اللہ پاک ان کا سایہ ہمیشہ ہم پر سلامت رکھے اور ہم چار بہنیں اور ایک چھوٹا مگر نٹ کھٹ سے شرارتی بھائی فرحان ہے جو ہم سب کی جان اور مان ہے۔ اپنے بھانجا اور بھانجی (شاذل اور عدن) کو بہت یاد کرتی ہوں جو لاہور میں رہتے ہیں۔ میری امی کی محبت میرے جسم میں خون بن کر دوڑتی ہے' ان کے بغیر میری ذات بالکل ادھوری ہے۔ لکھنے لکھانے کا شوق بھی' ان کی ہمت اور آنچل کی مطالعے سے پیدا ہوا۔ فیورٹ رائٹر نازیہ کنول نازی' عمیرہ احمد' اشفاق احمد' ام مریم' سمیرا شریف طور' ثمرہ بخاری' بانو قدسیہ ہیں۔ آخر میں اس بات کے ساتھ اجازت "نفرت کو محبت سے بدلنے کی کوشش کروا گر نا کام بھی ہو گئے تو سرخرو ہو گے" لہٰذا خوش رہیں اور خوشیاں بانٹیں' بتائیے گا ضرور میرا تعارف کیسا لگا۔

چاہتا تھا' وہ اس سے چند قدم کے فاصلے پر ہی تو تھی۔ مگر اسے تھامنے سے وہ محروم تھا اور اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ وہ ابھی تک اس کی آنکھوں میں اپنے لیے شناسائی کی جھلک نہیں دیکھ سکا تھا۔

وہ چلتی ہوئی اس بیڈ کے پاس آ کر رک گئی جہاں کچھ دیر پہلے احسن ایک بچی کو ٹریٹمنٹ دے کر گیا تھا۔

"یہ تمہاری بچی ہے؟" اس نے بے یقینی سے پوچھا اور دل کی شدت سے خواہش تھی کہ وہ اس بات کو جھٹلا دے مگر وہ بہتے آنسوؤں کے درمیان بولی۔

"ہاں اور میں ہی اس کی ماں ہوں۔" وہ بچی کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر چومنے لگی۔ "تھوگڑیا' دیکھو ہما کتنی پریشان ہیں۔"

"صالحہ یہ ٹھیک ہے۔" وہ اسے تھامتا ہوا بولا تو دروازے میں اچانک ایک شخص آ کر کھڑا ہوا تھا اور صالحہ کو احسن کے ساتھ دیکھ کر فوراً اس کی طرف بڑھا تھا۔

"کیا ہوا ڈاکٹر سب ٹھیک تو ہے؟"

"آپ......" اس کے پوچھنے پر احسن نے اتنا ہی کہا تو وہ فوراً بولا۔

"میں صالحہ کا ہسبینڈ علی مراد اور اس بچی کا باپ ہوں۔"

"اوہ......" علی مراد کی بات سننے کے بعد احسن کے منہ سے صرف اتنا ہی نکل سکا۔

"اب کیسی طبیعت ہے میری بچی کی' کوئی خطرے کی

بات تو نہیں؟"
"آپ میرے روم میں آئیں۔" احسن کہہ کر تیزی سے روم سے نکل گیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وقت اس کے ساتھ کیسا مذاق کررہا ہے۔
"جی ڈاکٹر اب بتائیں۔ کوئی مسئلے والی بات تو نہیں؟" علی مراد اس کے پیچھے روم میں داخل ہوتے ہی پوچھنے لگا تو احسن پہلے خود اپنی سیٹ پر بیٹھا پھر اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے ایک پیڈ پر دوائیں لکھنے لگا۔
"نہیں' پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے آپ یہ دوائیں لے آئیں' کچھ گھنٹے بعد بچی کو ہوش آجائے گا۔" علی مراد اس کے ہاتھ سے پرچہ لے کر روم سے نکلنے لگا تو دروازے میں کھڑی صالحہ کو دیکھ کر ایک لمحے کو رکا تھا پھر فوراً ہی آگے بڑھ گیا تھا۔ وہ کچھ سوچ کر کمرے میں چلی آئی' گو کہ اس کے چھوڑ جانے کے بعد وہ بہت اذیت سے گزری تھی؛ محبت دکھ اور پھر تائی جی کے الزامات نے اس کی روح کو چھلنی کردیا تھا مگر وہ چپ رہی اور سب برداشت کرتی چلی گئی تھی۔ شاید وہ انتظار میں تھی کہ کبھی تو احسن سے سامنا ہوگا اور وہ اس سے جواب مانگے گی یا اپنے اندر کی بھڑاس نکالے گی اور اب اگر وقت اس کو سامنے لے کر بھی آیا تھا تو وہ اس کی بچی کا مسیحا تھا۔
"بیٹھو صالحہ کھڑی کیوں ہو؟" اس نے کرسی کی طرف اشارہ کیا تو وہ اسے ایک نظر دیکھ کر رہ گئی؛ خاموشی کی دیوار دونوں کے درمیان حائل ہوگئی۔
"کیسی ہو؟" کافی دیر بعد احسن نے خاموشی کو پھر سے اپنی آواز سے توڑا۔
"ٹھیک ہوں۔" اس کے منہ سے آپ ہی آپ گہری سانس خارج ہوئی۔
"کہاں ٹھیک ہو؟" وہ فوراً بولا۔ "ذرا دیکھو خود کو کیا حال بنا رکھا ہے ایسی تو نہیں تھیں تم۔"
"پھر کیسی تھی؟"
"کیوں کیا تمہیں خود یاد نہیں۔ چچا وقار بے شک کم آمدنی کی وجہ سے سفید پوش زندگی گزار رہے تھے لیکن انہوں نے تمہیں بہت کچھ دے رکھا تھا اور اب تمہارا حلیہ تمہاری غربت کا بھرم نہیں رکھ رہا۔" احسن کا مقصد اسے آئینہ دکھانا نہیں تھا لیکن پھر بھی وہ نظریں چرا گئی۔
"کیا علی مراد تمہیں خوش نہیں رکھتا؟"
"ایسی کوئی بات نہیں۔" وہ فوراً بولی۔
"پھر کیا بات ہے؟"
"کچھ بھی نہیں۔" وہ کہہ کر جانے لگی تو اس نے پکار لیا۔
"صالحہ۔" وہ رک گئی لیکن مڑ کر دیکھنے کی شاید اس میں ہمت نہیں تھی۔
"بیٹھ جاؤ۔" وہ اپنی جگہ کھڑی رہی تو احسن اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب آیا تھا۔
"شاید تم بھول رہی ہو کہ اب بھی ہمارے درمیان ایک رشتہ قائم ہے۔"
"اسی رشتے کی پاس داری کررہی ہوں ورنہ......" وہ اپنے اندر کا سارا زہر اپنے لہجے میں بھر کر بولی۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھنے لگا۔ اس پر بیتے ماہ وسال نے اسے کس قدر تلخ کردیا تھا۔ احسن کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اس سے معافی مانگے یا اپنے دکھ کے در اس پر کھولے۔
"تم تو چلے گئے تھے احسن لیکن تمہارے پیچھے میں رہ گئی تھی تائی جی کے تمام طنز و تیر کے نشتر میری ذات میں پیوست ہوتے چلے گئے تھے۔ ایسے میں علی مراد کا رشتہ کسی فرشتے کی آمد سے کم نہیں تھا۔" وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اپنے دکھوں کو زباں دے گئی اور احسن نے اسے ٹوکا نہیں کیونکہ وہ جانتا تھا کہ جب گرد کے بادل چھٹیں گے تو اسے سمجھانے میں آسانی ہوگی۔
"علی مراد کی محبت مثالی ہے مگر عورت ایک بار ہی محبت کرتی ہے اور پھر اسے ہی اپنی زندگی سمجھ لیتی ہے جبکہ ایسا نہیں ہے۔" اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔
"تم نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔"
"ہاں یہی مجھ سے غلطی ہوئی اور اسی غلطی کی سزا بھگت رہا ہوں جواب تک تنہا ہوں۔" اس نے نظر اٹھا کر احسن کو

دیکھا نجانے کیا تھا ان نظروں میں جو احسن کو بکھیر گیا تھا۔
"پلیز صالحہ مجھ سے تنہائی نہیں سہی جاتی میں مر جاؤں گا۔" وہ اسے بازوؤں سے تھام کر جھنجوڑنے لگا۔ "اپنا لو مجھے اپنے احسن کو نئی زندگی دے دو۔"
"پاگل ہوگئے ہو احسن۔" وہ اسے دھکا دے کر پیچھے ہٹی تھی۔
"ہاں تمہاری محبت میں پاگل تھا پاگل ہوں۔"
"کس محبت کی بات کرتے ہو تم۔" وہ غصہ و تنفر سے بولی۔
"وہ محبت جس میں بہہ کر تم مجھے دروازے میں ہی کھڑا چھوڑ گئے یا پھر وہ کھوکھلی محبت جس میں تم اپنے ماں باپ کو راضی ہی نہیں کرسکے۔"
"لیکن اب تو ایسا کچھ نہیں ہے۔ تمہاری محبت میں واپس بھی تو آگیا ہوں۔"
"بکواس بند کرو اپنی۔" وہ غصہ سے تقریباً چیخی تھی۔
"تم ایسا سوچ بھی کیسے سکتے ہو۔ تمہیں شرم نہیں آئی۔"
"شرم کیسی صالحہ۔" وہ فوراً بولا۔ "محبت میں تو سب جائز ہے۔"
"بس۔" وہ ہاتھ اٹھا کر اسے ٹوکتے ہوئے بولی۔ "اب اس سے آگے کچھ مت کہنا۔ میں کسی کی بیوی ہوں اس کی عزت ہوں۔ اور ایک ماں ہوں۔" احسن اس کی بات سے جیسے ہوش میں آیا تھا۔
"تمہاری صالحہ تو اسی دن مرگئی تھی جس دن تم اس کو چھوڑ کر گئے تھے۔ تمہارے سامنے علی مراد کی بیوی ہے اور تم......" وہ قصداً بات ادھوری چھوڑ کر نخوت سے سر جھٹک گئی۔ "مجھے بہت افسوس ہوا تمہاری سوچ پر تمہاری باتوں پر۔"
احسن خاموش کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ اس کے اندر دکھ کروٹیں لے رہا تھا وہ شرمندگی کی انتہا پر کھڑا صالحہ سے آنکھیں ملانے کے قابل بھی نہیں رہا تھا۔ اس کے لیے جیسے معافی کے الفاظ بھی بے معنی رہ گئے تھے۔ وہ دروازے کی طرف مڑا اور شکستہ قدموں سے دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔
"تم نے مایوس کیا مجھے لیکن میں نے پھر بھی اپنی بیٹی کے مسیحا ہونے پر تمہیں معاف کیا۔" اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور وہ کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح روم سے نکل گیا۔

ویلن ٹائنز ڈے کیا ہے؟
جب بیٹی چوکھٹ پار کرے
اور عزت کا بیوپار کرے
جب باپ کی عزت کھو جائے
جب بھائی کو طعنے ملتے ہوں
جب ماؤں کے دل جلتے ہوں
جب بہنوں کی نظریں جھک جائیں
جب سانسیں لبوں پر رک جائیں
جب شرم و حیا کا آمیزہ
جب اک کنواری دوشیزہ
جب بے شرمی کو اپنا لے
جب خود کو ذلت میں ڈالے
اور غیر کے سینے لگ جائے
پھر اپنا آپ گنوائے
تو افسوس......
صد افسوس......
ایسی حالت کو لوگو!
تم ویلن ٹائنز ڈے کہتے ہو؟
جاذبہ ضیافت عباسی...... دیول' مری

ڈیکوریشن پیس

حوا قریشی

آج پھر روئی میں بہت
سر رکھ کر ہَوا کے سینے پہ
تاروں سے کہا "تم چھپ ہو جاؤ"
بادل سے کہا "تم رک جاؤ"
فکر ہے کب
کل کی کسے
موت سے شغل اک اپنایا ہے
"بارش" کی طلب جب لوگ کریں
بس جی بھر کر ہم رویا کریں
کہ ہو بات کہیں
بادل کی، بارش کی یا ٹوٹے تاروں کی
برستے قطروں کی صورت
"دکھ" آیا ہے
خود کو میں نے
ان سب سے مشابہ پایا ہے

نسیم سحر کا آج عجب ہی رنگ تھا۔ دس بجے کے بعد بھی موسم میں نرم سی خنکی اور لطافت کے رنگ بسے ہوئے تھے۔ ارفع، ردا اور عائشہ اپنے کالج کے اسمبلی گراؤنڈ میں سبزہ زاروں میں گھسی گھاس پر بیٹھیں کیف و سرور کی سی کیفیت میں مسرت کا اظہار کر رہی تھیں۔ ارفع سکھ چین کے تنے کے ساتھ ٹیک لگائے جبکہ ردا، ارفع کے کندھے پر کہنی ٹکائے ادینہ کی منتظر تھی جو کبھی بھی اپنا کوئی پیریڈ کسی بھی صورت بنک نہ کرتی تھی۔ عائشہ نوٹس کی فائل میں سر دیے مختلف مضامین کے ہینڈ آؤٹس کا شمار کر رہی تھیں کیونکہ اپنی قریبی کزن کی شادی کے سبب وہ کئی دن غیر حاضر رہی تھی۔

"ارے عائشہ سنا ہے کہ تمہاری اگلے ماہ شادی ہو رہی ہے۔ یار، ابھی تو ننھی کلی صرف سترہ سال کی ہو تم اور......؟" مزید کچھ کہتے کہتے ردا رک گئی۔ عائشہ کے دائیں رخسار پر موجود سیاہ تل مسکرایا تھا شاید کسی ہستی کا سراپا بند آنکھوں کے عقب میں لہرایا تھا۔

"محترمہ تم نے منگنی کروالی تو اب میرا شادی کا حق بنتا ہے ناں کہ نہیں۔" عائشہ نے بھی اسے آڑے ہاتھوں لیا جو اس کے چہرے پر نمودار ہوتے رنگوں کو دیکھ کر سوچ کے سفر پر کہیں دور جا نکلی تھی۔ عائشہ نے اب اپنے دونوں ہاتھ اپنی نازک سی کمر پر جمائے تھے۔ ارفع یک لخت پر جوش ہوئی تھی۔

"وہ دیکھیے جناب احباب خاص ہماری شوخ تتلی جھلی ہاری ہماری جانب ہی آ رہی ہیں۔" سب اپنی چیزیں سمیٹ کر ادینہ کی جانب ہی چل دی تھیں جو کمپیوٹر سیکشن کے پاس سے سست روی سے چلی آ رہی تھی۔

......❁❁❁......

وقت کے پَر نہیں ہوتے مگر پھر بھی وہ تیز رفتاری سے گزرتا چلا جاتا ہے اپنی عمر کے دوست اپنے اپنے دیس سدھار گئے سب کی ہی شادیاں ہو گئیں کوئی دیار غیر کی مسافر بنی تو کوئی نونہالوں اور نئی ذمہ داریوں کے حصار میں کھو گئی اور میں "ادینہ ابدال" میں نے کب بیس کا ہندسہ عبور کر کے تیس کے ہندسے تک رسائی حاصل کی پتا ہی نہ چل سکا۔ کیا عمر کا یہ بے برگ و بار دور ہے جس کی شاخیں لاوارث اور بیتے شب و روز پر مبنی تجربات سے گزرتے ہیں۔ تیرگی میں ستاروں کے ہجوم میں اپنی جگہ بناتے چاند کی آغوش میں کسی مجرم کی طرح سر جھکائے تلخ تجربات کے جام کو خشک پپڑی زدہ لب سلب کر لیتے ہیں۔ مری خاموش نگاہیں، مری ٹوٹتی آواز یاس و ناامیدی کے

پیکر میں مجسم کیوں ہیں؟ کبھی کبھی تو مجھے لگتا ہے کہ میری تنہائی مری زیست کی شکستہ کرچیوں کو بکھرتے دیکھ کر چاند بھی اپنی روشنی کئی گنا کر دیتا ہے فلک شگاف قہقہے لگاتا ہے۔ قفس میں پابند طائر مجھ سے سبق حاصل کرتے ہیں اور میں...... میں صرف خود سے یہ کہتی ہوں، کاش میں تیس برس کی نہ ہوتی۔

"ایم اے پاس ہے عینک لگاتی ہے رنگ کوئی خاص گورا نہیں لیکن کالا بھی نہیں کہہ سکتے گھریلو امور میں طاق ہے سلائی کڑھائی کی بھی شد بد رکھتی ہے لیکن عمر تیس برس ہے۔" رفعت بیگم نے اپنے مخصوص انداز میں دست ہلاتے جھلاتے کچھ توقف کے بعد آخری لائن کی ادائیگی کی تھی۔

"رہنے دیجیے، میرا عمر تو اچھا خاصا مہذب اور خوبرو ہے رنگ بھی چاند سا ہے اور عمر بھی پچیس سال ہے رفعت بوا ہمیں ایسے رشتے نہیں چاہیے لڑکی خوب صورت اور تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے آباؤ اجداد میں بھی قابل قدر پس منظر رکھتی ہو اور چار آنکھوں یعنی گلاسز جیسی کوئی خاصیت نہ ہو اس میں، میری بات بخوبی سمجھ گئی ہوں گی آپ، آئندہ خیال رکھیے گا رشتہ دکھاتے اور لاتے ہوئے۔" عمارہ بیگم نے نخوت سے گردن ہلائی اور اپنی دونوں کلائیاں ڈھیلی چھوڑ کر کرسی کی پشت پر ٹکا دی تھیں۔

عمارہ بیگم ان لوگوں میں سے تھیں جو دوسروں کے خیالات کی پروا کیے بنا بس اپنی ترجیحات کو اولیت دینا جانتے ہیں سو انہوں نے لڑکی والوں کے سامنے ہی اپنا مدعا لفظ بہ لفظ پیش کر دیا تھا۔ پھر ڈرائیور کو اشارہ کرتیں بڑے طمطراق سے 5 مرلے کے پلاٹ کے کشادہ صحن کو عبور کرتیں اپنی کار تک پہنچی تھیں جو دروازے سے کچھ فاصلے پر کھڑی تھی۔

ادینہ کی آنکھیں شدت گریہ زاری کے باعث سرخ ہو رہی تھیں، اس نے چشمہ ایک طرف رکھ کر اپنے آنسوؤں کو تکیے میں جذب ہونے دیا تھا۔

ہے محبت کا سلسلہ کچھ اور
درد کچھ اور ہے دوا کچھ اور
غم کا صحرا عجیب صحرا ہے
جتنا کاٹا یہ بڑھ گیا کچھ اور
کیسی قسمت ہے آنکھ والوں کی
ہر تماشے میں دیکھنا کچھ اور

شب گہری ہوئی تو کانوں میں تحقیر کرتیں سرگوشیاں فضا کی خاموشی سے فائدہ اٹھاتیں رقص کرنے لگیں، مرے مرے ہاتھوں سے کھڑکی کے پٹ کو وا کرتی ادینہ نے وسیع آسمان کو دیکھ کر شکوہ کیا۔

"میرا قصور کیا ہے...... گلاسز لگانا...... مڈل کلاس طبقے سے تعلق رکھنا، پڑھا لکھا ہونا، قبول صورت ہونا، میں کون ہوں، میری ہستی اتنی ارزاں کیوں ہے؟ چالیس سال کا مرد جو شادی شدہ ہے جس کی بیوی اور

ایک جوان بچہ فوت ہو چکا ہے میرے لیے منتخب کیا جائے گا، نا...... نا...... نہیں...... نہیں، نہیں...... ای......ای۔" احساس وادراک کے ان حقائق کو سوچ کر موت سے خوف زدہ ہوا تھا اور "تمیں" کے ہندسے نے دیوانہ وار خوشی اور مسرت سے اپنی آنکھیں کھول دی تھیں۔

ادینہ ابدال نے ایک متوسط گھرانے میں آنکھ کھولی تھی جہاں اس نے بچپن سے لے کر جوانی تک اپنے ماں باپ کو محنت کا دست نگر دیکھا تھا۔ والدہ پڑھی لکھی نہیں تھیں لیکن اسے جانفشانی سے پڑھایا تھا۔ باپ میٹرک پاس کلرک اور بیسٹ ٹائپسٹ تھا لیکن حادثاتی معذوری کی بنا پر اسے جلد ریٹائرڈ کردیا گیا تو اب گھر ایک شاپ جو کہ اسٹیشنری سے منسلک مواد پر مبنی تھی، اس سے چل رہا تھا باپ وہیل چیئر پر بیٹھ کر بھی اپنے کنبے کے لیے ہر گزرتے دن روزگار کی خاطر اتنے لفظ ٹائپ کرتا کہ جن کے نہ تو وہ اب مفہوم سے آگاہ تھا نہ تعداد سے، بس خدا نے سبیل بنا رکھی تھی تو گھر کی گاڑی چل رہی تھی ادینہ ذہین تھی مگر کالج اور یونیورسٹی میں اچھی کارکردگی کے باوجود بھی اسے نوکری نہ ملی تھی نہ ہی کوئی گورنمنٹ جاب وہ حاصل کر پائی تھی کہ سفارش جیسے وائرس نے معاشرے کو بری طرح اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا، بڑھاپے کی دہلیز کو چھوتے والدین کو اب اس کی شادی کی فکر تھی لیکن اکثر آنے والے، اس کا اوپر سے نیچے تک معائنہ کرتے کوئی گلاسز کو عیب گرواتا حتی کہ "اندھے" کا لقب دینے سے بھی گریز نہ کیا جاتا۔ تف ہے لوگوں کی لاعلمی اور خود غرضی پر کسی کو صورت پسند نہ آتی کسی کو جاب کرنے تو کسی کو ماڈرن نہ ہونے پر اعتراض ہوتا، کسی کو گھر دیکھتے ہی جہیز کی طلب پوری نہ ہوتی دکھائی دیتی جو آتا نکتہ چینی کرتا، عیب گنوا کر چلا جاتا، کسی کو باکردار، نیک، دین دار عورت کی طلب نہ تھی سب کے سب مادیت پرستی کے زعم میں ڈوبے اپنی اپنی انا کا بت کھڑا کیے ہوئے تھے۔

میں تھی، چھوٹی سی گڑیا کانچ کی
اور طلب تھی اس کی برف کی شہزادی

"لیجیے یہ بھی رشتہ گیا ہاتھ سے ایک تو ادینہ بھی راضی نہ ہو رہی تھی، تو دوسری طرف وہ آصف آفریدی بھی باہر چلا گیا کہ اب ہماری بیٹی ان کی ڈیمانڈ پر پوری نہیں اترتی۔" عائشہ نے حسرت بھری نگاہوں سے میاں کی جانب دیکھا تھا۔

"سمجھا نہیں، بھلی مانس۔" ابدال نے اچنبھے سے بیوی کی سمت دیکھا، ساتھ ہی ادینہ سے چائے کی فرمائش بھی کر ڈالی وہ بھی فوراً اٹھ کر چل دیں کہ چہرہ اب تو ہر وقت حسرت وملال کی تصویر بنا دکھائی دینے لگا تھا۔

"ارے میرے بھولے میاں وہاں کوئی گرین کارڈ والی لڑکی فدا ہو گئی تھی اس آصف پر تو انہوں نے جھٹ پٹ بات پکی کرنے میں دیر نہ لگائی۔" عائشہ سمجھداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولی تھیں۔

"اس میں بھی خدا کی مصلحت ہوگی۔" ابدال صاحب نے بات پوری کرکے پھر سے ٹائپ کرنا شروع کردیا تھا۔

ایک دفعہ پھر شب خاموشی سے گزر رہی تھی اور ادینہ پھر سے روتے روتے جاگ رہی تھی آہ، بے بسی......آہ...... مجبوریاں...... کیا یہ جہنم کی آگ ان لوگوں کو کچھ نہیں کہے گی جو دوسروں کا دل دکھاتے ہیں اور خصوصاً میرے جیسی لڑکیوں کا کیا ہمارے سینے میں دل نہیں ہوتا، لوگ سنگ کیوں سمجھ لیتے ہیں اسے؟ غربت میرا پیشہ بن گیا ہے تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟ مرے پاس تعلیم ہے، ہنر ہے خدا کی دی تمام نعمتیں ہیں پھر بھی......" ایک ٹھنڈی آہ بھری گئی تھی دو آنسوؤں نے پلکوں سے لبوں تک کا سفر طے کیا تھا۔ پھر بھی مری ذات ارزاں ہے لوگوں کے لیے کوئی اہمیت نہیں، اہمیت ہے تو بس روپے پیسے کی لوگ کیسا تماشا کھیل رہے ہیں میرے ساتھ کہ جذبہ شوق مری

ذات کے محور سے جھاگ کی صورت بہہ گیا ہے۔ مری آنکھیں آبشار سے گرے پانیوں کی مانند چھلکنے کو بے تاب رہتی ہیں برسات نے مرے جسم وجاں کے اندر تمازت بھر دی ہے پھر چنگاریاں فضا میں اڑتی ہیں اور پھر......وہ لمحہ بھر کو رکی تھی اور پھر...... سوچ کا سلسلہ پھر وہیں سے جوڑا تھا۔ پھر غضبناک فلک اپنے بازو وا کرتا ہے گویا کھینچ کر ذنگار کردینے کا عزم رکھتا ہو۔

"اٹھ جا پتر دس بج گئے ہیں طبیعت ٹھیک ہے نا؟" عائشہ نے ادینہ کے بال پیار سے سہلائے اور بازو سے پکڑ کر اٹھانے کی کوشش کی تھی شب بھر گریہ زاری کی بنا پر آنکھیں سرخ انگارہ ہوئی تھیں۔

"اماں بس اب میں نے شادی نہیں کرنی، آپ رشتے والی کو منع کردو بس۔" لہجے میں عجیب ہٹیلا پن تھا۔

"پاگل ہوگئی ہے کیا، رب سوہنے کی ذات سے مایوس نہیں ہوتے، نمانی کڑی نہ ہو تو چل، شاباش منہ ہاتھ دھو کر ناشتہ کرلے مولا خیر کرے گا، اس کے گھر دیر ہے اندھیر نہیں ہے پتر۔" عائشہ بیگم نے قدرے مشفقانہ انداز سے ادینہ کی تشفی کرائی۔ وہ واش روم کی طرف بڑھی۔ ہلکا پھلکا ناشتہ لینے کے بعد ادینہ ابھی گرما گرم چائے کی چسکیاں لے رہی تھی کہ ڈور بیل بجنا شروع ہوگئی جانے کون اس قدر عجلت میں تھا دروازے کی بیل پر ہاتھ رکھ کر ہٹانا ہی بھول گیا تھا والدہ تھکن کے باعث کمرے میں سو چکی تھیں اور والد صاحب کسی کام سے باہر گئے تھے سو چار و ناچار خود ہی اٹھنا پڑا۔

"ارفع تم ارفع ہمدانی ہی ہو ناں، کیسی ہو، یہاں کیسے پہنچی۔" ادینہ ہواس باختہ سی بولے ہی جارہی تھی۔

"کیا آپ اندر آنے کی اجازت دیں گی کہ بندہ سکون کا سانس لے سکے اور پھر آپ کے پے در پے سوالات کے تسلی سے جواب دیں۔" ارفع کا جواب سنتے ہی ادینہ یک دم خجل ہوگئی۔ شرمندگی سے اس نے پیشانی کو دھیرے سے مسلا تھا۔

اسماء خان

السلام علیکم! میرا نام اسماء خان ہے 14 دسمبر کو دنیا میں جلوہ افروز ہوئی ہم سات بہن بھائی ہیں۔ پانچ بہنیں دو بھائی میرا نمبر پہلا ہے مطالعے کی بچپن سے عادت ہے جواب جنون بن گئی ہے۔ آنچل بہت پسند ہے فیورٹ رنگ سیاہ ہے۔ کھانے میں بیف بریانی بہت پسند ہے میٹھا میں نہیں کھاتی۔ خوبی کوئی نہیں خامیاں بہت ہیں غلط بات برداشت نہیں ہوتی نہ جھوٹ اس لیے لڑاکا ہوں۔ شوق کتابیں پڑھنا ہے اور دوسرا ایک اسکول کھولنا اور اپنے لیے ایک گھر بنانا ہے۔ دعا کیجیے گا میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاؤں آمین۔ مجھے صرف اپنی ماں سے بہت محبت ہے دوسرے نمبر والی بہن اور سب سے چھوٹے بھائی محمد احمد سے بھی پیار ہے رشتوں نے بہت دکھ دیا ہے ہر بار اعتبار مان توڑا ہے بہت اذیت اٹھائی ہے میں نے۔ میری سب سے درخواست ہے خدارا کسی کا اعتبار مت توڑیں دھوکہ مت دیں جھوٹ نہ بولیں جب اعتبار ٹوٹتا ہے تو کچھ نہیں بچتا۔ بہت تکلیف ہوتی ہے اللہ پاک آنچل کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا کرے آمین۔

"ہاں...... ہاں اندر آؤ۔" فرط ومسرت سے بولتی ادینہ اسے اپنے کمرے کی طرف لے گئی۔ کافی پرانی یادیں تازہ کرنے کے بعد اس نے اماں سے ارفع کی ملاقات کرائی۔

عارف ہمدانی، ارفع کے بھائی جن کا دبئی میں کاروں کا اپنا شوروم تھا اسے چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ باوجود اصرار کے بھی نہیں رکے تھے۔ دونوں بہن بھائی کچھ ضروری کام نپٹانے کی غرض سے ملتان آئے تھے۔ والدین کو گزرے تقریباً 5 سال ہوگئے تھے ارفع نے ادینہ کی دوست کے توسط سے اس کا ایڈریس لیا تھا چونکہ ملتان میں ان کا آنا جانا بہت کم ہوتا تھا۔ کوئی عزیز رشتے دار بھی یہاں نہیں تھا۔ سو ارفع کو رہائش کا مسئلہ درکار تھا ہوٹلز میں رہنا کبھی اسے پسند نہیں رہا تھا۔ ارفع

کی شروع سے ہی عادت تھی کہ وہ اپنے ذاتی فون نمبرز ڈائری میں لکھ کر سیو کرلیا کرتی تھی اسی لیے جب کافی عرصے بعد اس نے ڈائری کھولی تو نگاہوں کے سامنے موجود نمبر کو دیکھ کر اسے اپنے پیاری، ذہین اور چلبلی سی دوست ادینہ کا خیال آیا تھا جو ملتان میں رہائش پذیر تھی۔ ادینہ نے ابدال صاحب کے کہنے پر موبائل فون اور سم تو لے لی تھی مگر چند منتخب احباب کو ہی نمبر دیا تھا کہ دوست ہی گنتی کے چار تھے۔ جب ماسٹر کرلیا تو لگا فون کی ضرورت نہیں سو اس نے اپنی سم اپنی پرانی دوست ردا کے حوالے کردی تھی۔ ارفع باہر جا کر اچھی خاصی مصروف ہوگئی تھی۔ پھر شادی، اس کے جھنجھٹ اور پھر ان ہی چکروں میں دوست تو کہیں بہت دور چلے گئے تھے۔ جب اچانک عارف کو ملتان کسی کام سے آنا پڑا تو اس نے ارفع کو بھی آفر کی اور رہنے کا مسئلہ بھی ردا سے ادینہ کا نمبر لے کر خود ہی حل کرلیا۔ پھر مزید مسائل بھی پیدا نہ ہوسکے کیونکہ جب وہ کہتا ہے 'کن' تو بس وہ چیز ہوجاتی ہے۔

شام چار بجے کا وقت تھا ہلکی ہلکی دھوپ جلد دیواروں سے سرک رہی تھی موسم کے بدلنے کے آثار نمایاں تھے۔ دھیرے دھیرے چلتی مست خرام ہوائیں یک دم تیز ہوئیں تھیں۔ ادینہ کو ہلکا سا بخار ہوگیا سر بھاری ہونے کی وجہ سے وہ بستر پر محو استراحت تھی۔ ارفع عائشہ بیگم کے ساتھ مسکراتے کباب کھاتی بار بار ادینہ کی جانب کن انکھیوں سے دیکھ رہی تھی۔ بادلوں نے آب کا بوجھ ہلکا کیا اور بوندا باندی کی صورت آ ہیں بھرتا آسمان پل بھر میں صحن بھگو گیا تھا آدھے گھنٹے میں ہی بارش رک کر اب سست رفتاری سے قطروں کی صورت جا بجا بکھر رہی تھی۔ برستے بادلوں کا شکر ادا کرتے گھنے سرسبز درختوں پر بچھے پتوں نے اپنی پیاس بجھائی تھی۔ موسم کے بدلتے ہی ارفع نے عائشہ بیگم سے دہی کے پھلکوں کی فرمائش کی جس پر انہوں نے فوراً عمل درآمد کیا تھا دہی کے پھلکے جب بھی ادینہ کالج لاتی تو ارفع ہی ہر دفعہ اسے اپنی والدہ سے ترکیب پوچھ کر لکھ کر لانے کو کہتی اور وہ ہمیشہ ہی بھول جاتی۔ یادوں کی جھلمل نے پلکوں کو نم کر ڈالا تھا۔ گیٹ پر بیل ہوئی تو ادینہ نے کسلمندی سے آنکھیں کھول دیں۔

"لگتا ہے ادینہ کے ابا آ گئے، بخار بھی زیادہ ہو رہا ہے بس قریب کلینک ہی چلتے ہیں۔" عائشہ بیگم نے فکر مندی سے گیٹ کی جانب دیکھا تھا۔

"عائشہ آنٹی عارف بھائی آئے ہیں کمرے چونکہ گھر میں دو ہی تھے ماسوائے بیٹھک کے اور دونوں کے دروازے آمنے سامنے تھے ایک چھوٹا سا کمرہ راہداری کے سامنے بنایا گیا تھا پاس ہی مختصر سی کیاری موجود تھی۔ بیٹھک زیادہ تر ابدال صاحب کے ہی استعمال میں تھی کہ شب بھر وہیں وہ کام کرتے تھے۔

"یہ دوشیزہ کون ہیں بھئی؟" گھر میں داخل ہوتے ہی عارف کی نظر سامنے کمرے میں بستر پر موجود فرد پر گئی تو وہ شوخ انداز میں مخاطب ہوا۔

سماعتوں کو نوید ہو کہ
ہوائیں خوشبو کے گیت لے کر
دریچہ گل سے آ رہی ہیں

"یہی ہے مری عزیز از جان دوست ادی۔" ارفع نے تعارف کا فریضہ سرانجام دیا اور ساتھ ہی ڈاکٹر کے پاس جانے کا آرڈر بھی کر ڈالا۔ عارف نے فون پر بات کی۔ "حسن اسے میں نے گاڑی کا کہا ہے وہ بس پہنچنے والا ہے آپ خواتین تیار ہوجایئے پھر بس چلتے ہیں۔" ارفع کے شوہر کا امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس تھا سو شہر شہر آنا جانا لگا رہتا تھا۔ بھائی نے جب ملتان کا کہا تو آؤٹنگ کے بہانے فوراً ہامی بھرلی اب لگ رہا تھا کہ بالکل درست فیصلہ کیا ہے۔

ادینہ نے اچھی طرح حجاب لیا اور کمرے سے باہر آ گئی گاڑی کی چابی حسن، عارف کو دے کر چلا گیا کیونکہ جلدی میں تھا گاڑی میں بیٹھتے ہی عارف

کی نظر بیک سیٹ پر موجود دو نفوس پر پڑی تھی ان نفوس میں سے ایک کی آنکھوں میں جہاں بھر کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر اداسی کے خول میں سسکتا محسوس ہوا تھا اور دل نے کسی نوخیز حسینہ کی طرح پہلو بدلنے میں دیر نہ لگائی تھی۔

چلی ہے تھام کے بادل کے ہاتھ کو خوشبو
ہوا کے ساتھ سفر کا مقابلہ ٹھہرا

چیک اپ اور ڈرپ لگوانے کے بعد ادینہ کافی بہتری محسوس کر رہی تھیں۔ جب بھی ابدال صاحب لمبے ٹور پر جاتے ادینہ لازمی ایک دو دن کے لیے بیمار ہوجاتی باپ کی قربت ہی ایسی تھی اب بھی ابدال صاحب کی علی الصبح گھر سے واپس ہوئی تھی اور انہوں نے وفور محبت سے ادینہ کی پیشانی پر بوسہ لیا تھا۔

"ہم تمہاری شادی کر رہے ہیں، اب مزید انکار نہیں چلے گا۔" عائشہ بیگم کے لہجے میں حکم کے ساتھ دوستانہ انداز بھی واضح تھا۔

"کیوں اماں کس سے، مجھے نہیں کرنی ابھی شادی۔" ادینہ نے بچوں کی طرح ضد کرتے ماں کے کاندھے پر سر رکھا۔

"دیکھو، ادینہ تم نے دیکھا اور محسوس کیا ہوگا، اکثر ڈیکوریشن پیس دکانوں پر سستے، کم قیمت پر بک جاتے ہیں اور جو بہت خوب صورت دیدہ زیب اور مہنگے ہوتے ہیں نا وہ بکتے تو ضرور ہیں لیکن ہر کوئی ان کو خرید نہیں پاتا، ہر کسی کی نظر میں بھی نہیں آتے میرا اپتر تو بھی اسی مخصوص ڈیکوریشن پیس کی طرح ہے کہ جو دیر سے ہی سہی لیکن بک ضرور جاتے ہیں اور اس کا خریدار بھی خوب ہوتا ہے۔ تیرا طلب گار بھی اعلیٰ پائے کا ہے، بلا شبہ رب سوہنا اپنے صابر و شاکر بندے کو مایوس نہیں کرتا۔" عائشہ بیگم نے رسانیت سے سمجھایا اور پھر اصل بات کی طرف آئیں۔

"تمہارے بابا اور میں نے عارف کے ساتھ تمہاری شادی کا فیصلہ کیا ہے ابھی ہم صرف بات پکی کریں گے منگنی کی رسم، رسمی بات چیت کے طور پر طے ہوگی۔ پاسپورٹ ویزہ اور باقی ضروری انتظامات کے بعد تمہارا نکاح ہوگا۔ عارف کا گھر بھی وہاں اپنا ہے باقی ابدال صاحب بھی اپنی تسلی کریں گے مکمل معلومات کرنے بعد ہی اپنی ننھی پری کو رخصت کردیں گے۔" ادینہ کے اشکوں میں حلاوت کوندی تھی لہو میں خوش بو نے گردش کی تھی اور بیدار ہوتے ستاروں نے تمیں کے ہندسے کو کہیں دور الگ تھلگ بٹھا دیا تھا۔

"یا اللہ، تیرا شکر ہے۔" عائشہ بیگم نے زیر لب کہا تھا۔

ابر بہار نے
پھول کا چہرہ
اپنے بنفشی ہاتھ میں لے کر
ایسے چوما
پھول کے سارے دکھ
خوشبو بن کر بہہ نکلے ہیں......!!

غزل

بھلادوں گی تجھے میں ذرہ دل پر اختیار ہونے دے
سب کی دوا کروں گی زخموں کو بے شمار ہونے دے
رنجشوں کے سوا تُو نے دیا بھی کیا اے زندگی!
اب اجل کو ہی میرا طلب گار ہونے دے
قبل اس کے کہ ہر سانس اشکوں میں ڈوبے
مت باندھ بندھ دل پر آنکھیں اشکبار ہونے دے
اب کرنے کو اس ہرجائی پر بچا ہی کیا تھا
بے وفائی پر اپنی اس کو شرمسار ہونے دے
تیری آغوش میں ہی بکھروں گی یہ ارمان زندہ رکھ
بس میرے درد کی حدوں کو پار ہونے دے

حمیرا قریشی......لاہور

بدلتے رنگ

صباخان

صبح ناشتے میں سوکھی روٹی، چائے کے ساتھ کھانے کے بعد ارمغان کے قدم گاؤں سے متصل جنگل کی طرف اٹھنے لگے جہاں، چیڑ اور شاہ بلوط کے بے شمار درخت لگے ہوئے تھے۔ اس روز سورج نکلا تو ہوا میں پھیلی نرم سی حدت، آنکھوں کو خیرہ کرتی دھوپ، مٹی کی رسیلی خوش بو من موہ لینے کے لیے بہت کچھ تھا، مگر اس کا دماغ فطرت کی رنگینی میں کہاں گم تھا وہ تو کل شام والے واقعے میں الجھا ہوا تھا، جب ذرا سی بات پر اس نے اپنی جان سے عزیز حنا کو چار چوٹ کی مار لگائی۔

وہ ایک بڑے سے پتھر پر بیٹھ گیا۔ سامنے ڈھیروں ڈھیر پتے سوکھے پڑے تھے۔ اس کا دل مزید بوجھل ہونے لگا۔ شام کا منظر حنا کی شکوہ کرتی نم آنکھیں، وہ پریشان ہو کر کھڑا ہو گیا اور اپنے ہاتھوں کو درخت پر مارنے لگا جن سے اس نے حنا کو مارا تھا۔

......☆☆☆......

"وہ رات گئے چوروں کی طرح گھر میں گھسا تو حنا پریشان حال بکھرے بالوں اور سوجی آنکھوں کے ساتھ نزدیک آئی ہاتھوں پر پٹی بندھے دیکھا تو مزید ہراساں دکھائی دینے لگی۔ ارمغان کی درد بھری نگاہیں اس کی طرف اٹھیں، پھٹے حالوں میں اس کا حسن قیامت ڈھا رہا تھا۔

"یہ......کیا ہوا......تو ٹھیک تو ہے؟" وہ محبت سے اسے ٹٹول کر دیکھنے لگی۔

"کچھ نہیں پگلی، تجھے ان ہاتھوں سے مارا تھا تو خود کو سزا دے ڈالی۔" ارمغان کو اس کی فکر مندی پر پیار آیا۔

"مجھے معاف کر دے میں اس قابل بھی نہیں رہا کہ تجھے اور بچوں کو نیا جوڑا دلا سکوں۔" ارمغان نے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔

"میرا ہار سنگھار تو تجھ سے ہے تو ہے تو سب کچھ ہے۔" حنا اس کے جڑے ہاتھ تھام کر رو دی۔

"جانتا ہوں کہ تیرے سارے کپڑے پہننے کے قابل نہیں رہے پھر بھی اپنی محرومیوں کا غصہ تجھ پر نکال بیٹھا۔" وہ اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے لگا۔

"فکر نہ کر وقت ایک سا نہیں رہتا، اوپر والا ضرور اپنا کرم کرے گا۔ چل تیرے پسند کی بیسن کی روٹی اور ہری چٹنی پیسی ہے مل کر کھانا کھاتے ہیں۔" حنا نے اس کا ہاتھ تھام کر تسلی دی۔ دونوں مسکراتے ہوئے اندر کی جانب چل دیے۔

......☆☆☆......

اس دن وہ کام کے سلسلے گھر سے نکل رہا تھا، حنا بھاگتی ہوئی دروازے پر آئی اسے آواز دے کر روکا تاکہ دم کر سکے، وہ آنکھیں بند کیے چاروں قل پڑھنے لگی، ارمغان سیدھا کھڑا رہا اچانک اس کو عجیب سا احساس ہوا نگاہ اٹھا کر دیکھا تو سامنے رہنے والا چھڑا کرائے دار کریم بخش، جس کی کھڑکی گلی میں کھلتی تھی، بغور حنا کو گھورے جا رہا تھا' ارمغان نے اس کی نگاہوں کا تعاقب کیا تو دماغ بھک سے اڑ گیا، بازو کے پاس سے حنا کی قمیص پھٹی ہوئی تھی اور وہاں سے اس کی لشکارے مارتی گوری بانہہ دکھائی دے رہی تھی ارمغان نے اسے ہاتھ سے دھکیل کر اندر کیا اور مارنا شروع کر دیا وہ فق چہرہ لیے اس سے پٹتے ہوئے مارنے کی وجہ پوچھتی رہ گئی مگر ارمغان پر تو جیسے بھوت سوار تھا وہ مارتا چلا گیا وہ پٹتی رہی شور کی آواز سن کر پڑوسیوں نے دروازہ بجایا تو حنا کی جان بخشی ہوئی۔

غصے سے ارمغان لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔

......☆☆☆......

ارمغان ایک ماہر درزی تھا مگر مشکل یہ تھی کہ اس چھوٹے سے گاؤں میں لوگوں کے پاس کپڑے خریدنے کے لیے پیسے نہیں تھے وہ سلائی کہاں سے دیتے۔ اس کے گھر کا چولہا چوہدریوں کی وجہ سے باآسانی جل رہا تھا۔ ان کی عورتیں اور مرد اس سے اپنے کپڑے سلواتے' یوں بہت نہ صحیح پر وہ گزارے لائق کما لیتا اور زندگی مست جیے جا رہا تھا کہ اس کی نگاہیں پاس کے گاؤں میں رہنے والی حنا سے لڑ گئیں' وہ کام دھندا چھوڑ چھاڑ کر بس وہیں کے چکر لگانے لگا، ارمغان کی محبت کو دیکھتے ہوئے اس کی ماں شریفاں جلد از جلد حنا کو بیاہ لائی۔ حنا کیا آئی گویا زندگی میں بہار آگئی۔ وہ بہت اچھے مزاج کی صلح جو لڑکی تھی' جب تک شریفاں زندہ رہی، بہو نے بیٹی سے بڑھ کر خدمت کی۔ گزرتے وقت نے حنا اور ارمغان کی زندگی میں چار پھول کھلا دیے۔

وہ معمول کے مطابق حویلی سلائی کے کپڑے لینے گیا تو وہاں سے ٹکے سے جواب کے ساتھ بڑے چوہدری کا صرف ایک جوڑا سلنے کو دیا گیا جو ابھی بھی پرانی راوتیوں کے پاسدار تھے۔ اصل میں ان کے پوتے عمران نے اپنی پسند سے شہر کی لڑکی مومنہ سے شادی کی' مومنہ کا تعلق شہر کے معزز گھرانے سے تھا، بڑے شہر میں دنوں میں فیشن بدلتا تھا اسے ارمغان کے ہاتھوں کی سلائی پسند نہ آئی، وہ میکے گئی تو اپنی بہن کے ساتھ شاپنگ مال کا چکر لگایا اور بوتیک سے جدید تراش خراش کے سلے سلائے کئی سوٹ لے آئی۔

مومنہ کی دیکھا دیکھی حویلی میں رہنے والی خواتین کی آنکھیں بھی کھل گئیں، پیسے کی کمی نہیں تھی سب نے عید پر مومنہ سے خدمات حاصل کی اس نے بھی سب کی نگاہوں میں اپنی اہمیت بڑھانے کے لیے بوتیک سے کئی سوٹ منگوا لیے اور تو اور مردوں کے بھی سلے سلائے کڑھائی والے رنگین کرتے اور سفید شلوار حویلی میں ہاتھوں ہاتھ لیے گئے۔

یوں وہاں سے ارمغان کا پتا مکمل طور پر کٹ گیا۔ ارمغان برسوں سے یہی کام کرتا آیا تھا، اب اچانک خالی ہاتھ بیٹھ گیا، عید میں تو پھر گاؤں کے کچھ خوش حال گھروں نے کپڑے سلوائے مگر اس کے بعد تو دکان پر مکھیاں مارنے کے سوا کوئی کام نہ بچا۔ حالات دن بہ دن خراب ہوتے چلے گئے' کبھی چھوٹا موٹا کام مل جاتا تو چار پیسے ہاتھ آجاتے، نوبت فاقوں تک جا پہنچی، بچوں کا اترا منہ دیکھ کر ارمغان بہت چڑچڑا ہوتا جا رہا تھا۔ ایسے وقت میں حنا صبر و شکر کا دامن تھامے اس کا حوصلہ بھی بڑھاتی مگر اسے کچھ اچھا نہیں لگتا تھا۔

......☆☆☆......

حنا کا یقین غلط نہ نکلا اللہ نے جلد راستہ بنا ہی دیا۔

ارمغان کا ایک دوست جس کی شہر میں درزی کی چلتی ہوئی دکان تھی۔ اتفاق سے اس کا سعودی عرب کا ویزا آگیا، اس نے پارٹنر شپ کی بنیاد پر دکان ارمغان کے حوالے کی اور خود باہر چلا گیا۔ وہ حنا اور بچوں کو گاؤں چھوڑ کر شہر چلا آیا۔ دکان کافی چلتی ہوئی تھی۔ وہ محنت اور ایمان داری سے کام کرنے لگا۔ رات میں اسی دکان پر سو جاتا' اس کے حالات سدھرنا شروع ہوگئے۔ وہ جب بھی گھر پیسے بھجواتا اس کے اندر سکون چھا جاتا۔ چھ مہینے بعد گھر کا چکر لگا آتا اب تو وہاں کے حالات کافی اچھے دکھائی دیے تھے۔ حنا نے بچت کرکے صحن بھی پکا کروالیا تھا۔ وہ یہ سب دیکھ کر خوش ہوگیا۔

رات میں ان سب نے مرغ کا سالن اور سوجی کا حلوہ کھایا تو ارمغان نے ہاتھ اٹھا کر رب کا شکر ادا کیا۔ حنا ان سرخ جوڑے میں شرمائی ہوئی اس کے اردگرد پھیرے لگاتی بہت پیاری لگ رہی تھی۔ ارمغان بیوی کے لیے جوڑے سی کر لایا تھا، ساتھ ہی میچنگ ہار بندے، بچوں کے لیے الگ شاپنگ کی تھی۔ وہ پڑوسنوں کو دکھا دکھا کر خوش ہو رہی تھی۔ زندگی ایک بار پھر خوش گوار ہوگئی تھی۔

......☆☆☆......

دکان کا کام اتنا بڑھ گیا کہ اسے ایک کاریگر لڑکا رکھنا پڑا۔ ایک دن وہ نماز پڑھنے مسجد گیا ہوا تھا واپس آیا تو صابر کا چہرہ جوش وخروش سے سرخ ہو رہا تھا۔

"استاد! اتنی بڑی گاڑی میں ایک بیگم صاحبہ آئی تھیں، سلائی کا بہت سارا کام دے کر گئی ہیں۔" صابر نے قیمتی کپڑوں سے بھرے کئی تھیلے اس کے سامنے رکھتے ہوئے خوش ہو کر بتایا۔

"اچھا...... مگر انہیں ہماری دکان کا کیسے پتا چلا؟" ارمغان نے تھیلے میں سے کپڑے نکال کر چیک کرتے ہوئے پوچھا۔

"میں جب ان کا ناپ لے رہا تھا تو وہ خود ہی بولے جا رہی تھیں کہ ان کی ایک دوست صالحہ نے ہمارے کام کی تعریف کرکے انہیں یہاں کا پتا بتایا ہے، صالحہ بی بی خود بھی یہاں سے کپڑے سلواتی ہیں، بیگم صاحبہ کی بیٹی کی شادی ہے، ان کا پرانا ٹیلر ماسٹر بیمار ہوگیا تو انہوں نے سارے کپڑے ہم سے سلوانے کا فیصلہ کیا۔ کپڑے انہیں جلدی چاہیے اسی لیے میں نے بھی ارجنٹ کے حساب سے زیادہ سلائی مانگی، وہ ایڈوانس پیسے دے گئی ہیں، ساتھ میں ٹائم پر کپڑے سینے کی تاکید بھی کی ہے۔" صابر نے خوشی خوشی اپنا کارنامہ بتایا۔

"کسی کی مجبوری سے فائدہ اٹھانا یہ اچھی بات نہیں' تم نارمل سلائی لیتے، خیر چلو اب جت جاؤ کام میں سب سے پہلے بیگم صاحبہ کا کام شروع کرتے ہیں تاکہ وقت پر کام پورا ہوجائے۔" ارمغان نے سمجھایا تو وہ منہ بنا کر سر ہلانے لگا۔

"یہ استاد بھی عجیب آدمی ہے' خوش ہونے کی جگہ برا مان رہا ہے، خیر سال دو سال گزرنے دو اسے بھی شہر کی ہوا لگ جائے گی۔" صابر نے مشین چلاتے ہوئے سوچا۔ ان لوگوں نے دن رات ایک کرکے وقت سے پہلے کپڑے تیار کردیئے، بیگم صاحبہ کا ڈرائیور آکر سارے کپڑے لے گیا اس کے بعد ارمغان نے سکون کا سانس لیا۔

......☆☆☆......

"کس پاگل کے بچے نے میرے کپڑے سیئے ہیں؟" ابھی ارمغان نے دکان کھولی ہی تھی، ایک موٹی عورت تھلتھلاتے وجود کے ساتھ دکان میں داخل ہوئی، وہ چست کرتے پر پینٹ چڑھائے رنگے ہوئے سنہری بالوں پر سن گلاسز لگائے گرجنا شروع ہوگئی۔ ارمغان ایک دم گھبرا گیا۔

"بیگم صاحبہ! ہوا کیا؟" صابر نے ہی پھرتی سے پڑوس کے کولڈ کارنر سے ٹھنڈی ٹھار بوتل پکڑ کر اسے تھمائی اس کے بعد پوچھا۔ ارمغان کے تو ہاتھ پاؤں

جمیلہ ملک

میری عزیز دوستو اینڈ آنچل کے تمام اسٹاف کو السلام علیکم! میں 12 اکتوبر 1992ء میں ڈی جی خان کے ایک گاؤں نور والا میں پیدا ہوئی۔ ہم آٹھ بہن بھائی ہیں' میرا نمبر ساتواں ہے' سب مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں۔ میں بی ایس کیمسٹری کے فائنل میں ہوں' ہم بہت چھوٹے تھے جب میرے ابو فوت ہوگئے۔ میری امی نے بہت محنت کرکے ہم سب کو پڑھایا' لکھایا' میں امی سے بہت پیار کرتی ہوں۔ میری امی نے کبھی باپ کی کمی نہیں ہونے دی لیکن بعض دفعہ جو کسک رہ جاتی ہے وہ کبھی پوری نہیں ہوتی ویسے تو مجھے سارے کلر پسند ہیں لیکن ریڈ اور گرین کلر مجھے بہت پسند ہیں۔ پسندیدہ ہستی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم' قائداعظم اینڈ حضرت علیؓ ہیں۔ کھانے میں بریانی اور گوبھی گوشت پسند ہے' چوڑیاں پسند ہیں لیکن پہنتی بہت کم ہوں۔ کپڑوں میں فراک اچھی لگتی ہے۔ پسندیدہ مشغلہ آنچل پڑھنا ہے' چاہے دن ہو یا رات چاہے اگلے دن پیپر ہی کیوں نہ ہو آنچل لازمی پڑھتی ہوں۔ فیورٹ ایکٹر میں عمران عباس' فواد اور سعدیہ امام پسند ہیں۔ آئس کریم بہت پسند ہے' سردیوں کی اداس شامیں بہت پسند ہیں' رائٹرز میں نسیم حجازی' ام مریم' عمیرا احمد' نازیہ کنول نازی' اقراء صغیر' سمیرا شریف طور اور راحت وفا شامل ہیں۔ میرے فیورٹ ناول میں "یہ چاہتیں یہ شدتیں" اور "پتھروں کی پلکوں پر" شامل ہیں۔ دوست میری کم ہیں چند ایک جو اچھی ہیں عظمیٰ' اقراء' شاہین اور طوبیٰ شامل ہیں۔ میری سب بہنیں بہت اچھی ہیں' خالہ نسیم کی تو کیا بات ہے' ہر وقت مجھے کہتی ہیں میں زیادہ بولتی ہوں حالانکہ مجھے نہیں لگتا۔ خامیاں بہت ہیں غصے کی تیز ہوں' رونا جلدی آتا ہے۔ دوسروں کو کھری کھری سنانے میں منٹ بھی نہیں لگاتی' جلد باز ہوں۔ خوبیاں جو مجھے خود میں نظر آتی ہیں' سچ بولتی ہوں' اپنے پیاروں کی کیئر کرتی ہوں' گاؤں کی لائف پسند ہے۔ بچے بہت پیارے لگتے ہیں کیونکہ میرے چار پیار بھانجے ہیں۔ ریان علی' ایان علی' صائم اینڈ نور فاطمہ۔ اجازت چاہوں گی' اللہ حافظ۔

پھول گئے۔

"میں نے یہ بلاؤز سلوایا تھا نا۔" اس نے چٹکی سے مہنگے کام والے بلاؤز کو فضاء میں لہرایا۔

"جی بیگم صاحبہ! میں نے ہی یہ سیا ہے۔ آپ کے ناپ میں جو غلطی ہوگئی تھی، وہ خود ہی ٹھیک کرلی، کیا ہوا پھر بھی چھوٹا رہ گیا؟" ارمغان نے سوال کیا۔

"چھوٹا نہیں بہت بڑا سی دیا ہے، میں نے خاص طور پر انڈین اسٹائل کا گہرے گلے اور بغیر آستینوں والا چھوٹا بلاؤز کا ناپ دیا تھا مگر تم نے تو ملانیوں والا اتنا بڑا بلاؤز سی دیا ہے، نیٹ کی ساڑھی کی شو ختم ہوگئی ہے۔ باقی کپڑوں میں بھی یہ ہی ہوا ہے، سب کے گلے گہرے اور آستینیں چھوٹی کرو، آئی سمجھ۔" وہ چیختی چلاتی کپڑوں کا ڈھیر اسے تھما کر وہاں سے چل دیں اور ارمغان کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ اس نے تو حنا کو ذرا سی آستین پھٹنے پر مارا تھا اور بیگم صاحبہ تو جان کر......

"استاد! میں نے کہا تھا نا کہ جو ناپ ہے، اس کے مطابق سینا ہے، مگر تمہاری ایک ہی رٹ تھی کہ مجھ سے ناپ لینے میں کوئی غلطی ہوئی ہوگی دلہن کی اماں ایسے تنگ اور چھوٹے کپڑے تھوڑی پہنے گی۔ اب دیکھا یہ حال ہے ارے یہاں تو مائیں اپنی بیٹیوں کی شادی پر ایسی بنی سنوری ہوتی ہیں کہ بڑی بہن کا گمان ہوتا ہے۔" صابر کی طنزیہ باتوں کا اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا، اس کی کینچی بلاؤز کی آستینیں اڑانے میں مصروف تھی۔

تسکین ذات

سحرش فاطمہ

وہ آج کوئی بارہویں دفعہ تیار ہوئی تھی...... لڑکے والے دیکھنے آرہے تھے اسے اب پہلے جیسی گھبراہٹ نہیں ہوتی تھی جو پہلی دفعہ میں ہوتی ہے بلکہ وہ تو آنے والوں کا جواب بھی جانتی تھی اور جب اس کی ماں نے کہا وہ تیار ہوجاتی۔ اس نے آئینے میں خود کو دیکھا، وہ بلاشبہ حسین تھی سونے جیسی سنہری آنکھیں، دودھیا رنگت، کھڑا ناک نقشہ۔ آج پھر سے تیار ہوتے ہوئے ہر بار کی طرح اس پر اداسی تھی وہ ان لوگوں کا جواب اچھی طرح سے جانتی تھی لیکن پھر بھی امید پہ دنیا قائم ہے والی بات کو دل میں رکھ کر اس نے فضول خیالوں کو جھٹکا اور جب لڑکے والے آئے تو وہ ایک بار پھر سے سج دھج کر کمرے کی جانب جانے لگی۔ نفاست سے سر پر دوپٹہ لیے وہ باہر آئی اور عین صائم کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی۔ صائم اس حسین پیکر کو ٹک ٹک دیکھے جارہا تھا۔

علشبہ نے سفید جوڑا جس پر گولڈن اور سلور کام تھا زیب تن کیا ہوا تھا۔ اس پر سفید رنگ کھلتا بھی بہت تھا۔ ہاتھوں میں ہم رنگ چوڑیاں تھیں اور بالوں کی کھجوری چوٹی بنائی تھی۔ اسے میک اپ کا اتنا خاص شوق نہیں تھا لیکن کاجل یا آئی لائنر ضرور لگاتی تھی اور وہ جاذب نظر آنے لگتی حتیٰ کہ کچھ پل کے لیے اس کا خاص نقص بھی نظر انداز کردیا گیا تھا......

وہ لڑکے کے سامنے بیٹھ گئی...... اور سوال جواب کا سلسلہ شروع ہوگیا...... وہ ان سب سوالوں کے جوابات دے دے کر تھک چکی تھی...... سامنے بیٹھا صائم اسے بغور دیکھ رہا تھا...... صائم کی امی نے گلا کھنکارا اور صائم کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ علشبہ کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار نمودار تھے نہ ہی کوئی پریشانی کیونکہ ان سب مراحل سے پہلے بھی گزر چکی تھی اس لیے خود کو نارمل ہی رکھا...... البتہ دل دھڑک ضرور رہا تھا۔

"آپ کی بیٹی کو دیکھ کر لگتا ہے کہ کھاتے پیتے گھرانے سے ہے لیکن آپ لوگ تو متوسط سے لوگ ہیں تو پھر یہ ایسی کیوں؟" یہ لڑکے کی ماں تھی جس نے سوال کیا تھا اور علشبہ سر جھکا گئی......

لیکن اس سوال پر وہ ہمیشہ سوچتی کہ آخر کب تک یہ سب؟ وہ کتنی بھی ممکنہ کوشش کرتی کہ کم کھائے ڈائیٹ کرے لیکن کچھ اثر نہیں ہوتا تھا۔ صائم اسے ہی دیکھے جارہا تھا۔

"جی بس آج کل تو بچے باہر کا کھاتے ہیں ناں تو اور منع کرو تو پھر ناراض بھی ہوجاتے ہیں۔" علشبہ کی امی نے ہچکچاتے ہوئے جواب دیا۔

"اچھا ویسے لڑکی ہے تو اچھی لیکن اب چونکہ ہمارے بیٹے سے میل نہیں کھاتی تو...... ہمیں اس رشتے میں مسئلہ نہیں اگر آپ......" صائم کی امی نے اشارتاً جو بات کہی وہی بات علشبہ اور اس امی ہر دفعہ سنتے آئے تھے...... وہی جہیز کی ڈیمانڈ اور ان کی حیثیت سے زیادہ مطالبہ اور یہی وہ بات تھی جس کی وجہ سے علشبہ کا رشتہ کبھی نہیں ہوا، لوگ آتے اسے دیکھتے اور منہ مانگا جہیز کا مطالبہ کرتے۔

"پر امی...... علشبہ تو بہت اچھی ہے۔" صائم نے دھیمی آواز میں کہا تو علشبہ نے جھکی پلکیں اٹھائیں اور ایک نظر دیکھ کر پھر سے جھکادیں۔ صائم کی امی نے گھوری دی اور وہ خاموش ہوکر بیٹھ گیا......

"تو بہن اب آپ بتائیں یا ہمیں اجازت دیں؟" علشبہ کی امی ہاتھ ملتی ہوئی انہیں دیکھنے لگی کہ کیا جواب دیں......

"جی بہن...... جو آپ کو مناسب لگے۔"

"تو ٹھیک ہے ہم دو دن بعد رابطہ کریں گے تب تک آپ بھی سوچ لیجیے گا...... چلیں اب ہم چلتے ہیں......" صائم اور اس کی امی نے اچھے انداز میں گلے مل کر علشبہ کو بھی پیار کیا اور الوداعی کلمات ادا کرکے چلے گئے۔

"کلثوم باجی لگتا ہے بات بن جائے گی۔" زبیدہ نے پان چباتے ہوئے کہا۔

"بہن تم دعا کرو لیکن یہ جہیز والی بات تم سے کتنی دفعہ کہا ہے کہ ایسے رشتے نہ لایا کرو انہیں بتادیا کرو۔ مجھے اپنے بیٹی کی فکر لاحق ہے ورنہ جہیز تو میں دے دوں لیکن اس طرح؟"

☼......☆☆☆......☼

"امی آخر کیا مسئلہ ہے؟ درجن بھر رشتے دیکھ ڈالے آپ نے لیکن کسی کے لیے بھی ہاں نہیں کہا...... اور تو اور اب جب مجھے علشبہ اچھی لگی تو وہاں جہیز کی بات رکھ دی...... پہلے تو کبھی ایسے نہیں کیا آپ نے؟" صائم گھر آتے ہی شروع ہوگیا۔

"تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے ناں...... وہ تو اس زبیدہ نے بتایا نہیں کہ لڑکی ایسی ہوگی ورنہ میں وہاں جاتی بھی نہیں!"

"ایسی سے کیا مطلب ہے آپ کا؟ شادی مجھے کرنی ہے لڑکی مجھے پسند آنی چاہئے اور اب جب آگئی ہے تو آپ نے آنٹی کو الجھن میں ڈال دیا؟" صائم کو قطعی اس بات کی پروا نہ تھی کہ علشبہ کیسی دکھتی ہے بس پہلی نظر میں ہی لگی وہ دل میں گھر کرگئی ہے اور اسے ہی اپنی بیوی کے روپ میں دیکھنے کا خواہش مند تھا۔ صائم اور اس کی امی عنیزہ کی روز ہی بحث ہونے لگی۔

☼......☆☆☆......☼

آج ایک مہینے بعد علشبہ کا نکاح صائم سے ہورہا تھا...... علشبہ بے تحاشہ خوش تھی کیوں نہ ہوتی صرف اس نقص پر کہ وہ فربہی مائل تھی اس پر جو بھی رشتہ آتا بے تحاشہ جہیز کی ڈیمانڈ ہوتی اور پھر رشتے کی بات آگے نہیں بڑھ پاتی چونکہ صائم کو علشبہ پسند آگئی تھی تو گھر جاکر اس نے اپنی امی سے بہت منت سماجت کی اور مثال کے لئے اپنی چھوٹی بہن کو آگے کردیا کہ اگر اس کے ساتھ ایسا ہوتا تو؟ بہت سمجھانے کے بعد یہی طے پایا کہ جتنا وہ جہیز دیں ہنسی خوشی دیں اور نکاح اور ولیمہ ہو کوئی اور رسمیں کرکے پیسے برباد کرنے سے اچھا ہے سادگی سے سب کچھ طے پائے...... یہی وجہ تھی آج علشبہ کے چہرے پر حقیقی خوشی اور تسکین نظر آرہی تھی......

☺

گیا آسمان سے پرندہ

زمین پر چل نہ سکا اور آسمان سے بھی گیا
کٹا کے پر وہ پرندہ اڑنے سے بھی گیا
بھولا دیا تو بھولنے کی انتہا کردی
اب میں اس شخص کے وہم و گماں سے بھی گیا
کسی کے ہاتھ سے نکلا ہوا تیرا ہوں میں
جو ہدف کو چھو نہ سکا اور کمان سے بھی گیا
تباہ کرگئی مجھے پکے مکان کی خواہش
میں اپنے گاؤں کے کچے مکان سے بھی گیا
پرائی آگ میں کودا تو کیا ملا تجھ کو عادی
اسے بچا نہ سکا اور اپنی جان سے بھی گیا

صنعاء سندھو...... حضرت کیلیانوالہ

تسکینِ ذات

سحرش فاطمہ

"ہائے اور ہا۔ شی شی شی...... مرجانیو کم بختاں ماریو۔"
وہ فوراً آگے بڑھی اور آٹے والے برتن سے مرغیوں کو پرے ہٹانے لگی تھی۔ وہ ابھی آٹا گوندھ کر آٹے والا پانی گرانے صحن کے کونے میں نلکے تک گئی تھی کہ مرغیوں کا غول چیلوں کی طرح آٹے پر جھپٹ پڑا تھا اور اب کٹڑوں کوں کرتی شاید اسے برا بھلا کہہ رہی تھیں۔

"اماں بس کر دے پہلے کیا کم اس گھر میں بھوکے اور ننگے تھے جو تو نے ان مرجانیوں کو بھی یہاں لا کر بٹھا دیا؟" اماں اس کی اس حرکت پر اسے لتاڑنے والی تھیں۔ الٹا خود پر جھنجلاتے دیکھ کر چونک اٹھیں۔

"تجھے میں نے کتنی بار کہا ہے کہ پہلے آٹے کو اچھی طرح ڈھک لیا کر پھر پچھا اور کیا کر لیکن تیرے پلے تو کچھ نہ پڑتا۔" اماں اب اسے غصیلے انداز میں گھور رہی تھیں اور وہ آٹے کو اٹھا کر اپنا دوپٹا درست کرتی بولی۔

"ہاں ہاں قصور تو سارا میرا ہے۔ ان مرجانیو کو کچھ نہ بولنا۔ قسم سے اماں تو یہاں سے نکل تو سہی ان سب کو ذبح کر کے نہ کھایا تو میرا نام بھی گلاب نہیں ہاں۔" وہ اب منہ پر ہاتھ پھیر کر اماں کو وارننگ دے رہی تھی اور اماں اپنی پیاری مرغیوں کے بارے میں اس کے ارادے جان کر دل میں کانپی اور اگلے لمحے اپنے پاؤں سے ٹوٹی خستہ حال جوتی اتار کر نشانہ لگانے ہی لگی تھیں کہ گلاب اماں کے یہ تیور دیکھ کر جلدی سے آٹا اٹھا کر بھاگی اور دروازہ بھی بند کر لیا ورنہ جوتی نشانے پر لگنا تھی۔

گلاب نے جیسے ہی دروازہ بند کر کے گلی میں قدم رکھا تو ارشاد اس کے سامنے سینے پہ ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ وہ شاید ماں بیٹی کی تکرار سن چکا تھا۔ اسی لیے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ سجائے کھڑا تھا۔

"کیا بات ہے لگتا ہے آج پھر ماسی تیرے حسن سے جل گئی ہے۔ اسی لیے تو جوتیوں سے تیری حالت بگاڑنے لگی تھی۔" وہ اسے بڑی گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ گلاب کو اپنا تن کسی ان دیکھی آگ میں جلتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ اپنی پیشانی پر ہزاروں بل ڈال کر اسے دیکھا۔

"تو جتنا باہر سے صاف ستھرا ہے اتنا ہی اندر سے گندا ہے۔" وہ ایک ہاتھ میں آٹے والی پرات اٹھائے دوسرے ہاتھ سے اپنا دوپٹا درست کر رہی تھی۔ جو اس بھاگ دوڑ میں سر سے پھسل گیا تھا۔ وہ ارشاد پر زہر خند نگاہ ڈال کر آگے بڑھی تھی تب ہی وہ بولا۔

"قسم ربّ دی جدوں تو متھے تے ول پا کے ویکھدی اے۔ مرجان توں دل کردا اے۔" ارشاد اپنے مخصوص انداز میں گویا ہوا۔

"اوئے ہوئے! بس کر شادے! یہ لفظ تو اور کس کس کے ساتھ بول چکا ہے؟ اور کس کس کو تو اپنی اس گھٹیا جان کا نذرانہ دے چکا ہے؟ ذرا مجھے بھی تو بتا۔" وہ بے حد غصے اور طنز سے مخاطب ہوئی تھی۔ اسے شرم دلانے کے لیے لیکن وہ بھی اپنے نام کا ایک تھا۔ بجائے شرمندہ ہونے کے مسکراتے ہوئے بولا۔

"تجھے بندوں کی بڑی پہچان ہونے لگی ہے۔ لگتا ہے ابا تیرا اب گھر پہ ہی رہتا ہے۔" وہ یہ بات کہہ کر آگے بڑھ گیا اور وہ کسی مجسمے کی طرح وہیں کھڑی رہ گئی تھی۔

"کیا اس کے ابے کا نام اس کے نام سے جدا نہیں ہو سکتا؟" وہ وہیں کھڑی سوچتی رہ گئی تھی۔ جب نیمو نے اسے اپنی دیوار سے پکارا تھا۔

"ارے او گلاب! تو ادھر کیوں کھڑی ہے...... آج روٹیاں لگانے کا ارادہ نہیں ہے؟ تنوری بجھنے والی ہے۔ جلدی آجا۔" گلاب سر جھٹک کر آگے بڑھ گئی تھی۔

❖......☆......❖

گلاب کی رہائش فیصل آباد کے قریب ایک چھوٹے سے گاؤں میں تھی۔ جہاں زندگی کی بنیادی سہولیات نہ ہونے کے برابر تھیں۔ گلاب کا گھر ایک کچے کمرے کے ساتھ کچی سیڑھیاں بڑا سا صحن اور صحن کے آخر میں چھوٹا سا نلکا اور مختصر باورچی خانہ پر مشتمل تھا۔ گلاب کا گھرانہ کل پانچ افراد پر مشتمل تھا۔ اس کا باپ رشید عرف شیدا چھوٹی موٹی چوریاں کر کے صرف اپنا گزارا کیا کرتا۔ گاؤں والے اسے اچھی نظروں سے نہ دیکھتے تھے۔ اس کی سرگرمیاں مشکوک تھیں۔ کئی کئی دن گھر نہ آتا۔ گلاب کے دو بھائی اور اماں اس کی حرکتوں کے سبب بمشکل اپنا گزر بسر کیا کرتے تھے۔ اماں گجروں کی حویلی میں کام بھی کرتی اور ان کی خوشامد میں بھی لگی رہتی۔

''بیگم صاحبہ! آپ تو بے حد قسمت والی ہیں جی۔'' نذیراں بی بی حویلی کے کاموں سے فارغ ہو کر گجرانی صاحبہ کے پاؤں بھی دباتی جو کہ اس کا اہم کام تھا۔ وہ گھر کی صفائی کے بعد گجرانی صاحبہ کے نرم نرم سفید پاؤں بڑے شوق سے دباتی اور ساتھ میں ان کی خوش قسمتی کے گیت بھی گاتی رہتی اور اپنی قسمت کے رونے بھی جاری رکھتی۔

''بیگم صاحبہ! ہم غریبوں کی بھی کوئی زندگی ہے۔ نا ڈھنگ کا پہننا نا ڈھنگ کا کھانا ساری زندگی خوابوں میں ہی گزار دی کہ کبھی تو ہماری زندگی بھی ان خوابوں کی طرح ہر دکھ سے خالی ہوگی۔'' نذیراں جب اپنے دیکھے ہوئے خوابوں میں کھو کر ہاتھ بھی روک دیتی۔ تب گجرانی صاحبہ اسے پاؤں مار کر اصل زندگی میں واپس لاتی۔

''چل! اب بس کر باتیں' پاؤں دبا دھیان سے بڑی درد ہو رہی ہے۔'' بیگم صاحبہ اتنی سفاکی سے اسے اس کی اوقات یاد کراتی کہ وہ اپنا سا منہ لے کر رہ جاتی۔ نذیراں جل کر سوچتی گجرانی نے نہ کبھی کام کیا نہ کچھ بس بیٹھے بیٹھے ہی درد شروع ہو جاتا ہے لیکن نذیراں یہ صرف سوچ کر رہ جاتی۔ کیا تھا جو وہ اس کے دل کا حال تھوڑی دیر سن لیتی۔ اب وہ اپنے ان خوابوں کو کس طرح منظر عام پر لاتی۔ گھر میں اگر گلاب سے کچھ کہتی تو وہ تو اس کی سوچ پر ہنس ہنس کر پاگل ہی ہو جاتی' اس سے تو کوئی بعید نہیں تھا گلی میں شور مچا دیتی اور محلے کو اکٹھا کر کے کہتی کہ اماں پاگل ہو گئی ہے۔ بس اسی وجہ سے وہ کبھی بھی اپنی فلمی قسم کی سوچ اپنی بیٹی کو نہ بتاتی اور اگر وہ بیگم صاحبہ سے بھی ایسی کوئی بات کرنے لگتی تو وہ ٹوک دیا کرتی تھی یا پھر اسے باتوں ہی باتوں میں اتنا بے عزت کرتی کہ نذیراں دل مسوس کر رہ جاتی۔ رات کا کھانا نذیراں حویلی سے لے آتی تھی۔ گلاب محلے کے چھوٹے بچوں کو قرآن پاک پڑھا دیتی تھی۔ صبح صبح وہ جب بچوں کو پڑھا رہی ہوتی تو کچھ بچوں کی مائیں چائے کا دودھ اور کچھ کھانے کے لیے دے جاتی تھیں' جو کہ گلاب اپنا حق سمجھ کر خوشی سے وصول کرتی تھی۔

''اتنی محنت کرتی ہوں' گلا پھاڑ پھاڑ کر سبق کہلواتی ہوں تو کیا میرا اتنا بھی حق نہیں۔'' یہ سوچ گلاب کی اپنی تھی اور اس طرح ناشتا ہو جاتا اور دوپہر کو وہ کچھ کھانے کے قائل ہی نہ تھے۔

نذیراں کی اولادوں میں سب سے بڑا سہیل تھا جو کہ گلاب سے دو سال بڑا تھا۔ پرائمری کلاسیں پاس کرنے کے بعد شہر میں کسی ورکشاپ پر کام کرتا تھا' کبھی کبھی اپنی ماں بہن کا حال احوال پوچھنے گاؤں کا چکر لگا لیتا۔ لیکن چونکہ وہ ابھی کام سیکھ رہا تھا اس لیے گھر والے اس کی کمائی سے محروم تھے۔ سہیل سے چھوٹی گلاب جو کہ بے حد خوب صورت تھی۔ بڑی بڑی سیاہ آنکھیں اور بھرے بھرے گلابی ہونٹ' اس پر اس کا متناسب جسم اس کی خوب صورتی کو چار چاند لگا دیتا تھا۔ سب کہتے وہ خوب صورتی میں بالکل اپنی ماں پر گئی ہے اور عقل میں بالکل اپنے باپ پر......! یہ اس کی ماں کی سوچ ہے گلاب خوابوں میں رہنے والی' بے حد معصوم اور نیک لڑکی تھی۔ پورے گاؤں میں اس کی دوستی صرف اپنی ہم عمر نیمو سے تھی۔ جو رنگت میں کالی لیکن بے حد پرکشش چہرے کی مالک تھی۔ گلاب کے خیال میں وہ ذہین بھی تھی۔ کیونکہ وہ پرائمری پاس تھی۔ جب کہ گلاب کو کتابوں سے چڑ

تھی۔ اسی لیے وہ ان پڑھ رہ گئی۔ گلاب سے چھوٹا حماد تھا جو ایسے پڑھتا جیسے اس کا ابا پروفیسر اور اماں لیکچرر ہو۔ اس کے اٹھائیس دن گھر اور محلے میں گلی ڈنڈا کھیلنے میں گزرتے اور دو دن مشکل سے اسکول میں۔ جیسے اسے تعلیم کی ضرورت ہی نہ تھی اور ان کا ابا رشید عرف شیدا جو کہ اپنی سرگرمیوں اور مشکوک کردار کی بدولت بری شہرت رکھتا تھا۔ کبھی کسی کی بکری اٹھا کر بیچ دی تو کبھی کسی کا نلکا کھول کر بیچ دیا۔ دنوں غائب رہتا اور جو کماتا کھانے پینے یا نشے میں اڑا دیتا۔ شیدے کی نظر میں نہ تو اولاد کی کوئی اہمیت تھی اور نہ ہی بیوی کی کوئی عزت۔ وہ صرف اپنی پڑتی کے لیے کچھ بھی کر سکتا تھا' اس کی زندگی صرف ایک بھری ہوئی سگریٹ میں تھی۔ جو اسے ہر حال میں ملنا چاہیے۔ وہ کبھی کبھی گھر بھی آ جاتا تھا۔ خاص طور پر تب جب اس کے پلے کچھ نہ ہوتا یا اسے بہت بھوک لگی ہوتی یا بہت زیادہ نیند آئی ہوتی اور گھر میں ان دونوں میں سے ایک چیز تو مل ہی جاتی تھی اور گلاب کو سب سے زیادہ غصہ اماں پر آتا تھا جو اسے سر کا تاج سمجھ کر اس کی آؤ بھگت کرتی۔

آج بھی گلاب نیمو کے گھر سے واپس آئی تھی تو ابے کو چارپائی پر لیٹے دیکھ کر ٹھٹک گئی تھی۔ اماں بڑے پیار سے ابے کا سر دبا رہی تھی اور ابا آنکھیں موندے یوں لیٹا تھا جیسے وہ کوئی مہاراجہ ہو۔ وہ جل کر پلٹنے لگی تھی کہ ابے نے آنکھیں کھولی تھیں۔ شاید بیٹی کی خوشبو محسوس کر چکا تھا یا پھر اپنے چہرے پر جمی نظروں کا ارتکاز چونکا گیا تھا۔

''ارے میری دمی رانی آ گئی؟'' وہ پلٹنے لگی تھی مگر اس ''دمی رانی'' لفظ پر رک گئی اور ابے کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ سانولا چہرہ ڈھلتی ہوئی عمر کی وجہ سے جھریوں سے بھرا ہوا تھا لیکن اس وقت وہ نشے میں نہیں تھا۔ گلاب اسے قدرے غور سے دیکھ رہی تھی' اس کے چہرے پر ناگواری تھی جب کہ اماں اس کے چہرے کے بگڑتے ہوئے زاویے کو دیکھ کر بولی۔

''ارے آ نا گلاب! وہاں کیوں کھڑی ہے تیرا ابا کتنی بار تیرا پوچھ چکا ہے۔'' اماں بڑے پیار سے بولی تو گلاب نے چونک کر اماں کے چہرے پر پھیلی خوشی محسوس کی تھی اس وقت اسے وہ اپنی پہلے والی اماں لگ ہی نہیں رہی تھی۔ البتہ اسے اپنی ماں کے چہرے پر پھیلے خوشی کے رنگ بڑے بھلے لگے تھے لیکن اگلے پل اس نے مایوسی سے سوچا کہ یہ رنگ تو وقتی ہیں۔ ابا چلا جائے گا تو وہ پھر ویسی ہو جائے گی۔ پریشانی چہرے پر سجائے وہ کتنی نڈھال لگتی تھی۔ گلاب کو اس کے دوغلے پن سے چڑ سی ہونے لگی۔ غصے سے سر چکرانے لگا تھا' شدید نفرت آنکھوں میں سجائے وہ ابے سے مخاطب ہوئی۔

''کس کا ابا ہے تو؟ اور یہاں تو کس کا انتظار کر رہا ہے۔'' وہ مارے غصے کے چیخ پڑی۔ اماں بھی اس کے اس لہجے پر دہل سی گئی۔

''اماں! اگر یہ یہاں ہے نا' تو صرف تیری وجہ سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے اس سے سنا تو نے۔'' وہ اب ماں سے مخاطب تھی۔ ''مجھے رونا آ رہا ہے اماں تیری اس شکل پہ جسے تو نے صرف اس کم ذات کے لیے مسکراہٹ سے سجایا ہے۔'' گلاب اب رونے لگی تھی۔ اماں اسے ہکا بکا دیکھ رہی تھی کہ وہ باپ کے لیے کیا بول رہی ہے اور گلاب نے شاید اس کی سوچ پڑھ لی تھی۔

''اماں! تو کسے میرا باپ سمجھ رہی ہے؟ اسے تو اتنا نہیں پتا کہ گھر کا دروازہ کس طرف ہے؟ اس کی جوان دمی ہے اور گھر ہے جو اس کے بغیر گھر نہیں بس مکان ہے۔'' گلاب روتے ہوئے ساتھ اماں کو بھی رلا گئی تھی۔ ''اماں! تو اسے یہاں سے بھیج دے مر گیا یہ ہمارے لیے۔'' گلاب اتنا کہہ کر پلٹنے لگی تھی مگر اماں کے زوردار تھپڑوں نے ہلا کے رکھ دیا تھا۔

''تو یہ کیا بکواس کیے جا رہی ہے؟ زبان کو لگام دے۔'' اماں غصے سے اس کی اور تواضع کرنے لگی تھی۔ جب ابا درمیان میں آ گیا۔

''بولنے دے نذیراں بولنے دے' آج میری دمی کو بولنے دے تو اسے چپ نہ کرا۔'' ابا کی آنکھوں میں پانی

بھر گیا اور آواز بھی بھرا گئی تھی۔ گلاب سر سے پاؤں تک تپ گئی تھی۔ اسے اپنے شاطر ابے کی معصومیت پر غصہ آرہا تھا۔
"کوئی ضرورت نہیں مجھے کچھ دی بولنے کی۔" گلاب نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ "جس باپ کو اپنا کچھ پتا نہیں اسے اپنی اولاد کا کس طرح خیال ہوگا؟" شیدا خاموشی سے اپنی معصوم دھی کو دیکھ رہا تھا۔
"ابا تو بتا! تیری جوان دھی ہے تو کیا جوان دھیوں کو اس طرح تنہا چھوڑ دیا جاتا ہے؟ ہم ترس گئے کہ ہم بھی اپنے ابا سے لڑ کر اپنی خواہشیں پوری کروائیں ناز اٹھوائیں ہمارے گھر کو بھی لوگ عزت کی نگاہ سے دیکھیں۔" وہ روتے ہوئے باپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھ رہی تھی شیدے نے شرمندگی سے نظریں جھکالی تھیں۔ آج وہ پہلی بار شرمندہ ہوا تھا اسے احساس ہوا تھا کہ وہ کتنا گرا ہوا ہے۔
"ابا تجھے پتا ہے اماں گھروں میں کام کرتی ہے۔ تاکہ ہماری ضروریات پوری کرسکے لیکن یہ فرض تو تیرا تھا ابا۔ تو کیوں بھول گیا؟" گلاب کی ہچکی بندھ گئی تھی۔ آنسوؤں کے درمیان وہ اپنے کسی بہت ہی اپنے سے شکوہ کررہی تھی۔ وہ کیسا اپنا تھا؟ اسے تو آنکھوں میں ایک آنسو نہیں دیکھ سکتے اور وہ کس طرح بلک بلک کر رو رہی تھی۔ "تجھے کیا پتا تیرا پتر جس کی عمر ابھی پڑھنے کی تھی مگر تیری وجہ سے وہ مزدوری کرتا ہے اپنے بےفکری کے دن ہمارے لیے کما کر گزار رہا ہے۔" گلاب دوپٹے کے پلو سے چہرے کو رگڑتے ہوئے بار بار آنسو پونچھ رہی تھی۔ "اور تجھے کیا پتا کہ گھر کیسے چلاتے ہیں۔ تیری عزت کو لوگ کتنی حقارت سے دیکھتے ہیں۔ تُو تو نشہ کرکے پڑا رہتا ہے۔" وہ روئے جارہی تھی لیکن دل کا بوجھ بڑھتا جارہا تھا۔ "نہ آیا کر تُو ادھر مرگئے ہم تیرے لیے اور تو ہمارے لیے مرگیا۔"
"چٹاخ!" گلاب نے جیسے ہی یہ الفاظ منہ سے نکالے نذیراں نے زوردار تھپڑ رسید کردیا تھا۔ "بے شرم بےحیا! تجھے تو میں نے کبھی ایسا سبق نہیں دیا پھر تو یہ کس کی زبان بولنے لگی ہے۔ زبان دراز!" اماں کو تو جیسے کرنٹ لگا تھا۔ شیدا جو بھی تھا اس کے سر کا سائیں تھا۔
"دھیمیں نذیراں دھیمیں۔" ابا اب اسے کندھوں سے پکڑ کر چارپائی پر بٹھا رہا تھا۔ گلاب روئے جارہی تھی۔ "میری دھی نے تو میری آنکھیں کھول دی ہیں۔" ابا بھی خاموش آنسو بہا رہا تھا۔ "میری دھی نے مجھے بتادیا ہے کہ میں کتنا گرا ہوا ہوں۔ میں اپنی زندگی کو صرف اپنے لیے جی رہا تھا میں بھول گیا تھا کہ میری زندگی پر اب مجھ سے زیادہ حق تو میرے گھر والوں کا ہے۔" وہ سر جھکائے ندامت کے آنسو چھپا رہا تھا۔ گلاب تھک کر چپ کرگئی تھی۔ خاموشی سے بس اس روتے ہوئے شخص کو دیکھ رہی تھی۔ جس سے تعلق تو بہت گہرا تھا مگر کبھی اسے دیکھ کر کوئی خوشی نہیں ہوتی تھی لیکن اب اسے آنسو بہاتے دیکھ کر اس کا دل بے قرار ہوگیا تھا۔ دل چاہ رہا تھا کہ آگے بڑھ کر اس روتے ہوئے شخص کے آنسو پونچھ ڈالے اور کہے۔
"ابا تو نہ رو تیرا رونا مجھے تکلیف دیتا ہے۔"
شیدا چارپائی سے اٹھ کر گلاب کے پاس آیا تھا۔ "میری دھی! اب میں اپنے پیو ہونے کا حق ادا کروں گا اب میں بتاؤں گا کہ میرا بھی ایک گھر ہے بہت پیارا گھر اور میری ایک گلابوں جیسی دھی بھی ہے اور اب میں اپنی دھی کو ہر خوشی دوں گا یہ میرا وعدہ ہے۔" شیدے نے روتے ہوئے اسے گلے سے لگایا تو وہ تو جیسے صدیوں سے اس کندھے کی تلاش میں تھی پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ اماں نے آگے بڑھ کر ان کو الگ کیا تھا۔
"بس کر میری دھی!" گلاب کے بھی آنسو پونچھے تھے۔
"اماں! میں نیمو کو بتا کے آتی ہوں کہ ابا واپس آگیا ہے۔" گلاب کے چہرے پر زندگی سے بھرپور مسکراہٹ تھی۔ وہ بھاگ کر بیرونی دروازہ پار کرگئی تھی۔ وہ خوشی سے جھومتی ہوئی نیمو کے گھر داخل ہوئی تھی سامنے صحن میں کوئی نہیں تھا۔ وہ اندر کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ مگر اندر سے آتی آواز سن کر ٹھٹک گئی۔

"عارف! تجھے نہیں پتا تو جب ایسی باتیں کرتا ہے تو میری جان نکل جاتی ہے۔" نیمو کی آواز اسے چونکا گئی تھی وہ دروازے کے مزید قریب ہوئی تھی۔
"کیوں...... میری جان کی جان نکلنے لگتی ہے؟ تیری جان تو مجھ میں ہے اور تجھے پتا ہے میں جان کی بہت حفاظت کرتا ہوں۔" عارف کی آواز میں دنیا بھر کی محبت سمٹی ہوئی تھی۔ گلاب باہر کھڑی سن ہوگئی تھی۔ وہ گھبرا کر واپس پلٹنا چاہتی تھی مگر قدم واپسی کے لیے اٹھ نہیں رہے تھے اک تجسس تھا جو اسے اکسا رہا تھا۔ وہ خود کو روک نہیں سکی اور دھڑلے سے دروازے کا پٹ وا کردیا۔ مگر اندر کا منظر دیکھ کر اسے حیرت ہوئی۔ اس کی یہ دوست جو ہر وقت بڑی سی چادر کی بکل مارے گھر میں گھومتی تھی آج کسی غیر مرد کے سامنے بے حجاب تھی۔ نیمو کا رنگ اسے دیکھ کر زرد پڑ گیا تھا۔ ارد گرد نظر دوڑاتے اپنا دوپٹا تلاش کیا اور سر پر اوڑھتے ہوئے نظریں جھکا کر گلاب کے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔ وہ لڑکا یونہی بے پروا سا چارپائی پر بیٹھا ہوا تھا اور بڑی دلچسپی سے دروازہ کھولنے والی کو دیکھ رہا تھا۔ گلاب نے ایک اچٹتی نگاہ لڑکے کی طرف ڈالی تھی اور نیمو سے بولی۔
"نیمو! مجھے تم سے ضروری بات کرنا تھی۔" نیمو بےبسی سے اپنے لب کاٹ رہی تھی اور نظریں بدستور جھکی ہوئی تھیں۔ گلاب جان گئی تھی کہ اس وقت وہ شرم سے مر رہی ہے اسی لیے نارمل انداز میں بولی تھی۔
"چل ٹھیک ہے، میں پھر آجاؤں گی۔" گلاب واپس پلٹنے لگی تھی مگر نیمو نے روک لیا۔
"ضروری بات ہے تو آ دوسرے کمرے میں چل کے کرتے ہیں۔" نیمو کی آواز میں واضح طور پر لڑکھڑاہٹ تھی۔ وہ دونوں باہر نکلنے لگیں تب ہی عارف بولا۔
"ایسی بھی کیا بات ہے گلاب جی! جو ہمارے سامنے نہیں ہوسکتی؟" وہ اٹھ کر اس کے قریب آیا اور غلیظ نظروں سے اسے گھورنے لگا۔ گلاب کو اس کی نظروں میں وہی تپش محسوس ہوئی تھی جو وہ اکثر ارشاد کی نظروں میں محسوس کرتی تھی۔ اسے بے حد کوفت ہوئی تھی عارف کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ نیمو سے بولی۔
"نیمو! میں پھر آجاؤں گی۔" گلاب اتنا کہہ کر تیز تیز چلتی ہوئی دروازے سے نکل گئی۔ وہ سوچنا نہیں چاہتی تھی کہ پیچھے کیا ہوا ہوگا لیکن سوچ تو کبھی پیچھا نہیں چھوڑتی وہ گھر آکر بھی نیمو کے بارے میں سوچ سوچ کر الجھتی رہی تھی۔ جتنا سوچتی اتنا ہی الجھتی جاتی تھی لیکن کوئی سرا ہاتھ نہیں لگ رہا تھا۔ بھلا اس لڑکے کا نیمو سے کیا تعلق ہوسکتا ہے پہلے تو اسے کبھی نہیں دیکھا؟ اور نیمو پر بھی اسے حیرت ہوئی تھی۔ کہاں اس کے سر سے چادر نہیں اترتی تھی اور کہاں وہ ایک اجنبی کے سامنے بغیر دوپٹے کے......! لیکن وہ اجنبی تو میرے لیے ہے ہوسکتا ہے نیمو سے اچھی خاصی واقفیت ہو...... اگر اس کو وہ اتنا ہی جانتی تھی تو پھر اس نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟ وہ تو ہر بات مجھ سے کرتی ہے پھر اس لڑکے کے بارے میں کیوں نہیں بتایا؟ وہ اپنی سوچوں میں غلطاں تھی جب اماں کی کڑک دار آواز پر ہڑبڑا اٹھی تھی۔ اماں اس کے سر پر کھڑی لال آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ اس نے اماں کے تیور دیکھ کر جلدی سے چولہے کی طرف نگاہ کی جہاں دودھ ابل کر مٹی کے چولہے اور لکڑیوں کی نذر ہوچکا تھا۔
"تیرا دماغ کیا گھاس چرنے گیا ہے؟" اماں کمر پر ہاتھ رکھے اپنے مخصوص انداز میں بولی۔
"ارے کم بخت یہ کیا کردیا تو نے باپ کیا گھر میں آگیا۔ رزق کو رزق نہیں سمجھ رہی۔ کبھی تو ایک کپ دودھ کے لیے ترستی تھی اور اب دیکھو ذرا سارے دودھ کا ستیاناس کردیا۔" وہ جانتی تھی اماں اب خاموش ہونے سے رہی اسی لیے کوئی صفائی پیش کیے بغیر برتن سمیٹ کر نلکے کی طرف بڑھ گئی۔

❖......☆......❖

بڑے سے ہال نما کمرے میں بیٹھا شخص کوئی پچیس کے لگ بھگ تھا۔ اس شخص کے سامنے بیٹھا ایک اور مرد جو عمر میں اس سے کافی بڑا تھا۔ ہاتھ جوڑے اسے اپنی بات

پرآمادہ کرنے کی سعی کررہا تھا۔
"سائیں! بس تھوڑا انتظار اور کرلیں۔"
"ہمیں شیدے بس!" اس شخص کی کڑک دار آواز پورے ہال میں گونجی تھی۔ "کتنا انتظار کروائے گا تو ہم سے؟ دیکھ شیدے! تجھے پندرہ سال سے زیادہ عرصہ ہوگیا ہے ہمارے ساتھ کام کرتے ہوئے لیکن تو نے ہمیں کیا دیا؟ کبھی کوئی ڈھنگ کا مال دیا ہو تو بتا مجھے اور اب تو مسلسل چھ مہینے ہوگئے ہمیں انتظار کرواتے ہوئے تو کوئی بھی مال لانے میں ناکام رہا ہے۔" وہ شخص جا کر کھڑکی کے پاس کھڑا ہوگیا تھا۔ شیدے کو اس کی ناراضگی کا علم ہوگیا تھا اس لیے منتیں کرنے لگا تھا۔
"خدا کے لیے سائیں! ناراض نا ہوں۔" شیدا بدستور ہاتھ باندھے ہوا تھا۔ "میں آپ کو اس دفعہ ایسا ہیرا لا کر دوں گا کہ آپ کے سارے گلے شکوے دور ہوجائیں گے۔" شیدا اس کے قریب آ کر بولا تھا۔ اس شخص نے ایک اچٹتی سی نگاہ اس پر ڈالی اور رخ پھیر لیا۔
"کب تک ہوگا تیرا کام؟" اس شخص نے دریافت کیا۔
"بس سائیں! ایک مہینہ اور دے دو۔ میں اگلے مہینے کی آٹھ تاریخ کو آپ کا مال آپ تک پہنچا دوں گا۔" شیدا اسے اپنا پلان بتاتے ہوئے خوشی سے بولا۔
"اچھا ٹھیک ہے!" اس شخص نے ہاتھ اٹھا کر رسانیت سے کہا۔ "تو جا کر اپنے پیسے لے لے مگر اتنا یاد رکھنا یہ تیرا آخری وعدہ ہوگا۔ اگر تو یہ بھی پورا نہ کرسکا تو مجھے تیرے تمام حساب پورے کرنے پڑیں گے۔" اس شخص نے دھمکی نہیں دی تھی بلکہ شیدا جانتا تھا کہ وہ ایسا کرسکتا تھا۔
"آپ کو ایسا کچھ نہیں کرنا پڑے گا سائیں!" شیدے نے اس کا ہاتھ عقیدت سے چومتے ہوئے آنکھوں سے لگایا اور ہال سے باہر نکل گیا۔

❖......☆......❖

"گلاب! اری او گلاب!" وہ کمرے میں چارپائی پر چت لیٹی ہوئی تھی جب نیمو کی آواز پر اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔
گلاب جس دن سے عارف کو دیکھ کر آئی تھی ان کے گھر نہیں گئی تھی اور اب نیمو دونوں ہاتھ کمر پر رکھے اسے غور سے دیکھ رہی تھی۔
"کیا ہوگیا ہے تجھے؟ اتنے دنوں سے ہمارے گھر کیوں نہیں آئی؟" نیمو نے آتے ہی اسے لتاڑنا شروع کردیا تھا۔ اسے سچ میں اس کی کمی کا احساس ہوا تھا لیکن شرمندگی ہی اتنی تھی کہ سامنا کرنے سے کترا رہی تھی۔ مگر آج ہمت کر کے آ ہی گئی۔
"کیوں؟ تجھے آج میرا خیال کیوں آیا؟" گلاب آنکھوں میں ناگواری لیے بولی۔ "تجھے فرصت مل گئی غیروں سے۔ اس عارف نے تجھے اجازت دے دی مجھ سے ملنے کی؟" گلاب کو اب عارف سے حسد ہونے لگا تھا۔ جس نے اس سے اس کی بچپن کی دوست دور کردی تھی۔ اسی لیے فوراً شکوہ کردیا۔ مگر نیمو کو تو جیسے کرنٹ لگا تھا، وہ اچھل کر اس کے قریب آئی اور اپنا ہاتھ گلاب کے لبوں پر رکھ دیا تھا۔
"خدا کے لیے گلاب! اپنی آواز کو آہستہ رکھ۔" نیمو کی آواز مارے خوف کے کانپ رہی تھی، چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا تھا۔ "خدارا آہستہ بول دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔" نیمو کی حالت دیکھ کر گلاب کو بھی شرمندگی ہوئی تھی۔
"اچھا، اچھا اب بس کر، کوئی بھی نہیں ہے گھر پر اور ان دیواروں کے کوئی کان وان نہیں ہوتے تو ایویں ڈر رہی ہے۔" گلاب نے اسے تسلی دیتے ہوئے بڑے پیار سے کہا۔
"چل اب بتا! میری پیاری سی سہیلی مجھ سے ناراض کیوں ہے؟" نیمو عارف والے قصے کو یوں نظر انداز کر گئی تھی کہ گلاب چونکے بنا نہیں رہ سکی حالانکہ نیمو جانتی تھی کہ وہ اس سے کیوں ناراض ہے پھر بھی......! شاید نیمو مجھے اپنا ہم راز نہیں بنانا چاہتی۔ گلاب کو برا ضرور لگا مگر وہ اپنی اتنی اچھی دوست کھونا نہیں چاہتی تھی۔ اسی لیے سر نفی میں ہلاتے ہوئے بولی۔
"میں بھلا اپنی سہیلی سے ناراض کیوں ہونے لگی؟" وہ

جیسے دونوں ہی ایک دوسرے کا بھرم رکھ رہی تھیں۔ "میں تو بس اسی لیے تیرے گھر نہیں آئی کہ وہ ابا ہوتا ہے نا تو مجھے اچھا نہیں لگتا۔" گلاب نے بہانہ بناتے ہوئے بڑے پیار سے اسے بہلایا تھا۔
"ہاں، مجھے چاچی نے بتایا تھا اچھا ہوا چاچے کو بھی عقل آ ہی گئی۔" نیمو افسردگی سے بول رہی تھی۔ "تجھے پتا ہے پورے گاؤں میں تیرے ابا کے بدل جانے کے چرچے ہیں۔ کوئی بھی اب چاچے کو برا بھلا نہیں بولتا۔" نیمو خوشی سے اسے بتا رہی تھی۔
"اماں تو پاگل ہوگئی ہے کیا ضرورت ہے گاؤں والوں کو بتانے کی جب یہاں گھر پر رہے گا تو خود ہی سب کو پتا چل جائے گا۔" گلاب کو غصہ آ گیا تھا۔ "لیکن اماں کو تو بڑا شوق چڑھا ہوا ہے اپنے بندے کی تعریفیں کرنے کا...... لوگ سن تو لیتے ہوں گے اور بعد میں ہنستے ہوں گے۔" گلاب اپنے گاؤں کے لوگوں سے بہت بدظن تھی۔
"اچھا، چل چھوڑ چاچی کا بھی کوئی قصور نہیں، اسے اتنی دیر بعد تو خوشی ملی ہے وہ تم لوگوں کو کس طرح پال رہی تھی یہ تو وہ ہی جانتی ہے نا اور اب تو وہ ہر فکر سے آزاد ہوگئی ہے۔" نیمو اسے سمجھانے لگی تھی۔ پھر وہ دیر تک ادھر اُدھر کی باتیں کر کے چلی گئی اور عارف کے بارے میں کچھ نہیں بتایا، یہ بات گلاب نے سوچی ضرور تھی مگر پوچھا نہیں۔

❖......☆......❖

گلاب کے گھر میں بہت بڑی تبدیلی آئی تھی، ان کے گھر اب ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔ گھر پر ہی کھانا پکتا تھا۔ گلاب بے حد خوش تھی اور سوچتی تھی کہ اس کا ابا ایسا کیا کام کرتا ہے کہ اتنے ڈھیر سارے پیسے اور چیزیں لے کر آتا ہے لیکن وہ یہ صرف سوچتی ہی تھی۔ اس کے لیے اس بات کی کوئی اہمیت نہیں تھی کہ وہ اپنے ابا سے بھی پوچھتی۔ اس کی تو ہر ضرورت اور خواہش پوری ہو رہی تھی۔ اسے اور کیا چاہیے تھا؟ سہیل کو جب علم ہوا کہ ابا اب گھر پر ہمیشہ کے لیے آ گیا ہے تو اس نے شکر کا سانس لیا تھا۔ وہ جو مہینے میں کبھی چکر لگا لیتا تھا اب وہ بھی نہیں رہا تھا۔ بس

ایک خط لکھ کر اپنی خیریت بتادیا کرتا تھا۔ نیمو جب سہیل کا خط پڑھ کر سناتی تو گلاب کا دل بھی کرتا کہ کاش وہ بھی تھوڑا بہت پڑھی لکھی ہوتی مگر جہاں ”کاش“ کا لفظ آجائے وہاں کچھ نہیں ہوسکتا۔ شیدا جب بھی شہر سے گاؤں آتا تو گلاب اور نذیراں کے لیے بے شمار چیزیں لے کر آتا۔ کپڑے، جوتی سب چیزیں بہت ہی پیاری ہوتیں جنہیں پہن کر گلاب ہواؤں میں اڑنے لگتی تھی۔ وہ خود کو دنیا کی خوش قسمت لڑکی سمجھتی اور خدا سے معافیاں مانگتی نہ تھکتی۔ اس نے غربت سے تنگ آکر بہت بار اپنے منہ سے شکوے کے کلمات نکالے تھے اور اب وہ خدا کا شکر ادا کرتی نہ تھکتی۔ خدا نے اسے اب عزت کی زندگی بخش دی تھی اور وہ بہت مطمئن تھی۔ اب تو وہ ارشاد کے سامنے بھی بہت اکڑ کر چلتی تھی۔ طنزیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے اسے بہت کچھ جتا جاتی تھی مگر وہ پریشان تھی کہ ارشاد کو اب کیا ہوگیا ہے کہ اس کے کسی سوال کا جواب بھی نہیں دیتا تھا۔ اگر کہیں ٹکراؤ ہوجاتا تو وہ نظریں جھکا کر گزر جاتا تھا۔ اس میں یہ تبدیلی بہت واضح آئی تھی اور گلاب سمجھتی تھی وہ اب اس کے سامنے اگر کبھی آ بھی گیا تو اسی طرح نظر انداز کرکے گزر جایا کرے گا لیکن اسے اس کی یہ تبدیلی کچھ پسند نہیں آئی تھی۔ اب تو وہ اس کے سامنے سے اکثر گزرتی تو خود ایک بار نگاہ اٹھا کر دیکھتی تھی مگر وہ نظریں جھکائے گزر جایا کرتا تھا۔

گلاب نے آج نیا سوٹ پہنا تھا، بہت پیارا سوٹ تھا جو اس کا ابا شہر سے لایا تھا وہ پہن کر نیمو کو دکھانے جارہی تھی جب گلی سے آتے ارشاد کو دیکھ کر رک گئی تھی۔ آج بھی وہ آگے نہیں بڑھا تھا بلکہ اسے سراہتی نظروں سے دیکھتے ہوئے اس کے سامنے ہوگیا تھا۔

”کیوں اب کیوں میرا رستہ نہیں روکتا، ہمت نہیں رہی اب؟“ کیسا مان تھا آج اس کی آنکھوں میں اور کتنے فخر سے وہ گردن اکڑائے کھڑی تھی۔ ”اب کیا تو تھک گیا ہے یا پھر چوڑیاں پہن لی ہیں؟“ گلاب زہر خند لہجے میں اس سے پوچھ رہی تھی اور لبوں پہ زہریلی مسکراہٹ تھی۔ ارشاد نے ایک نظر اس کے بھرپور سراپا کو دیکھا تھا۔ پھر اس کی آنکھوں میں اپنے لیے بے پناہ نفرت پاکر وہ نظریں جھکا گیا تھا، اتنی نفرت وہ کہاں سہہ پاتا۔

”تو کیسی باتیں کررہی ہے مجھے کیا ضرورت ہے تیرا رستہ روکنے کی؟“ ارشاد نے بہت نارمل انداز میں بات کی تھی۔ گلاب کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔ اسے اس سے یہ امید نہیں تھی، وہ تو سمجھ رہی تھی کہ وہ آج خوب اپنے دل کی بھڑاس نکالے گا مگر ارشاد تو جیسے سر سے پیر تک بدل گیا تھا۔

”تو سوچ رہی ہے کہ مجھے کیا ہوگیا ہے۔ میں نے تیرے اتنے سخت سوالوں کا جواب اتنے آرام سے کیوں دیا ہے؟“ ارشاد جیسے اس کی ہر سوچ پڑھ چکا تھا۔ ”تو یقین کر گلاب! میں چاہوں بھی تو تیرے ساتھ سخت لفظ استعمال نہیں کرسکتا۔ پتا نہیں کیا کردیا ہے تو نے؟“ وہ بے بسی سے اس کی جانب سے رخ موڑ کر کھڑا ہوگیا تھا۔ گلاب تو جیسے حیرت کی تصویر بنی وہاں کھڑی تھی۔ ”تو ہر وقت یوں گلیوں میں نہ گھوما کر۔ زمانہ ٹھیک نہیں ہے۔“ وہ رخ پھیرے اسے ہدایت کررہا تھا۔ جانے کیوں اسے اب اس کی اتنی فکر رہنے لگی تھی۔ ”میں خود تجھ سے ملنا چاہتا تھا۔“ اس نے گلاب کو ایک سرسری نگاہ سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ گلاب اسے بغور دیکھ رہی تھی مگر بولی کچھ نہیں۔

”گلاب میں تجھ سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں، تو میری بات کا برا تو نہیں مانے گی؟“ گلاب پہلے ہی حیران تھی، اس کے اس طرح اجازت طلب کرنے پر مزید حیران ہوئی تھی مگر کمال بے نیازی سے پرانا انداز اپناتے ہوئے بولی تھی۔

”میرا تجھ سے ایسا کوئی رشتہ نہیں کہ میں تیری کسی بات کا برا مانوں یا اچھا مانوں۔“ گلاب اسے دیکھ نہیں رہی تھی۔ مگر اس کی آنکھوں میں موجود ناگواری ارشاد دیکھ چکا تھا۔ ”تجھے اتنی فکر کرنے کی ضرورت نہیں میرے اچھا یا برا ماننے کی۔“ ارشاد بے بسی سے اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

”دیکھ گلاب! تو بہت معصوم ہے، اتنی معصوم کہ تجھے ہر کوئی اپنے جیسا ہی نظر آتا ہے، دل کا سچا اور صاف۔“ ارشاد کچھ توقف کے بعد پھر گویا ہوا تھا۔ ”میں یہ گاؤں چھوڑ کر جارہا ہوں۔“ ارشاد نے مایوسی سے کہا تھا۔ مگر گلاب کو یہ سن کر خوشی ہوئی تھی وہ ہنستی ہوئی اس سے بولی تھی۔

”یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔ ویسے بھی اس گاؤں میں رکھا کیا ہے؟ تو کیا تو مجھے صرف بتانا چاہتا تھا۔“ گلاب نے خوشی اور حیرت کے ملے جلے تاثرات سے اس کی گہری سیاہ آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا تھا لیکن وہ پل بھر کو چونکی تھی۔

کیا تھا اس کی آنکھوں میں آج......؟ وہ نظریں جھکا گئی تھی۔ کتنی بے بسی تھی اس کی آنکھوں میں......! پہلے تو ایسا کچھ نہیں ہوتا تھا۔ اس کی آنکھوں کا آج رخ بدلا بدلا تھا۔ گلاب کو آج اس سے گھن نہیں آرہی تھی۔ اس کی نگاہوں میں آج محبت کا سمندر ٹھاٹھیں ماررہا تھا۔ اس کے چہرے پر پھیلے تاثرات دیکھ کر گڑبڑا گئی تھی۔ پہلے جب وہ اسے دیکھتا تھا تو اسے لگتا تھا کہ وہ کسی ان دیکھی آگ میں جل رہی ہے۔ لیکن آج تو ایسا کچھ نہیں تھا۔

”گلاب میں تو یہاں سے چلا جاؤں گا۔“ وہ جب بولا تو صدیوں کی تھکن اس آواز میں نمایاں تھی۔ کس قدر ٹوٹا ہوا لہجہ تھا۔ ”لیکن سوچتا ہوں یہاں کی خوب صورتی کو کیسے بھول پاؤں گا، یہاں کے خوب صورت لوگوں کو کس طرح بھولوں گا؟“ آخری جملے پر اس نے گلاب کو گہری نظر سے دیکھا تھا۔ ”دیکھ گلاب! تو کسی کے دھوکے میں نہ آنا۔ یہ دنیا بہت ظالم ہے تم جیسی معصوم لڑکیاں یہاں کے چالاک لوگوں کے لیے کچھ نہیں وہ تمہیں کوئی بھی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔“ وہ آج جیسے اسے دنیا کی ہر صورت دکھا دینا چاہتا تھا۔ وہ اسے ایسے سمجھا رہا تھا جیسے وہ انسانوں کی دنیا میں نہیں بلکہ حیوانوں کے جنگل میں رہتی ہے۔ یک دم گلاب بوکھلا گئی تھی، دل عجیب طرح سے دھڑکا تھا لیکن وہ اپنی اس کیفیت کو چھپا گئی تھی اور بے پروائی سے بولی۔

”تو فکر نہ کر میری میں اپنا بہت اچھی طرح خیال رکھ سکتی ہوں۔ تجھے میرے لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔“

”میں جانتا ہوں تو اپنا خیال رکھ سکتی ہے لیکن گلاب......!“ اس نے ذرا توقف کیا اور اس کے چہرے کو دیکھا تھا۔ جیسے اس کے تاثرات جاننا چاہ رہا ہو لیکن وہاں صرف بے نیازی تھی۔ ”لیکن گلاب تو......! اپنے ابے سے ذرا ہوشیار رہنا اس کی آج کل سرگرمیاں......!“ وہ شاید ابھی کچھ اور بھی کہتا لیکن گلاب کی تیز آواز اسے چپ کرواگئی تھی۔

”بس، ارشاد بس......! میں نے تیری اتنی دیر بکواس برداشت کی تیرے لیے اتنا ہی کافی ہے۔“ گلاب نے اس کی بات کاٹ کر بے حد تیز لہجے میں کہا تھا۔ ”اور اب میں مزید نہیں سن سکتی۔“ وہ انگلی اٹھا کر اسے تنبیہ کرتے ہوئے آگے بڑھنے لگی تھی۔ جب ارشاد نے اس کی دودھیا کلائی تھام لی تھی۔ اس سے پہلے کہ ارشاد کچھ بولتا گلاب کا زوردار تھپڑ اس کے چہرے پر اپنا نشان چھوڑ گیا تھا۔

”تیرے جیسے کمینے لوگ جب تک اس دنیا میں ہیں، کوئی عورت محفوظ نہیں ہے۔“ وہ اپنا ہاتھ چھڑا چکی تھی اور زبان سے شعلے برسارہی تھی۔ ارشاد سکتے کے عالم میں اسے دیکھ رہا تھا۔ جیسے اس کی نگاہوں میں کچھ تلاش کررہا تھا۔ شاید اپنے لیے محبت یا پھر ہمدردی لیکن وہاں تو سوائے نفرت کے کچھ نہیں تھا۔ وہ بے بسی کی انتہا کو چھوتا نگاہیں پھیر گیا تھا کہ اپنے لیے وہ گلاب کی اتنی نفرت برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ جب کہ گلاب کا غصہ کم ہونے نہیں دے رہا تھا۔

”تو ہوتا کون ہے میرے لیے یہ اتنا پریشان ہونے والا؟ کیا رشتہ ہے تیرا مجھ سے......؟“ وہ سوال کررہی تھی اور وہ کچھ بھی کہنے کی سکت نہیں رکھتا تھا۔ اس کے اندر کچھ ٹوٹ گیا تھا۔ یا پھر شاید وہ اندر سے ٹوٹا نہیں بلکہ ختم ہوگیا تھا، اس کی آنکھوں میں دھواں سا بھر گیا تھا، ہر چیز دھندلی نظر آرہی تھی۔ صرف اپنے دل کی پکار سنائی دے رہی تھی۔

”مجھے اس طرح نہ دیکھو گلاب! میں تمہاری آنکھوں میں اپنے لیے نفرت برداشت نہیں کرسکتا۔ خدا کے لیے

گلاب! مجھ پر رحم کرو۔ میں بے بس ہو کر رہ گیا ہوں۔ مجھے تمہارے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ خدارا مجھے ان نگاہوں کی تپش سے بچاؤ میں بے قرار ہوں گلاب! مجھے قرار دے دو میں ہر پل تمہاری ان آنکھوں کو دیکھتا ہوں جو مجھے نہ تنہائیوں میں سکون لینے دیتی ہیں نہ ہی کسی بھیڑ میں...... میں تنگ آ گیا ہوں خود سے خدا کے لیے مجھ پر رحم کرو۔" وہ دل ہی دل میں گڑگڑا رہا تھا۔ اپنی محبت کا اعتراف کر رہا تھا۔ گویا اقبال جرم کر رہا تھا اور سزا چاہتا تھا۔ ایسی سزا جس میں اسے کچھ پل سکون مل سکتا تھوڑا قرار آ جاتا۔ مگر اس کی یہ التجائیں سننے کے لیے تو وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ اس کی ساری منتیں تو اندر ہی دم توڑ گئی تھیں۔ وہ کس سے سر پھوڑ رہا تھا۔ وہ تو وہاں تھی ہی نہیں۔ پتا نہیں وہ کب کی اسے کیا کچھ سنا کر جا چکی تھی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تھا۔ نیمو کے گھر کا دروازہ تو جانے کب کا بند ہو چکا تھا اور وہ اس دروازے کے پار غائب ہو گئی تھی وہ شکستہ سا گھر لوٹ گیا۔

❖......☆......❖

رشید کافی دنوں بعد گھر لوٹا تھا اور اس کے ہاتھوں میں آج بھی ہمیشہ کی طرح چیزوں سے بھرے تھیلے تھے۔ جنہیں دیکھ کر گلاب خوشی سے پاگل ہو گئی تھی۔ آگے بڑھ کر ابے سے لپٹ گئی اور بڑے پیار سے بولی تھی۔

"ابا! اتنے دنوں بعد کیوں آیا ہے؟ جانتا ہے میرا اب دل نہیں لگتا۔"

"او میری دھی رانی! میرے لیے اداس ہو گئی تھی یا اپنی چیزوں کے لیے؟" شیدے نے بڑے پیار سے اس کی چوری پکڑلی تھی۔

"ہائے ابا! یوں تو نہ بول قسم سے تو گھر میں نہیں ہوتا تو گھر میں رونق ہی نہیں ہوتی۔ سچ ابا ایک بات بتاؤ؟" وہ سرگوشی کے سے انداز میں کہہ کر پھر شیدے کے کان میں کچھ بولی تو وہ دونوں نذیراں کو دیکھ کر ہنسنے لگے تھے اور نذیراں باپ بیٹی کے پیار کو دل ہی دل میں سدا آباد رکھنے کی دعائیں دینے لگی۔

"میں نے گلاب کے لیے ایک لڑکا دیکھا ہے ادھر شہر میں......!" گلاب باپ کے لیے کھانا لینے اٹھی تھی جب اپنے پیچھے رشید کی آواز سن کر رک گئی تھی۔ شیدا بہت آہستہ بول رہا تھا۔ گلاب رکی نہیں تھی کھانا نکالنے لگی تھی مگر کان اماں ابا کی باتوں پر لگے ہوئے تھے۔

"نا...... رشید...... نا میں اپنی دھی کو اتنی دور نہیں بھیجوں گی۔" نذیراں فکر مندی سے گویا ہوئی تھی۔ جانے ابا نے کیا کہا اسے ابے کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی وہ بہت آہستہ بول رہا تھا۔

"تو تو ان سے بول دے کہ ہم کوئی جاگیردار تھیں ہیں۔" اماں نے ابے کو اپنی اوقات یاد کروائی تھی۔ یقیناً اس کے رشتے کی بات تھی۔ گلاب تھوڑا سا کھسک کر آگے ہوئی تھی تاکہ ابے کی آواز بھی سن سکے۔

"دیکھ نذیراں! دھی کا معاملہ ہے اگر پتر کا معاملہ ہوتا تو ضرور سچ بتا دیتا لیکن میں اپنی دھی کو خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔" شیدا نذیراں کو بڑی رازداری سے سمجھا رہا تھا۔ "وہ ڈاکٹر میری دھی کو بہت خوش رکھے گا۔ اس کے نہ کوئی آگے ہے نہ پیچھے۔ ایک بہن ہے اس کو بھی بیاہ کر ملک سے باہر بھیج رکھا ہے۔" رشید ساری تفصیل نذیراں کو بتا رہا تھا اور گلاب بھی بہت توجہ سے سن رہی تھی۔ "بس اتنی سی بات ہے کہ وہ لڑکا گلاب کو دیکھنا چاہتا ہے۔" رشید کی بات سن کر گلاب کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

"تو کیا کوئی لڑکا اس سے ملنا چاہتا ہے۔" وہ بس اتنا ہی سوچ سکی تھی جب ابا پھر بولا۔

"دیکھ نذیراں! شہروں میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ لڑکے لڑکیوں کو دیکھ کر ہی شادیاں کرتے ہیں۔ اب وہ زمانہ نہیں رہا جب ماں باپ جا کر لڑکی دیکھ آتے تھے اور ہاں کر دیتے تھے۔" رشید بڑے حوصلے اور آرام سے نذیراں کو سمجھا رہا تھا۔ "تو اتنی فکر مند کیوں ہوتی ہے۔ میں اپنی دھی کے ساتھ ہی ہوں گا بس تو اس آٹھ تاریخ کو گلاب کو تیار کر دینا۔ ہم کو صبح صبح ہی نکلنا ہوگا۔" رشید اتنا کہہ کر چارپائی سے اترا اور ہاتھ دھونے کے لیے نلکے کی طرف بڑھ گیا

تھا۔ نذیراں کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی تھی۔

ادھر گلاب کا انگ انگ مہک اٹھا تھا صرف یہ سن کہ کے وہ شہر جا رہی ہے اور سب سے بڑھ کر اسے کسی لڑکے نے پسند کیا تھا۔ گلاب کی سوچوں نے دریا کی سی روانی اختیار کر لی تھی اور وہ اس دریا میں بہتی جانے کہاں سے کہاں پہنچ گئی تھی۔

❖......☆......❖

گلاب اب گن گن کے دن نکال رہی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وقت پر لگا کر اڑ جائے اسے آٹھ تاریخ کا بڑی شدت سے انتظار تھا۔ دن کے دس بج رہے تھے۔ ابا صبح صبح پھر شہر کا کہہ کر چلا گیا تھا۔ وہ صحن میں چارپائی بچھائے بیٹھی تھی۔ اماں گھر پر نہیں تھی وہ چارپائی پر لیٹ گئی تھی۔ آج موسم بہت حسین ہو رہا تھا یا پھر شاید اب اسے ہر چیز ہی خوب صورت لگنے لگی تھی۔ آسمان سیاہ بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی بہت سے پرندوں کے اڑتے ہوئے غول اپنے گھونسلوں کا رخ کر رہے تھے۔ اسے پہلے ایسے موسم کبھی اپنی طرف نہ کھینچتے تھے۔ جب بھی بھی بارش ہونے والی ہوتی تو اس کا موڈ بگڑ جایا کرتا تھا وہ اماں سے لڑ پڑتی۔

"اماں! تو کیسے کہتی ہے کہ بارش اللہ کی رحمت ہوتی ہے؟ میرے لیے تو یہ کسی زحمت سے کم نہیں ہے۔" وہ اپنے بڑے سے صحن کی صفائی کے خیال سے چڑ جاتی تھی۔ جہاں بارش کے بعد کیچڑ ہی کیچڑ ہوتی تھی۔

"ایسی باتیں نہیں کرتے گلاب! بارش اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے اللہ کا شکر ادا کرنا سیکھ۔ ہر وقت کوئی نہ کوئی شکوہ لیے بیٹھی رہتی ہے۔" اماں اسے سختی سے سمجھایا کرتی تھی اور وہ تپ کر رہ جاتی۔

"بس کر اماں! دیکھ ذرا سی دیر میں کیا حال ہو گیا ہے سارے گھر کا......!" وہ دروازے میں کھڑی ہو کر بے بسی سے برستی زور و شور کی بارش دیکھتی۔ "اب اگر ایک گلاس پانی کے لیے نلکے تک جانا پڑ گیا تو ایک آدھ ٹانگ تو تڑوانا پڑے گی۔" گلاب پاؤں پٹختی پھر واپس چارپائی پر آ کر ڈھ جاتی تھی۔ نذیراں تاسف سے اسے دیکھتی رہ جاتی تھی اور سوچتی کل کو اس کا بیاہ بھی تو کسی کچے گھر میں ہی ہوگا تو پھر یہ کیا کرے گی؟ لیکن آج گلاب کو بارش کا بے صبری سے انتظار تھا۔ اسے آج یہ موسم بڑا دل فریب لگ رہا تھا۔

"گلاب! اری او گلاب! کدھر مر گئی ہے تو۔" وہ اپنے خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی۔ جب اماں کی آواز پر گردن موڑ کر باہر دروازے کی طرف دیکھا تھا جہاں سے اماں تقریباً بھاگتی ہوئی آ رہی تھی۔ اس نے سمجھا اماں بادل دیکھ کر بھاگی آ رہی ہے تاکہ گھر جا کے چیزیں سمیٹ سکے لیکن وہ تو پہلے ہی یہ کام کر چکی تھی۔ اسی لیے تسلی سے پھر لیٹ گئی۔ "گلاب! تو سنتی کیوں نہیں؟" گلاب اماں کی بدحواسی پر چونک گئی تھی۔ اس لیے فوراً اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ اس کا دل بری طرح سے دھڑکا تھا۔

"خیر تو ہے نا اماں؟" گلاب نے اماں کو کندھوں سے پکڑ کر چارپائی پر بٹھایا تھا۔

"تو نے کچھ سنا ہے گلاب!" اماں کے چہرے کا اڑا ہوا رنگ کچھ غلط ہونے کا پتا دے رہا تھا۔ گلاب نے اماں کو کبھی اس طرح گھبرایا ہوا نہیں دیکھا تھا۔

"کیا ہوا ہے اماں؟ تو اس قدر گھبرائی ہوئی کیوں ہے؟ کچ دس تو سئی۔" گلاب نے اماں سے کئی سوال ایک ساتھ کر دیے تھے۔

"وہ نیمو ہے نا! اس کا آج نکاح ہو رہا ہے۔" اماں نے تو جیسے بم پھوڑا تھا۔ گلاب سکتے کے عالم میں تھی۔ "وہ جو ساتھ والی گلی میں کریم چاچا نہیں ہے وہ دکان دار اس کے ساتھ۔" اماں نے جیسے خود کو سنبھالتے ہوئے اسے بتایا تھا۔ گلاب کا گلابی رنگ زرد پڑ گیا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اماں کو دیکھ رہی تھی۔

"یہ تو کیا بول رہی ہے اماں؟" مارے غم کے گلاب صرف اتنا ہی کہہ پائی تھی اگلے ہی لمحے وہ بیرونی دروازہ پار کر گئی تھی۔ تین چار گھر چھوڑ کر نیمو کا گھر تھا۔ وہ جیسے ہی گھر سے نکلی تھی۔ تیز بارش کی پھوہار نے اسے سر سے پاؤں تک بھگو دیا تھا۔ اس نے دھڑ سے نیمو کے گھر کا دروازہ

کھولا تھا۔ بڑا سا صحن آج بے حد سونا تھا۔ ٹاہلی کے نیچے جھولتا ہوا خالی جھولا جیسے اپنے اجڑنے پر ماتم کناں تھا۔ وہ بھاگتی ہوئی نیمو کے کمرے میں آئی تھی۔ کمرے کے ایک کونے میں بیٹھی نیمو کی آنکھیں خشک تھیں۔ اس کے چہرے پر کوئی خوشی یا غم کا تاثر نہیں تھا۔ گلاب آگے بڑھی تھی اور نیمو سے بولی تھی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے نیمو؟ میں نے جو سنا ہے کیا وہ سچ ہے؟" گلاب کو اپنی آواز رندھی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ مگر نیمو تو بے حس بیٹھی تھی۔ شاید اسے گلاب کے آنے کا بھی پتا نہیں تھا۔ گلاب نے نیمو کو جھنجوڑ ڈالا تھا۔

"یہ زہر تو کیوں پی رہی ہے نیمو! کیا کسی نے مجبور کیا ہے تجھے؟" گلاب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

نیمو کو جیسے کچھ ہوش آیا تھا' اپنے سامنے بیٹھی روتی گلاب کو دیکھ کر وہ پریشان ہوئی تھی۔ "نیمو تجھے کس نے مجبور کیا ہے؟ تو تو عارف کو چاہتی تھی پھر...... پھر یہ کیا ہو گیا؟" نیمو اس کے آنسوؤں سے بھرے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ اسے آج اپنی سہیلی بہت مختلف لگی تھی۔ وہ تو ہر وقت خوش رہنے والی تھی۔ غموں کو ذہن پہ سوار نہیں کرتی تھی آج تک اس کی زندگی میں جو بھی ہوا وہ کبھی اس طرح نہیں روئی تھی اور اگر آج وہ رو رہی تھی تو ان آنسوؤں کی وجہ وہ خود تھی۔

"تو کیوں رو رہی ہے' گلاب!" گلاب حیران ہوئی تھی۔

"میں روؤں نا تو اور کیا کروں نیمو! تیرے ساتھ یہ کیا ہو رہا ہے؟" گلاب نے روتے ہوئے نیمو کو گلے سے لگایا تھا۔ "بتا نیمو! تائی صغراں ایسا کیوں کر رہی ہے تیرے ساتھ' اپنے ہم عمر بندے کو وہ اپنی دھی کیوں سونپ رہی ہے؟" گلاب نے کئی سوال ایک ساتھ کیے تھے۔

"کوئی مجھے مجبور نہیں کر رہا گلاب! مجھے کوئی مجبور نہیں کر رہا۔" اس نے تھک کر سر دیوار سے لگا لیا تھا۔ آنکھیں کسی غیر مرئی نقطے پر مرکوز تھیں۔ گلاب اسے حیرانی سے دیکھتی رہ گئی تھی۔

"یہ تو کیا بول رہی ہے نیمو!" گلاب کو الفاظ نہیں مل رہے تھے وہ اس سے کیا پوچھتی۔ "تو تو عارف کو چاہتی تھی نا!" نیمو جیسے پل بھر کو چونکی تھی۔

"کون عارف...... ! کس عارف کی بات کر رہی ہے تو؟" نیمو بے حد تھکے لہجے میں بولی تھی۔ صدیوں کی مسافت اس کی آواز سے عیاں تھی۔ "بتا مجھے کس عارف کی بات کر رہی ہے تو؟" نیمو کی آنکھوں میں یک دم ہی نفرت اتر آئی تھی۔ وہ گلاب کو کاٹ دار نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ گلاب اندر تک کانپ اٹھی تھی۔ "کیوں نام لیتی ہے تو اس خبیث کا۔" وہ بے بسی سے رونے لگی تھی۔ گلاب کے کندھے پر سر رکھ کے وہ ایسی روئی کہ باہر برستی بارش اس کے آنسوؤں کے آگے ہار گئی تھی۔ کتنی ہی دیر وہ دونوں ایک دوسرے سے لپٹ کر روتی رہی تھیں۔

"وہ مجھے چھوڑ گیا ہے گلاب! چھوڑ گیا مجھے۔" نیمو ہچکیوں میں اسے سب بتا رہی تھی اور گلاب پر جیسے سکتہ طاری ہو گیا تھا۔ وہ پتھرائی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ کیسی قیامت نیمو پہ ٹوٹی تھی۔ "اس نے میرے ساتھ صرف وقت گزارا گلاب! اور اس وقت گزاری کی قیمت وصول کر کے مجھے پاؤں تلے مسل دیا۔" نیمو کی ہچکیوں میں روانی آ گئی تھی۔ گلاب جسے نیمو کی باتیں سمجھ نہیں آتی تھیں' آج اس کی اتنی بڑی بات کو آسانی سے سمجھ گئی تھی۔ "تو جانتی ہے اس نے پیار کے نام پر دھوکا کیا گلاب! اس نے میری روح کو داغ دار کر دیا۔" نیمو کی آنکھوں سے پھر دو خاموش آنسو پھسل کر اس کے گالوں پر لکیر کھینچ گئے تھے۔ "تو نہیں جانتی گلاب یہ نکاح میرے لیے کتنا ضروری ہو گیا ہے۔ تو جانتی ہے جب اماں کو پتا چلا تو اس نے مجھے کچھ نہیں بولا اگر اس کی جگہ کوئی اور ہوتی تو میرا گلا دبا دیتی۔ اماں نے مجھے صرف اتنا کہا تھا کہ میری رہی سہی عزت کو بچا لے۔ گلاب اماں نے مجھے حکم نہیں دیا تھا بلکہ ہاتھ جوڑے تھے۔ کہہ رہی تھی۔ نیمو اگر تو اپنی عزت حیا کو پردے میں رہ کر نیلام کر ہی چکی ہے تو ایک بار میری مان کر میری رہی سہی عزت بچا لے اماں

نے میرے آگے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا تو......!" نیمو کا سر جھک گیا تھا۔ "بس پھر میں نے کریم دکان دار کا رشتہ قبول کر لیا۔" نیمو کی آنکھ سے ایک آنسو باوجود ضبط کے پلکوں کی حد توڑ کر اس کے سانولے چہرے پر لکیر کھینچ گیا تھا۔ گلاب نے ایک الجھی ہوئی نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی تھی۔

"نیمو! تو عارف سے ایک بار بات تو کرتی' وہ تجھے اپنا لیتا۔" گلاب نے جیسے اسے تسلی دی تھی۔

"گلاب! عورت کا وجود بغیر مرد کے ایک زندہ لاش ہوتا ہے۔" نیمو کھوئے ہوئے انداز میں بول رہی تھی۔ "اور عورت کی عزت اس کی چادر میں ہوتی ہے۔ جب عورت اپنی چادر خود اپنے قدموں تلے روند ڈالے تو اس کے پاس کچھ نہیں بچتا۔" نیمو دیوار کو گھورتے ہوئے اسے بتا رہی تھی۔ "پھر یہ دنیا چاہے تو اس لاش کو منوں مٹی تلے دفن کر دے اور چاہے تو کوڑا کرکٹ میں پھینک دے۔ کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ لیکن تو اپنی چادر کی حفاظت کرنا گلاب!" اس نے یک دم گلاب کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر نصیحت کی تھی۔ "گلاب تو وعدہ کر تو یہ چادر اپنے سر سے کبھی نہیں اتارے گی۔" نیمو نے پاگلوں کی طرح اس کے کندھوں پہ جھولتا دوپٹا جھپٹ کر اس کے سر پر دے دیا تھا۔ گلاب آنسوؤں سے تر چہرہ لیے نیمو کو دیکھ رہی تھی۔ کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں تھی اس میں کہ وہ سب سمجھ گئی تھی۔ "تو اس چادر کو عام کپڑا کبھی نہ سمجھنا' اس کی جان سے بڑھ کر حفاظت کرنا اگر یہ چادر تیرے سر پر قائم رہے گی تو تُو دنیا کی خوش قسمت عورت ہو گی۔ اور...... اور اگر تُو اس چادر کی حفاظت بھول گئی تو تُو بھی میرے جیسی ہو جائے گی۔" نیمو اتنا کہہ کر گلاب کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

گلاب جب نیمو کے گھر سے نکلی تو اس کا اس دنیا سے اعتبار اٹھ گیا تھا وہ بے جان قدم اٹھاتی ہارے ہوئے جواری کی طرح اپنے گھر واپس لوٹی تھی۔ نذیراں بارش تھمنے کے بعد صحن کی صفائی کر رہی تھی۔ پانی بہت زیادہ جمع ہو گیا تھا جسے ٹین کے ڈبے سے گلی میں نکال رہی تھی۔ گلاب کو ڈھیلے ڈھالے قدم اٹھاتے آتے دیکھ کر نذیراں کے دل سے اک ہوک سی اٹھی تھی۔

"گلاب! میری دھی! اس طرح غم نہ کر' نیمو بہت خوش رہے گی۔" نذیراں نے آگے بڑھ کر گلاب کو گلے لگایا تھا لیکن گلاب کو ماں کی ذہنی حالت پہ شک ہوا تھا اور خالی خالی نظروں سے ماں کو دیکھنے لگی۔ نذیراں کی نظریں جب گلاب سے ملیں تو وہ نظریں پھیر گئی۔

"دیکھ گلاب! یہ جو ڈھلتی عمر کے مرد ہوتے ہیں نا! یہ اپنی کم عمر بیویوں کا بڑا خیال رکھتے ہیں' کوئی دکھ نہیں ہونے دیتے۔" نذیراں سے اس کی یہ ٹوٹی پھوٹی حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی۔ اسی لیے بڑے پیار سے سمجھا رہی تھی۔ گلاب کا ہنستا مسکراتا کلیوں جیسا چہرہ جیسے پل میں مرجھا کر زرد اور بے رونق ہو گیا تھا۔ بالکل ویسے جیسے گلاب کے کھلنے سے مرجھانے تک......! مگر وہ یہ مراحل پل میں طے کر آئی تھی۔ گلاب کی آنکھوں میں نیمو کا سراپا لہرا گیا تھا۔ وہ یونہی نیمو اور چاچے کریم کا موازنہ کرنے لگی تھی۔ سانولی سی نیمو بہت پرکشش تھی اور چچا کریم بے حد بوڑھا جسے اس عمر میں چھڑی کا سہارا چاہیے تھا مگر اس بے رحم دنیا نے ایک نو عمر لڑکی کو اس کا سہارا بنا دیا تھا۔ شیدے نے دلاور شاہ سے دس لاکھ کا مطالبہ کیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ دلاور شاہ کو اب مال کی اشد ضرورت ہے کیونکہ یہ سودے بازی باہر ملک سے وابستہ تھی اور یہی وقت تھا جب اس نے دلاور شاہ سے اپنی اصل قیمت وصول کرنا تھی۔ آج تک دلاور شاہ نے شیدے کو صرف ایک کتے جتنی اہمیت دے رکھی تھی۔ جس کے حصے میں صرف ہڈیاں آتی تھیں۔ رشید نے آج تک جیسا بھی مال دیا تھا وہ جان بوجھ کر اسے کم تر گردانتے تھے۔ اس کے سامنے اس کے لائے ہوئے مال کو خام کہہ کر بہت کم داموں میں فروخت کر دیا جاتا تھا۔ لیکن حقیقت کچھ اور ہوتی تھی مال کی قیمت کم اس لیے وصول کی جاتی تھی کہ وہ مال آگے جتنا کام لیتا اس سے آدھا حصہ دلاور شاہ کو دیا جاتا تھا۔ لیکن اس سب سے

شیدا ناواقف تھا۔ اسے کل رات ہی ان سب باتوں کا علم ہوا تھا۔ وہ بھی دلاور شاہ نشے میں تھا اور اپنے خاص ملازم سے کہہ رہا تھا۔

"شیدے کو اس کا وعدہ یاد دلا دینا رحیم خان!" دلاور شاہ لڑکھڑاتی آواز میں بول رہا تھا اور رشید جو دلاور شاہ سے رات کے اس پہر اجازت طلب کرنے آیا تھا اپنا نام سن کر وہیں رک گیا تھا۔

"سائیں! آپ فکر نہ کریں شیدا کل جارہا ہے اور بول رہا تھا کہ اب مال لے کر ہی آؤں گا تاکہ سائیں کو خوش کرسکوں۔" رحیم خان نے بڑے مؤدب انداز میں مسکراتے ہوئے دلاور شاہ کو آگاہ کیا تھا۔

"یہ شیدا بھی اپنے آپ کو بڑا ہیرو سمجھتا ہے۔" دلاور شاہ کی آواز سے لگ رہا تھا کہ اس نے آج کچھ زیادہ ہی پی لی تھی۔ "لیکن اس پگلے کو اتنا نہیں پتا کہ اسے دونوں ہاتھوں سے لوٹا جارہا ہے۔" باہر کھڑا شیدا پل بھر کو چونکا تھا۔ وہ مزید دروازے کے قریب ہوا تاکہ غور سے سن سکے اسے اپنی سماعتوں پہ یقین نہیں آرہا تھا۔ دلاور شاہ جو بول رہا تھا کیا وہ سچ تھا کیا وہ واقعی پندرہ سالوں سے اسے لوٹ رہے تھے۔ کیا وہ اتنا بے وقوف تھا؟

"اب تو سنا ہے کوئی بڑا زبردست ہیرا لا رہا ہے۔" دلاور شاہ بہت مسرور انداز میں بولا تھا۔

"رشید کو جتنا ہوسکے خوش رکھو۔" وہ اب سنجیدہ ہوتے ہوئے اسے تفصیل بتا رہا تھا۔ باہر کھڑا شیدا سب جان چکا تھا اور عہد بھی کرچکا تھا کہ اب اسے اپنا حق کس طرح وصول کرنا ہے۔ شیدا ان کی باتیں سن کر وہاں سے نکل گیا تھا۔

❖......☆......❖

گلاب ابھی تک نیمو کے واقعے کو فراموش نہیں کرپائی تھی۔ وہ گم سم بیٹھی رہتی۔ نہ کھانے کا ہوش تھا نہ پینے کا۔ ہر وقت کسی گہری سوچ میں ڈوبی رہتی۔ اس رات جب نیمو کی شادی تھی تو اس کا دل چاہا تھا کہ جاکر روک لے نیمو کو اور اس کی آنکھوں سے سارے آنسو چن کر ان میں حسین خواب بھر دے۔ وہ خواب جو پہلے کبھی اس کی آنکھوں میں چمکتے تھے۔ جن کے ہوتے ہوئے اس کی آنکھیں بے جان نہیں لگتی تھیں۔ چہرے پر رونق ہوا کرتی تھی۔ لیکن جیسے ہی اس نے دروازے سے پیر باہر نکالا ٹھٹک گئی تھی۔ باہر گلی میں ایک ہجوم سا لگا ہوا تھا۔ ہر طرف لوگ ہی لوگ تھے۔ مگر سب کی آنکھیں نم تھیں۔ ہر طرف سے رونے کی آوازیں تھیں۔ آہ وبکا کا عالم تھا چیخ وپکار تھی۔ تائی صغراں روتی چیختی بس ایک ہی لفظ دہرا رہی تھی۔

"یہ تو نے کیا کردیا نیمو! تو نے کچھ بھی کیا ہوتا مگر اس طرح تو نہ کرتی۔" آہوں سسکیوں میں اضافہ ہوگیا تھا۔ وہ بے یقینی کے عالم میں آگے بڑھی اور پھر ہجوم کو چیرتی ہوئی بڑھتی چلی گئی۔ نیمو کا وجود سرخ جوڑے میں لپٹا ہوا تھا۔ ہار سنگھار بھی مکمل تھا چہرے پر معصومیت بھی تھی رضا مندی بھی تھی۔ سب کچھ ہی تو مکمل تھا پھر ایسی کیا بات تھی کہ سب یوں رو رہے تھے۔ گلاب کو جیسے اس چیخ وپکار سے وحشت ہونے لگی تھی۔ لیکن یک دم گلاب چونکی تھی باقی سب تو ٹھیک تھا مگر نیمو نے آج اپنی آنکھوں پہ پلکوں کی چلمن گرا رکھی تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ نیمو اپنے قدموں پہ کھڑی نہیں تھی بلکہ اس کا سر تائی صغراں کی جھولی میں تھا۔ تائی صغراں نیمو کا منہ بار بار تھپتھپا رہی تھیں۔ وہ جیسے اس کی منتیں کررہی تھی کہ ایک بار اپنی آنکھیں کھول دے لیکن وہ تو کوئی فریاد کوئی چیخ جیسے سن ہی نہیں رہی تھی۔

"او خدا کا واسطہ! کوئی میری دھی کو کہے مجھے معاف کردے۔" تائی صغراں مسلسل کسی نہ کسی کے آگے ہاتھ جوڑ کر منتیں کررہی تھیں۔ گلاب آگے بڑھی اور بے یقینی کے عالم میں تائی صغراں کی جھولی سے نیمو کا سر لے کر اپنے سینے سے لگالیا تھا۔ جیسے اس کا ضبط جواب دے گیا تھا۔ وہ زارو قطار رونے لگی اور بس اتنا کہے جارہی تھی۔

"چھوڑ دو تم سب......! وہ تم لوگوں کی بات نہیں سنے گی...... وہ میری سہیلی ہے...... صرف مجھ سے بات کرے گی۔ ہٹو تم سب......!" گلاب پاگلوں والے انداز میں اس کا سر اپنے سینے میں چھپائے ہاتھ سے تائی صغراں کو

پیچھے دھکیل رہی تھی۔

"ہائے میری دھی مجھے چھوڑ کر چلی گئی۔" تائی صغراں بار بار غش کھا کر بے ہوش ہوجاتی تھی۔ گلاب کسی پتھر کی مانند اسے سینے سے لگائے جیسے خاموش التجاؤں سے منا رہی تھی۔ نذیراں نے گلاب کی حالت دیکھ کر اسے نیمو سے الگ کیا تھا۔

"چھوڑ گلاب! اب یہ تیری سہیلی نہیں رہی چھوڑ گئی تجھے۔" نذیراں نے جیسے اسے یقین دلایا تھا۔ تب وہ ماں کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔ اس کی سسکیاں سب سے بلند اور دل دہلا کر رکھ دینے والی تھی۔ نیمو نے زہر کھالیا تھا۔ یہ بات تقریباً سب ہی جان گئے تھے مگر سب کا خیال تھا اتنے بوڑھے آدمی سے شادی کرنے سے بہتر تو موت ہی تھی لیکن صرف دو افراد اس کی موت کی وجہ جانتے تھے۔ تائی صغراں اور گلاب......!

یقیناً پروردگار اپنے بندوں کے عیبوں پر پردہ ڈالتا ہے۔

❖......☆......❖

"یہ تو کیا بول رہا ہے شیدے تو ہوش میں تو ہے۔" دلاور شاہ کو شیدے کی بات سن کر کرنٹ لگا تھا۔ اسے شیدے سے اتنی امید نہیں تھی جتنا وہ مانگ رہا تھا۔

"دیکھیں سائیں! یہ بہت مشکل کیس ہے کام تھوڑا ٹیڑھا ہے۔" شیدے نے جس بے پروائی کا اظہار کیا تھا دلاور شاہ اندر تک سلگ گیا تھا۔

"تو اس کا مطلب ہے تو اپنی ڈیمانڈ سے نہیں ہٹے گا۔" دلاور شاہ نے سوچنے والے انداز میں اس سے پوچھا تھا۔

"نا...... سائیں جی نا! یہ میری ڈیمانڈ تو نہیں ہے نا! یہ تو جی ضرورت کا تقاضہ ہے۔ میں مجبور ہوں سائیں۔" شیدے نے بڑی ہوشیاری سے اپنا دامن بچایا تھا۔ "سائیں! آج سے پہلے بھی تو میں آپ کی خدمت کرتا رہا ہوں اگر پہلے کبھی ایسا ہوا ہو تو بتائیں سائیں۔" شیدے نے مکاری سے اپنی صفائی پیش کی تھی۔

"چل ٹھیک ہے تجھے تیرے دس لاکھ مل جائیں گے۔ مگر......!" دلاور شاہ نے ایک چبھتی نگاہ شیدے پر ڈالی تھی۔ شیدے کو معلوم تھا کہ اس کی ڈیمانڈ پوری ہوجائے گی۔ وہ دلاور شاہ کی دکھتی رگ سے واقف ہوگیا تھا۔

"مگر...... مگر کیا سائیں! آپ کو مجھ پر بھروسا نہیں ہے۔" شیدے نے دلاور شاہ کی آنکھوں میں چھپی بے چینی جانچتے ہوئے پوچھا تو دلاور شاہ نے بھی بات کا رخ موڑ دیا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے لیکن تو آٹھ کے بجائے پہلی تاریخ کو مال لائے گا۔ ہم اسے دیکھ کر ہی کچھ فیصلہ کریں گے۔" دلاور شاہ نے ایک اور پتا پھینکا۔

"لیکن سائیں! آج تو اٹھائیس ہے میں یہ سب اتنی جلدی کیسے کروں گا۔" شیدے نے ذرا بے بسی دکھائی تھی۔

"دیکھ شیدے! ہمارے بھی کچھ اصول ہیں اب ہم تیری خاطر اصولوں کو تو نہیں توڑ سکتے نا!" دلاور شاہ کرسی سے کھڑا ہو کر اس کے قریب آیا تھا۔ "دیکھ شیدے ایک تو ہماری مان ایک ہم تیری مانتے ہیں۔" دلاور شاہ نے شیدے کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے نرمی برتی اور ہمیشہ کا بے وقوف شیدا آج پھر اس کی میٹھی باتوں میں آگیا تھا۔

"ٹھیک ہے سائیں! آپ مجھے پھر آج ہی گاؤں جانے دیں۔" شیدے نے ہامی کیا بھری دلاور شاہ کے چہرے پر رونق اُمڈ آئی تھی۔ شیدا جانے کے لیے مڑا تھا جب دلاور شاہ نے اسے پکارا "شیدے! بھولنا مت پہلی تاریخ بس......!" شیدے نے مڑ کر دیکھا اس کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی تھی۔ وہ سر کو اثبات میں ہلا کر باہر نکل گیا تھا۔ شیدے نے گاؤں جانے کے لیے بس پکڑی تھی۔ وہ بہت خوش تھا کہ کامیابی صرف دو قدم کے فاصلے پہ تھی۔

❖......☆......❖
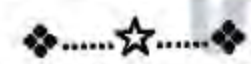
نیمو کی موت کو گیارہ دن ہوگئے تھے۔ مگر گلاب اسے

ہر وقت اپنے پاس پاتی تھی۔ آج بھی وہ صحن میں بیٹھی اسے یاد کرکے خاموش آنسو بہا رہی تھی۔ اماں اسے بہت سمجھاتی تھی کہ مرنے والوں کے ساتھ کوئی مر نہیں جاتا لیکن اسے کسی صورت صبر نہیں آتا تھا۔ وہ اسے سوچ رہی تھی۔ جب باہر دروازہ زور سے بجا تھا وہ اپنے خیالوں سے چونکی تھی اور پھر اٹھ کر اپنی چادر کو اپنے گرد اچھی طرح لپیٹتی دروازے کی طرف بڑھ گئی تھی۔ جب سے نیمو کی موت ہوئی تھی وہ چادر کو کبھی سر سے نا اتارتی تھی۔ اسے نیمو کی آخری باتیں خوب یاد تھیں' جس میں نیمو نے اسے اس ایک ٹکڑے کے اہمیت بتائی تھی۔

"کون؟" گلاب نے اندر سے صرف اتنا ہی پوچھا تھا۔

"میری دھی! دروازہ کھول میں ہوں تیرا باپ۔" شیدے کی آواز پر گلاب نے دونوں پٹ وا کردیے تھے۔ شیدا جیسے ہی اندر داخل ہوا گلاب اس سے لپٹ کر سسک اٹھی تھی۔ شیدا اس پر بوکھلا گیا تھا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آیا تو گلاب سے پوچھنے لگا۔

"کیا ہوا......؟ میری دھی کو کیا ہوا ہے؟ اس طرح کیوں رو رہی ہے تو......؟" شیدے کے دل کو بیچ میں کچھ ہوا تھا۔ اس نے گلاب کو ہمیشہ ہنستے ہوئے دیکھا تھا مگر آج تو وہ اسے کوئی اور ہی گلاب لگ رہی تھی کمزور سی بے حد زرد چہرے والی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقوں نے ڈیرا جمایا ہوا تھا۔ خوب صورت گلابی ہونٹ کسی پیاسے صحرا کی مانند خشک تھے اور آنکھوں میں بے پناہ آنسو وہ کچھ گھبرا گیا تھا۔

"ابا......!" گلاب نے ہچکیوں کے درمیان کچھ بولنے کی ہمت کی تھی۔ "ابا! نیمو مر گئی ہے۔" رشید کو ایک دھچکا لگا تھا۔ وہ جانتا تھا وہ دونوں بچپن کی سہیلیاں تھیں' دونوں ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہتی تھیں۔ بڑی مشکل سے وہ خود کو سنبھال پایا تھا۔

"بس میری دھی! بس اب اور نہ رو۔" شیدے نے اسے سینے سے لگا کر بہت پیار سے کیا تھا۔ اسے گلاب کی حالت پہ تشویش ہوئی تھی۔ وہ کچھ اور ہی ارادے لے کر گاؤں آیا تھا۔ پھر نذیراں نے اسے نیمو کی موت کی تفصیلات بتائی تھیں۔

❖......☆......❖

شیدے کو واپس لوٹنے کی بہت بے چینی تھی لیکن وہ گلاب کی حالت دیکھ کر اسے کچھ کہہ نہیں پاتا تھا۔ نذیراں نے شیدے کی بے چینی کو بھانپتے ہوئے اس سے پوچھا تھا۔

"کیا بات ہے' تو آج کل کچھ زیادہ ہی پریشان لگ رہا ہے؟" شیدا ناشتے میں مصروف تھا۔ جب نذیراں کے سوال پر اسے دیکھنے لگا۔

"کچھ نہیں! بس میں ذرا گلاب دھی کی وجہ سے پریشان تھا۔" شیدے نے آخر بتا ناہی تھا۔

"تو فکر نہ کر' اسے ابھی ذرا وقت لگے گا پھر سنبھل جائے گی۔" نذیراں نے بات کو اپنے رنگ میں ڈھال لیا تھا۔

"نہیں نذیراں! میں کوئی اور بات کر رہا ہوں۔" شیدے نے روٹی سے ہاتھ روک لیا تھا۔ نذیراں نے سوالیہ نظروں سے شیدے کو دیکھا تھا۔

"میں گلاب کو اس پہلی کو اپنے ساتھ شہر لے کے جانا چاہتا تھا۔" شیدے نے بات کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔ "دراصل وہ ڈاکٹر کی بہن آج کل پاکستان آئی ہوئی ہے اور وہ گلاب کو دیکھنا چاہتی ہے۔" شیدے نے نذیراں کی کھوجتی نگاہوں سے نظر چرا کر اپنا مدعا بیان کیا تھا۔

"لیکن ابھی گلاب کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔" نذیراں نے قطعیت سے کہہ کر جیسے بات ہی ختم کردی تھی۔ سچ تو یہ تھا کہ نذیراں اس رشتے کے لیے راضی ہی نہیں تھی' وہ اپنی دھی کو اتنی دور نہیں بیاہنا چاہتی تھی۔

"او تو جھلی ہوگئی ہے۔" شیدا ایک دم طیش میں آ گیا تھا۔ اگر اسے اس طرح ان پر سختی ہی کرنا تھا تو کیوں اتنی دیر ان کا غلام بنا رہا۔

"میں جھلی نہیں' جھلا تو تُو ہو گیا ہے۔ میں اپنی دھی کو

پرائے لوگوں میں اتنی دور کبھی نہیں بھیجوں گی۔" نذیراں نے دوٹوک لہجے میں کہا تھا۔ شیدا تو ہکا بکا رہ گیا تھا۔

"دیکھ نذیراں اگر تو نے مجھے روکنے کی کوشش کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔" شیدا چارپائی سے اترا تھا اور اندر کھڑی کانپتی گلاب کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ ماں کا ساتھ دے یا باپ کا۔

"گلاب تو میرے ساتھ چلے گی یا نہیں۔" شیدا اندر آیا اور بڑی سرد مہری سے گلاب سے سوال کیا تھا۔ انداز یوں تھا جیسے اگر وہ نا بھی جانا چاہے تو اسے اپنی "چاہ" کو نہیں دیکھنا تھا بس جانا تھا۔

"ابا تو ابھی سے کیوں پریشان ہے جب پہلی تاریخ ہوگی تو میں تیرے ساتھ چلوں گی۔" گلاب نے بڑے آرام سے اسے سمجھاتے ہوئے ساتھ ہی تسلی بھی دے دی تھی۔

"تو کہیں نہیں جائے گی گلاب!" نذیراں نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اسے فوراً ٹوکا تھا۔ "اور شیدے تو بھی سن لے میں تیرے سارے کرتوتوں کو جانتی ہوں۔" نذیراں نے انگلی اٹھا کر شیدے کو مخاطب کیا تھا۔

"کیا جانتی ہے تو میرے بارے میں......؟" شیدے کی آنکھوں میں بے حد خفگی اتر آئی تھی۔

"دیکھ شیدے! میں تجھے بول رہی ہوں' میری دھی کے ساتھ ایسا کچھ نہ کرنا جس سے میری دھی بدنام ہوجائے۔" نذیراں اس کے آگے ہاتھ جوڑ چکی تھی۔

"تو پاگل ہوگئی ہے؟ یہ صرف تیری دھی نہیں میری بھی دھی ہے' بھلا میں اپنی دھی کے ساتھ برا کس طرح کرسکتا ہوں؟" شیدے نے گلاب کو پیار بھری نظروں کے حصار میں لیتے ہوئے کہا تھا۔

گلاب ماں باپ کی تکرار سن رہی تھی اور جانتی تھی ازل سے عورت ہارتی آئی ہے آج بھی ہارے گی۔ وہ آگے بڑھی اور ماں کے ہاتھ چوم کے آنکھوں سے لگاتے ہوئے بولی تھی۔

سچی بات

ایک دانش ور لکھتا ہے کہ میں نے زندگی میں کام کی صرف پانچ باتیں سیکھیں

- ماں کے سوا کوئی وفادار نہیں۔
- لوگ اچھی سیرت کو نہیں اچھی صورت کو ترجیح دیتے ہیں۔
- غریب کا کوئی دوست نہیں بنتا۔
- عزت صرف پیسے کی ہے انسان کی نہیں۔
- انسان جس شخص کے لیے زیادہ مخلص ہو وہی زیادہ دھوکا دیتا ہے۔

طیبہ شیریں......کوری خدا بخش

"اماں! تو ایسا کیوں سوچتی ہے؟ ابا ٹھیک کہتا ہے' میں اس کی بھی تو دھی ہوں۔" گلاب نے پیار سے اماں کو بہلایا تھا۔

"میں جانتی ہوں تو اس کی دھی ہے وہ تیرا باپ ہے مگر......مگر......!" نذیراں نے گلاب کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر بہت پیار سے دیکھا تھا۔

"مگر مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے تو کہیں شہر کی اس بھیڑ میں گم ہی نہ ہوجائے۔" نذیراں نے رونا شروع کردیا تھا۔ مگر اس نمکین پانی کا اثر کس ظالم و بے حس مرد پہ ہوتا ہے جو آج شیدے پر ہو جاتا۔

"تو مجھ پر یقین کر نذیراں! میں گلاب دھی کو کچھ نہیں ہونے دوں گا۔ اپنی جان سے بڑھ کر اس کا خیال رکھوں گا۔" شیدے نے تسلی دیتے ہوئے نذیراں سے نظریں چرائی تھیں۔ نذیراں اسے دیکھتی رہی اور جب بولی تو اسے اپنی آواز کہیں بہت دور سے سنائی دی تھی۔

"تو اسے اپنے ساتھ لے جانا مگر......اس سے پہلے تجھے قرآن پہ ہاتھ رکھ کر قسم کھانا ہوگی کہ تو اسے امانت کے طور پر لے جائے گا اور مجھے میری امانت باحفاظت واپس لوٹائے گا۔" نذیراں نے بڑے صبر سے اپنا مدعا بیان کیا تھا۔ شیدا تو جیسے گڑبڑا گیا تھا۔ وہ جیسا بھی تھا مگر اتنی بڑی

قسم کیسے کھا سکتا تھا۔ وہ کچھ بولتا مگر اس سے پہلے گلاب بول اٹھی تھی۔

"کیا ہو گیا ہے تجھے اماں! اس قدر بے اعتباری اچھی نہیں ہوتی۔" گلاب نے ماں کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر بہت پیار سے سمجھایا تھا۔ "میں ذمہ داری لیتی ہوں کہ ابا مجھے تیرے پاس صحیح سلامت چھوڑے گا۔" گلاب نے خود ہی شیدے کو الجھن سے نکال دیا تھا۔ شیدا دل ہی دل میں بہت خوش ہوا۔ "اور ویسے بھی وہ میرا پیو ہے اس کی عزت ہوں میں۔" گلاب نے ماں سے کہتے ہوئے اپنے دائیں طرف شیدے کو دیکھا۔ گلاب کی بات سن کر چونکا تھا۔ "ابا تو فکر نہ کر، میں تیرے ساتھ چلوں گی۔" گلاب نے بات ختم کردی تو شیدے کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھی تھیں۔

"چل پھر تیاری کر۔ صرف دو دن باقی ہیں کوئی اچھے سے کپڑے پہننا۔ میرا مطلب ہے وہاں شہر میں بڑی ماڈرن لڑکیاں ہیں۔ اتنے فیشن کرتی ہیں وہ تُو تو بالکل پینڈو لگے گی نا!" شیدا اتنا کہہ کر باہر نکل گیا تھا۔ گلاب اور نذیراں جیسے ایک دوسرے سے نظر نہیں ملا پا رہی تھیں۔ ڈر تو ان دونوں کو تھا مگر ظاہر دونوں نے ہی نہیں کیا تھا۔

صبح صبح شیدے نے نذیراں سے کہا تھا کہ وہ گلاب کو جگا دے ہم نے پہلی بس پکڑنی ہے۔ پھر شیدا تو گاؤں کی تازہ ہوا کھانے نکل گیا تھا۔ نذیراں نے گلاب کے سر سے کھیس اتارتے ہوئے بڑے پیار سے جگایا تھا۔

"اٹھ جا گلاب تجھے آج اپنے ابے کے ساتھ شہر جانا ہے۔" نذیراں اس پر جھکی ہوئی تھی۔ آج اسے اپنی دھی بہت پیاری لگ رہی تھی۔ گلاب نے اپنی سرخ انگارہ آنکھیں کھولی تھیں اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں یوں جیسے صدیوں سے نیند ان آنکھوں کا رستا بھولی ہوئی ہو۔ نذیراں وہیں اس کے پاس ٹک گئی تھی اور بڑے پیار سے پوچھنے لگی تھی۔

"کیا بات ہے گلاب! میری دھی کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔" نذیراں نے اس کا سر گود میں رکھ لیا اور بڑے پیار سے اس کے بال سہلانے لگی تھی۔ وہ دونوں ہی جیسے بچھڑنے کے غم سے نڈھال تھیں۔ گلاب کو ماں کا پیار ملتے ہی جیسے سکون آ گیا تھا۔ لیکن آنکھیں جل اٹھی تھیں اور ان سے آہستہ آہستہ نمکین پانی بہنے لگا تھا۔

"تو پریشان کیوں ہے گلاب! تو کیا اپنے باپ کے ساتھ جانا نہیں چاہتی۔" نذیراں اپنی ہی باتیں دہرائے جا رہی تھی۔ گلاب کی کیفیت کا احساس تو تب ہوا جب ایک معصوم سسکی اس کے ہونٹوں سے نکلی تھی۔ نذیراں دہل گئی تھی۔ گلاب کا منہ اپنی طرف کرتے ہوئے پریشانی سے بولی تھی۔ "تو اگر پیو کے ساتھ جانا نہیں چاہتی تو ٹھیک ہے، میں اسے منع کردیتی ہوں، بس تو اس طرح نہ رو۔" نذیراں نے بڑی ممتا بھرے لہجے میں اسے کہا تھا۔ گلاب جو رات بھر کروٹیں بدل بدل کر اس سوچ کو بھی بدلنا چاہتی تھی فوراً ماں سے بول دی۔

"اماں! مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ میں تجھ سے ہمیشہ کے لیے جدا ہونے والی ہوں۔" گلاب پھوٹ پھوٹ کے رو دی تھی۔

"تو ٹھیک ہے، میں تیرے باپ سے کہتی ہوں کہ تو نہیں جانا چاہتی۔" نذیراں کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑا تھا۔ گلاب سن کر ہڑبڑا اٹھی تھی۔

"نہیں اماں! تو ابے کو منع نہیں کرے گی۔" گلاب نے گھبراتے ہوئے ماں سے کہا تھا۔

"لیکن کیوں؟ جب تیرا دل ہی نہیں مانتا تو پھر کیا ضرورت ہے؟" نذیراں کا اپنا دل نہیں کر رہا تھا کہ گلاب کو اپنی نظروں سے ایک لحہ بھی دور رکھے۔

"نہیں اماں! دل کا کیا ہے یہ تو ایسا ہی جھلا ہے! وہ میں کبھی تجھ سے دور نہیں گئی نا بس اسی لیے ایسا لگ رہا تھا۔" گلاب نے اپنے دل کو ڈانٹتے ہوئے ماں سے صاف جھوٹ بولا تھا۔ سچ تو یہ تھا کہ وہ ابا کی بات رد کر کے ابا کو کھونا نہیں چاہتی تھی۔

"اچھا چل پرے ہو مجھے تیار ہونے دے ابا آ گیا تو پھر باتیں کرے گا۔" گلاب چارپائی سے نیچے اتری اور

منہ ہاتھ دھونے کے لیے نلکے کی طرف چل دی۔

چلتے ہوئے گلاب نے سرخ شیفون کا سوٹ زیب تن کیا اور کالی چادر کی اچھی طرح بکل ماری تھی۔ وہ اماں کو الوداع کہنے کے لیے آگے ہوئی تھی جب اماں کے بے پناہ بہتے خاموش آنسوؤں نے اس کے قدموں کو جکڑ لیا تھا۔ وہ اماں کے گلے لگی تھی اور بس اتنا بولی تھی۔

"اماں اپنی دھی کے لیے دعا کرنا، سنا ہے ماں کی دعا اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا۔" گلاب کی آنکھیں خشک تھیں، لبوں پہ بے جان مسکراہٹ تھی۔ نذیراں نے اسے اپنے ساتھ بھینچتے ہوئے بس اتنا کہا تھا۔

"اللہ تجھے اپنی امان میں رکھے۔" اس نے گلاب کو سامنے کرتے ہوئے کہا تھا۔ "میری دھی! اسے اپنے سر سے کبھی اترنے مت دینا بس یوں سمجھ لینا تیرے سر پر صرف یہ ہی ایک سائبان ہے جس میں تجھے خود کو اس دنیا سے چھپا کر رکھنا ہوگا۔" ایک الوداعی نگاہ پورے گھر پر ڈالتے ہوئے گلاب نے بے دلی سے گھر کی دہلیز پار کی تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ کبھی اس گھر سے دور نہیں ہونا چاہتی تھی بس آج کی جدائی اسے ایک پل بھی سکون نہیں لینے دے رہی تھی۔

"میں تیرا انتظار کروں گی گلاب!" اماں نے اس کے باہر پاؤں رکھتے ہی کہا تھا۔ گلاب نے ایک زخمی نگاہ ماں کے امیدوں بھرے چہرے پر ڈالی اور آگے بڑھ گئی تھی جہاں شیدا تانگے پر اس کا انتظار کر رہا تھا۔

❖......☆......❖

وہ سب کچھ چھوڑ آئی تھی۔ سب حسین خواب، گھر کی چار دیواری اور سب سے بڑھ کر اپنا آپ......! کتنے حادثات ہوئے تھے اس کی زندگی میں...... سب ہی ناقابل فراموش۔ پہلے ابا کے بغیر دربدر عسرت و بدحالی سے لڑتے رہے پھر ابا آیا تو جیسے وہ بھی جینے لگے تھے مگر آہستہ آہستہ اس سے پھر سب کچھ چھنتا چلا گیا۔ کچھ بھی تو نہیں رہا تھا اس کے پاس...... پہلے اپنی اچھی دوست کو کھو دیا اور اب...... اب ماں کو کھو دینے کا ڈر تھا۔ وہ اپنی انہی سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھی جب ان کا رکشا ایک بہت ہی عالیشان بنگلے کے سامنے رکا تھا۔ گلاب تو جیسے کسی اور ہی دنیا میں پہنچ گئی تھی۔ قطار در قطار کھڑے خوب صورت گھر تھے۔ وہ زندگی میں پہلی بار یہ سب دیکھ رہی تھی۔ اسے اپنی آنکھوں پہ یقین نہیں آ رہا تھا۔ شیدا بڑے سے گیٹ سے اندر داخل ہوا اور وہ دونوں راہ داری سے گزرتے ہوئے اندرونی عمارت میں داخل ہو گئے تھے۔ بالکونی میں کھڑا دلاور شاہ شیدے کے ساتھ آتے ہوئے اس ہیرے کو دیکھ چکا تھا اور اس کی آنکھوں میں چمک سی اتر آئی تھی۔ وہ دونوں ایک ہال نما کمرے میں داخل ہوئے تھے۔ کمرے میں سی گرین کارپٹ بچھا ہوا تھا۔ ایک طرف بے حد اسٹائلش خوب صورت چار کرسیوں کا سیٹ رکھا تھا۔ چاروں دیواروں پر بہت سی تصاویر لگی ہوئی تھیں۔ جن میں کچھ تصویریں جانوروں اور کچھ طبلہ نواز لوگوں کی تھیں۔ بہت

صباء الیاس

تمام قارئین و آنچل کے خوب صورت بلبلوں کو السلام علیکم! امید ہے سب اپنی اپنی زندگی کو انجوائے کررہی ہوں گی۔ میرا نام صباء الیاس ہے یکم جولائی کو ماہندر جیسے خوب صورت گاؤں میں پیدا ہوئی میرا اسٹار سرطان ہے اور اس پر یقین رکھتی ہوں، ہم سات بہن بھائی ہیں چار بھائی اور تین بہنیں۔ سب سے بڑی بابرہ باجی ان کے بعد دو بھائی پھر میں پھر دو بھائی ان کے بعد چھوٹی بہن حلیمہ سعدیہ۔ خوبیوں اور خامیوں کی بات کی جائے تو خوبیاں تو نام ہی کی ہیں اور خامیاں بے شمار۔ دوسروں پر اعتبار بہت جلدی کر لیتی ہوں، رونا بہت آتا ہے، دوسروں کو اداس نہیں دیکھ سکتی۔ ایف ایم شوق سے سنتی ہوں۔ کرکٹ کی دیوانی ہوں، محمد حفیظ اور فواد عالم میرے بیسٹ پلیئر ہیں۔ سب سے قریبی دوست سونیا اور صائقہ جن سے میں ہر بات شیئر کرتی ہوں، ویسے تو امی بھی بہت اچھی دوست ہیں، اب اجازت چاہتی ہوں اللہ حافظ۔

سی تصویروں میں موسیقی کے آلات نظر آرہے تھے۔ گلاب حیرانی سے کمرے میں موجود ہر چیز کو دیکھ رہی تھی۔

"گلاب! تو ادھر بیٹھ میں ابھی آتا ہوں۔" شیدا اتنا کہہ کر باہر نکل گیا تھا۔

گلاب چار کرسیوں میں سے ایک پر ٹک گئی اور اب آنے والے وقت کا انتظار کررہی تھی۔ گلاب اکثر اپنے باپ کی باتوں سے خوف زدہ ہوجایا کرتی تھی اور ابا کے لیے ایسی باتیں اس نے سن بھی رکھی تھیں۔ جن پر اسے اعتبار تو نہیں تھا مگر وہ باتیں اتنی گھٹیا ہوا کرتی تھیں کہ وہ کچھ لمحوں کے لیے سوچتی ضرور تھی۔ دو تین بار تو اماں نے بھی ذکر کیا تھا کہ شیدا بہت غلط کام کرتا ہے۔ مگر شیدے کے بدل جانے کے بعد وہ خوش امید تھی کہ ابا اس سے محبت کرتا ہے۔ پھر کچھ شیدے کی باتوں نے بھی اسے حوصلہ دیا تھا کہ وہ اس کی بیٹی ہے ابا اس کا برا نہیں چاہ سکتا اور وہ بھی ابا کو کھونا نہیں چاہتی تھی۔ ماں شیدے کے آنے سے کتنی خوش ہوجایا کرتی تھی۔ ابا کے بدل جانے کے بعد۔ ان کا گھر بھی عزت دار گھروں میں شامل ہونے لگا تھا۔ بس گھر کی اسی عزت کو وہ بچانا چاہتی تھی اور اسی کو بچانے کی خاطر آج وہ اس بنگلے میں بیٹھی تھی۔

❖......☆......❖

"پکڑ شیدے! تیرے پورے دس لاکھ روپے۔" دلاور شاہ نے اس کے آگے بریف کیس کھولتے ہوئے بڑی خوشی سے کہا تھا۔ "تیرا لایا ہوا ہیرا تو ابھی ایک نظر ہی دیکھا ہے۔ آگے دام لگائیں گے۔ تو پتا چلے گا کہ وہ اتنی قیمت کا حق دار بھی ہے کہ نہیں۔" دلاور شاہ نے اپنی بات کے اختتام پر خوشی سے رنگ بدلتے شیدے کو دیکھا تھا۔

"سائیں یہ تو ایک نظر دیکھ کر ہی معلوم ہوگیا ہوگا کہ ہیرے کی قیمت کیا ہے۔" شیدا خوشی کی انتہا کو چھو رہا تھا اور ساتھ ہی بریف کیس سنبھال کر جانے کو تیار تھا۔

"چلو ٹھیک ہے اب تو جا!" دلاور شاہ نے اسے جانے کو تیار دیکھا تو فوراً جانے کی اجازت دے دی۔ شیدا دلاور شاہ کو دعائیں دیتا وہاں سے نکل گیا تھا۔ وہ بہت مسرور تھا۔ سچ ہے کہ کچھ لوگوں کے دلوں پر اللہ خود مہر لگا دیتا ہے وہ نیکی اور بدی کا فرق بھول جاتے ہیں اسی طرح شیدا بھی اپنی پھولوں سے پیاری بیٹی کو ان چند ٹکڑوں کے عوض اس دلدل میں چھوڑ کر جارہا تھا اس کا ضمیر بھی جیسے مرگیا تھا جو اسے ملامت کرسکتا۔ اپنے آنگن کی معصوم کلی وہ اس جہنم میں چھوڑ کر بہت سکون سے اس سے ہر لمحہ دور ہورہا تھا۔ وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ گلاب کی ماں آنکھوں میں انتظار کی شمع روشن کیے اس کی راہ تک رہی ہوگی۔ ہر گزرتا دن اس کے اضطراب کو بڑھاتا رہے گا ہر گزرتا لمحہ اس کی ممتا پر قیامت بن کر گزرے گا۔ مگر شیدا جیسے اندھا اور بہرا ہوگیا تھا۔

شیدا جیسے ہی کالونی سے نکلا ایک پولیس جیپ اس کے سامنے رکی اور تین باوردی پولیس والے نیچے اترے تھے اور ساتھ ہی شیدے کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ وہ کچھ نہیں سمجھ سکا۔

"پکڑو اوئے! اس کے ہاتھ سے بریف کیس...... جعلی کرنسی لے کر سر عام سڑکوں پر گشت کرتا ہے۔" ایک پولیس والا بے حد درشتگی سے بولا جب کہ دوسرے نے اس کے ہاتھ سے بریف کیس چھین لیا تھا۔ شیدے کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھانے لگا اور دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگی تھیں۔

"کیا بول رہے ہو صاحب! یہ اصلی نوٹ ہیں آپ...... آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔" شیدے کو الفاظ نہیں مل رہے تھے مگر پولیس والے کا زوردار تھپڑ اسے مزید کچھ بولنے سے روک گیا تھا۔

"او بکواس بند کر اپنی...... تو تو ایسے بول رہا ہے جیسے تو خود نوٹوں والی مشین ہے چل اوئے! اسے بٹھا گاڑی میں اب اسے تھانے چل کے پتا چلے گا جعلی نوٹوں کو لے کر گھومنے کا کیا انجام ہوتا ہے۔" پولیس والے کے کہنے کی دیر تھی باقی دونوں سپاہیوں نے اسے پکڑ کر کسی گیند کی طرح گاڑی میں پھینکا تھا۔ جب کہ وہ اس حادثے سے الجھ کر رہ گیا تھا۔ جو در حقیقت حادثہ نہیں ایک ڈراما تھا۔ اور شیدا اس

ڈرامے کی اصلیت سے بے خبر تھا۔

❖......☆......❖

جانے کتنے دن بیت گئے۔ گلاب کی ماں نذیراں دروازے سے لگی گلاب کا انتظار کرتی رہتی ہے جو لا حاصل ہے اور یہ وہ خود بھی جانتی ہے مگر اس نے گلاب سے کہا تھا وہ روز انتظار کرے گی اور شاید وہ انہی لفظوں کو یاد رکھتے ہوئے کبھی لوٹ آئے۔ شیدا ابھی تک جیل میں سڑ رہا ہے دلاور شاہ نے بڑی ہوشیاری سے اسے راستے سے الگ کیا تھا اور اسے کچھ خرچ بھی نہیں کرنا پڑا تھا۔ کیونکہ یہ تو صرف وہی جانتا تھا کہ شیدے کو دیے گئے نوٹ واقعی نقلی تھے۔ شیدا سوچتا ہے اس نے ایک معصوم کی نہیں بلکہ ہزاروں معصوموں کی زندگیوں کو جہنم بنایا ہے تو اس کی سزا جائز تھی۔ اب اسے صرف اپنی رہائی کا انتظار ہے تاکہ وہ گلاب کو دلاور شاہ سے رہائی دلا سکے۔ لیکن یہ تو صرف شیدے کی سوچ ہے اور سوچ حقیقت کو بدلنے سے قاصر ہوتی ہے۔

❖......☆......❖

سنگ مرمر میں جڑا بڑا سا شفاف آئینہ جو کمرے کی آدھی دیوار پر نصب تھا اس کی شفاف سطح پر بے حد دل کش آنکھوں کو چندھیا دینے والا حسن اپنی پوری آب و تاب سے جگمگا رہا تھا۔ سرخ رنگ کی باریک میکسی کے گلے پر بے حد قیمتی کام تھا۔ اس کے دودھیا متناسب جسم پر بہت جچ رہی تھی۔ صرف دو ریشمی ڈوریوں کی مدد سے میکسی اس کے کندھوں پر ٹکی ہوئی تھی۔ جب کہ بازوؤں کا حسن نمایاں تھا۔ چار چاند لگانے کی خاطر اس نے کلائیوں میں سرخ روبی کے بہت ہی نفیس کنگن پہن رکھے تھے۔ ہونٹوں پہ سرخ لپ اسٹک ان کے کٹاؤ کو واضح کررہی تھی۔ بالوں کا بنایا ہوا اونچا جوڑا جس میں سے دو تین لٹیں نکالی گئی تھیں اس کے خوب صورت چہرے کو بار بار چھو کر پلٹ جاتی تھیں اور خصوصاً پورے چہرے پر سب سے نمایاں اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں تھیں۔ مگر بہت خوب صورت میک اپ کے باوجود ان حسین آنکھوں میں کوئی چمک نہ آسکی تھی اور ایسا تو شروع سے ہی تھا کئی طرح کے لینز استعمال کرنے کے باوجود کبھی ان آنکھوں کی ویرانی غیر نمایاں نہ ہوئی تھی۔ مگر اس ویرانی کی اصلیت سے تو صرف وہی واقف تھی۔ باقی سب تو ان آنکھوں پر یوں فدا تھے جیسے چکور چاند پہ......! آج اس کا یہ اہتمام بہت خاص تھا۔ لندن کے مشہور بزنس مین ڈیوڈ کے ساتھ آج اس کا ڈنر تھا اور دلاور شاہ نے اسے تاکید کی تھی کہ آج بھی ہمیشہ کی طرح کامیاب رہنا ہے اور اس کے بعد پورے پندرہ دن تم چھٹی پر رہو گی۔ مگر صرف وہ جانتی تھی اس کا یہ ڈنر آخری ڈنر ہے۔ اب تک اسے یہی بتایا گیا تھا کہ اس کا ابا ان لوگوں کے چنگل میں ہے اور اسی کی خاطر وہ اب تک دلاور شاہ کے اشاروں پر کٹھ پتلی کی طرح ناچتی رہی تھی۔ حقیقت تو اس پر اب کھلی تھی کہ دلاور شاہ نے کس طرح اس کے ابا کے ساتھ دھوکہ کرکے ایک تیر سے دو شکار کھیلے تھے۔ وہ اس تمام عرصے میں نیمو کا پڑھایا ہوا عزت و ناموس کا سبق بار بار دہراتی اور سر جھٹک کر رہ جاتی تھی...... مگر اب...... جیسے دلاور شاہ کے کھیل کا اختتام تھا۔

اسے آج رات دلاور شاہ کو موت کی نیند سلا کر خود بھی زہر پی لینا تھا۔ شاید یہی اس کھیل کا انجام تھا۔ وہ آج زبردست تیار ہوئی تھی۔ ہمیشہ کی طرح آج بھی اپنا جائزہ لیتے ہوئے اس نے اپنی آنکھوں میں جھانکا تھا۔

ایک بار دیکھ ہیا اجڑی ہوئی ویران آنکھیں
اے زندگی تیرے بارے میں میرے خواب بہت تھے

وہ یہ شعر اکثر نیمو سے سنا کرتی تھی مگر مفہوم اب سمجھ میں آیا تھا۔ دوسرے ہی لمحے وہ اپنی بے جان آنکھوں میں اک بار پھر جھانکتی باہر نکل گئی تھی۔ جہاں ڈیوڈ کا ڈرائیور اس کا انتظار کررہا تھا۔

جیسا میں نے دیکھا

رفاقت جاوید

حقیقت ھے افسانہ نہیں

1982ء کے اوائل دنوں کی بات ہے جب ایک شام کراچی میں زور وشور سے مشاعرے کی محفل سجائی جارہی تھی۔ یہ مشاعرہ خاص طور پر پروین شاکر کی شاعرانہ صلاحیتوں کی مدح سرائی میں منعقد کیا گیا تھا۔ "آج کی شام پروین شاکر کے نام" ہمیں بھی اس مشاعرے میں مدعو کیا گیا تھا ان دنوں کراچی روشنیوں اور رونقوں کا شہر تھا جہاں ہر شام گہما گہمی رہتی تھی۔ وقت اور زندگی میں تیزی تھی' میرے شوہر قاضی جاوید احمد جن کا تعلق پاکستان ائیر فورس سے ہے۔ خوش قسمتی سے ان دنوں ہماری پوسٹنگ مسرور ماری پور کراچی میں تھی۔ ہم دونوں پروین کی دو کتابوں خوشبو اور صد برگ سے محظوظ ہورہے تھے۔ شاعری سے پسندیدگی کا رشتہ بھی پرانا تھا اور اس غائبانہ تعارف سے پروین کی شخصیت میں پنہاں صلاحیتوں سے بھی واقف ہوچکی تھی۔ نیز کچھ پیش گوئیاں اور قیاس آرائیاں بھی محو گردش تھیں۔ اس لیے اپنی پسندیدہ شاعرہ سے بالمشافہ تعارف یعنی دیکھنے سننے اور ملنے کا شوق ایک فطری امر تھا۔ اس لیے ہم نے بھی بلا تامل اس دعوت کو قبول کرلیا اور خوشی خوشی ہم مشاعرے میں شرکت کرنے کی تیاری کرنے لگی۔

جب ہم مشاعرے میں پہنچے تو اس وقت پروین تمام مہمانوں سے مل رہی تھی اس کے چہرے پر ہلکی سی شگفتہ مسکان تھی۔ بڑی بڑی بولتی ہوئی آنکھوں میں حیا کی دبی ہوئی ضوفشانی تھی اور لمبی مژگاں بار بار اس پر بھی پردہ داری کا کردار ادا کررہی تھی۔ کشادہ پیشانی پر سیاہ زلفوں کی بے قابو لٹیں جو کراچی کی ہوا نے بکھیر دی تھیں' بہت بھلی لگ رہی تھیں۔ میں نے اس کے بالوں پر سرسری نگاہ دوڑائی تو میری نگاہیں اس کے دراز بالوں میں اٹک کر رہ گئیں جو اس کے نیلے رنگ کے کرتے کی لمبائی سے بھی چند انچ لمبے تھے۔ رنگ وروپ میں وہ پاکستان کے صوبہ پنجاب کا حصہ معلوم ہورہی تھی۔ ذہانت اور خوب صورتی کا حسین امتزاج عطیہ خداوندی ہے اور شہرت کی بھی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ میں پروین شاکر کی شاعری سے متاثر تو تھی ہی اس کی شخصیت بھی بے مثال لگی تھی' مجھے خوشبو کی نظم یاد آنے لگی تھی اس کا عنوان تھا۔

شرط

ترا کہنا ہے
مجھ کو خالق کون ومکاں نے
کتنی ڈھیروں نعمتیں دی ہیں
مری آنکھوں میں گہری شام کا دامن کشاں جادو
مری باتوں میں اجلے موسموں کی گل فشاں خوشبو
مرے لہجے کی نرمی موج گل نے تراشی ہے
مرے ہونٹوں میں ڈیزی کے گلابی پھول کی رنگت
مرے رخسار پر گلنار شاموں کی جواں حدت
مرے ہاتھوں میں برساتوں کی راتیں ہیں لطافت گھل جاتی ہیں
میں جب دھیمے سروں میں گاتی ہوں
تو ساحل کی ہوائیں
ادھ کھلے ہونٹوں میں پیاسے گیت لے کر
سایہ گل میں سمٹ کر بیٹھ جاتی ہیں
مرا فن سوچ کو تصویر دیتا ہے
میں حرفوں کو نیا چہرہ
تو چہروں کو حرف نو کا رشتہ نذر کرتی ہوں
زبان تخلیق کرتی ہوں"
ترا کہنا مجھے تسلیم ہے
میں مانتی ہوں
اس نے میری ذات کو بے حد نوازا ہے
خدائے برگ وگل کے سامنے
میں بھی دعا میں ہوں' سراپا شکر ہوں
اس نے مجھے اتنا بہت کچھ دے دیا لیکن
تجھے دے دے تو میں جانوں

خوشبو

اسی اثناء میں پروین کی مدھر آواز پر چونکی تھی' وہ مائیک پر تھی نجانے کون سے اشعار پڑھ رہی تھی کیونکہ میری سماعتوں میں وہاں موجود پروین شاکر کی ہم عمر خواتین کی کھسر پھسر طنزیہ نعرے بازی اور بیاری مارکس زہر گھولنے لگے تھے۔ ظاہرانہ طور پر خواتین کا تعلق باعزت اور تعلیم یافتہ گھرانوں سے لگتا تھا مجھے یہ دیکھ کر حیرت اور تاسف ہوا تھا میں نے چند گھنٹوں میں ہی اس حقیقت کو پالیا تھا کہ اس سے حسد وجلن کی وجہ اس کی ذہانت اور بے پناہ شہرت ہے اور ڈر وخوف اس کی سحر انگیز اور پرکشش شخصیت کی وجہ سے ہے۔ میرا دل اپنی شاعرہ کے چہرے کے تاثرات کو دیکھ کر تڑپ اٹھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ہم جنس کے لیے تاسف وندامت اور ہمدردی سمائی ہوئی تھی جو ان کے جاہلانہ رویے کی وجہ سے تھی۔

مشاعرہ ختم ہونے کے بعد میری ملاقات پروین سے ہوئی اس کی نگاہوں میں ابھی تک خفگی اور افسردگی کے سائے لہرا رہے تھے۔ اس لیے اس سے میری گفتگو بہت واجبی اور مختصرا ہوئی تھی۔ میں بھی ایک عورت تھی اور بدقسمتی سے اسی گروپ کا حصہ تھی جنہیں اپنی عزت وتکریم اور نسوانی وقار کا احساس ہی نہیں تھی۔ پروین نے ان سے ملنا تو کجا ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی گوارہ نہ کیا تھا وہ فوراً وہاں سے ہٹ گئی تھی اور ایک ہجوم میں گھر گئی

اوروں کے ساتھ میرا تعارف بھی جب ہوا
ہاتھوں میں ہاتھ لے کے وہ سوچا کیا مجھے
بیتے دنوں کا عکس نہ آئندہ کا خیال
بس خالی خالی آنکھوں سے دیکھا کیا مجھے

یہ میری پہلی ملاقات تھی اپنی پسندیدہ شاعرہ سے' میں نے اس کے بارے میں جو سوچ رکھا تھا اس کی شخصیت کا ایک خاکہ کھینچ کر اس میں' میں نے اپنے شعور کے مطابق جو حسین رنگ بھرے تھے اس کے شاعرانہ مزاج جس میں بے باکانہ اور باغیانہ پن نمایاں نظر آتا تھا' وہ آج مجھے بہت مختلف لگی تھی۔ مہذب' شائستہ اور مشرقی قدروں کا احترام کرنے والی' جس میں بے باکی' بے حیائی' بے پردگی اور بے لحاظی کا ہلکا سا شائبہ تک نہ تھا۔

جلد ہی ہماری پوسٹنگ سرگودھا ہوگئی اور پھر پروین سے ملاقات ایک خواب بن کر رہ گئی لیکن اب میں نے اس کی شاعری کو اور انداز سے پڑھنا شروع کردیا تھا جس میں پروین کی شخصیت اور شاعری کے دونوں پہلو سامنے تھے اب پروین سے میرا تعلق اور رشتہ روز بروز گہرا ہوتا جارہا تھا۔

❀

طب نبوی ﷺ

سمیرا غزل صدیقی

کھانا پکانے کے لیے سب سے زیادہ اہمیت کے حامل ہمارے گرم مصالحہ جات ہیں جن کے شامل ہونے سے ہمارے کھانوں کی لذت دوبالا ہوجاتی ہے جس طرح یہ مصالحہ جات ہمارے کھانوں کے ذائقوں کی شان و شوکت بڑھاتے ہیں بالکل اسی طرح ان مصالحوں کے مختلف طریقہ استعمال میں ہماری روزمرہ کی بیماریوں کا علاج بھی پوشیدہ ہے آج ہم ان سے بیماریوں اوران کے علاج کے بارے میں تفصیل سے بات کریں گے۔

علاج بذریعہ دار چینی

اکسیر حافظہ

دار چینی ۲ تولہ' بچ ایک تولہ' ہرڑ کابلی ایک تولہ' مصری ۲ تولہ' چاروں چیزوں کو کوٹ کر باریک سا سفوف بنالیں۔ ایک ماشہ سے تین ماشہ تک صبح وشام پانی کے ساتھ استعمال کریں حافظہ کی تقویت کے لیے بہترین نسخہ ہے۔

ستو پلادی چورن

دار چینی ۶ ماشہ' مغز چھوٹی الائچی ایک تولہ' پپلی ۲ تولہ' طباشیر ۴ تولہ' مصری کوزہ آٹھ تولہ' ان تمام چیزوں کو باریک پیس کر سفوف بنالیں۔ ایک ماشہ ہمراہ شربت نیلوفر یا سادہ پانی دن میں دو تین مرتبہ استعمال کرائیں۔ بدہضمی اور دق و سل کے لیے نزدیک کا مشہور مفید اور موثر مرکب ہے۔

دست اور پیچش

دار چینی ۲ رتی' کھتہ دو رتی' دستوں کو بند کرنے کے لیے دن میں تین چار بار دیں۔

اکسیر سیلان الرحم

دار چینی ایک تولہ' تال مکھانہ ایک تولہ' کشتہ بیضہ مرغ ایک تولہ' بتاشے ۳ تولہ' باریک کوٹ کر پیس کر سفوف بنالیں۔ تین ماشہ ہمراہ گائے کے دودھ کے ساتھ دو ہفتہ تک متواتر استعمال کریں' مریض سیلان الرحم کے لیے مفید و مجرب نسخہ ہے۔

سفوف مقوی باہ

دار چینی کو خوب اچھی طرح باریک پیس کر رکھ لیں۔ دو ماشہ صبح وشام نیم گرم دودھ کے ساتھ پھانک کر استعمال کریں' باہ کی تقویت اور دودھ ہضم کرنے کے لیے بہترین اور سادہ نسخہ ہے۔

انفلوائنزا

دار چینی ۳ رتی' لونگ ۵ رتی' سونٹھ ۵ رتی' ایک سیر پانی میں ملا کر پندرہ منٹ تک ابال کر چھان لیں۔ شہد سے میٹھا کرکے ہر تین گھنٹے بعد ایک چھٹانک پلائیں۔

علاج بذریعہ لونگ

پیٹ پھولنا

معدہ میں جب ہوا جمع ہوکر پیٹ پھولنے لگے تو مندرجہ ذیل لونگ کا عرق تیار کرکے کام میں لائیں' مفید ہوگا۔

سفوف لونگ 10 رتی' کھولتا ہوا پانی 50 تولہ جب پوری طرح سے بھیگ جائے تو چھان لینا چاہیے' ڈھائی تولہ ہر روز دو تین بار استعمال کرائیں۔

بدہضمی

سفوف لانگ ڈیڑھ ماشہ' کھانے کا سوڈا 10 رتی' ابلتا ہوا پانی ۵ تولہ جب بھی بدہضمی کی شکایت ہو کھانے سے پہلے تھوڑا سا استعمال کریں۔

جلاب

اگر جلاب نہیں ہو اور ساتھ ہی ساتھ جلاب خوشبودار بھی ہو تو اس نسخہ کو استعمال میں لائیں۔ لونگ 15 رتی' سونٹھ 15 رتی' سنا مکی ڈھائی تولہ ابلتا ہوا پانی 25 تولہ۔

کم از کم ایک گھنٹے تک اس کو گھول کر رکھ کر چھوڑنا چاہیے اس کے بعد چھان لینا چاہیے بعد ازاں استعمال کرنا چاہیے۔

کھانسی اور دمہ

رات کو سوتے وقت آٹھ یا دس لونگ کچی یا بھنی ہوئی کھانے سے کھانسی اور دمے میں آرام ہوجاتا ہے۔

بخار اور سر درد

لونگ ایک تولہ' چرائتہ ایک تولہ' ان دونوں کو آدھ سیر پانی میں پکایئے جب پانی ایک چھٹانک رہ جائے تب اتار لیجیے' سر درد کی حالت میں چار پانچ لونگ پانی کے ساتھ پیس کر پیشانی پر لگانے سے فوراً اثر ہوتا ہے۔

انفلوائنزا

سردی لگ کر بخار آنے پر یعنی انفلوائنزا کے لیے مندرجہ ذیل نسخہ بہترین ہے۔

لونگ ۵ عدد پسی ہوئی' سونٹھ 15 رتی' دار چینی 30 رتی' ایک سیر صاف پانی میں پون گھنٹے تک ابال کر بعد ازاں استعمال میں لانا چاہیے۔

جی متلانے پر

کسی بھی وجہ سے جی متلا رہا ہو چھ لونگ چبا جائے فوراً آرام ہوگا۔

ہچکی

ہچکی آنے پر دو لونگ' منہ میں ڈال کر ان کا رس چوستے ہی فوراً آرام ہوجاتا ہے۔

الائچی سفید ۳ ماشہ' لونگ ۵ عدد دونوں کو تھوڑے سے پانی میں پیس کر چھان لیں' ایک تولہ مصری ملا کر پکائیں اس سے ہچکی بہت جلدی بند ہوجاتی ہے۔

مریض کو آرام

پانی کو ابال لیجیے ابلتے وقت چند لونگ ڈال دیجیے۔ اس پانی کو تانبے کے برتن میں رکھ دیجیے اور سرد ہونے پر ہچکی کے مریض کو پلایئے ایک دو دن میں ہی آرام ہوجائے گا۔

آدھے سر کا درد

اگر آدھا سر درد کر رہا ہو تو سر کے جس حصے میں درد ہورہا ہو اس کی ناک کے مخالف نتھنے میں شہد کی بوندیں ڈال دیں' درد بند ہوجائے گا۔

نزلہ زکام کے لیے

بار بار نزلہ زکام ہونے والے حضرات کو بھنے ہوئے چنوں کا آٹا ایک چھٹانک' مغز بادام دس دانے' سونف آدھ تولہ اور تخم خشخاش تین ماشہ ان تمام اشیا کو گڑ میں ملالیں پھر ہلکی آنچ پر پانچ تولے چینی ملا کر بھون کر رکھ لیں۔ روزانہ صبح دو بڑے چمچے استعمال کریں اور موسم کے مطابق گرم یا ٹھنڈے پانی کے ساتھ کھائیں۔

قے اور الٹی کے لیے

دھنیا ایک تولہ گھوٹ چھان کر مصری ملا کر کوٹ کر پلائیں' قے بند ہوجائے گی۔

دانت اور مسوڑھے کا درد

شہد کو سرکے میں گھولیں اور اس کی کلیاں صبح وشام کریں' دانت اور مسوڑھے مضبوط ہوجائیں گے۔

دکھتے دانت

دانتوں کی صفائی نہایت ضروری ہے لیکن دیکھا گیا ہے کہ اکثر صفائی رکھنے کے باوجود بھی مسوڑھوں سے خون آتا ہے اور ان میں درد بھی رہتا ہے ان کا علاج یہ ہے کہ پھٹکری میں ذرا سا نمک ملا کر مسوڑھوں پر مل لیں' دن میں دو بار یہ عمل کرنے سے درد اور بلیڈنگ کو کافی افاقہ ہوگا۔

گرمیوں میں جلدی امراض

گرمیوں میں جلدی امراض حملہ کردیتے ہیں' بعض اوقات خون کے فاسد ہونے کی وجہ سے بھی جسم پر خارش ہوجاتی ہے۔ اس مرض کے دور کرنے کے لیے کریلوں کا رس نکال کر دو چمچہ روزانہ صبح کے وقت پئیں چند روز کے استعمال کے بعد خون صاف ہوجائے گا اور چہرے کی رنگت نکھر جائے گی۔

گردہ اور مثانے کی پتھری کے لیے

گردہ اور مثانے کی پتھریاں' ایک ماہ تک کھیرے کی قاشوں پر کالا نمک اور نوشادر لگا کر کھانے سے پیشاب کے راستے ٹوٹ کر نکل جاتی ہیں۔

انڈوں کی بو

کیک میں انڈوں کی بو دور کرنے کے لیے اگر اس آمیزے میں ایک چمچہ شہد کا ڈال دیا جائے تو انڈوں کی بو نہیں آتی۔

(جاری ہے)

بزمِ سخن

سمیہ عثمان

حمیرا نوشین...... منڈی بہاؤالدین
بے نور سی لگتی ہیں تیرے بعد فضائیں
اب دیپ تو جلتے ہیں اجالا نہیں کرتے
جو پیار کی راہوں میں قدم رکھتے ہیں اک بار
شبہات وہ دل میں کبھی پالا نہیں کرتے

عامرہ شعیب...... برکھانی
تجھے تو میں نے بڑی آرزو سے چاہا تھا
یہ کیا چھوڑ چلا تُو بھی اور سب کی طرح

ارم کمال...... فیصل آباد
کسی کے دل میں کیا چھپا ہے یہ تو رب ہی جانتا ہے
دل اگر بے نقاب ہوتے تو سوچو کتنے فساد ہوتے
ان کی نظریں نہ جان پائیں اچھائیاں ہماری محسن
ہم جو سچ میں خراب ہوتے تو سوچو کتنے فساد ہوتے

سمیہ کنول...... بھیر کنڈ مانسہرہ
کہتی ہے یہ بھیگی ہوئی کاجل کی لکیر
چاند وہ جفاؤں پر پشیمان بہت ہے

شائستہ جٹ...... چیچہ وطنی
صدمہ محبت اتنا شدید تھا کہ مت پوچھو
سانس چل رہی تھی مگر وہ زندگی ختم کر گیا

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر
ایک نیا ذائقہ جنم لے گا
پیاس دیکھو ملا کے پانی میں
غم نہ دیکھا کوئی بڑھاپے کا
مرگئے شکر ہے جوانی میں

کرن ملک...... جتوئی
آج وہ کہتا ہے بھول جاؤ مجھے
سحر ہوتی تھی جس کی دید سے میری

دعائے سحر/ثنا احب...... فیصل آباد
میری روح میں جو اتر سکیں وہ محبتیں مجھے چاہئیں
جو سراب ہوں نہ عذاب ہوں وہ رفاقتیں مجھے چاہئیں
انہیں ساعتوں کی تلاش ہے جو کیلنڈروں سے اتر گئیں
جو سمے کے ساتھ گزر گئیں وہی فرصتیں مجھے چاہئیں

مدیحہ نورین مہک...... برنالی
وہاں تک تو ساتھ چلو جہاں تک ساتھ ممکن ہے
جہاں حالات بدلیں گے وہاں تم بھی بدل جانا

میمونہ گل...... میاں چنوں
میرے دل کی تسلی کے لیے فقط اتنا ہی کافی ہے
ہوا جو تم کو چھوتی ہے میں اس میں سانس لیتی ہوں

مدیحہ کنول سرور...... چشتیاں
اگر مصور ہوتی کنول تو نقش کر دیتی تیرا سنگ مرمر سا بدن
مگر میں تو شاعر ہوں فقط لفظوں میں تحریر کرتی ہوں

حورین زینب...... کہروڑپکا
دل میں تھی ویرانی ہم بھی تھے خاموش بہت
تم آئے تو جان گئے ہم موسم کتنا پیارا ہے
باتوں باتوں میں آؤ اس شخص کی بات کریں
جس کی خاطر اب دنیا کا ہر دکھ ہمیں گوارا ہے

ثریا شاہ...... کہروڑپکا
میری بھیگی پلکوں کے جو خواب ہیں ٹوٹے
تو تیری یادوں کے سب گلاب ہیں سوکھے
نیند میری پلکوں سے دور ہوگئی
جب سے تیرے سارے خواب ہیں روٹھے

سیدہ نسبت زہرا...... کہروڑپکا
مہکے سدا بہار کی صورت تیرا وجود
تو مسکرائے شام کی رعنائیوں کے ساتھ
خوشیاں تیرے نصیب کا حصہ رہیں سدا
وابستہ تیرا نام رہے شہنائیوں کے ساتھ

گیلانی سسٹرز...... کہروڑپکا
ہم سے نسیم سحر کے لہجے میں بات کر
ہم وہ لوگ نہیں جنہیں اونچا سنائی دے

حورین زینب...... کہروڑپکا

آجاؤ گے حالات کی زد میں جو کسی دن
ہو جائے گا معلوم خدا ہے کہ نہیں ہے

حراسر فراز...... بہاولپور
ابھی بھی وقت ہے لوٹ آؤ زندگی
تمہارے بغیر رہنے کی عادت پڑ گئی تو پچھتاؤ گے

افرا شاہ...... بہاولپور
ابھی تم تعلق توڑنے کا ذکر مت کرنا کسی سے ایش
ہم کہہ دیں گے کہ اسے فرصت نہیں

طیبہ سعدیہ عطاریہ...... سیالکوٹ
زندگی میں بہت کچھ کھویا ہے میں نے
کاش کوئی مجھے پانے کی حسرت رکھتا

فیاض اسحاق مہیانہ...... سلانوالی
بوند گری تو آنکھ میں آنسو بھی آ گئے
بارش کا اس کی یاد سے رشتہ ضرور تھا

سباس گل...... رحیم یار خان
اکیلا خاک پہ کیسے تڑپ رہا گل
کسی نے ساتھ دیا ہی نہیں یہاں سچ کا

تمنا بلوچ...... ڈی آئی خان
اس شرط پر کھیلوں گی پیا پیار کی بازی
جیتوں تو تمہیں پاؤں ہاروں تو پیا تری

لائبہ میر...... حضرو
محبت کے مسافر کی مہک صدیوں نہیں جاتی
یہاں سے کون گزرا ہے یہ راستہ بول دیتا ہے

کوثر خالد...... جڑانوالہ
وہ درد بے اثر ہے جو سینے میں گھٹ گیا
اچھا غم وہی ہے جو دیوانہ وار ہو

سامعہ ملک پرویز...... خان پور ہزارہ
میرے نصیب میں سدا خدا نے کمال رکھا ہے
میرے دشمنوں کو ہمیشہ زیر زوال رکھا ہے
کسی طور آتی نہیں مجھ پر مصیبت کوئی
میری ماں کی دعاؤں نے مجھے سنبھال رکھا ہے

نورین انجم اعوان...... کورنگی کراچی
کچھ دولت پر ناز کرتے ہیں
کچھ صورت پر ناز کرتے ہیں
ہمارے ہاتھوں میں ہے دامن مصطفیٰ ﷺ
ہم اپنی قسمت پر ناز کرتے ہیں

سیدہ لوبا سجاد...... کہروڑپکا
محبت کی نمازوں کا معین وقت ہوتا ہے
ادا جن کی نکل جائے قضا بھی چھوٹ جاتی ہے
محبت کی نمازوں میں امامت ایک کو سونپو
اسے تکنے اسے تکنے سے نیت ٹوٹ جاتی ہے

عنبر مجید...... کوٹ قیصرانی
کچھ مر سا گیا ہے میرے اندر
دل میرا اب حسرتیں نہیں کرتا

مشاعل مسکان...... میانوالی
دل میں ہوتا تو کسی طور بھی نکل جاتا
اب تو وہ شخص بہت دور تلک ہے مجھ میں

روشی وفا...... ماچھیوال
سامنے اس کے بدل جاتے ہیں
الفاظ میرے منافق کہیں کے

ثمینہ ناز...... بستی غوث پور
اپنی ذات کی تلاش میں سرگرداں ہوں میں
اور لوگ مجھے مغرور سمجھتے ہیں ناز

مسکان وصی...... سیالکوٹ
میری یادوں سے بچ نکلو تو وعدہ ہے تم سے
زمانے والوں کو کہوں گی کمی میری وفا میں ہی تھی

نورین مسکان سرور...... ڈسکہ سیالکوٹ
امیر شہر میری جھونپڑی پر طنز نہ کر
یہ تیرے ظرف سے ہر حال میں بڑی ہوگی

کوثر ناز...... حیدرآباد
دل پر وہ ہمارے ہاتھ رکھ کر پوچھتے ہیں
آپ کی دھڑکنوں میں اس قدر ارتعاش کیوں ہے؟

❁

bshijab@gmail.com

کچن کارنر

زہرہ جبیں

دم پخت ہانڈی تکہ

اجزا:۔

گوشت بغیر ہڈی	ایک کلو (صاف بوٹیاں)
پیاز	دوعدد (درمیانی)
کٹی مرچ	چار کھانے کے چمچ
نمک	حسب ذائقہ
گرم مسالہ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
دہی	ایک پاؤ
لہسن کا پیسٹ	ایک چائے کا چمچ
ادرک کا پیسٹ	ایک چائے کا چمچ
VTF بناسپتی	چار کھانے کے چمچ

ترکیب:۔

گوشت کی چھوٹی چھوٹی بوٹیاں کرلیں۔ اور پیاز پیس لیں۔ دہی میں سارے مسالے ملاکر بوٹیوں پر لگادیں۔ اس میں VTF بناسپتی ملائیں پھر چار گھنٹے کے لئے میری نیٹ ہونے کے لئے رکھ دیں۔ تاکہ مسالہ بوٹیوں میں رچ بس جائے۔ اس کے بعد پانی ڈالے بغیر اسے چولہے پر رکھ کر ہلکی آنچ پر پکائیں۔ گوشت گل جائے اور پانی سوکھ جائے تو بھون لیں پھر ایک کوئلہ دہکائیں اور پتیلی کے درمیان میں رکھ دیں' اب VTF بناسپتی ایک چمچ گرم کرکے کوئلے پر ڈالیں اور مضبوطی سے ڈھکن بند کردیں تاکہ تکے میں باربی کیو کا ٹیسٹ آجائے۔ دس منٹ بعد سلاد اور رائتے اور چپاتی یا تندوری روٹی کے ساتھ کھائیں۔

(طلعت نظامی...... کراچی)

"سعودی کباب"

اشیاء:۔

بون لیس چکن	ایک پاؤ
لہسن پسا ہوا	ایک کھانے کا چمچ
آلو ابلا ہوا	ایک عدد
گرم مسالہ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
چاٹ مسالہ	ایک چائے کا چمچ
کٹی لال مرچ	ایک چائے کا چمچ
کالی مرچ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
رائی پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
سویاں (چورا کرکے)	ایک کپ
انڈے	دوعدد
کوکنگ آئل	حسب ضرورت

ترکیب:۔

چکن کو لہسن اور نمک ڈال کر دس منٹ تک ابالیں اور اس کے ریشے کردیں' آلو اور چکن کو مسالوں میں اچھی طرح شامل کرکے انڈے کی شکل کے کباب بنالیں' ان کبابوں کو پھینٹے ہوئے انڈے میں ڈبونے کے بعد ان پر سویوں کا چورا لگا کر ڈیپ فرائی کرلیں' سلاد کے علاوہ نوڈلز کی گارنشنگ کریں تو بہت اچھے لگیں گے۔

(نزہت جبین ضیاء...... کراچی)

میٹ بالز

اشیاء:۔

قیمہ	آدھا کلو
انڈہ	تین عدد
لال مرچ	ایک چمچہ
نمک	حسب ضرورت
گرم مسالہ	آدھا چمچہ
سرکہ	تین چمچے
ادرک لہسن	ایک چمچہ
ہری مرچ	چار عدد

ڈبل روٹی	تین سلائس (دودھ میں بھگولیں)
ڈبل روٹی کا چورا	حسب ضرورت

ترکیب:۔

سب سے پہلے تو آپ سب کو بقرعید بہت بہت بلکہ بہت زیادہ مبارک ہو اور اس کے بعد وہ گوشت جو آپ نے فریج میں رکھا ہوا بہت زیادہ بلکہ ڈھیروں ڈھیر مبارک ہو۔ (اب خوش ہوگئیں نا؟) اچھا تو ترکیب کی طرف آتے ہیں (تو پھر آجائیں) سب سے پہلے قیمہ میں تمام مسالے اور ایک کپ پانی ڈال کر ابال لیں۔ (اگر اتنے میں کسی گھر سے پھر کوئی ایک آدھ "قربانی کا گوشت" آ گیا ہے تو فوراً پکڑ کر فریج میں رکھ لیں) جب قیمے کا پانی خشک ہوجائے (تو باہر "جھانکی" مار لیں کہ کہیں کوئی اور گوشت دینے والا باہر ہی سے تو نہیں چلا گیا) تو اسے چوپر میں پیس لیں۔ (قیمے کو' گوشت دینے والے کو نہیں بھئی) اچھا تو جناب قیمہ پیس کر اس میں انڈہ اور ڈبل روٹی کے سلائس ملادیں (اور اتنے میں فریج میں پڑے گوشت کا جائزہ لے لیں کہ اس ڈھیروں ڈھیر گوشت سے اور کون کون سی ڈش بن سکتی ہے کہ اس کی بھی ترکیب نادیہ ثوبیہ سے پوچھ لیں)۔ اس کے بعد ان کے بالز بنالیں پھر انڈے اور ڈبل روٹی کے چورے میں لپیٹ کر فرائی کرلیں۔ اور فرائی کرنے کے بعد پلیٹ میں نکالیں اور پھر گرم گرم مزے لے لے کر کھائیں کسی کو نہیں کھلانا کیونکہ قربانی کا گوشت سنبھالنے میں آپ نے انتھک محنت کی ہے۔ اس کا مزہ دوسروں کو کیوں دیں۔) اور ہمیں یاد رکھیں۔ ہائے!

(ہالہ سلیم...... کراچی)

سیخ کے بالائی دار کباب

اشیاء:۔

روکھا قیمہ	آدھا کلو
پسا ہوا گرم مسالہ	آدھا چمچہ
ادرک	چھوٹی گانٹھ
پیاز	2 ڈلیاں
ہری مرچیں	8 عدد
دھنیا پودینہ	حسب ضرورت
لال مرچ	حسب ضرورت
پپیتا	تھوڑا سا (کچا)
دودھ کی بالائی	آدھی پیالی
نمک	حسب پسند
گھی	حسب ضرورت

ترکیب:۔ سب سے پہلے قیمے کو سل پر باریک پیس لیں (ان کبابوں کیلئے قیمے کا باریک ہونا ضروری ہے ورنہ یہ ٹوٹ جائیں گے) پھر اس میں سارے مسالے ملادیں۔ ملائی اور 2 کھانے کے چمچے گھی بھی شامل کردیں۔ سب اجزاء کو چمچے سے خوب اچھی طرح ملادیں۔ کافی دیر اسی حالت میں رہنے دیں۔ پھر اسے سیخوں پر چڑھائیں دہکتے ہوئے کوئلوں کی آگ پر پکائیں درمیان میں گھی بھی ٹپکاتے جائیں ٹماٹر کی چٹنی کے ساتھ پیش کریں۔

(نازیہ عباسی...... ٹھٹھہ)

فرائیڈ گولا کباب

اشیاء:۔

قیمہ مشین کا	ایک کلو
پسی سرخ مرچ	1 ٹیبل اسپون
پسا گرم مسالہ	1/2 ٹی اسپون
پسا لہسن ادرک	2 ٹی اسپون
نمک	1 ٹی اسپون
میدہ	1 ٹیبل اسپون
کچا پپیتہ پاؤڈر	ہاف ٹی اسپون
کباب چینی پسی ہوئی	ہاف ٹی اسپون
پیپری (پسی ہوئی)	ہاف ٹی اسپون
گھی	حسب ضرورت
کوئلہ	ایک عدد

پیاز	2 عدد
سفید زیرہ (بھنا ہوا)	1 ٹی اسپون

ترکیب:۔
مشین کے قیمے میں تمام اجزاء ڈال کر چوپر یا سل پر پیس لیں اور آدھے گھنٹے کے لئے فریج میں رکھ دیں۔اب ان کے گول کوفتے نما کباب بنالیں۔ایک کڑھائی میں گھی گرم کرکے باری باری تل لیں۔جب چاروں طرف سے سرخ ہوجائیں تو باہر نکال لیں۔جب تمام کباب فرائی ہوجائیں تو دیگچی میں رکھ کر کوئلے دہکا کر اس کا دھواں دیں۔(نوٹ) گول کوفتے بنا بنا کر سیخ سلائی سے بیچ میں سوراخ کردیں۔سلاد اور رائتے کے ساتھ گرما گرم سرو کریں۔سب کو یقیناً بہت پسند آئیں گے۔

(فہمیدہ انجم......راولپنڈی)

چکن نوڈلز سوپ

اجزا:۔

چکن کے ابلے ریشے	1/2 کپ
نوڈلز(ابال لیں)	1/2 کپ
مرغی کی یخنی	چار کپ
لیموں	ایک عدد
ہری پیاز (کاٹ لیں)	1/4 کپ

نمک' سویا ساس' چلی ساس' حسب ذائقہ۔

ترکیب:۔
یخنی میں نوڈلز اور مرغی کے ریشے ڈال کر دو تین منٹ ابال لیں پھر چولہے سے ہٹائیں اور اس میں اجینو موتو اور لیموں کا رس ڈالیں پھر سوپ ڈش میں نکال لیں' ہری پیاز کے کٹے ہوئے پتوں سے گارنش کریں' سویا ساس سرکہ ساتھ میں رکھیں اینڈ ڈیئر سدرہ کرن آپ نے نوڈلز کی ترکیب پوچھی اور میں نے موسم سرما کی وجہ سے نوڈلز کے سوپ کی ترکیب لکھ دی ہے تاکہ جب ٹھنڈی یخ سردیوں میں ٹھٹھرتی ہوئی تم میرا بتایا ہوا چکن نوڈلز سوپ بنا کر پیؤ گی تو آئم شیور کہ مجھے ڈھیر ساری دعائیں دوگی۔

(ندا حسنین......کراچی)

چینی پلاؤ

اجزا:۔

چاول	آدھا کلو
جھینگا	ایک پاؤ
انڈے	تین عدد
پیاز موٹی کٹی ہوئی	دو عدد
چائنیز ساس	آدھا چمچ

ترکیب:۔
چاول میں ذرا سا نمک ملا کر دو کنی ابال لیں اور پانی نتھار کر چاول کو کسی صاف اور خشک کپڑے پر پھیلائیں تاکہ وہ بالکل خشک ہوجائیں۔جھینگے میں نمک ملا کر آدھا گھنٹہ پہلے رکھ دیں اس کو تیل میں تل لیں۔جھینگا تلنے کے بعد اسے کڑاہی سے نکالئے نہیں بلکہ انڈا پھینٹ کر اس میں شامل کریں اور انڈے کو چمچے سے اچھی طرح چلائیں تاکہ جمنے نہ پائے اب چاول میں انڈا اور جھینگا ڈال دیں۔آدھا چمچ چائنیز ساس بھی ڈال دیں۔چاول کو پانچ منٹ دم کے بعد اتارلیں۔

(جویریہ ضیاء......بلیر کراچی)

گولڈن کوائن

اجزا:۔

ڈبل روٹی	5 سلائس
آلو	دو عدد (ابلے ہوئے میش کئے ہوئے)
مٹر	آدھا پاؤ
بیسن	ایک چھٹانک
شملہ مرچ	ایک عدد
لال مرچ' نمک	حسب ذائقہ
تیل	حسب ضرورت

ترکیب:۔

ہری پیاز' شملہ مرچ' باریک کاٹ کر آلوؤں میں ملالیں پھر مٹر کے دانے' نمک اور لال مرچ بھی شامل کرلیں۔ڈبل روٹی کو کٹر سے گول کاٹ کر ایک طرف یہ آمیزہ اچھی طرح لگائیں پھر بیسن پھینٹ کر اس میں لال مرچ اور نمک ملالیں۔اب سلائس کو بیسن میں ڈبو کر اچھی طرح فرائی کرلیں۔گولڈن ہونے پر نکال لیں۔املی کی چٹنی کے ساتھ پیش کرسکتی ہیں۔چاہیں تو ٹماٹر کی چٹنی بنالیں۔

(نادیہ احمد......دبئی)

چکن فرائیڈ کٹلس

اجزا:۔

چکن کا قیمہ	ایک پاؤ (بغیر ہڈی
سبز مرچ	تین سے چار عدد (کٹی ہوئی)
کالی مرچ	آدھا چمچ
گرم مسالہ (پسا ہوا)	آدھا چمچ
لیموں کا رس	ایک چمچ
گارلک پیسٹ	ایک چمچ
تیل	تلنے کے لئے
انڈا	ایک عدد
نمک	حسب ذائقہ
پیاز پسی ہوئی	دو عدد

ترکیب:۔
قیمے کو ایک باؤل میں ڈال کر نمک' ہری مرچ' پیاز' گارلک پیسٹ' گرم مسالہ' کالی مرچیں' لیموں کا رس اور پھینٹا ہوا انڈا ڈالیں' ان تمام اشیاء کو قیمے میں مکس کرلیں اور ایک گھنٹے تک میری نیٹ کریں اس کے بعد ان کے کٹلس بنالیں' ایک پین میں تیل گرم کریں پھر ان کٹلس کو بریڈ کرم میں اچھی طرح لت پت کرکے تل لیں۔جب یہ دونوں طرف سے سرخ ہوجائیں تو ایک پلیٹ میں نکال لیں' اور چٹنی کے ساتھ پیش کریں اور داد وصول کریں کیونکہ میں بھی داد وصول کرچکی ہوں اور ڈھیر ساری دعاؤں سے نوازیں۔

(حنا اشرف......کوٹ ادو)

کشمیری تکے

اجزا:۔

گوشت (گائے کا)	ڈھائی سو گرام
کالی مرچ	نصف چمچہ
پیاز	پچاس گرام
گرم مسالہ	ایک چائے کا چمچ
لیموں کا رس	ایک عدد
گھی	پچیس گرام
ٹماٹر	چار عدد
نمک' سرخ مرچ	حسب ضرورت

ترکیب:۔
گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرلیں۔پیاز چھیل کر گول گول ٹکڑوں میں کاٹ لیں اور ٹماٹر گول قتلوں کی طرح کاٹ لیں۔گرم مسالہ' لیموں' کالی مرچ' نمک' سرخ مرچ' مکس کریں اب ان مسالہ جات کو گھی میں ہلکی آنچ پر بھون لیں اور گوشت کے ٹکڑے اس مسالے میں اچھی طرح مکس کرلیں۔سلاخ میں اس طرح پروئیں کہ ایک ٹکڑا گوشت کا اور ایک ٹکڑا ٹماٹر اور پیاز کا لگائیں اور کوئلوں کی دہکتی آگ پر سرخ کرکے پکائیں۔زبردست کشمیری تکے تیار ہیں خود بھی کھائیں اور گھر والوں کو بھی کھلائیں اور داد وصول کریں اور طلعت آنٹی کے لئے بھی بھیج دیں اور مجھے اپنی دعاؤں میں مت بھولیں۔

(سحرش فاطمہ......کراچی)

آرائش حسن

مدیحہ احمد

موسم سرما میں حسن کی نگہداشت

موسم کے بدلتے ہی حسن بھی ماند پڑنا شروع ہوجاتا ہے اور خواتین اپنے رنگ و روپ کی حفاظت اور بروقت نگہداشت کے لیے بیوٹی پارلرز کا رخ کرتی ہیں حالانکہ جلد کی حفاظت گھر پر بھی کی جاسکتی ہے اس مقصد کے لیے ضروری ہے کہ چہرے کی موئسچرائزنگ کے ساتھ ساتھ اپنی جلد کو سورج کی روشنی کے مضر اثرات اور موسم کی تمازت سے محفوظ رکھیں۔ چہرے کی جلد ہی اس موسم میں توجہ نہیں مانگتی بلکہ گردن' ہاتھ' بازو اور پاؤں بھی توجہ چاہتے ہیں اس لیے چہرے کے ساتھ ساتھ جلد کے باقی حصوں کی حفاظت کو معمول بنائیں۔ گلیسرین' عرق گلاب اور لیموں کو ہم وزن ملا کر یہ آمیزہ کسی صاف بوتل میں ڈال کر فریج میں رکھ دیں اور وقتاً فوقتاً ٹونر کے طور پر چہرے اور گردن پر لگاتی رہیں۔ ٹماٹر کے دو سلائس کاٹ کر فریزر میں رکھ دیں جب بھی کہیں باہر سے آئیں تو یہ سلائس چہرے پر مل لیں اس سے چہرے کی رونق بحال ہوجائے گی۔ خشک دودھ ایک چائے کا چمچ اور جو کا آٹا عرق گلاب میں ملا کر گاڑھا لیپ بنالیں اور ہفتے میں دو بار یہ ماسک لگانے سے جلد نکھر آئے گی۔ انڈے کی سفیدی میں بادام کا پاؤڈر ملالیں رات سونے سے پہلے اس مرکب کو چہرے پر ماسک کی طرح لگائیں اور پھر ٹھنڈے پانی سے دھولیں۔

بھاپ سے چہرے پر نکھار

چہرے پر ہلکے مساج کے بعد بھاپ لیں' اس کے لیے ایک بڑی دیگچی میں کھانے کا ایک چمچ سمندری نمک اور پودینے کے پتے ڈال لیں اور پانی کو خوب کھولا لیں پھر چولہا بند کردیں اور تولیہ سر پر ڈال کر چہرے کو کھولتے ہوئے پانی کی دیگچی کے قریب لے کر بھاپ لیں' خیال رہے کہ بھاپ چہرے کے علاوہ ادھر اُدھر نہ ہوجائے جب چہرے پر پسینہ آجائے تو بھاپ لینا بند کردیں اور چہرے کو کسی ململ کے کپڑے یا روئی کی مدد سے اچھی طرح صاف کرلیں اس سے نہ صرف چہرے کا میل کچیل صاف ہوجاتا ہے بلکہ آپ کے چہرے سے بلیک ہیڈز بھی صاف ہوجاتے ہیں اور چہرہ نکھر کر اور بھی خوب صورت ہوجاتا ہے اور چہرے کی قدرتی چمک دمک بھی برقرار رہتی ہے۔ خواتین یہ کام اپنے گھر پر بھی بہت آسانی سے کرسکتی ہیں اور اس کے لیے انہیں پارلرز جانے کی ضرورت بھی نہیں پڑتی۔ ہر پندرہ روز کے بعد بھاپ لینے سے چہرے پر جھریاں بھی کم پڑتی ہیں۔

نم آلود جلد کی حفاظت

نم آلود جلد میں بہت زیادہ رطوبت ہوتی ہے اس لیے اس قسم کی جلد عموماً دیکھنے میں پھولی ہوئی اور لٹکتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ طبی نقطہ نگاہ سے یہ کیفیت کمزور دوران خون کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے اور جن لوگوں کی جلد اس قسم کی ہے وہ درحقیقت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ جلد کی اندرونی تہوں میں بڑی تعداد میں فاسد اور فاضل مادے جمع ہوچکے ہیں جن سے نجات کے لیے اس کی اندر تک صفائی لازم ہے۔ اس طرح کی جلد کی نگہداشت کے لیے ضروری ہے کہ اپنی جلد کو پہچانا جائے اور سب سے اہم بات یاد رہے کہ اس کی دیکھ بھال روز کی جائے ایسے میں غذا بھی ایک اہم کردار ادا کرتی ہے اس کے ساتھ ساتھ آپ اپنی نیند بھی پوری کریں کیونکہ نیند پوری نہ ہونے سے بھی جلد بہت زیادہ متاثر ہوتی ہے اور آنکھوں کے گرد حلقے پڑجاتے ہیں جو چہرے کی ساری خوب صورتی کو خراب کرتے ہیں اس لیے غذا کے ساتھ اپنی نیند کا بھی بھرپور خیال رکھیں تاکہ اپنی جلد کو خوشگوار بناسکیں آپ اپنی جلد کو روانہ دو بار ایسی مصنوعات سے صاف کریں جو نرم و نازک جلد کے لیے موزوں ہے۔ پچیس سال کی عمر کے بعد بیوٹی تھراپسٹ کو وقفے وقفے سے مشورے کے لیے ملتے رہیں تاکہ جلد محفوظ رہے

کیونکہ جب تک جلد کی حفاظت کی جائے گی جلد محفوظ رہے گی اپنی جلد کو تیز دھوپ سے بچائیں اور تمباکو نوشی سے پرہیز کریں۔

سرخی مائل رنگت اور گندمی رنگت پہ میک اپ

سرخی مائل رنگ کی خواتین کے چہرے پر چھوٹے چھوٹے سرخ دھبے نظر آتے ہیں خصوصاً ناک کی نوک' تھوڑی' پیشانی اور رخساروں پر سرخ نشانات قدرے واضح نظر آتے ہیں۔ ان خواتین کو چاہیے کہ وہ پیلاہٹ مائل فاؤنڈیشن استعمال کریں کیونکہ یہ شیڈ ان کے چہرے کی سرخی کو چھپائے گا اور اس کے ساتھ ساتھ ان کا چہرہ قدرتی سرخی سے محروم بھی نہیں دکھائی دے گا۔ اس کے مقابلے میں سفید رنگت پر ہلکا اور بھاری دونوں قسم کا میک اپ چلتا ہے لیکن گندمی رنگت رکھنے والی خواتین کو فیئر لائٹ فاؤنڈیشن کا روز ایشل شیڈ استعمال کرنا چاہیے اس سے ان کے چہرے پر نکھار پیدا ہوگا اور چہرے کی تروتازگی بھی برقرار رہے گی۔ سرخی مائل رنگ کی خواتین کو چاہیے کہ وہ میک اپ خریدتے وقت برانڈ اور اپنے کلر کی طرف ضرور دھیان دیں کیونکہ اگر میک اپ ان کے رنگ کے مطابق میچ نہیں ہوگا تو کسی پارٹی یا فنکشن پر ان کا یہ میک اپ شرمندگی کا باعث بھی بن سکتا ہے اس لیے وہ اپنی جلد کے حساب سے میک اپ کا انتخاب کریں اور بہتر یہی ہے کہ میک اپ کے انتخاب کے وقت کسی ماہر بیوٹیشن سے بھی مشورہ لیں۔

خشک جلد کی دیکھ بھال

موسم کی مناسبت سے جلد کی حفاظت کرنی چاہیے' موسم ایک طرف تو رخسار گلابی کردیتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی تمام رطوبت جذب کرکے آپ کو اکڑی ہوئی اور خشک جلد سے دوچار کردیتا ہے۔ جلد پر چھلکے سے بن جاتے ہیں موئسچرائزنگ کریم استعمال کرنے سے غائب ہوجاتے ہیں اور آپ کی جلد سخت ہوجاتی ہے' مسام سکڑ جاتے ہیں۔ آنکھوں کے گرد چھوٹی چھوٹی لکیریں نمودار ہوجاتی ہیں یہ ختم نہیں ہوتیں اور ایسا لگتا ہے کہ یہ مستقل ہوگئی ہیں انسانی جلد آکسیجن جذب کرتی ہے لیکن یہ عمل سرانجام دینے کے لیے اسے صاف ستھرا ہونا چاہیے' جلد کے خلیوں میں مرطوب اجزا کا وافر ذخیرہ ہوتا ہے۔ رطوبت کا یہ ذخیرہ عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ ہارمونز یا وٹامن کی کمی کی وجہ سے کم ہوتا رہتا ہے جلد کے رطوبت والے غدود مزید غیر فعال ہوجاتے ہیں اور اس کے نتیجے میں جلد خشک ہوجاتی ہے آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی جلد خشک ہونے سے محفوظ رہے تو آپ کو چاہیے کہ اچھی غذا کھائیں۔

خشک جلد کے لیے ماسک

خواتین اپنے چہرے کی خوب صورتی کو بڑھانے کے لیے طرح طرح کے ٹوٹکے آزماتی ہیں تاکہ وہ سب سے زیادہ خوب صورت اور دلفریب نظر آئیں جلد کی چونکہ مختلف اقسام ہوتی ہیں اسی لیے جلد کو مدنظر رکھتے ہوئے ماسک کا استعمال کرنا چاہیے' زیادہ تر خواتین کی جلد خشک ہوتی ہے اسی لیے یہاں ہم اس کا ذکر کریں گے تاکہ آپ خشک جلد کی حفاظت اچھے طریقے سے کرسکیں۔ خشک جلد کی حفاظت آپ گھر پر رہ کر بھی کرسکتی ہیں اس کے لیے آپ کو پارلر جانے کی ضرورت نہیں۔ جلد کی حفاظت کے لیے دو انڈے لے کر زردی کو اچھی طرح پھینٹ لیں اس کے بعد آنکھوں کو چھوڑ کر چہرے اور گردن پر لگائیں اس دوران کسی سے بات نہ کریں 20 منٹ کے بعد نیم گرم پانی سے منہ دھولیں آپ کی جلد چمک دار ہوجائے گی۔ ہفتے میں ایک مرتبہ اس ماسک کا استعمال کریں' چکنی جلد کے لیے بھی یہ ماسک موزوں ترین ہے اور اسے کسی بھی موسم میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

عالم انتخاب

غزل

اس جیون سے ہم ہارے وصی
جب دشمن نکلے سارے وصی
آواز کو اس کی ترس گیا ہوں
کوئی دور سے مجھے کو پکارے وصی
قسمت پر وہ اپنی ناز کریں
ہیں جن کے چاند ستارے وصی
دل خون کے آنسو رویا تھا
جب کام نہ آئے سارے وصی
ہمیں ڈر تھا تیری رسوائی کا
ہم اس لیے تم سے ہارے وصی
دل ٹوٹ کے ریزہ ریزہ ہوا
جب بچھڑ گئے سب پیارے وصی

شاعر: وصی شاہ

سونیا نورین گل..... دندہ شاہ بلاول

غزل

نیناں جادو کر جاتے ہیں
دل کے بوجھ اتر جاتے ہیں
تم کو راس جدائی لیکن
ہم سے لوگ تو مرجاتے ہیں
اس کی آنکھیں امرت دھارے
خالی کا سے بھر جاتے ہیں
تیری خاطر راتوں کو ہم
اکثر دیر سے گھر جاتے ہیں
جیتے جی افلاس کے ہاتھوں
کومل جذبے مرجاتے ہیں
تیرے یہ معصوم اشارے
ساری باتیں کرجاتے ہیں

انﷺ کے در کی بات نہ پوچھو
بگڑے کام سنور جاتے ہیں
ظلم کی تیز ہوا سے شہری
بزدل ہیں جو ڈر جاتے ہیں

شاعر: بشیر حسین شہری

حمیرا نوشین..... منڈی بہاؤالدین

غزل

عجب اپنا حال ہوتا جو وصال یار ہوتا
کبھی جان صدقے ہوتی کبھی دل نثار ہوتا
نہ مزہ ہے دشمنی میں نہ لطف دوستی میں
کوئی غیر غیر ہوتا کوئی یار یار ہوتا
یہ مزہ تھا دل لگی کا کہ برابر آگ لگتی
نہ تمہیں قرار ہوتا نہ ہمیں قرار ہوتا
تیرے وعدے پر ستم گر ابھی اور صبر کرتے
اگر اپنی زندگی کا ہمیں اعتبار ہوتا

شاعر: داغ دہلوی

مدیحہ نورین مہک..... برنالی

غزل

ان دنوں روح کا عالم ہے عجب
جیسے جو حسن ہے میرا ہے وہ سب
جیسے اک خواب میں نکلا ہوا دن
جیسے اک وصل میں جاگی ہوئی شب
دل پر کھلتا ہے اسی موسم میں
غم کسے کہتے ہیں اور کیا ہے طرب
جس سے ہوجائے جہاں ہوجائے
ہے محبت ہی محبت کا سبب
جانفزا ہے جو عطا کرتے رہو
بوسۂ لب کی طرح بوسۂ لب
پہلے ناز بھرا ربط و گریز
اس نے پھر بخش دیا سب کا سب
تم سا کیا ہوگا یہاں خواب کوئی
مجھ سے کیا ہوگا کوئی خواب طلب
کاش تعبیر میں تم ہی نکلو
جب کوئی خواب ہو تعبیر طلب
سلسلے اس سے جو مل جائیں تو ٹھیک
ورنہ جھوٹے ہیں یہ سب نام و نسب
سایہ زلف میں مرجاؤ علیم
کھینچ لے گر نہ مجھے سایہ رب

شاعر: عبیداللہ علیم

نسبت زہرا.....

نظم

کیسے کاریگر ہیں یہ
آس کے درختوں سے
لفظ کاٹتے ہیں اور سیڑھیاں بناتے ہیں
کیسے باہنر ہیں یہ
غم کے بیج بوتے ہیں
اور دلوں میں خوشیوں کی کھیتیاں اگاتے ہیں
کیسے چارہ گر ہیں یہ
وقت کے سمندر میں
کشتیاں بناتے ہیں آپ ڈوب جاتے ہیں

شاعر: امجد اسلام امجد

گڑیا شاہ..... کہروڑپکا

غزل

زخم کھانا تو اپنی عادت ہے
مسکرانا تو اپنی عادت ہے
روشنی ہو کہ گھپ اندھیرا ہو
دل جلانا تو اپنی عادت ہے
آپ کب تک سنبھالیے گا ہمیں
لڑکھڑانا تو اپنی عادت ہے
ہیں ستم گر خفا تو ہونے دو
سر اٹھانا تو اپنی عادت ہے
راہ چلتی ہوئی مصیبت کو
گھر بلانا تو اپنی عادت ہے
اس کی آنکھوں سے کیا گلہ راہی
ڈوب جانا تو اپنی عادت ہے

شاعر: عظیم راہی

ارم کمال..... فیصل آباد

جھیل میں چاند

تری آنکھیں
بڑی گہری..... بہت خوب صورت ہیں
اجازت ہو تو میں کچھ دیر ان میں جھانک کر دیکھوں
کہ مجھ کو چاند کی مانند
جھیلوں میں اترنا
لطف دیتا ہے

شاعرہ: پروین شاکر

سمیہ کنول..... بصیر کنڈ، مانسہرہ

غزل

بچھڑتے وقت اسے کوئی ملال تو ہوتا
اجڑ گیا ہے کوئی یہ خیال تو ہوتا
کسی سبب، کسی نسبت کسی تعلق سے
نگاہ یار میں کوئی سوال تو ہوتا
وہ بے وفا تو نہیں مگر پھر بھی بے وفائی میں
جہاں میں کوئی بھی اس کی مثال تو ہوتا
میں پائمال ہوا جس طرح محبت میں
کچھ اس طرح سے کوئی پامال ہوتا
میں اس کی راہ میں آنکھیں بچھا تو دوں
وہ لوٹ آئے گا یہ احتمال تو ہوتا
معاملات جنوں کے سوا شمی تم کو
کسی ہنر کسی فن میں کمال تو ہوتا

شاعر: شمی فاروقی

علیزے..... کراچی

محبت ہم سفر میری

کٹھن ہے زندگی کتنی
سفر دشوار کتنا ہے
کبھی پاؤں نہیں چلتے
کبھی رستہ نہیں ملتا

ہمارا ساتھ دے پائے
کوئی ایسا نہیں ملتا
فقط ایسے گزاروں تو
یہ روز و شب نہیں کٹتے
یہ کٹتے تھے کبھی پہلے
مگر ہاں اب نہیں کٹتے
کہ اب ہر سانس پر انور
ہماری جاں نکلتی ہے
مجھے پھر بھی مرے مالک
کوئی شکوہ نہیں تجھ سے
میں جاں پر کھیل سکتا ہوں
سبھی دکھ جھیل سکتا ہوں
اگر تو آج ہی کردے
محبت ہم سفر میری

شاعر: بصغیر انور
مہک...... گگو منڈی

غزل

میں نے عکس اس کا شعر میں ایسا اتارا تھا
سب نے مرے کلام کا صدقہ اتارا تھا
پھر اس کے بعد گر گیا سونے کا بھاؤ بھی
اک شام اس نے کان سے جھمکا اتارا تھا
کل رات فیض یاب ہوا تھا گناہ سے
کل رات پارسائی کا دھبہ اتار تھا
لے آئی ہے یہ مفلسی کس راہ پر مجھے
میں نے ابھی اسکول کا بستہ اتارا تھا
برسوں پرانا زخم کوئی یاد آ گیا
کل شب ہوا نے شاخ سے پتہ اتار تھا

شاعر: اختر رضا سلیمی
اقصیٰ شوکت...... گگو منڈی

غزل

درد و غم کی دوا نہیں ملتی
اب کسی سے وفا نہیں ملتی
ہنس کے جو دل توڑ دیتے ہیں
ان کو یارو سزا نہیں ملتی
گھر گئی زندگی اندھیروں میں
چاہتوں کی ضیاء نہیں ملتی
دل کو مسرور کر کے جو رکھ دے
ایسی کوئی صدا نہیں ملتی
چین کا سانس لے سکیں رانا
ایسی تازہ فضا نہیں ملتی

شاعر: قدیر رانا
پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

غزل

کوئی مجھ کو میرا بھرپور سراپا لادے
میرے بازو، میری آنکھیں، میرا چہرہ لادے
ایسا دریا جو کسی اور سمندر میں گرے
اس سے بہتر ہے کہ مجھ کو میرا صحرا لادے
کچھ نہیں چاہیے تجھ سے اے میری عمر رواں
میرا بچپن، میرے جگنو، میری گڑیا لادے
نیا موسم میری بینائی کو تسلیم نہیں
میری آنکھوں کو وہی خواب پرانا لادے
جس کی آنکھیں مجھے اندر سے بھی پڑھ سکتی ہیں
کوئی چہرہ تو میرے شہر میں ایسا لادے

شاعرہ: نوشی گیلانی
دلکش مریم...... چنیوٹ

پہلی سی محبت

مجھ سے پہلی سی محبت مری محبوب نہ مانگ
میں نے سمجھا تھا کہ تو ہے تو درخشاں ہے حیات
تیرا غم ہے تو غم دہر کا جھگڑا کیا ہے
تیری صورت سے ہے عالم میں بہاروں کو ثبات
تیری آنکھوں کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے
تو جو مل جائے تو تقدیر نگوں ہو جائے
یوں نہ تھا میں نے فقط چاہا تھا یوں ہو جائے
اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا

راحتیں اور بھی ہیں وصل کی راحت کے سوا
ان گنت صدیوں کے تاریک بہیمانہ طلسم
ریشم و اطلس و کمخواب میں بنوائے ہوئے
جا بجا بکتے ہوئے کوچہ و بازار میں جسم
خاک میں لتھڑے ہوئے خون میں نہلائے ہوئے
جسم نکلے ہوئے امراض کے تنوروں سے
پیپ بہتی ہوئی گلتے ہوئے ناسوروں سے
لوٹ جاتی ہے ادھر کو بھی نظر کیا کیجیے؟
اب بھی دلکش ہے ترا حسن مگر کیا کیجیے؟
اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا
راحتیں اور بھی ہیں وصل کی راحت کے سوا
مجھ سے پہلی سی محبت مری محبوب نہ مانگ

شاعر: فیض احمد فیض
نازیہ حسن...... کراچی

تجزیہ

میں تجھے چاہتا نہیں لیکن
پھر بھی جب پاس تو نہیں ہوتی
خود کو کتنا اداس پاتا ہوں
گم سا اپنے حواس پاتا ہوں
جانے کیا دھن سمائی رہتی ہے
اک خموشی سی چھائی رہتی ہے
دل سے بھی گفتگو نہیں ہوتی
میں تجھے چاہتا نہیں لیکن
میں تجھے چاہتا نہیں لیکن......
پھر بھی شب کی طویل خلوت میں
تیرے اوقات سوچتا ہوں میں
تیری ہر بات سوچتا ہوں میں
کون سے پھول تم کو بھاتے ہیں
رنگ کیا کیا پسند آتے ہیں
کھو سا جاتا ہوں تیری جنت میں
میں تجھے چاہتا نہیں لیکن
میں تجھے چاہتا نہیں لیکن......
پھر بھی احساس سے نجات نہیں
سوچتا ہوں تو رنج ہوتا ہے
دل کو جیسے کوئی ڈبوتا ہے
جس کو اتنا سراہتا ہوں میں
جس کو اس درجہ چاہتا ہوں میں
اس میں تیری سی کوئی بات نہیں
میں تجھے چاہتا نہیں لیکن......!

شاعر: اختر
سیدہ پروین زیدی...... بہاولپور

غزل

میری روح میں تم ہو، میری چاہتوں میں تم ہو
میری سوچ میں ہو شامل، میری عادتوں میں تم ہو
میری راہ کا ستارہ، میری مسافتوں کی منزل
میری خواہشوں میں تم ہو، میری ریاضتوں میں تم ہو
میں لب جب بھی کھولوں، لہجے میں بولتے تم ہو
میری خامشی میں تم ہو، میری سماعتوں میں تم ہو
جب بھی خدا سے مانگا، مانگا ہے تم کو میں نے
میری دعاؤں کا محور، میری عبادتوں میں تم ہو

شاعرہ: نزہت جبین ضیاء
ندیم عباس...... ڈھکو

نوٹ

تمام قارئین بہنوں نوٹ فرمالیں کہ اس سلسلے میں صرف مشہور شعرأ کرام کا کلام ان کے نام کے ساتھ شائع کیا جائے گا۔ جس انتخاب پر شاعر کا نام نہیں ہوگا وہ شامل اشاعت نہیں کیا جائے گا۔ انچارج

akphijab@gmail.com

شوخیٔ تحریر

توبہ واستغفار کی فضیلت

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ:۔
''گناہ پر نادم ہونا انہیں مٹا دیتا ہے اور نیکیوں پر مغرور ہونا انہیں برباد کردیتا ہے۔''
حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ ''مجھ سے گناہ سرزد ہوگیا ہے اب میں کیا کروں؟''
آپؓ نے فرمایا ''توبہ کرلو پھر آئندہ گناہ نہ کرنا۔''
سائل نے کہا۔ ''میں توبہ کرنے کے بعد پھر گناہ کرچکا ہوں۔''
آپؓ نے فرمایا۔ ''پھر توبہ کرلو۔''
سائل نے پوچھا۔ ''کب تک اس طرح توبہ کرتا رہوں؟''
آپؓ نے فرمایا ''اس وقت تک کہ شیطان تھک جائے۔''

شائستہ جٹ...... چیچہ وطنی

اقوال دانش

❖ کسی کو الزام دیتے وقت اپنے گریبان میں جھانک لینا چاہیے۔
❖ خوش مزاج انسان ٹوٹے ہوئے دل کی دوا ہے۔
❖ تنہائی انسان کو اپنی شخصیت سے متعارف کراتی ہے۔
❖ ہر شخص کچھ نہ کچھ عقل وفراست رکھتا ہے لیکن ہر انسان عقل وفراست سے کام لینا نہیں جانتا۔
❖ کبھی کبھی بے وقوف بھی عقل مندوں کو صلاح دے سکتے ہیں۔
❖ سمندر کی تعریف کرو مگر کنارے پر ہی رہو۔

دلکش مریم...... چنیوٹ

آخرت

غریب کی مدد کرتے وقت یہ مت سوچو کہ تم اس کی دنیا سنوار رہے ہو بلکہ یہ سوچو کہ وہ غریب آپ کی آخرت سنوار رہا ہے۔

یقین

شیخ سعدی نے فرمایا ''مجھے اللہ کے انصاف پر اس دن بہت یقین آیا جب میں نے امیر اور غریب کا ایک جیسا کفن دیکھا۔''

مدیحہ نورین مہک...... برنالی

میٹھے بول

○ جو شخص سب سے زیادہ محبت کرسکتا ہے وہی سب سے زیادہ نفرت بھی کرسکتا ہے کیونکہ آئینہ کتنا ہی خوب صورت کیوں نہ ہو ٹوٹنے پر خنجر بن جاتا ہے۔
○ اللہ سے وہ مانگو جس کے تم حق دار ہو نہ کہ وہ جو تم چاہتے ہو ہوسکتا ہے تمہاری چاہت بہت کم ہو اور تم حق دار زیادہ کے ہو۔
○ پورے جسم میں زبان سب سے زیادہ نافرمان ہے۔
○ دنیا میں سب سے زیادہ خوب صورت چیز تاریکی کے بعد اجالا ہے۔
○ اگر تم مسکراہٹ کے بعد اللہ کا شکر نہیں کرسکتے تو تمہیں یہ بھی حق نہیں کہ اپنے ہر آنسو کی شکایت اللہ سے کرو۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

مظلوم شوہروں کے نام

جب سے بیگم نے مجھے اپنا بنا رکھا ہے
میں نے نظروں کی طرح سر کو بھی جھکا رکھا ہے
برتنوں آج میرے سر پہ بجتے کیوں ہو
میں نے دھو دھو کے تمہیں کتنا سجا رکھا ہے
روز لیتی ہے تلاشی وہ پولیس کی مانند
پوچھتی ہے کہاں پیسوں کو چھپا رکھا ہے
وہی دنیا میں مقدار کا سکندر ٹھہرا
جس نے خود کو یہاں شادی سے بچا رکھا ہے
پی جا اس مار کی تلخی کو بھی ہنس کر اے خاوند!
مار کھانے میں بھی قدرت نے مزا رکھا ہے

سامعہ ملک پرویز...... خان پور ہزارہ

بکھرے موتی

○ دن کی روشنی میں رزق تلاش کرو اور رات کی تاریکی میں اسے تلاش کرو جو رزق دیتا ہے۔
○ ہر شخص یہ گن سکتا ہے کہ ایک سیب میں کتنے بیج ہیں، صرف خدا یہ جانتا ہے کہ ایک بیج میں کتنے سیب ہیں۔
○ اعتماد روح کی طرح ہے جو ایک بار چلی جائے تو واپس نہیں آتی۔
○ وہ گھر ویرانے سے بدتر ہے جہاں کتابیں نہ ہوں۔
○ جو مشکل وقت کا ساتھی ہو وہ اچھے وقت کا ساتھی ضرور ہوگا اور جو اچھے وقت کا ساتھی ہو ضروری نہیں کہ وہ بُرے وقت میں بھی تمہارا ساتھ دے۔

طابہ بنت نعیم...... کراچی

امریکا کیسا لگا؟

''محترم والد صاحب! السلام علیکم!
آپ نے پوچھا کہ مجھے امریکا کیسا لگا؟ تو امریکا کے سماجی، معاشرتی اور معاشی پہلوؤں کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ......
زمین ہموار نہیں، موسم کا اعتبار نہیں، لڑکی وفادار نہیں، مذہب سے سروکار نہیں، خلوص سے ہمکنار نہیں، بدلنے کو تیار نہیں، وقت مددگار نہیں، خدا کے شکر گزار نہیں، بے شرمی کا حساب نہیں غرض کہ امریکا کوئی شاہکار نہیں۔
مگر اس کے باوجود اس ملک میں بہت سی باتیں اچھی ہیں جو اگر پاکستان میں ہوں تو وہ دنیا کا بہترین ملک بن جائے۔
یہاں فضول تہوار نہیں، رسومات کا انبار نہیں، بیٹی کوئی بار نہیں، سڑک پر غبار نہیں، بھکاری کا دیدار نہیں، نلکوں پر قطار نہیں، کوئی شخص بے کار نہیں، پابندی وقت دشوار نہیں، تعلیم لامعیار نہیں، ایجادات کا شمار نہیں، کوئی کسی سے خوار نہیں۔
چند چیزیں البتہ ایسی تھیں جو دل کو کھٹکیں مثلاً غذا مزیدار نہیں، کھانے میں اچار نہیں، میاں بیوی کی تکرار نہیں، گھی کا بگھار نہیں، قورمے میں تار نہیں، چوڑیوں کی جھنکار نہیں، پان کی دکان نہیں اور سب سے بڑی بوریت اردو کا اخبار نہیں، داتا دربار نہیں اور قائد کا مزار نہیں۔
فقط گرین کارڈ ہولڈر بیٹا!''

ارم کمال...... فیصل آباد

گل دوستی

دنیا میں ہزار قسم کے پھول ہیں مگر لازوال مہک رکھنے والا دوستی کا پھول ہے جس سے نگاہیں خیرہ ہوجاتی ہیں۔ دل مسرور ہوجاتا ہے، یہ پھول اس زمانے میں کامیاب ہے اس پھول کو دل کی نرم و گداز اور حساس زمین پر کاشت کرکے خون جگر سے سینچا جاتا ہے اس کی نشوونما کے لیے اعتماد اور اعتبار اور خلوص بہترین کھاد کا کام دیتے ہیں۔ مہر محبت، وفا، ایثار و ہمدردی و انکساری کی نرم اور لطیف آب و ہوا میں یہ خوب پھلتا پھولتا ہے اسے شکوک وشبہات اور بدگمانیوں کی باد سموم سے محفوظ رکھیے ورنہ حسد، بغض اور کینہ جیسے امراض تباہ و برباد کردیتے ہیں۔ دلکش پتیاں سوکھ کر گر جاتی ہیں اور بے جان ٹہنیاں تلخ یادوں کی مانند رہ جاتی ہیں۔

ارم دانش...... کراچی

میرا ہم سفر

وہ تن کا تماشائی رہا من نہیں دیکھا
دہلیز تک آیا بھی تو آنگن نہیں دیکھا
چہرے پہ کھلی دھوپ میں اس درجہ مگن تھا
آنکھوں سے برستا ہوا ساون نہیں دیکھا

شہزادی شاہانہ...... نواب شاہ

دل چھو جانے والے الفاظ

⌘ نقصان وہ نہیں جو آپ کو ذاتی دکھ سے ہمکنار

کرے نقصان وہ ہے جو آپ کو کسی کی نظر میں گرادے۔

⌘ بعض لوگوں کی زندگی میں اگر غم بڑھ جائیں تو قہقہوں میں شدت آ جاتی ہے کبھی شعوری طور پر اور کبھی لاشعوری طور پر۔

⌘ کبھی کبھی نیکی اس طرح آتی ہے جیسے بارش۔

⌘ ڈھونڈنے میں ملنے کی شرط نہیں ہوتی بلکہ امید ہوتی ہے اور امید سے جھگڑا نہیں کرتے۔

سونیا گل......ونده شاه بلاول

جنت

جس کی نماز اچھی
اس کی زندگی اچھی
جس کی زندگی اچھی
اس کی موت اچھی
جس کی موت اچھی
اس کی قبر اچھی
جس کی قبر اچھی
اس کی آخرت اچھی
جس کی آخرت اچھی
اس کی جنت پکی
نماز ہمیشہ ادا کرو......!

فائقہ کیفہ سکندر......لنگڑیال

خوشی

ایک دن خوشی نے مجھ سے کہا پانچویں دن میں آؤں گی جب میں نے زندگی کی کتاب کھولی اس میں صرف چار ورق تھے۔

مصباح حسین، میمونہ حسین......

اچھی باتیں

⌘ دو دن کی زندگی ہے اسے دو ہی اصولوں پر گزارو
ملو تو پھول بن کر
بچھڑو تو خوشبو بن کر

نورین انجم اعوان......کورنگی کراچی

اقوال زریں

⌘ اگر کسی قوم کو بغیر جنگ کے شکست دینی ہو تو اس کے نوجوانوں میں فحاشی پھیلا دو۔
(سلطان صلاح الدین ایوبی)

⌘ اچھی عادت کی نیک اور پارسا عورت اگر فقیر کے گھر بھی ہو تو اسے بادشاہ بنا دیتی ہے۔
(شیخ سعدی)

دھنک عرفان......عارف والا

چار خطرناک قتل

☆ زیادہ سے زیادہ سوچنے سے خوشیوں کا قتل۔
☆ خوف کی وجہ سے حوصلے کا قتل۔
☆ جھوٹ بولنے سے اعتماد کا قتل۔
☆ شک کرنے سے رشتوں کا قتل۔

فریحہ شبیر......شاہ کلدر

مہکتی کلیاں

✿ اگر دنیا میں سکون ہوتا تو لوگ اللہ کو بھول جاتے، سکون تو صرف ان لوگوں کے پاس ہے جو اللہ کی رضا کو اپنی رضا سمجھتے ہیں۔

✿ رب العزت نے فرمایا "میرے فضل کی انتہا تو دیکھو جو فرشتے شام کو تمہارے گناہ میرے پاس لاتے ہیں میں صبح ان کے ہاتھ تمہارا رزق بھجوا دیتا ہوں۔"

سونیا نورین گل......ونده شاه بلاول

پھول کا تحفہ

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں ایک دن میں حضرت امام حسینؓ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں آپؓ کی کنیز نے آپ کی خدمت میں ایک پھول پیش کیا امام حسینؓ نے مسکرا کر پھول لیا اور اسے سونگھا اور پھر ارشاد فرمایا۔
"جا میں نے تجھے اللہ کے نام پر آزاد کیا۔"
حضرت انسؓ نے پوچھا "یا حسینؓ! آپ نے ایک معمولی پھول کے بدلے کنیز کو آزاد کر دیا جس کی خرید پر آپ نے ہزاروں روپے صرف کیے تھے۔"

حضرت امام حسینؓ نے فرمایا۔ "اللہ کا قانون ہے کہ اگر کوئی تمہیں تحفہ دے تو تم اس کو اس سے بڑھ کر تحفہ دو اور اس کنیز کے لیے میرے خیال میں آزادی سے بڑھ کر اور کوئی تحفہ نہیں لہٰذا میں نے اسے آزاد کر دیا۔"

صباحت سلیم......کراچی

قرآن پاک

سیانے کہتے ہیں کہ قرآن پاک گلاب کے پھول کی مانند ہے۔ پتی در پتی، اوپر کی اٹھاؤ تو نیچے ایک اور پتی...... مفہوم در مفہوم، اوپر کا مفہوم اٹھاؤ تو نیچے ایک اور مفہوم...... اوپر کسی اور نیچے کائناتی۔

اقتباس تلاش......ممتاز مفتی

وظیفہ

ہر روز کا ایک وظیفہ ہے یاد رکھیے کہ مجھے اپنے آپ کو درست کرنا ہے اور اپنے آپ کو سنوارنا ہے۔

از......اشفاق احمد

سکون قلب

سکون قلب کسی اور چیز کا نام نہیں ہے بلکہ اللہ کے فضل کا نام ہے اور اللہ کا فضل جب نازل ہوتا ہے تو سکون قلب محسوس ہوتا ہے۔

از......اشفاق احمد

علیزے......کراچی

ہنسا منع ہے

شادی کی تقریب میں جن آ گیا
جن کو دیکھتے ہی لڑکیوں کی چیخیں نکل گئیں
ایک بابا نے لڑکیوں کو وضو کرنے کو کہا
لڑکیاں وضو کر کے آئیں تو......
جن کی چیخیں نکل گئیں۔

نیلم شرافت......جتوئی

رشتے

رشتے ناطے ان پھولوں کی مانند ہیں جو وصل کے موسم میں ہرے بھرے اور خوشبو دار ہوتے ہیں اور تنہائیوں کے موسم میں زرد پڑ جاتے ہیں۔ یہ بات ایک حقیقت ہے کہ جب چاہتوں اور الفتوں میں دم نہیں رہتا تو رشتوں کے پھول مرجھا جاتے ہیں، رشتے اعتماد اور بھروسے کے تاروں سے پروئے جاتے ہیں جیسے ہی اعتماد کمزور پڑ جائے بھرم اور بھروسا ختم ہو جائے تو یہ رشتے ناتے ایک چھناکے سے ٹوٹ جاتے ہیں۔

عابد محمود......ملکہ ہانس

آج کل کی دوستی

آج کل کے دور میں لوگ دوستی کی ابتدا بڑے ہی میٹھے الفاظ میں کرتے ہیں، جذبات میں ہلچل مچا دینے والے وعدے کرتے ہیں۔ دامن میں خوشیاں بھر دیتے ہیں لیکن جب انہیں مکمل یقین ہو جاتا ہے کہ اب یہ انسان محبت کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا تو وہ اپنی مجبوری کو آڑے لا کر ان سے منہ پھیر لیتے ہیں وہ التجا کرتا ہے تو اسے ٹھکرا دیتے ہیں، دھتکار دیتے ہیں۔

واقعی یہ دنیا بہت ظالم اور بے وفا ہے میری آپ سب سے گزارش ہے کہ پلیز کسی کے ساتھ دوستی رکھو تو نبھاؤ بھی اگر نہ نبھا سکو تو کسی کو دھوکا مت دو، کسی کا دل مت توڑو۔

اقراء ماریہ......نامعلوم

اقوال زریں

✿ آنکھ دل کا دروازہ ہے، اس کی حفاظت کرو کہ تمام آفات اس راہ سے بدن میں داخل ہوتی ہیں۔

✿ مومن کے لیے اتنا علم کافی ہے کہ اللہ سے ڈرتا رہے۔

✿ پرہیز کرو، پرہیز نفع دیتا ہے، عمل کرو، عمل قبول کیا جاتا ہے۔

نیلم شہزادی......کوٹ مومن

حسن خیال

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! ابتدا ہے ربّ ذوالجلال کے بابرکت نام سے جو وحدہ لاشریک ہے۔ فروری کا شمارہ پیش خدمت ہے امید ہے سال نو کی مانند یہ شمارہ بھی آپ کے ادبی ذوق کے عین مطابق ہوگا۔ گزشتہ ماہ کی طرح اس ماہ میں ''نئے افق' آنچل وحجاب گروپ'' میں انعامی تبصروں کا مقابلہ' نازیہ عباسی' حنا مہر اور فیم انجم نے نہایت شان دار طریقے سے منعقد کرایا اور اس مقابلہ کو محترمہ نزہت جبین ضیاء اور ریحانہ آفتاب نے نہایت تجربے کارانہ انداز میں بڑھ کر انعام یافتہ تبصروں کا اعلان فرمایا' ادارہ آپ سب کے تعاون کا شکر گزار ہے۔ جزاک اللہ۔ آیئے اب چلتے ہیں حسن خیال کے دلچسپ تبصروں کی جانب جو تعریف وتنقید کے مختلف رنگ لیے حسن خیال کی رونق میں اضافہ کررہے ہیں۔

پہلا انعام یافتہ' افشاں علی...... کراچی' محبتوں وچاہتوں کی ہواؤں کے سنگ' دعاؤں کی سرگوشیوں اور مسکراہٹ کی خوش بو کے ہمراہ ''حسن خیال'' میں افشاں بکھیرنے کے لیے افشاں علی حاضر محفل ہے۔ محبتوں کی خلوص دعاؤں کے ساتھ آداب عرض! اس ماہ کا سرورق بہت خوب صورت و پرکشش تھا اس لیے نہیں کہ اس ماہ میری تحریر بھی حجاب میں شامل اشاعت رہی' بلکہ حقیقتاً سرورق بہت عمدہ لگا' سب سے پہلے تو میں ادارے کی بہت مشکور ہوں کہ بالآخر طویل انتظار کے بعد میری تحریر آنچل کے بجائے حجاب میں ہی سہی شامل کرکے مجھے شکریہ کا موقع فراہم کیا' جزاک اللہ۔ اب آتے ہیں تبصرے کی جانب' آپی سے بات چیت کرتے اور حمد ونعت سے دل وروح کو منور کرتے' آگے بڑھے تو رخ سخن میں نادیہ احمد اور فریدہ جی کو پایا ان کے جوابات اور ان کے بارے میں جان کے اچھا لگا' وہیں آغوش مادر میں نادیہ جی نے بہت خوب لکھا۔ ماں جس کے بارے میں جتنا لکھا جائے لفظوں کے موتی کم پڑ جائیں۔ صدف آصف آپی سے ملاقات بھی اچھی لگی' گو کہ ان سوالوں میں ہم شامل نہ ہو پائے مگر پھر بھی بہت سارے سوالات کے جوابات ہمیں از خود مل گئے' بہت اچھا انٹرویو لگا۔ بیتے لمحے میں لایا گیا سروے بھی بہت اچھا رہا۔ اب بات ہوجائے تحریروں کی' صائمہ قریشی کا ناول ''ہیں کئی ہجر درمیاں جاناں'' نام ہی کی طرح متاثر رہا۔ محبت کے دو پنچھی بالآخر آکسفورڈ کی خوش گوار فضاؤں میں مل گئے' زبردست۔ طلعت آپی جو ایک سینئر رائٹر ہیں' مجھے ہمیشہ سے ان کا انداز تحریر اور خاص کر موضوع کا چناؤ دل کو بھاتا ہے۔ ان کی تحریروں کے لیے بس اتنا ہی کہوں گی کہ مختصر مگر پُر اثر وسبق آموز۔ پیاری سی نزہت جبین ضیاء آپی! ان کے لیے ایک لفظ کافی ہے' پرفیکٹ۔ جی ہاں ان کی کوئی بھی تحریر ہو چاہے افسانہ ہو' ناولٹ ہو یا ناول ہمیشہ ہر لحاظ سے پرفیکٹ نظر آتا ہے۔ یہ ناول بھی باقی تحریروں کی طرح مکمل و زبردست رہا خاص کر کرداروں کے نام۔ عابدہ سبین کی تحریروں کو میں نے کم پڑھا ہے مگر جتنی تحریر پڑھی ہیں ان کے مطابق مجھے ان کا انداز بیان بہت پسند ہے۔ ''میرے خواب میری خواہش'' موضوع کے ساتھ ناولٹ میں ایک اچھا اضافہ ثابت ہوا۔ ''موسم کی پہلی بارش'' بارش کسی بھی موسم کی ہو ہمیشہ متاثر کرتی ہے بالکل اس ناول کی طرح۔ عریشہ نے بھی خوب لکھا'' گلاب سارے'' ہلکا پھلکا سا افسانہ اچھا رہا' جب کے ''نیت'' عنوان ہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک اچھا سبق واضح کرتا افسانہ رہا۔ ''مدھم دیئے'' بھی ایک اچھا ناولٹ تھا ''اندھیروں سے اجالوں تک کا سفر'' خاص کر الفاظ کا چناؤ بہت پسند آیا۔ اب بات ہوجائے سلسلے وار ناولز کی' صدف آپی اور نادیہ فاطمہ دونوں کے ناول بہت بہت خوب جارہے ہیں۔ دونوں رائٹرز کا نام کسی تعریف کا محتاج نہیں ان کی تحریر ہو اور پسند نہ آئے کیسے ممکن ہے۔ باقی تمام مستقل سلسلے تو ہوتے ہی خوب ہیں' انہی سے تو حجاب کی رونق ہے الغرض ابتدا سے انتہا تک سال نو نمبر خوب رہا۔ ان شاء اللہ پھر شامل محفل ہوں گے اس امید کے ساتھ میرے نام کو حجاب میں شامل رکھا جائے گا' ساتھ ہی حوصلہ افزائی کے لیے شکریہ۔ آخر میں اس دعا کے ساتھ اجازت کہ حجاب دنیائے ادب کے آسمان پر

آنچل ہی کے ہمراہ خوب تابندہ ودرخشاں ستارا بن کے رہے آمین۔

☆ ڈیئر افشاں جزاک اللہ۔

دوسرا انعام یافتہ' ستارہ آمین کومل...... پیر محل' السلام علیکم عزیز لوگو دلوں کے قریب لوگو' عروس البلاد کے مکینوں کو ہمارا چاہت بھرا اسلام' دعا و پیار کے مہکتے پھولوں کا گل دستہ پیش خدمت ہے۔ جناب من آدھا جنوری گزر چکا ہے ذرا سی بارش سے ٹھنڈ لوٹ آئی ہے۔ آج بھی ایک ایسی سرد دھند بھری رات ہے اور وقت 3 بج چکے ہیں۔ پیر محل کے ایک مکان کی بتی روشن ہے' اندر رضائی میں آدھی دبکی ستارہ آپ سے محو گفتگو ہے۔ جناب عالی جنوری کا شمارہ جو سال نو نمبر ہے بہت خوب ہے۔ سرورق پسند آگیا مجھے۔ اس سے پہلے ہم تبصرے کا آغاز کریں پہلے کچھ پیٹ پوجا کرتے چلیں' ہاں تو دیر کس بات کی میرے پاس خشک میوے ہیں ان پہ ہاتھ صاف کرو دوستو' چائے کافی اگلی بار سہی۔ ہاں تو ہم آن پہنچے حجاب کے گیٹ پر خوب صورت خاتون ہم کو خوش آمدید کہہ کر اندر جانے کا راستہ فراہم کررہی ہیں۔ اشتہارات سے نظریں چراتے ہم مدیرہ سے بات چیت میں مصروف ہوگئے۔ آگے جناب حفیظ تائب اور طلعت نظامی کی حمد ونعت سے دل منور کرتے امہات المومنین کی حیات مبارکہ سے موتی چن کر چار پریوں سے ملاقات کی لو جناب سباس گل ہماری عزیزی نادیہ احمد سے ملاقات کا اہتمام کرکے کھڑی تھیں لگے ہاتھوں فریدہ جاوید فری سے بھی ملاقات کروادی گئی نادیہ سے آغوش مادر کے قصے سنے تو صدف آصف سے علیک سلیک کرڈالی۔ ''بیتے لمحے'' چند دوستوں سے ملاقات کی تو آگے مصنفات ہمیں ہاتھوں ہاتھ لینے کو تیار تھیں اور ایک چیخ دھاڑ مچا رکھی تھی۔ ستارہ ادھر آؤ ستارہ ادھر کی پکار اف...... ہم کو صائمہ قریشی نے پکڑ لیا اور لگیں ہجر ووصال کے قصے سنانے۔ جناب نزہت جبین ضیاء نے بتایا ''محبت دسترس میں ہے'' اریشہ غزل نے ''موسم کی پہلی بارش'' میں بھگو ڈالا۔ عابدہ سبین کے ''میرے خواب میری خواہش'' پڑھی جبکہ ہماری سہیلی افشاں علی مجھے گھوریاں ڈالتی رہیں کہ ادھر آؤ میری ''بنت حوا'' دیکھ جاؤ پھر میں آئی کہہ کر سلمیٰ فہیم گل کی طرف متوجہ ہوگئی جو فرمارہی تھیں ''تیرے لوٹ آنے تک'' ارے میں نے حمیرا شعیب کے ''مدھم دیئے'' بھی دیکھے۔ طلعت نظامی ہمیں ''وہ ایک سجدہ'' کروا رہی تھیں تو اتنے میں فصیحہ آصف ''گلاب سارے'' میری جھولی میں ڈال کر چلتی بنیں۔ شرمائی لجائی افشاں آپ کی ''بنت حوا'' کو شاباشی دے کر قصیٰ افضل کے پاس جاکر ''نیت'' پڑھی لگے ہاتھوں سائرہ کی ''کہانی'' سن لی اور ساتھ حیرت یہ کون سی سائرہ ہے۔ ہماری سائرہ سردار یا پھر کوئی اور بچی چلو پھر تبصرہ کرکے پوچھ آتی ہوں۔ نادیہ فاطمہ رضوی کے خواب زندہ تھے تو محترمہ صدف آصف ہمارے لیے دل کے دریچے میں منتظر تھیں ثمیرا غزل صدیقی طب نبوی ﷺ سے علاج معالجہ تجویز فرمارہی ہیں تو ڈاکٹر تنویرا الجھن کے حل تجویز کررہی ہیں ایک کونے میں سمیہ عثمان کی صدارت میں ''بزم سخن'' جاری تھی زہرہ جبیں ''کچن کارنر'' میں کریمی نگٹس آلو کی بھجیا ہرا بھرا کباب اور حلوہ جات گاجر کا بادام کا کھجور اور شکر قندی کا حلوہ تیار کررہی تھیں۔ حدیقہ احمد سرد موسم میں جلد کی حفاظتی تدابیر بیان فرماتی رہیں تو سب کے انتخاب دیکھے بھلا اس کا عنوان ''عالم انتخاب میں'' رکھا جائے تو بھلا لگے ہما ذوالفقار کار کے پاس 19 بندیوں نے شوخی ماری۔ ایک جگہ دسمبر کے شمارے پر حسن خیال کا خوب اظہار کیا گیا۔ ''ہومیو کارنر'' سے تو ہم ہو آئے ٹوٹکے بڑے کام کے ملے اور جناب ہم پچھلے گیٹ سے نکل آئے باہر وہی سرد موسم دھند کی دبیز چادر ٹھنڈی یخ ہوائیں سردی کا احساس بڑھ گیا ہے میوے بھی ختم ہوچکے ہیں سو اجازت اگلے ماہ پھر ملاقات ہوگی ان شاء اللہ اپنا خیال رکھیے گا دعاؤں میں ہم کو بھی شامل کرلیں اللہ کی امان۔

☆ ستارہ ڈیئر جزاک اللہ۔

تیسرا انعام یافتہ' کنول خان...... ہری پور' اسلام علیکم ہمیشہ کی طرح حجاب اپنے نام کی طرح سات پردوں میں اس چھپتا بار بھی لیٹ ملا۔ جناب عالیہ 10 جنوری کو ہاتھ میں آیا۔ سرورق بس ٹھیک ہی تھا اس بار وجہ آنچل اور نئے افق کے سرورق جنوری کے بہت بہت زبردست تھے اس وجہ سے حجاب تھوڑا پیچھے رہ گیا۔ جیسے ہی حجاب کے ساتھ ہم گھر کے اندر داخل ہوئے لو جی اتنے مہمان دل خوش ہوگیا اندر تو بڑے بڑے لوگ موجود تھے اس بار تو مزہ

آئے گا (دل ہی دل میں سوچنے لگی)۔ حمد و نعت سے دل کو شاد کیا پھر خراماں خراماں چلتے چلتے ذکر اس پری وش کا پہ جا پہنچے۔ کرن ملک کا انداز بہت اچھا لگا۔ لب آپ ہی مسکرا اٹھے۔ طیبہ ثانیہ اور سحرش کے بارے میں بھی جان کر اچھا لگا۔ رخ سخن میں سباس گل نے اس بار نادیہ اور فریدہ سے ملاقات کروائی بہت شاندار ان سے ملاقات کرکے اچھا لگا۔ آغوش مادر میں نادیہ احمد نے ماں کے بارے میں جو کہا بہت بہت عمدہ۔ صدف آصف سے سوالات جوابات بھی سب کمال کے ہوئے وری نائس۔ اس کے بعد چلتے چلتے (پڑھتے پڑھتے) تھوڑا تھک گئے تو سب کے سروے دیکھنے لگی کمال ہیں سب۔ سب سے پہلے افسانے پڑھے میری پیاری جانیہ دوست افشی کا افسانہ جو آیا تھا تو جناب بس بنت حوا پڑھنا شروع کیا افشاں نے بہت خوب صورت انداز سے اس معاشرے کی برائی کے بارے میں بتایا۔ افشی اتنا اچھا لکھنے پہ بہت سارا پیار تمہارے لیے۔ لگے ہاتھوں نیت بھی پڑھ ڈالا اقصیٰ نے بہت کمال سے انسان کی نیت کے بارے میں بتایا۔ یہ کیا......؟ فصیحہ جی تو سارے گلاب میرے ہی ہاتھوں میں پکڑا گئیں۔ شکریہ بہت اچھی تحریر تھی۔ سائرہ آپ نے ہمیں بہت مزے کی کہانی سنائی (مابدولت خوش ہوئی ہاہا) طلعت سسٹر آپ کا افسانہ وہ ایک سجدہ بہت کمال جمال شمال اور ان کے سارے بھائی (ہاہاہا سوری) بہت عمدہ تحریر تھی پچی میں۔ ابھی ہم نے مکمل ناول کی طرف دوڑ لگانا شروع ہی کی تھی کہ سلمٰی بہن راستہ روکے کھڑی ہوگئی۔ کب سے بیٹھے ہیں انتظار کی شمع جلائے تیرے لوٹ آنے تک پھر کیا ہم ان کے سنگ بیٹھ گئے کچھ قصے پرانے لے کے اور پھر کیا تھا رو رو کر مر گئے۔ بہت مزے کا ناولٹ تھا۔ عابدہ سبین "میرے خواب میری خواہشیں" کیا بات ہے آپ کی زبردست۔ حمیرا شعیب نے انسان کی زندگی میں تمام اندھیروں کو بڑے کمال سے اجالوں کے ہاتھ میں تھما دیا "مدھم دیے" خوب صورت انداز۔ مکمل ناول میں، میں آپ جانی میری پیاری سے بہنا اور ساتھ میں اریشہ غزل واہ نزہت آپی آپ کی تو میں دیوانی ہوں۔ محبت کے رنگوں سے کھلتی تحریر محبت دسترس میں ہے کمال۔ صائمہ سسٹر کی خوب صورت کاوش بہت پسند آئی۔ اریشہ سسٹر کا انداز بیاں عمدہ۔ سلسلے وار ناول تو ہمیشہ کی طرح اس بار بھی سو پرہٹ رہے۔ "عالم انتخاب" اور بزم سخن میرے فیورٹ اس بار تو دونوں اچھے تھے ہمیشہ کی طرح۔ ڈاکٹر تنویر بھی نظر آئیں سب کے الجھن حل کرتے ہوئے۔ سمیرا جی نے طب نبوی ﷺ کے بارے میں بتایا بہت خوب صورت آرائش حسن ٹوٹکے حسن خیال شوبز کی دنیا تمام کے تمام سلسلے ماشاء اللہ سے بہت زبردست ہوتے ہیں۔ آخر میں ایک دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ اللہ پاک حجاب کو بہت ساری کامیابی دیں آمین۔ ان شاء اللہ اگلے ماہ پھر سے آپ کی محفل میں آؤں گی تب تک کے لیے مجھے اپنی دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں جزاک اللہ۔

☆ ڈئیر کنول دعا کے لئے جزاک اللہ۔

فاطمہ حسینی...... ای میل، حجاب جنوری کا شمارہ اس بار بھی امیدوں پر پورا اترا ٹائٹل پر جاننی کو رنچ اور ماڈل دونوں ہی کا بیسٹ کامبی نیشن ہے اس کے بعد سروے اچھا رہا سب سے پہلے سلسلے وار ناول میری توجہ اپنی جانب لے گیا "دل کے دریچے" رائٹر نے بہت ہی عمدہ انداز سے کہانی کو لکھا ہے سائرہ کی حقیقت کا آشکار ہونا بہت اچھا رہا رائٹر کا انداز تحریر اتنا اچھا ہے کہ کہانی دلچسپی سے بھرپور ہے اس کے بعد آتے ہیں نادیہ فاطمہ کی تحریر "میرے خواب زندہ ہیں" کہانی کا نام ہی اتنا اچھا ہے کے دل جھوم اٹھا نادیہ نے بہت ہی عمدہ انداز میں کہانی کو لکھا ہے۔ مکمل ناول میں نزہت جبین ضیاء اریشہ غزل اور صائمہ حجاب پر بھرپور انداز میں چھائی رہیں افسانے بھی اچھے رہے مجموعی طور پر حجاب اس بار بھی بیسٹ رہا ان شاء اللہ بہت جلد ہم بھی حجاب میں بحیثیت رائٹر شامل ہوں گے۔

ثوبیہ شاہین...... ای میل۔ حجاب کا نئے سال کا شمارہ بڑی مشکل سے مل پایا۔ ٹائٹل کی ماڈل جاننی سی ہاہاہا...... اچھی لگی۔ اس کے بعد سروے پڑھا مگر میرا نام نہیں تھا افسوس ہوا خیر سب سے پہلے سلسلے وار ناول میں "دل کے دریچے" پڑھا مجھے یہ ناول بہت اچھا لگتا ہے، سائرہ کی پول کھل ہی گئی آخر، کہانی دلچسپی سے بھرپور ہے۔ اس کے بعد نادیہ فاطمہ کا "میرے خواب زندہ ہیں" پڑھا یہ بھی عمدہ ہے۔ مکمل ناول میں نزہت جبیں ضیاء اریشہ غزل اور صائمہ قریشی چھا گئیں۔ افسانے بھی بہت ہی لاجواب لگے، باقی سلسلے بھی ٹھیک رہے۔

مناہل شاہ...... ای میل۔ السلام علیکم سب سے پہلے تو نیا سال مبارک۔ جنوری کا شمارہ ملا سرورق اس بار بہت اچھا تھا۔ حمد و نعت پڑھی پھر "ذکر اس پری وش کا" میں سب کی باتیں پڑھ کے اچھا لگا۔ "رخ سخن" نادیہ احمد کا انٹرویو اچھا تھا پھر آگے چلتے ہیں نادیہ احمد کے آغوش مادر پڑھ کر مزہ آیا سچ ماں جیسا دنیا میں کوئی رشتہ نہیں۔ صدف آصف سے ملاقات کرکے بہت اچھا لگا اب آتے ہیں کہانیوں کی طرف "ہیں کئی ہجر درمیاں جاناں" صائمہ قریشی نے بہت زبردست لکھا۔ "وہ ایک سجدہ" طلعت نظامی نے آج کل کے حالات کے بارے میں لکھا۔ سچ ہی کہتے ہیں پہلے ناشکری کرتے ہیں بعد میں پھر ویسے ہی حالات ہوجاتے ہیں۔ سلسلے وار ناول اس بار اچھے ہی تھے۔ "محبت دسترس میں ہے" بہت اچھا تھا والعہ نے اچھا کیا گھر چھوڑ کر۔ "میرے خواب میری خواہش" میں زیادہ لاڈ پیار بچوں کو بگاڑ دیتا ہے۔ اس بار سارے ناول ناولٹ اور افسانے بہت زبردست تھے۔ طب نبوی ﷺ میں تمام چیزوں کے فائدے پڑھ کے اچھا لگا۔ "بزم سخن" میں ارم شہزادی کا شعر (وہ ملا بھی تو خدا کے دربار میں غالب...... اب تم ہی بتاؤ عبادت کرتے یا محبت) سب سے بیسٹ تھا۔ "کچن کارنر" میں تمام ریسپی پڑھ کے منہ میں پانی آ گیا۔ سردیوں میں ویسے بھی حلوہ سب کو بہت پسند ہوتا ہے سب سے زیادہ گاجر کا حلوہ۔ "آرائش حسن" میں بہت مفید باتیں تھیں۔ "عالم میں انتخاب" میں سب کا انتخاب اچھا تھا۔ "شوخی تحریر" بھی بیسٹ تھی۔ سب کے خط پڑھ کے مزہ آیا۔ "ہومیو کارنر" بہت اچھا سلسلہ ہے۔ "شوبز کی دنیا" بھی اچھا تھا۔ "ٹوٹکے" پڑھ کر بہت سے مفید باتیں پتا چلیں اور یہ حجاب اتنی جلدی ختم ہوگیا' اللہ تعالیٰ حجاب کو دن دگنی ترقی دے آمین' اللہ حافظ۔

عائشہ پرویز صدیقی...... ای میل۔ السلام علیکم! امید ہے سب سیٹ ہوگا زندگانی میں۔ طویل ترین انتظار کے بعد آخر ڑلا ڑلا کر جنوری کا حجاب ہاتھوں میں آ ہی گیا۔ ٹائٹل زیادہ پسند نہیں آیا کیونکہ ماڈل مجھے بیگن کی (جاننی جاننی سی) معذرت کے ساتھ۔ مگر فہرست دیکھی تو دل باغ باغ ہوگیا سارے بڑے بڑے نام ایک ساتھ دکھائی دیئے واہ۔ قیصر آرا آپی سے بات چیت کرکے اچھا لگا' بات چیت کے دوران ہی سوچ لیا کہ کون سی اسٹوری پڑھی جائے۔ حمد و نعت کی تعریف کے لیے جتنے الفاظ لکھنا چاہوں کم ہیں' یہ لکھنے والوں کو رب کائنات جزائے خیر دے' آمین۔ رخ سخن میں نادیہ احمد اور فریدہ کو پایا' مزے مزے کے سوالات اور جوابات پڑھ کر اچھا لگا۔ میرے دل میں رہتی ہے بھولی بھالی میری ماں' "آغوش مادر" میں نادیہ نے بہت عمدہ لکھا' اللہ سب کی ممتا بھری آغوش سلامت رکھے' آمین۔ صدف آپی سے ملاقات اچھی رہی' چیتے لمحے سب کی ایک سے بڑھ کر ایک' صائمہ آپی کی خوب صورت تحریر پسند آئی۔ اس کے بعد سلسلے وار ناولز کی طرف بھاگی' "میرے خواب زندہ ہیں" پہلی قسط نے اتنا رنگ نہیں جمایا تھا' جتنا اس قسط نے جمع دیا بہت خوب نادیہ۔ "دل کے دریچے" فائزہ اور سفینہ کی جوڑی واہ جی واہ۔ صدف آصف کی ناول نگری کی جانب نئی اڑان ہر رنگ' ہر انداز' ہر تحریر منفرد رہی کسی تو چھا گئی ہو۔ افسانہ میں افشاں آپی نے بہت خوب صورت انداز سے معاشرے کی برائی بیان کی۔ "بنت حوا" پڑھا ہے تو انسان کو پڑھنے کا ہنر سیکھ کر چہرے پر پڑھتا ہے کتابوں سے زیادہ' اقصیٰ نے انسان کی نیت کے حوالے سے بہت عمدہ لکھا فصیحہ اور سائرہ کی اسٹوری بھی اچھی تھی' ہمیشہ کی طرح سمیرا آپی طب نبوی ﷺ پر مشتمل اپنی گفتگو سناتی رہیں۔ ڈاکٹر تنویر نے الجھن کے حل بتائے' بزم سخن والوں نے خوب رونق لگائی۔ عالم میں انتخاب بھی اچھا رہا اور شوخی تحریر نے خوب شوخی دکھائی۔ کچن کارنر میں ہر چیز دیکھ کر دل للچاتا ہے جو مزا کھانے میں ہے وہ پکانے میں کہاں۔ آرائش حسن اور حسن خیال بھی بہترین رہا کیوں ناں ہوگا۔ آخر مجھے میری دوستیں بھی حجاب کا حصہ بنی نظر آئیں۔ اب اجازت اس دعا کے ساتھ کہ آنچل کی طرح حجاب بھی کامیابی کی زینت بنے اور خوب سے خوب ترقی کرے ہمیں بھی اپنے ہمراہ لے کر چلے' آمین۔

سید عبادت کاظمی...... ای میل۔ السلام علیکم حجاب بہت لیٹ ملا' حجاب کا یہ پہلا سرورق تھا جو مجھے بہت اچھا لگا' جاننی رنگ میں ماڈل بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ ندا رضوان نے تم المومنین کی خصوصیت بہت اچھے طریقے سے بیان کی' طیبہ نواز' ثانیہ مغل کا تعارف بہت اچھا لگا۔ نادیہ احمد کے بہت اچھا لکھتی ہیں۔ آغوش مادر میں کیا میل

بھی ارسال کرسکتے ہیں؟ سب سے پہلے "میرے خواب زندہ" پر پہنچے یہ کیا احتشام کا بیڑا غرق ہوجائے میں نے تو سمجھتا تھا حورین خاور کے ساتھ خوش رہے گی مگر وہ تو بہت کمینہ نکلا۔ سمیر کی زندگی پر ترس آتا ہے۔ "دل کے دریچے" یہ قسط بہت زبردست تھی لیکن پلیز فائز اور سفینہ کو جدا مت کیجیے گا۔ "تیرے لوٹ آنے تک" حجاب میں میرا فیورٹ ناولٹ ہے آغا مینا اور زاویار کی جوڑی بنے گی یہی لگتا ہے۔ نزہت جبین ضیاء بہت اچھا لکھتی ہیں۔ "محبت دسترس میں ہے" بہت اچھا ناول تھا۔ اریشہ غزل کی کافی عرصہ بعد تحریر پڑھی بہت اچھا لگا۔ عبدالمعیز جیسے لوگ بالکل بھی پسند نہیں۔ صائمہ قریشی کا ناول بھی ٹھیک تھا بہت اچھا نہیں لگا۔ "میرے خواب میری خواہش" انٹرسٹنگ کہانی تھی افسانوں میں "گلاب سارے" دل کو چھو گیا۔ بزم سخن میں شگفتہ خان کا انتخاب اچھا تھا تبصرہ میں شمع مسکان کا تبصرہ بہت زبردست تھا۔

حنین ملک...... وہاڑی۔ پیاری مدیرہ جی السلام علیکم کے بعد عرض ہے کہ حجاب کا نئے سال کا شمارہ دیکھتے ہی دل خوش ہوا، ٹائٹل بہت اچھا ہے سب سے پہلے سروے پڑھا اچھا لگا مزہ آیا۔ سلسلے وار ناول میں "دل کے دریچے" کا شدت سے انتظار تھا کہانی میں فائز کی بیماری پر افسوس ہوا باقی قسط دلچسپی سے بھرپور تھی۔ نادیہ کا ناول بھی اچھا جارہا ہے۔ مکمل ناول تینوں ہی اچھے رہے۔ نزہت جبیں ضیاء اریشہ غزل کا بہت زیادہ اچھا لگا مگر صائمہ قریشی بھی کسی سے پیچھے نہ رہی۔ اس کے بعد افسانے پڑھے بہت ہی عمدہ اور سبق دیتی تحریریں سب ہی لاجواب۔ باقی سلسلے ابھی پڑھنا باقی ہیں۔ پورا رسالہ مصروفیت کی وجہ سے پڑھ نہیں پائی۔

صبا خان...... ڈی جی خان۔ مدیرہ جی السلام علیکم! کیا حال ہیں؟ حجاب کا نئے سال کا شمارہ میرے ہاتھ میں ہے۔ سب سے پہلے سلسلے وار ناول "دل کے دریچے" پڑھا۔ کہانی میں دن بہ دن دلچسپی بڑھ رہی ہے، فائز نے جو سائرہ کی باتیں سن لیں ایک طرح سے اچھا ہی ہوا لیکن اس کی پریشانی سے دل پریشان ہوگیا صدف آصف ایسے ہی اچھا لکھتی رہیں۔ اس کے بعد نادیہ فاطمہ کا "میرے خواب زندہ ہیں" پڑھا۔ یہ بھی اچھا جارہا ہے اس کے بعد سروے پڑھا مگر کچھ ادھورا سا لگا خیر...... اس کے بعد افسانوں کی باری آئی۔ سارے ہی پسند آئے مکمل ناول میں نزہت جبیں ضیاء چھا گئیں باقی سلسلے بھی اچھے جارہے ہیں آخر میں آپ سب کو اور ادارے کو مبارک باد جواب ہمارے پڑھنے کے لیے دو ڈائجسٹ منظر عام پر لارہے ہیں۔

سدرہ کاشف...... خیرپور ٹامیوالی۔ السلام علیکم! جنوری کا حجاب 9 تاریخ کو ملا سب سے پہلے اپنا من پسند ناول "میرے خواب زندہ ہیں" پڑھا بہت ہی اچھے انداز میں آگے بڑھ رہا ہے۔ مکمل ناول میں سے "ہیں کئی ہجر درمیاں جاناں" اور "موسم کی پہلی بارش" بہت اچھے لگے۔ نزہت جبین نے بھی اچھا لکھا باقی تمام افسانے بھی اچھے اور سبق آموز تھے۔

حنا اشرف...... کوٹ ادو۔ السلام علیکم! حجاب ڈائجسٹ کا جنوری کا شمارہ کافی انتظار کے بعد دس جنوری کو ملا سب سے پہلے فہرست دیکھی واہ زبردست اتنے پیارے پیارے نام دیکھ کر دل گارڈن گارڈن ہوگیا۔ حمد و نعت پڑھ کر تو ویسے بھی دلی سکون ملتا ہے ماشاء اللہ بہت خوش قسمت لوگ ہوتے ہیں جنہیں اللہ پاک نے حمد و نعت لکھنے کی صلاحیت عطا فرمائی۔ "امہات المومنین" بہت پیارا سلسلہ ہے ندا رضوان ویل ڈن۔ "ذکر اس پری وش کا" واہ کیا خوب صورت نام سلیکٹ کیا ہے اور اس میں سب پریوں کا تعارف پڑھ کر اچھا لگتا ہے۔ سباس گل کے "رخ سخن" کے سوالات و جوابات بہت مزے کے ہوتے ہیں۔ "آغوش مادر" انتہائی خوب صورت سلسلہ ہے اور بہت ہی زیادہ پسند آرہا ہے اس بار صدف آصف سے ملاقات کرکے اچھا لگا جس خوب صورتی سے صدف آپی نے سوالوں کے جواب دیے واہ کیا کہنے۔ صدف آپو اور نادیہ کے سلسلے وار ناولز ابھی پڑھنے کا وقت نہیں ملا فری ہوکر پہلی فرصت میں ان کی پچھلی قسطیں پڑھنی ہیں۔ ہجر و فراق کے دلکش رنگوں سے سجی صائمہ قریشی کی تحریر "ہیں کئی ہجر درمیاں جاناں" نے تو چار چاند لگا دیے۔ صائمہ آپی حجاب میں آپ کی تشریف آوری بہت اچھی لگی اب آتی جاتی رہیے گا۔ نزہت جبین آپا آنچل کی پیاری سی رائٹر جن کی تحریر ہمیشہ پسند آتی ہیں۔ "محبت دسترس میں ہے" ابھی پڑھی نہیں مگر امید ہے اچھی اسٹوری ہوگی۔ افسانوں میں افشاں علی کا افسانہ

"بنت حوا" بازی لے گیا افشاں اگرچہ کم لکھتی ہیں مگر جب بھی لکھا بہت اچھا لکھا۔ سمیرا شریف طور جناب کہاں گم ہیں آپ؟ سندس جبیں ڈیئر آپ کا بے چینی سے انتظار کررہے ہیں ہم سب؟ نازیہ کنول آپو بھی حجاب میں دیدار کروا ہی دیں۔ عائشہ نور محمد اور سیدہ غزل زیدی سے خاص حجاب کے لیے مکمل ناول لکھوائے جائیں۔ اس بار ٹائٹل اچھا تھا۔ ڈھیر ساری دعائیں آپ سب کے لیے جہاں بھی رہیں ہمیشہ خوش رہیں آمین ثم آمین ان شاء اللہ پھر اس محفل میں تشریف لے کر آئیں گے اللہ حافظ۔

شائستہ جٹ...... چیچہ وطنی۔ السلام علیکم امید ہے مزاج بخیر ہوں گے جنوری کا حجاب 9 کو ملا گیا حمد و نعت سے روح و دل کو معطر کیا "دل کے دریچے" کھول کر لفظوں کے موتی اندر سمو لیے صدف آصف کمال کا لکھ رہی ہیں۔ افسانوں میں "وہ ایک سجدہ" اور "نیت" اچھے لگے باقی سارا ڈائجسٹ فنٹاسٹک ہے۔ "طب نبوی ﷺ، بزم سخن، آرائش حسن" تمام سلسلے ایک سے بڑھ کر ایک ہیں۔ آنچل کی طرح حجاب نے بھی اپنی محبت سے ہمارے دلوں کو ڈھانپ لیا ہے زندگی میں حجاب اور آنچل کے دم سے رونق سی ہے باقی تمام ناولٹ بھی اچھے رہے۔ اللہ ہم سب کو اور ہمارے پیارے وطن کو اپنی حفظ و امان میں رکھے آمین۔

بشریٰ افضل...... بہاولپور۔ السلام علیکم! بڑے انتظار کے بعد حجاب حسین ٹائٹل سے مزین ہمارے ہاتھوں میں آیا تو خوشی سے کھل اٹھی۔ تمام اہل اسٹاف آنچل اینڈ حجاب آپ سمیت سب کو نیا سال مبارک ہو 2015ء نے تو میرا سکھ چین ہی چھین لیا تھا مجھ سے بڑی دو بہنیں اور دو بھائی دو دو ماہ کے گیپ سے ہم سے جدا ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ یہ سال ہمارے لیے بھی اچھا ثابت ہو آپ سب کو خوشیاں نصیب ہوں اور حجاب بھی ترقی کی منازل طے کرتا ہے آمین۔ حجاب کا تیسرا شمارہ اور جنوری کا پہلا شمارہ ہمیں لیٹ ہی ملا۔ دوسرے شمارے میں ہمارے انٹرویو کو اعزاز دیا گیا آپ کا شکریہ ہماری پذیرائی کا۔ مدیرہ آپی کی "بات چیت" سنی اس کے بعد حمد و نعت سے مستفید ہوئے۔ "امہات المومنین" حضرت حفصہ بنت عمرؓ کے بارے میں مکمل معلومات سے مستفید ہوئے۔ ذکر اس پری وش کا" طیبہ نواز ثانیہ مغل کرن ملک ان کو پڑھ کر بہت اچھا لگا اور سحرش خان نے بھی خوب لکھا۔ "رخ سخن" نادیہ احمد لکھاری کا انٹرویو مزہ ہی آگیا پڑھ کر۔ نادیہ احمد نے "آغوش مادر" کمال لکھا ہے خدا ہر ماں کو سلامت رکھے۔ ماں کا بدل دنیا میں تو مل ہی نہیں سکتا۔ "نیت" سبق آموز تحریر تھی لوگوں کو اس کہانی سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ "کہانی" سائرہ نے بہت اچھا لکھا جو لوگ خودکشی کی کوشش کرتے ہیں اللہ ان کو نصیحت دے اللہ کی دی ہوئی زندگی اس کی امانت ہے۔ "طب نبوی ﷺ" میں بڑے کام کی چیزیں پڑھنے کو ملیں۔ "آپ کی الجھن" میں لوگوں کے مسائل اچھے طریقے سے بتائے جاتے ہیں۔ "بزم سخن" میں معیاری اشعار تھے۔ "کچن کارنر" میں مزے مزے کے کھانے کی ترکیبیں بتائی جاتی تھیں بہت خوب حجاب! "آرائش حسن" میں بھی کام کی باتیں تھیں۔ "عالم میں انتخاب" خوب صورت غزل نظم اچھا سلسلہ لگا۔ "شوخی تحریر" میں بڑے خوب صورت لوازمات تھے افسانچہ بہت خوب صورت تھا۔ میرا خط پڑھ کر قارئین اپنی آراء سے ضرور آگاہ کریں شکریہ۔

فریدہ فری...... لاہور۔ السلام علیکم! جنوری کا حجاب ملا دلکش ٹائٹل کے ساتھ اپنا انٹرویو پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی شکریہ۔ "رخ سخن" میں نادیہ احمد کا انٹرویو بھی اچھا لگا۔ صدف آصف سے ملاقات واہ کیا بات ہے سب افسانے اور ناول ایک سے بڑھ کر ایک لگے۔ فصیحہ آصف کا افسانہ "گلاب سارے" بہترین لگا خوش رہیں فصیحہ جی۔ "کچن کارنر" میں ہرا بھرا کباب اور گاجر کا حلوہ خوب کھایا۔ طاہر بھائی کو عمرے کی بہت بہت مبارک ہو۔ اگلے ماہ پھر ملیں گے اللہ حافظ۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر۔ اس بار حجاب کا تیسرا شمارہ نئے سال کا پہلا شمارہ دس جنوری کو ملا سرورق کی حسینہ واقعی بہت خوب صورت تھی۔ آپی فریدہ جاوید فری کا انٹرویو مزا آ گیا۔ آپی نے اپنی دوستوں میں مجھے شمار کیا یہ میرے لیے کسی ایوارڈ سے کم نہیں ہے تھینک یو فریدہ آپی! ہماری دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مکمل صحت دے آمین۔ آنچل میں تو کوئی انعامی سلسلہ نہیں رکھا گیا پلیز آپ حجاب میں ہی کوئی انعامی سلسلہ شروع کردیں۔ ہمارے

بہاولنگر کا ایک ایف ایم 90 ریڈیو چینل ہے جس میں ہمارے آر جے شہروز رضا رائے آنچل نئے افق سے اقتباس وغیرہ اپنے پروگرام میں شامل فرماتے ہیں جسے سن کر ہمیں بہت خوشی ہوتی ہے۔ دونوں سلسلے وار ناولز کے ساتھ "ہیں کئی ہجر درمیاں جاناں" کہانی "میرے خواب میری خواہش" محبت دسترس میں ہے "گلاب سارے" موسم کی پہلی بارش "تیرے لوٹ آنے تک" بھی پسند آئیں۔ میں آنچل کی تمام لکھاریوں سے گزارش کروں گی کہ وہ حجاب میں بھی ضرور لکھیں۔ میری دعا ہے حجاب اور عروج حاصل کرے آمین والسلام۔

کرن ملک...... جتوئی۔ السلام علیکم! اب کی بار حجاب جلد ہی مل گیا' ماڈل بس ٹھیک ہی تھی۔ قیصر آرا سے بات چیت ہوئی۔ آپی کی زبانی کراچی کے حالات جان کر خوشی ہوئی' ہر وقت دھڑکا سا لگا رہتا ہے کہ کب کیا ہو جائے۔ میرے بھائی اکیلے کراچی میں رہتے ہیں اس لیے۔ حمد و نعت کو نظر سے گزارا تو "ذکر اس پری وش کا" میں پریوں کے تعارف پڑھنا شروع کیے۔ ثانیہ مغل کے بعد اپنا نام دیکھ کر بے انتہا خوشی ہوئی سال نو کا حجاب میرے لیے سرپرائز لایا' دل خوشی سے جھوم اٹھا اور شمع مسکان دیکھ لو میں آپ کے دل کی بات پہلے سے ہی جانتی تھی۔ تعارف میں آپ کو یاد رکھا' رخ سخن میں نادیہ احمد اور فریدہ جاوید فری کے بارے میں جان کر اور ان کو دیکھ کر اچھا لگا۔ نادیہ احمد کے "ماں" کے بارے میں خیالات بھی دل کو بھائے' صدف آصف سے ملاقات اچھی ہوئی لیکن بغیر تصویر کے ان کو دیکھنے کی خواہش دل میں ہی رہ گئی۔ میں تو سمجھی تھی کہ ابھی "دل کے دریچے" کھولیں گے۔ نادیہ فاطمہ رضوی کی کہانی ابھی شروع نہیں کی۔ چار پانچ اقساط ایک ساتھ پڑھوں گی اور پھر ہی تبصرہ کروں گی' تب تک کے لیے اجازت' اللہ حافظ۔

ماروی مسکان' ارم شہزادی...... ڈنگہ' گجرات۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ قارئین اور حجاب کے تمام اسٹاف کو۔ جنوری کا شمارہ 9 تاریخ کو ملا' اب آتی ہوں تبصرے کی طرف تو ویسے تو سارا رسالہ ہی شاندار ہے مگر "ہیں کئی ہجر درمیاں جاناں" صائمہ قریشی کی کہانی بہت پسند آئی اور "میرے خواب میری خواہش" عابدہ سبین کی کہانی بھی اچھی لگی۔ اب آتے ہیں "دل کے دریچے" کی طرف پلیز مجھے بہت ٹینشن ہے آپ سفینہ اور فائز کی جلد از جلد شادی کروا دیں بلکہ میں تو کہتی ہوں کہ چوتھی قسط میں ہی یہ نیک کام کر دیں تو بہت اچھی بات ہے۔ "میرے خواب زندہ ہیں" میں احتشام کی خود غرضی پر بے پناہ طیش آیا مگر صبر کے گھونٹ پی کے رہ گئے۔ آپ نے خاور اور حورین کی شادی کر کے بہت اچھا کیا لیکن لالہ رخ بے چاری کے ساتھ اچھا نہیں ہوا' آپ نے اس کو ماں سے جدا کر دیا اور اب 22 سال گزر گئے ہیں تو پلیز زیادہ بدگمانیاں پیدا مت کیجیے گا۔ "تیرے لوٹ آنے تک" سلمیٰ جی ویسے ارقام اور فضیہ کی لڑائی بہت مزے کی ہوتی ہے اور پلیز زاد یار کا رویہ آفامینا کے ساتھ اچھا کر دیں۔ اب اجازت دیجیے اپنا تبصرہ اور شعر دیکھ کر بہت خوشی ہوئی' اب چلتی ہوں حجاب کے قارئین اور اسٹاف کو سلام اور اللہ نگہبان۔

☆ اب اس دعا کے ساتھ ہی اگلے ماہ تک کے لیے رخصت کہ پروردگار عالم ہم کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

ناقابل اشاعت:۔

تنہائی' نایاب' خواہش' سوتیلی' میں اک لڑکی ہوں' دل درد سے بوجھل ہے' سوہان' میرا عشق پاکستان' کہیں منزلوں کی تلاش میں' ردعمل' محبت درد کی صورت' بلاعنوان' جو چاہا میں نے وہ پالیا' کچھ یادیں۔

husanekhyal@gmail.com

ہومیو کارنر

طلعت نظامی

خون کی کمی یا انیمیا (Anaemia) خواتین کا ایک عام مرض ہے جس میں کم و بیش ہر عمر کی خواتین مبتلا رہتی ہیں اس مرض میں تو خون کی مقدار کم ہو جاتی ہے یا (Red Boold Cell) کی تعداد کم ہو جاتی ہے جسے ہیموگلوبن کہتے ہیں جب ایسی کیفیت وقوع پذیر ہو جائے تو مریض کا رنگ پیلا یا زردی مائل سبز ہو جاتا ہے اسے انگریزی میں گرین سکنیس (سبز جسی) یا انیمیا کہتے ہیں۔

خون میں ہیموگلوبن کی کمی R.B.Ces کی نارمل تعداد میں کمی اور جسم میں تبدیلی انیمیا کہلاتی ہے۔ مختلف محققین نے مختلف تعریف کی ہے پہلی Classic Fication جن کا انحصار RBC کی مارفالوجی پر ہے مندرجہ ذیل ہے۔

Microcytic Aaemia یا Megaloblastic

اس قسم کے انیمیا میں وٹامن بی یا فولک ایسڈ کی کمی ہو جاتی ہے۔

Hypochronic Microcytic Aaemia

اس قسم کے انیمیا میں بھی جسم کی کسی بھی خرابی کی بنا پر فولاد کی کمی واقع ہو جاتی ہے۔

Simple Microcytic Anaemia

اس قسم کے انیمیا میں کسی بھی وجہ سے جسم میں خون پیدا نہیں ہوتا۔

Pathogensis Anaemia

اس قسم کے انیمیا میں کسی بھی خرابی کی وجہ سے خوراک صحیح طور پر جز و بدن نہیں بن پاتے۔ ریڈ بلڈ سیلز ہماری ہڈیوں کے سرخ گودے (Red bone marrow) میں بنتے ہیں۔ بون میرو کو پوری خوراک میسر نہ ہونے کی وجہ سے وہ ناپختہ (Immature) رہ جانے کی وجہ سے خون میں شامل نہیں ہوتے اس طرح خون میں R.b.c کی کمی واقع ہو جانے سے انیمیا کی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔

Normocytic Anaemia

اس قسم کا انیمیا عام طور پر اچانک جسم سے بہت زیادہ مقدار میں خون کے ضائع ہونے سے پیدا ہوتا ہے۔

خون میں R.b.c کے خلاف (Anti bodies) کا بن جانا۔

فولاد کی کمی کا انیمیا

**Microcytie Anaemia of)
(Hypochronic**

اس قسم کے انیمیا میں فولاد کی کمی واقع ہو جاتی ہے جس کے نتیجہ میں R.b.c کی رنگت ہلکی پڑ جاتی ہے اور ان کا حجم کم ہو جاتا ہے اس قسم کے انیمیا میں دراصل ہیموگلوبن کی کمی واقع ہو جاتی ہے جس میں R.b.c کی کمی تو ہوتی ہے لیکن ہیموگلوبن کے حساب سے تناسب میں کمی واقع نہیں ہوتی۔ فولاد ہیموگلوبن کا اہم جزو ہے جو کہ غذا سے حاصل کرتے ہیں۔ خوراک میں فولاد کی کمی سے یہ حالت پیدا ہوتی ہے۔

علامات مرض

جلد' ہونٹ اور رطوبتی جھلیوں کا رنگ زردی مائل سفید ہو جاتا ہے۔ رنگت پھیکی پڑ جاتی ہے' آنکھوں کے گرد حلقے' زبان ہموار اس پر (Papilla) کے ابھار نہیں ہوتے۔ مسوڑھوں کی رنگت بھی پھیکی پڑ جاتی ہے۔ زبان کی سوزش ہو جاتی ہے' جسم کا درجہ حرارت نارمل سے کم ہو جاتا ہے۔ ہاتھ پاؤں سرد رہتے ہیں یا سن ہو جاتے ہیں' ناخن سفید اور خشک ہو جاتے ہیں۔ ٹیڑھے ہو جاتے ہیں' بچے کمزور پیدا ہوتے ہیں۔ ہاضمہ خراب ہو جاتا ہے' بھوک کم لگتی ہے' جوڑوں اور ہڈیوں میں درد' نبض باریک' کمزور ہوتی ہے۔ تھوڑی سی محنت سے تھکان ہو جاتی ہے' سانس پھول جاتا ہے' دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے۔

خواتین میں Mences (حیض) بند ہو جاتے ہیں یا آتے بھی ہیں تو پتلا اور پھیکا خون آتا ہے۔

کمی خون سے مریض پست ہمت ہو جاتا ہے اور اونچی آواز بھی برداشت نہیں کر سکتا۔

وٹامن بی 12 یا فولک ایسڈ کی کمی کا انیمیا

(Pernicious Anaemia)

Anaemia کی یہ قسم ایک سائنسدان

(Addison) نے دریافت کی اسی وجہ سے اس انیمیا کو (Addisons Anaemia) بھی کہتے ہیں۔

انیمیا کی اس قسم میں وٹامن بی 12 یا فولک ایسڈ کی کمی واقع ہوجاتی ہے جس کے نتیجہ میں خون کے سرخ جسیموں (R.b.c) کی شکل خراب ہوجاتی ہے اور وہ حجم میں نارمل سے بڑے ہوجاتے ہیں اور ناپختہ رہ جانے کی وجہ سے خون میں شامل نہیں ہوپاتے اس طرح جسم میں خون کی کمی واقع ہوجاتی ہے۔

وجوہات

(1) متوازن خوراک کا میسر نہ آنا خوراک میں وٹامن بی 12 کی کمی۔

(2) شراب خوری سے جگر متاثر ہوتا ہے۔

(3) (Interinsic Faetor) ہمارے معدہ کے اندرونی استر میں موجود غدودوں میں بنتا ہے اگر یہ موجود نہ ہو تو وٹامن بی 12 ہماری چھوٹی آنت سے خون میں جذب نہیں ہوپائے گا اس کی عدم موجودگی میں وٹامن بی 12 جسم میں جذب نہیں ہوسکتا' اس طرح انیمیا کی حالت پیدا ہوجاتی ہے۔

(4) حمل اور رضاعت میں جسمانی ضروریات بڑھ جانے سے۔

(5) خون کے مختلف امراض میں خون کے کینسر میں۔

(6) پیٹ میں کیڑوں کی موجودگی سے' نفسیاتی امراض میں۔

علاماتِ مرض

جلد' چہرہ اور تمام میوکس ممبرین (رطوبتی جھلیاں) اور آنکھیں زرد ہوں گی۔ بھوک کم لگتی ہے' نظام انہضام خراب ہوجاتی ہے' اسہال آتے ہیں وزن کم ہونے لگتا ہے۔ رقتِ تنفس ہوجاتا ہے' ہاتھ پاؤں ٹھنڈے اور ان میں سُن ہونے کا احساس ہوتا ہے۔ حافظہ کمزور ہوجاتا ہے' ڈپریشن ہوگا' بانجھ پن' بڑھاپے میں ہاضمہ خراب ہونے کی وجہ سے وٹامن بی 12 جذب نہیں ہوتا۔ سردرد' سر میں بھاری پن' تلی کے حجم میں اضافہ' اٹھنے پر آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا جاتا ہے۔ چکر آتے ہیں' کام کرنے کو دل نہیں چاہتا' خواتین میں بندش حیض ہوجاتا ہے۔

انیمیا کے اسباب

(1) تازہ ہوا کا میسر نہ آنا اور اندھیری جگہ میں رہنا۔

(2) خونی بواسیر کا ہونا یا خونی دست کا ہونا' خونی پیشاب یا خونی قے کا ہونا' نکسیر کی وجہ سے یا کسی چوٹ کی وجہ سے خون کا بکثرت ضائع ہوجانا۔

(3) پیچش' اسہال یا بخار کے مرض میں عرصہ تک مبتلا رہنا۔

(4) دماغی محنت کرنا لیکن کھلی ہوا میں ورزش نہ کرنا۔

(5) کسی پھوڑے یا زخم سے عرصہ تک خون یا پیپ کا خارج ہوتے رہنا۔

(6) بدہضمی یا دائمی قبض کا رہنا۔

(7) ناقص و ناکافی غذا کھانا۔

(8) سست و کاہل رہنا۔

(9) رنج و غم اور فکر و تردد میں رہنا۔

(10) پیٹ میں کیڑوں کا موجود رہنا۔

(11) ٹی بی یا امراض گردہ میں مبتلا رہنا۔

(12) خواتین کا کثرت حیض' وضع حمل کے بعد زیادہ خون کا خارج ہونا' عرصہ تک بچے کو دودھ پلانا۔

علاج

فیرم میٹلیکم:۔ فولاد انیمیا کی بالشل دوا ہے' خواہ کمی خون کی وجہ کوئی بھی ہو۔

پلسا ٹیلا:۔ جب مریضہ کا جسم خون کی کمی سے ٹوٹا ہوا ہو اور ٹھنڈ بھی محسوس کرتی ہو' نقص ہاضمہ اور حیض کی بے قاعدگی ہو۔

چائنا یا سنکونا:۔ رطوباتِ زندگی کے ضائع ہونے سے جب خون کی کمی ہوگئی ہو مثلاً عرصہ تک بچے کو دودھ پلاتے رہنا یا اخراج کی یا بکثرت حیض یا لگاتار اسہال کا آتے رہنا۔

نیٹرم میور:۔ مریضہ کی جلد گندی اور بے قاعدگی حیض کا عارضہ ہو۔

کمکیریا فاس:۔ کمی خون کی بہت اعلیٰ دوا ہے خاص کر نوجوان لڑکیوں میں جن کی جلد موم کی مانند' ہونٹ اور کان سفید' آنکھیں چمکدار' مریضہ کو خون حیض وقت سے پہلے آتا ہو۔

اس کے علاوہ کلکیریا کارب' ایلومینا' نیٹرم میور' سمکل کار جیسی دوائیں علامات کے مطابق دی جاسکتی ہیں۔

شوبز کی دنیا

انور مقصود "سیاچن" میں

ممتاز مزاح نگار انور مقصود کے تھیٹر پلے سیاچن کو آرٹس کونسل میں زبردست رسپانس ملا ہے۔ ڈرامہ دیکھنے والوں کا کہنا تھا کہ انور مقصود کے ڈراموں میں مزاح کے ساتھ ساتھ اصلاحی پہلو ہوتا ہے۔ سیاچن کے مکالمے سننے کے قابل ہیں۔ ڈرامے کے تمام اداکاروں نے بہت بہتر انداز میں اداکاری کی ہے۔ خاص کر آڈیٹوریم میں ڈرامے کا سیٹ سیاچن کی بھرپور عکاسی کررہا ہے۔

مذکورہ ڈرامے کے ہدایتکار دلاور محمود ہیں۔

ثوائے سرحدی آئٹم سانگ

بڑی اسکرین پر شہرت حاصل کرنے والی ٹی وی فنکارہ ثوائے سرحدی نے کہا ہے کہ اس وقت فلموں میں آئٹم سانگ نہایت ضروری ہیں ان سے فلم کی تشہیر میں کافی مدد ملتی ہے۔ میں نے دو فلموں میں کام کرکے اچھے تجربات حاصل کیے ہیں۔ اب فلم انڈسٹری کا اچھا دور آرہا ہے اور تین سال سے فلموں کی کامیابی اچھا شگون ہے۔ ہماری فلمیں بین الاقوامی فلم مارکیٹ میں بھی نمایاں بزنس لے رہی ہیں۔ (اس کو کہتے ہیں خوش فہمی) فلموں میں آئٹم سانگ آج کی ضرورت بن گیا ہے۔ ملکی فلمیں کس طرح بھی بھارتی فلموں سے کم نہیں اور ہمارے پڑھے لکھے اور باصلاحیت فلمساز و ہدایتکار جدید تکنیک پر فلمیں بنا رہے ہیں۔

فیض احمد فیض کے نواسے

ممتاز شاعر فیض احمد فیض کے نواسے اور شعیب ہاشمی، منیزہ ہاشمی کے صاحبزادے عدیل ہاشمی چھوٹی اور بڑی اسکرین پر اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا رہے ہیں انہوں نے حال ہی میں پاک بھارت تکنیک کاروں کی رومانی پروڈکشن فلم "بیچارا" میں اپنا کردار مکمل کرادیا ہے۔ اس فلم میں ٹی وی فنکارہ صنم سعید اور محب مرزا بھی اہم کردار ادا کررہے ہیں۔ فلم کے ہدایتکار ناصر ہیں۔ مذکورہ فلم رواں برس نمائش کے لیے پیش کی جائے گی۔ عدیل ہاشمی نے فلم بیچارا کی کہانی کو منفرد قرار دیتے ہوئے کہا کہ فلم بین طبقہ اسے ضرور پسند کرے گا۔ (فلم کی کہانی کیوں نہیں منفرد ہوگی اس میں آپ خود جو موجود ہیں) انہوں نے ملکی فلمی صنعت کی ترقی کو ایک سنگ میل قرار دیا۔ واضح رہے کہ فلم بیچارا کے حقوق کراچی، سندھ، بلوچستان ایوریڈی پکچرز نے حاصل کرلیے ہیں۔

کچھ اور بھی کرتے ہیں

فلم ٹی وی کے اداکار آصف رضا میر بھی فلمساز بن گئے ہیں۔ انہوں نے اپنی پروڈکشن کے بینر تلے دو فلمیں بنانے کا اعلان کیا ہے۔ دونوں فلمیں کراچی میں بنائی جائیں گی۔ اس کے لیے کہانیوں کا ہوم ورک مکمل ہوچکا ہے اور ان دونوں فلموں میں اداکارہ میرا کو مرکزی کردار کے لیے منتخب کرلیا گیا ہے۔

(ہمیں یہ ہی امید تھی) جلد ہی باقی کاسٹ اور فلموں کے ناموں کا فیصلہ کرلیا جائے گا۔

کمٹمنٹ فنکارہ عمائمہ ملک

ماڈل و فنکارہ عمائمہ ملک وہ پہلی کمٹمنٹ اداکارہ ثابت ہو رہی ہیں جنہوں نے بھارتی فلموں سے زیادہ اپنی ملکی فلموں کو ترجیح دی ہے۔ اس کی مثال اداکار ہدایت کار شان کی نئی فلم "ارتھ ٹو" ہے جس میں عمائمہ ملک مرکزی کردار ادا کررہی ہیں اور اس بارے میں عمائمہ نے خود کہا کہ میرے پاس بھارتی فلموں کی آفرز اور فلموں کی شوٹنگ بھی ہیں لیکن میں نے بھارتی فلم پروڈیوسرز پر یہ بات واضح کردی تھی کہ میں آج جس مقام پر ہوں (مقام سے مراد...... گھر) وہ میرا پروڈیوسروں سے کمٹمنٹ ہے یہی وجہ ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے عزت سے نوازا ہے اور میں ہمیشہ اپنے اس اصول پر کاربند رہوں گی۔ (دیکھتے ہیں ویسے شان کے ساتھ ہر کوئی پابند ضرور ہوتا ہے)

ممبئی

مقبول فنکار جوڑی علی حسن اور عرفان ملک نے کہا ہے کہ وہ مارچ یا اپریل میں ممبئی جائیں گے اور مختلف ٹی وی چینلو میں کام کریں گے۔ علی حسن اور عرفان ملک نے کہا کہ پاک بھارت میں فنکاروں کے تبادلے ضروری ہیں دونوں ممالک کے ثقافتی وفود کو بھی آنا جانا چاہیے اس سے دونوں ملکوں کے روابط پر مثبت اثرات مرتب ہوں گے۔ انہوں نے کہا کہ ایک فلم بجانا میں صرف مجھے کاسٹ کیا گیا لیکن میں نے محض اس لیے منع کردیا کہ اس میں عرفان ملک شامل نہیں تھے۔ انہوں نے کہا کہ ملک اور بیرون ملک ہم جہاں بھی جاتے ہیں ایک ساتھ مناسب معاوضے پر کام کرتے ہیں۔ (دوستی ہو تو ایسی)

پشتو فلموں کی ریکارڈ کامیابی

معروف اداکار، فلمساز، ہدایتکار عجب گل نے 2016ء کی آمد کو فلم انڈسٹری کے لیے نیک شگون قرار دیا ہے (آپ علم نجومی بھی رکھتے ہیں) اور گزرے ہوئے سال میں بے شمار پشتو اور اردو فلموں کی ریکارڈ کامیابی فلم انڈسٹری کے لیے خوش کن قرار دی ہے۔ اردو، پشتو اور پنجابی فلمیں انڈسٹری کا حصہ ہیں اور اس سال میری زیادہ توجہ ہدایتکاری پر مرکوز رہے گی انہوں نے اپنی آنے والی اردو فلم سلیوٹ کے کردار کو معرکتہ آلا را قرار دیتے ہوئے کہا کہ فلم بین میری یہ فلم دوسری فلموں کی طرح ضرور پسند کریں گے۔

پاکستانی فلم میں کام

اداکارہ سارہ لورین نے پاکستانی فلموں میں کام کرنے کی ہامی بھرلی ہے (اس لیے کہتے ہیں براوقت بتا کر نہیں آتا) اور وہ جلد اپنے وطن آکر اپنی فلموں کی شوٹنگ میں حصہ لیں گی۔ معلوم ہوا ہے کہ سارہ لورین نے پاکستانی فلموں کی بڑھتی ہوئی مانگ کے پیش نظر یہاں فلموں میں کام کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے اور حال ہی میں جن فلمسازوں ہدایتکاروں نے ان سے رابطہ کیا تھا سارہ لورین نے انہیں فلموں میں کام کرنے کا اشارہ دے دیا ہے۔ ان فلموں میں ایک فلم کی شوٹنگ کراچی اور رفاتا سمیت دبئی برطانیہ اور فرانس میں کی گئی۔ یہ بھی پتا چلا ہے کہ فلم میں ایک غیر ملکی اداکارہ پر آئٹم سانگ بھی فلمبند کرایا جائے گا۔ فلم کا نام اور دیگر کاسٹ کا اعلان جلد ہوگا۔

دورہ میرپور خاص

فلم ٹی وی کی اداکارہ بشریٰ انصاری ایک ٹی وی ڈرامے کی ریکارڈنگ کے لیے ایک ماہ کے لیے میرپور خاص چلی گئیں۔ بشریٰ انصاری نے کہا کہ اب ہماری فلمیں کامیابی کے مراحل سے گزر رہی ہیں اور نئے باصلاحیت ہدایتکاروں کی صلاحیتیں کھل کر سامنے آرہی ہیں اس ضمن میں انہوں نے ندیم بیگ، ہدایتکار ناصر خان کی فلموں کا تذکرہ کیا اور کہا کہ یہ لوگ معیاری کہانیوں اور عمدہ ڈائریکشن میں فلمیں تخلیق کررہے ہیں۔

ہومن جہاں

ہدایتکار عاصم رضا کی معرکتہ آلا را فلم "ہومن جہاں" کی کامیابی پر فلم کے مرکزی کرداروں ماہرہ خان، شہریار منور، عدیل حسین نے اظہار تشکر کیا ہے۔ ان فنکاروں نے کہا کہ فلم نے ہماری توقعات سے بڑھ کر کامیابی سمیٹی ہے۔ انہوں نے کہا کہ پورے ملکی سینماؤں خصوصاً کراچی کے تمام پلیکسز میں ریکارڈ توڑ بزنس سے ثابت ہوگیا کہ عوام دلچسپ فلمیں دیکھنے کے متمنی ہیں (مگر بنتی کب ہیں) اور ہمارے لیے خوشی کی بات یہ بھی ہے کہ نئے سال پر فلم کی کامیابی سے حوصلہ ملا ہے۔ (اور عوام کو) انہوں نے کہا کہ جلد ہی ہم اپنے دوسرے پروجیکٹ کا اعلان کریں گے۔ انہوں نے ملک بھر کے فلمبینوں کا شکریہ ادا کیا۔

فلمیں بنانے کا اعلان

اداکار، ہدایتکار یاسر نواز کی تینوں فلموں کے اسکرپٹ مکمل ہوگئے، ان فلموں میں کامیڈی اور رومانی فلمیں بنائی جائیں گی، ان فلموں کی کہانی معروف کہانی نویس خلیل الرحمان قمر نے تحریر کی ہیں۔ ان فلموں کے پروڈیوسرز حسن ضیاء اور ندا یاسر ہیں۔ واضح رہے کہ یاسر نواز اپنی زیر ہدایات بننے والی ڈرامہ سیریل "تم کون پیا" میں مصروف ہیں۔ اس ڈرامے میں عمران عباس اور عائزہ تیمور مرکزی کردار ادا کررہے ہیں۔ یاسر نواز ٹی وی سیریل مکمل کرنے کے بعد اپنی نئی فلموں کا آغاز کریں گے۔

بین الاقوامی سطح پر پاکستانی فلمیں

فلم ٹی وی کی فنکارہ مہوش حیات نے کہا ہے کہ پاکستانی فلموں کا معیار روز بروز بلند ہورہا ہے اور وہ دن دور نہیں جب بین الاقوامی سطح پر صرف پاکستانی فلموں کا ڈنکا بجے گا۔ یہ خوشی کی بات ہے کہ اب بھارتی اداکار پاکستانی فلموں میں کام کررہے ہیں۔ اوم پوری کو پاکستانی فلم "ایکٹران لاء" کی کہانی پسند آنا اس بات کا ثبوت ہے کہ ہماری فلموں کی کہانیاں معیاری ہوتی ہیں۔ (بھارتی اداکار پاکستان کے خلاف بننے والی فلموں میں ہی کام کرتے ہیں، مہوش)

"بینڈ تو اب بجے گا"

فلمساز سہیل کاشمیری اور ہدایتکار اقبال کاشمیری کی نئی فلم "بینڈ تو اب بجے گا" کی دوسرا اسپیل کی شوٹنگ ماہ فروری میں کراچی کے ایسٹرن اسٹوڈیو میں ہوگی۔ فلمساز سہیل کاشمیری نے اسٹوڈیو میں متیرا پر ایک گانا فلمبند کیا۔ انہوں نے بتایا کہ ساحل سمندر سمیت دیگر علاقوں میں شوٹنگ کی جائے گی جس میں متیرا، شمعون عباسی، ساجد حسن شریک ہوں گے۔ انہوں نے اس تاثر کی نفی کی کہ فلم کی کہانی کسی اور سے لکھوائی جارہی ہے۔ لوگ طرح طرح کی افواہیں پھیلا دیتے ہیں فلم کی کہانی اور مکالمے ناصر ادیب ہی تحریر کررہے ہیں۔ (او آپ خود کیا کررہے ہیں...... گانا فلمبند)

مولا جٹ ٹو

بھارت میں معروف پاکستانی اداکار فواد خان نے حالیہ دورہ پاکستان میں فلمساز، ہدایتکار اور عکاس بلال لاشاری کی فلم مولا جٹ 2 میں کام کرنے کی ہاں کردی، (آنچل مجھے مار) معلوم ہوا ہے کہ فواد خان جب ایک ایوارڈ تقریب میں شرکت کے لیے کراچی آئے تو یہاں انہوں نے مولا جٹ 2 میں کام کرنے کی حامی بھرلی اور اس فلم میں حمزہ علی عباسی کو ایک کردار کے لیے کاسٹ کیا گیا۔ نرم مزاج رکھنے والے ہیرو فواد خان "مولا جٹ" اور حمزہ علی عباسی "نوری نتھ" کا کردار ادا کریں گے۔ فلم کے مصنف ناصر ادیب ہیں جبکہ کاسٹ میں فواد خان، حمزہ علی عباسی، عدنان جعفر، صنم جنگ، شمعون عباسی مرکزی کردار ادا کریں گے۔ (مذاق) فلم کی شوٹنگ جلد شروع کی جائے گی۔

کویتا کی امریکہ سے واپسی

ماضی کی مقبول ہیروئن اور اداکارہ سنگیتا کی ہمشیرہ کویتا کے بارے میں اطلاع ملی ہے کہ وہ جلد امریکہ سے واپس پاکستان آرہی ہیں۔ انہیں سنگیتا نے اپنی نئی فلم میں ایک اہم کردار کے لیے کاسٹ کیا ہے۔ علاوہ ازیں سنگیتا نے اپنی فلم کے لیے مصنف پرویز کلیم کی خدمات بھی حاصل کرلی ہیں۔

بڑی اسکرین کی جانب راغب

ٹی وی ڈرامہ پروڈیوسر ذوالفقار شیخ اور ان کی اہلیہ تسمینہ شیخ پاکستان میں وسیع فلمسازی کا ارادہ رکھتے ہیں اور انہوں نے ایک بین الاقوامی طرز کی فلم بنانے کی منصوبہ بندی بھی کرلی ہے۔ وہ اس فلم کی شوٹنگ رواں سال جولائی میں اور اختتام اکتوبر میں کرنے کا پروگرام رکھتے ہیں۔ انہوں نے فلم کے ہیرو کے لیے عمران عباس کا انتخاب کرلیا فلم کی شوٹنگ پاکستان اور یورپ میں کی جائے گی۔ آج کل کہانی اور میوزک پر کام کیا جارہا ہے۔

معیاری ڈراموں کا دور ہے

کراچی اسٹیج پر ایک بار پھر رونقیں امنڈ آئی ہیں اور کئی ڈراموں کا آغاز ہونے والا ہے۔ معروف ڈرامہ ڈائریکٹر سید فرقان حیدر نے بھی دو ڈرامے کرنے کی نوید سنائی ہے۔ انہوں نے کراچی میں اسٹیج کو دوبارہ اپنے پیروں پر کھڑا کرنے کا عزم کیا ہے۔ کراچی میں معیاری اسٹیج ڈراموں کی ابتدا ہوچکی ہے اور ایک طویل عرصے بعد مزاحیہ اور اصلاحی ڈرامے پیش کیے جارہے ہیں۔

معاوضے بڑھا دینے سے ہدایتکار پریشان

2015ء میں اردو فلموں سے زیادہ کامیاب ہونے والی پشتو فلموں کے اداکاروں نے اپنے معاوضوں میں حیرت انگیز طور پر دو گنا اضافہ کردیا ہے جس کے باعث پشتو فلموں کے ہدایتکار پریشانی کا شکار ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ اداکاروں نے یہ اضافہ فلموں کے اسی فیصد تکمیل پا جانے کے بعد کیا اور انہوں نے اس ضمن میں فلمسازوں، ہدایتکاروں کو مطلع بھی کردیا اور فلموں کی شوٹنگ بھی موخر کردی ایک اطلاع کے مطابق اس وقت ارباز خان، شاہد خان سمیت دیگر پہلے ہی مہنگے اداکار تصور کیے جاتے ہیں اب اس رجحان کے بعد ہدایتکاروں نے اسٹیج کی فنکاراؤں کو فلموں کے لیے کاسٹ کرنا شروع کردیا ہے۔ (آخر کیا نا کرتے)

ٹوٹکے

خدیجہ احمد

لہسن

دنیا میں کوئی ایسا خطہ نہیں جہاں لہسن کا استعمال نہ ہوتا ہو۔ یہ ایک مشہور طبی نبات ہے اور یہ نبات کے اعتبار سے پیاز کا بھائی ہے۔

اور سب سے بہتر لہسن مصری لہسن ہے۔ لہسن اپنے بو کی وجہ سے ممیز ہے، جو اکثر لوگوں کو بھاتا نہیں ہے اس کے باوجود کہ اس میں طبی رموز پائے جاتے ہیں۔

لاطینی زبان میں ثوم کے معنی لاذع (سوزش) کے ہیں، قرآن کی زبان پاک میں اسے ثوم کہا جاتا ہے اور لغوی اعتبار سے ثوم (لہسن) ہی زیادہ صحیح ہے۔

قال تعالیٰ "اے موسیٰ! جب تم (تمہاری قوم) نے کہا کہ ہم ایک کھانے پر ہرگز صبر نہیں کرسکتے ہیں تو ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کیجیے کہ وہ ہمیں وہ چیزیں کھانے کے لیے دے جو زمین سے پیدا ہوتی ہیں مثلاً سبزی، ککڑی، لہسن، دال، پیاز وغیرہ۔ لہسن کھانے کے بعد اس کی بو کو ختم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے بعد سیب کھایا جائے اور یہ بھی جان لو کہ ثوم (لہسن) کو پکانا طبی فوائد کا خاتمہ کرتا ہے اور یہ (لہسن) قدیم خزانہ ہے جو اپنے اثر میں بہت ہی قوی ہے اس کے پتے کو مکمل خشک کرلیا جائے۔

شیخ الرئیس ابن سینا نے لہسن کے بارے میں کہا ہے کہ لہسن ملین ہے۔ یہ نفخ شکم کو بہت جلد تحلیل کردیتا ہے اور جلد کو زخم آلود کردیتا ہے لہسن کو جو کے پانی میں ڈال کر رکھنا پانی کے ذریعہ پیدا ہونے والی بیماریوں کو روک دیتا ہے۔

لہسن کی راکھ کو شہد کے ساتھ بہق پر لگانا فائدہ مند ہے اور لہسن داء الثعلب، عرق النساء میں فائدہ دیتا ہے اور اس کا پکانا اور بھوننا مسکن دندان ہے اور اس کو پکا کر (جوش دے کر) کلی کرنا فائدہ مند ہے۔ یہ حلق کو صاف کردیتا ہے اور لہسن مزمن کھانسی اور ٹھنڈ کی وجہ سے درد سینہ میں بھی نفع بخش ہے اور لہسن کے پتے کو شہد کے ساتھ پیس کر پینا اخراج بلغم میں مفید ہے۔ ثوم (لہسن) میں 49% پروٹین اور 25% روغن ہوتا ہے جو گندھک کی طرح اڑنے والا ہوتا ہے۔ گندھک کی طرح بھاپ بن کر اڑ جاتا ہے اس کے علاوہ اس میں نمک، طاقتور جنسی ہارمون پائے جاتے ہیں اس کے علاوہ لہسن مدر بول قاطع صفرا مدر حیض کے علاوہ اس میں جراثیم کو مارنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔

معدے کی صفائی

لہسن کا جوا ٹکڑا ٹکڑا کرکے نگلیں اور اس کے بعد ایک کپ پھلوں کا رس، شہد ڈال کر پئیں اسے روزانہ ایک ہفتہ تک استعمال کرائیں۔

کولسٹرول کو پگھلانا اور مانع انجماد و خون

اپنے کھانے میں روزانہ سلاد میں دو جوئے لہسن چھیل کر ڈالیں اور سلاد کے ساتھ لہسن کھانے میں باقاعدگی کریں تو خون میں کولسٹرول کی مقدار نہیں بڑھے گی اور لہسن بلند فشار خون کے لیے بھی موثر علاج ہے لیکن بلڈ پریشر نارمل ہونے کے بعد لہسن کا کھانا موقوف کردیں کیوں کہ متواتر استعمال پریشر کو کم کردے گا اور جب بی پی کم ہو تو لہسن کا استعمال نہیں کرنا چاہیے۔

جراثیمی بیماریوں کے لیے

روزانہ مسلسل ایک ہفتہ کھانا کھانے کے بعد لہسن کا ایک جو (ٹکڑا لیا ہوا) کھائیں۔ یہ Amoebiasis کو ختم کردے گا لیکن اس کے بعد ایک چمچ روغن زیتون ضرور پئیں۔

میعادی بخار

پانچ جوئے لہسن کے ٹکڑے کریں اور اسے گرم دودھ میں ڈالیں اور دودھ شہد سے میٹھا کریں اور سونے سے پہلے پئیں۔ روغن لہسن میں روغن زیتون ملا کر ریڑھ کی ہڈی اور اطراف میں مالش کریں اور صبح میں پانچ منٹ تک لہسن کی بھاپ لیں۔

جوڑوں کے درد کے لیے مستحکم علاج

لہسن کو چھیلنے کے بعد اس کو کچلیں اور ایک چمچہ میتھی (سفوف) اور لہسن ڈال کر کھرل کریں حتیٰ کہ تیل کی طرح ہوجائے پھر جوڑوں کے درد کے مقام پر پوٹلی بنا کر شام میں رکھیں (باندھیں) حتیٰ کہ صبح ہوجائے یہ عمل ایک بار یا دو بار کریں اس سے جوڑوں کا درد ختم ہوجائے گا۔

اعصابی درد کے لیے

لہسن کے جوئے ٹکڑے کرلیں اور گرم دودھ میں چند قطرے عنبر ڈالیں لہسن نگل کر دودھ پی لیں۔ یہ عمل روزانہ کریں یہ اعصاب کو مضبوطی دے گا اور مکمل سکون حاصل ہوگا۔

بہرہ پن کے لیے

سات جوئے لہسن پیس کر ہلکا گرم روغن زیتون میں ملائیں اور تھوڑا ٹھنڈا کرنے کے بعد سونے سے قبل ٹپکائیں اور کان کو روئی سے بند کردیں صبح تک اسی طرح رہنے دیں یہ عمل ایک دن ناغہ دے کر دہرائیں۔

انفلوائنزا / نزلہ، زکام

سات عدد لہسن کے جو میں سنگترہ اور لیموں کا رس ملا کر روزانہ چکھیں اور سونے سے قبل لہسن کو جوش دے کر بھاپ لیں ایک دو مرتبہ اس علاج کے بعد عجیب فائدہ ہوگا اور انفلوائنزا ختم ہوجائے گا۔

زکام

ہر وقت کھانے کے بعد ایک جو لہسن نگلیں اور لہسن کا عرق لیموں میں ملا کر چکھیں اور لہسن کا بھاپ لیں یہ عام سردی و زکام میں بے انتہا فائدہ مند ہے۔

کینسر کے لیے

لہسن بالائی کے ساتھ کھانا سرطان (کینسر) کے مخالف کام کرتا ہے اس لیے سرطان کے مریضوں کے لیے یہی مشورہ ہے کہ وہ اکثر لہسن اور گاجر باقاعدگی کے ساتھ کھائیں۔ عنقریب انہیں مثبت نتائج اور جلد شفاء رب العالمین کے رحمت و قوت سے حاصل ہوگی۔

کھانسی

ایک مٹھی کے برابر لہسن کو باریک کتریں اور اسے پانی میں ہلکا نمک ڈال کر ملائیں اور جوش دیں پھر بھاپ لیں جب تک پانی گرم رہے بیا اگرچہ صبح ہوجائے اور یہ عمل ہر شام (رات) میں ایک ہفتہ کریں۔

ہیضہ

سب سے پہلے کالرا (ہیضہ) پھیلنے کے وقت اللہ سے پناہ مانگیں اور ہر وقت کھانا کے بعد ایک چمچہ پسا ہوا لہسن شہد ملا کر کھائیں کیوں کہ یہ زیادہ قوی اور کامیاب فارمولا (ضابطہ) ہے اور یہ ہر متعدی وباء میں مفید ہے۔

کھجلی

پانچ لہسن کا اگلا حصہ لیں اور اس کو باریک باریک کاٹیں پھر اس کو چربی میں گھول لیں اور کھجلی کے مقام پر رات کو لگائیں اور صبح میں ہلکے گرم پانی سے دھولیں اور نہائیں یہ عمل متواتر سات دن روز کریں یہ عمل آپ کے پورے جسم کو صاف ستھرا رکھے گا۔

پتھری توڑنے کے لیے

لیموں کا رس، روغن زیتون اور سے کٹے ہوئے بقدونس ہر ایک ایک کپ اور کچلا ہوا لہسن نصف کپ لیں اور تمام کو اچھی طرح ملائیں اس آمیزش سے روزانہ ایک چمچہ سونے سے قبل ہمراہ آب لیں۔

عام طاقت کے لیے

لہسن کے تین دانے چھیل لیں، اس میں ٹماٹر کے تین دانے (بیج) ملائیں اور ہلکا نمک ملائیں اور کسی بھی وقت برف کے پانی کے ساتھ لیں یہ ذہانت اور جسمانی طاقت کے لیے مفید ہے۔